TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222751
UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ك - ٨٩١٥ ٤٣١٤ Accession No. ١٧٤٢٢

Author انشاء - انشاء الله خان

Title ١٨٢٤ء كلام انشاء

This book should be returned on or before the date last marked below.



کلامِ اِنشا

اِنشاء اللہ خاں "انشا" کے اُردو کلام

کا

مجموعہ

مرتبہ

مرزا محمد عسکری، بی۔ اے

و

محمد رفیع، فاضل دیوبند

۱۹۵۲

ہندستانی اکیڈیمی، اُتر پردیش، اِلہ آباد

کتب خانہ فاندرُوڈ[illegible] آباد دکن

قیمت :۔ دس روپے

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ راجِعُون

"کلامِ انشا" کے آخری اوراق چھپ رہے تھے اور اُمید کی جا رہی تھی کہ تھوڑے ہی دنوں میں کتاب چھپ کے تیار ہو جائے گی تو اُس کا پہلا نسخہ محترم مرتّب کتاب جناب مرزا محمد عسکری صاحب کی خدمت میں بھیجا جائے گا، جسے دیکھکر وہ بہت خوش ہوں گے، مگر اچانک خبر آئی کہ مرزا صاحب نے صرف دو تین روز کی ایک مختصر علالت کے بعد ۱۵ ستمبر کی رات کو اِس جہانِ فانی کو خیرباد کہا اور ایوانِ ادب میں اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے۔

مرحوم مرزا صاحب کی ولادت، جیسا کہ اُنھوں نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "من کیستم"، میں لکھا ہے، ۱۸۶۹ء میں ہوئی تھی۔ اِس حساب سے پورے بیاسی برس کی عمر پائی اور آخر وقت تک ادبی کام کا شوق برقرار رہا۔

اکیڈمی کی انتظامی مجلس کے ۳۰ ستمبر ۱۹۵۱ء کے جلسے میں مرزا صاحب کی وفات پر تمام اراکین نے رنج و غم کا اظہار کیا اور تعزیت کا رزولیوشن پاس کیا گیا۔

دیباچہ

ہندستانی اکیڈیمی کی انتظامی مجلس کی تجویز کے مطابق "انشا" کے اُردو کلام کی تہذیب و ترتیب کا کام میرے سپرد ہوا۔ اس کام کے لیے ضرورت تھی کہ پہلے اِنشا کے کلام کے قلمی اور مطبوعہ نسخے، جو بہت کم یاب ہیں، تلاش کیے جائیں تاکہ اُن کا باہم مقابلہ کرکے صحیح متن قائم کیا جا سکے۔ پھر جہاں ضروری ہو تشریحی حاشیے اِضافہ کیے جائیں۔ خود اکیڈیمی کے کتاب خانے میں صرف ایک قلمی نسخہ تھا اور وہ بھی اوّل آخر سے کسی قدر ناقص۔

محترمی ڈاکٹر عبدالستّار صاحب صدیقی نے بیش از بیش مدد فرما کر دو قدیم قلمی نسخے جامعۂ عثمانیہ، حیدرآباد دکن، کے کتاب خانے سے مستعار منگوا دیے اور ایک سب سے پرانا، مطبع دہلی اُردو اخبار کا چھپا ہوا نسخہ جناب قاضی عبدالودود صاحب بیرسٹرایٹ لا، پٹنہ کے ذاتی کتاب خانے سے۔ اِن نسخوں سے ایک طویل مدّت فائدہ اُٹھایا جا سکا اور متن کے درست کرنے میں قابل قدر مدد ملی، جس کے لیے جامعۂ عثمانیہ کے حُکّام اور جناب قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔ اِن کے علاوہ دو نول کشوری چھاپے کے نسخے پیش نظر رہے، ایک ۱۲۷۶ ہجری کا جو پبلک لائبریری الہ آباد کی عنایت سے بذریعہ مجتبیٰ پروفیسر محمد اجمل خاں ملا۔ دوسرا ۱۳۱۲ ہجری کا جس کے لیے ہم جناب ڈاکٹر محمد حفیظ سیّد صاحب کے شکر گذار ہیں۔ اس طرح کتاب کی اس نئی اشاعت "کلام اِنشا" کا متن تین قلمی اور تین چھپے ہوئے نسخوں سے ترتیب پایا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:-

۱۔ کلیاتِ انشا (قلمی) جامعۂ عثمانیہ، نشان ۴۶۸، جس کی کتابت صفر ۱۲۴۰ھ (مطابق ستمبر اکتوبر ۱۸۲۴ء) میں ہوئی تھی۔ یہ سب سے پرانا نسخہ ہے، اور صحت کے لحاظ

سے سب سے بہتر۔ کرم خوردہ ہونے کے باعث کہیں کہیں حرف ضائع ہو گئے ہیں مگر بیشتر پڑھ لیے جاتے ہیں۔

اِس میں پہلے اُردو کے پانچ قصیدے[1] پھر غزلیں اور اُن کے خاتمے پر یہ ترقیمہ ہے:۔

"تمت بالخیر دیوان میر انشاء اللہ خاں بتاریخ ۲ شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۴۰ ہجری بروز یکشنبہ تمت تمام شد"۔

اگلے صفحے پر "دیوان ریختی" شروع ہوتا ہے جس کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے:۔

"تمت تمام شد بتاریخ بیستم [کذا] ونہم شہر صفر المظفر سنہ ۱۲۴۰ ہجری بروز شنبہ کاتب الحروف میر ابوالقاسم طباطبائی"[2]

پھر کاتب نے نئے صفحے سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر ایک قصیدہ اُنچاس شعر کا درج کیا ہے:۔

زہے فتوح کہ کھولیں دلوں سے یار گرہ موافقت کی بہم دیں باختیار گرہ[3]

اس قصیدے کے ختم پر پھر "تمت تمام شد" لکھا ہے اور اس کے بعد انشا کی کچھ پہیلیاں درج ہیں۔

کتاب کی موجودہ اِشاعت کا متن اِسی نسخے پر قائم کیا گیا ہے اور آئندہ اوراق میں "ق" سے یہی نسخہ مراد ہے۔

۲۔ دیوان انشا (قلمی) جامعۂ عثمانیہ، نشان ۱۲۵، جس کی کتابت ۵ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ (مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۲۵ء) کو ختم ہوئی تھی اِس میں ریختی کا دیوان اور اور بھی بعض چیزیں نہیں ہیں۔ صحت کے لحاظ سے نسخہ کچھ اچھا نہیں غزلوں کے بعد آٹھ رباعیاں درج ہیں۔ ترقیمہ یہ ہے:۔

---

[1] پہلا قصیدہ اے خداوند سمہ و مہر و ثریا و شفق، دوسرا: گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباق آتش، تیسرا: فوج بشر میں تھے میاں آتش و باد و آب و خاک، چوتھا: جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت و نعم اور پانچواں: صبحدم میں نے جو لی بستر گل پر کروٹ۔

[2] ۲ صفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۸۲۴ء اور ۲۹ صفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۲۲ اکتوبر ۱۸۲۴ء

[3] یہ قصیدہ کسی اور نسخے میں نہیں ہے محترمی ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی سے معلوم ہوا کہ اِسے اِنشا کے کلام سے کچھ واسطہ نہیں یہ خواجہ احسن الدین بیان کا قصیدہ ہے جو نواب نظام علی خاں والی حیدر آباد کی سالگرہ کی تہنیت میں لکھا گیا تھا۔

"تمام شد دیوان انشا اللہ خاں بتاریخ پنجم شہر ذیحجہ بروز پنجشنبہ سنہ ۱۲۴۰ ہجری"۔ یہ نسخہ ق ۲ قرار دیا گیا ہے[۱]

مذکورۂ بالا دونوں نسخوں (ق اور ق ۲) میں ردیف ہی کی آخری ۵۶ غزلیں نہیں ہیں جو اور سب نسخوں میں موجود ہیں۔ بجائے اِن ۵۶ غزلوں کے ق، ق ۲ میں صرف ایک غزل ہے جو اور کہیں نہیں ملتی۔ اس لیے وہ غزل متنِ کتاب میں داخل کرنے کے بجائے یہاں نقل کی جاتی ہے:-

توڑے کرم حق نے غم و رنج کے مہرے ۵۱ اپنے ہی پڑے عقل کی شطرنج کے مُہرے
شطرنج یہیں باغ میں کھیلو تو بنالیں ۵۲ سیب و بہی و آلو و نارنج کے مُہرے
ہا[ی] مجھی کو دینے کو لوگوں کی طرف سے ۵۳ فرماشی آئے تھے شش و پنج کے مُہرے
پرشہ سے مری اُن کے رخوں کی یہ ہوئی شکل ۵۴ جوں فوج میں ہوں بادشہ رنج کے مُہرے
چستی [سے وہ] جاہل یہی کہتا تھا کہ "ہم سے" ۵۵ لشکر میں ہی بد [لے تو] شکر گنج کے مُہرے"۔

۵۶ بجتے ہر یہ اِنشا سے عبث بار اٹھیں
ٹوٹیں عُنق مرغ نوا سنج کے مُہرے

اختلافات۔ ۵۱ ق ۲: "اپنے پڑے ہی"۔ ۵۲ ق: "نہیں"۔ ق ۲: "کہیں" (بہتر: "یہیں")۔ ۵۳ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ق: "بار مجھی کو"۔ ۵۵ بھی ق ۲ میں نہیں۔ ق: "چستی" کے بعد جگہ خالی، پھر "بد" کے بعد۔ یہ خالی جگہیں قیاساً پُر کی گئی ہیں اور یہ اِضافے قلّابوں کے اندر رکھے گئے ہیں (جیسا کہ متنِ کتاب میں بھی حسبِ ضرورت عمل کیا گیا ہے)۔ ۵۶ ق ۲: "اِلاہا" (بجائے اِلٰہا)۔

۳۔ دیوان اِنشا (قلمی) ہندستانی اکیڈیمی (نشان $\frac{۱-۸۱۱}{۲۲۶}$)، جس کی کتابت ۱۱ مئی ۱۸۵۴ء (مطابق ۱۳ شعبان ۱۲۷۰ھ) کو ہوئی تھی، اس کا ابتدائی ورق اور

---

[۱] جامعۂ عثمانیہ کے اِن دونوں قلمی نسخوں پر نشان ۴۶۸ و ۱۲۵ ہیں۔ لیکن فہرستِ مخطوطاتِ جامعۂ عثمانیہ مرتبہ عبدالقادر سروری صاحب (ص ۱۴۴ - ۱۴۹) میں ان کی جگہ (۷ س ۹ اور ۷ س ۱۰) درج ہیں۔ غالباً کتاب خانے کی نئی تنظیم کے وقت مقرر کیے گئے ہوں گے مگر خود ان نسخوں پر نئے نشان نہیں ڈالے گئے۔ فہرست میں کتابت کی غلطیاں بہت ہیں۔ چنانچہ اِن نسخوں کی کتابت کے سنہ اکثر غلط ہو گئے ہیں۔

آخر کے کچھ اوراق نہیں ہیں، لیکن کاغذ مضبوط اور خط صاف ہے اور صحت میں "ق ۲" سے بہتر ہے۔

ابتدا میں چار قصیدے ہیں پہلا قصیدہ حمد میں:

اے خداوندِ سپہر و ثریا و شفق　　لمعۂ نور سے تیرے ہے جہاں کو رونق

اِس کے ابتدائی ۹ شعر نہیں ہیں۔ دوسرا قصیدہ منقبت حضرت علیؓ میں ہے:

گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباق آتش
منہ تو دیکھو کرے آ مجھے اِحراق آتش

تیسرا قصیدہ جارج سوم شاہ انگلستان کی مدح میں:

کھلیاں نور کی تیار کرائے بوے سمن　　کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن

اور چوتھا قصیدہ شاہزادہ سلیمان شکوہ کی مدح میں ہے:

صبحدم میں نے جو لی بسترِ گل پر کروٹ　　جنبشِ بادِ بہاری سے گئی نیند اُچٹ

اِن کے بعد غزلیں اور غزلوں کے بعد فردیات، رباعیات اُردو اور فارسی پھر مقطعات کے عنوان سے تاریخی قطعات درج ہیں، اُس کے بعد چیستاں اور پہیلیاں پھر مخمسات۔

مخمسات کے ختم پر یہ ترقیمہ ہے:۔

"تمت تمام شد دیوان تصنیف انشا اللہ خاں بتاریخ
یازدہم ماہ مئی سنہ ۱۸۵۴ عیسوی حسب الفرمائش صاحب
والا مناقب [ ] صاحب بہادر دام اقبالہ"

صاحب فرمائش کا نام دھو دیا گیا ہے مگر سیاق عبارت سے یقین ہوتا ہے کہ کسی انگریز عہدہ دار کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تھی۔

اس کے بعد مرزا قاسم جان مغل کی ہجو کے اشعار ہیں اور مچھّر کی ہجو اور مکھّی کی نامکمل ہجو ہے۔

ق ۳ سے یہ نسخہ مراد ہے۔

۴۔ کلیات انشا، جو مطبع دہلی اُردو اخبار میں ۴ رجب ۱۲۷۱ھ مطابق ۲۳ مارچ ۱۸۵۵ء "باہتمام بندہ محمد حسین پرنٹر و پبلشر" چھاپا گیا تھا۔ یہ کلام انشا کا سب سے پہلا مطبوعہ

نسخہ ہے۔ اِس کے سرورق کی عبارت یہ ہے:۔

کلیاتِ اِنشا اللہ خاں

بہ تصحیح تمام و تنقیح مالاکلام بہ عرق ریزی کارپردازانِ مطبع

در مطبع دہلی اُردو اخبار باہتمام بندہ محمد حسین طبع شد

اور خاتمے پر یہ عبارت ہے

الحمدللہ کہ این کلیات سید انشا اللہ خانِ مرحوم بتاریخ بست و سیوم ماہ مارچ سنہ ۱۸۵۵ء مطابق چہارم رجب المرجب سنہ ۱۲۷۱ ہجری در مطبع دہلی اردو اخبار باہتمام بندہ محمد حسین پرنٹر و پبلشر عفی عنہ

آئندہ اوراق میں یہ نسخہ "م" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

۵۔ کلیاتِ اِنشا، نول کشور لکھنؤ ۱۲۷۶ھ (مطابق ۶۰-۱۸۵۹ء) "م ۲" سے یہ نسخہ مراد ہے۔

۶۔ کلیاتِ اِنشا، نول کشور کان پور دسمبر ۱۸۹۴ء مطابق ۱۳۱۲ھ۔ یہ "م ۳" ہے۔

حسب ہدایت محترمی جناب ڈاکٹر عبدالستار صاحب صدیقی میں نے یہ اہتمام کیا کہ نسخوں میں جہاں اختلاف ہے، صحیح لفظ متن میں رکھا جائے اور قراءتیں بشرطیکہ وہ صریحاً ردی نہ ہوں حاشیے میں درج ہوں۔ قلمی نسخوں کے مقابلے سے بیشتر صحیح متن قرار پا گیا، لیکن کہیں کہیں ایسا بھی ہوا کہ کسی قلمی نسخے پر اطمینان نہیں ہوا اور مطبوعہ نسخہ بہتر تھا تو اسے اختیار کر لیا۔

اختلافِ نسخ کی صورت میں حتی الامکان قلمی نسخوں کو مقدم رکھا ہے۔ ہاں اگر معانی و مفاہیم کے اعتبار سے قلمی نسخوں میں سقم پایا گیا اور مطبوعہ نسخوں کی قرارت زیادہ قرین قیاس پائی گئی تو اُسے ترجیح دی گئی ہے لیکن حاشیے میں تفصیل و تشریح کر دی گئی ہے۔

جب مقابلہ ختم کے قریب تھا، معلوم ہوا کہ ملک کے مشہور ادیب جناب مرزا محمد عسکری

---

۵ "دہلی اُردو اخبار" کے مدیر اور مالک مولوی محمد باقر تھے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ یہ محمد حسین، جن کا نام کتاب کے سرورق اور خاتمے میں آیا ہے، مجھے نہیں مولوی محمد باقر کے بیٹے مولوی محمد حسین آزاد ہوں۔

صاحب لکھنوی بھی انشا کا اُردو کلیات ترتیب دے رہے ہیں، تو اکیڈیمی نے موصوف کا مسودہ بھی حاصل کر لیا۔ جناب مرزا صاحب نے کتاب کو بڑی خوش اسلوبی سے ترتیب دیا ہے اور انشا کے حالات اور کلام پر ایک نہایت عمدہ مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ چھاپے کے نسخوں کی غلطیوں کی اصلاح کر کے جا بجا تشریحی حاشیے تحریر کر دیے ہیں۔ ہر صنف کلام کے آغاز میں، تمہیدی عبارت بھی لکھی ہے۔ یہ سب چیزیں اپنی اپنی جگہ کتاب میں درج ہیں۔

جناب مرزا صاحب کا مسودہ وصول ہونے پر پھر ایک بار کتاب کے متن کی تنقیح ضروری سمجھی گئی۔ اِس سلسلے میں محترمی ڈاکٹر صدیقی صاحب نے بھی اپنا قیمتی وقت صرف کیا، بعض قراءتوں اور حاشیوں کے متعلق مرزا محمد عسکری صاحب سے خط کتابت کر کے اُن کا تصفیہ کیا اور چند مفید حواشی خود سپرد قلم فرمائے، جن کے آخر میں "ع ص" لکھ دیا گیا ہے، تاکہ اور حاشیوں سے ممتاز رہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب کی تصحیح اور بعض مقامات کی تشریح کے متعلق بہت مفید مشورے دیے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب موصوف رہنمائی نہ فرماتے تو یہ کام میرے بس کا نہ تھا۔

محمد رفیع
لٹریری اسسٹنٹ

ہندستانی اکیڈیمی
دسمبر ۱۹۵۱ء

فہرست کلام انشا

صفحہ

۱۔ غزلیات ۱

۲۔ رُباعیات ۲۸۱

۳۔ قصائد ۲۸۹

۴۔ کلام غیر منقوط ۳۳۲

(ا) غزلیات ۳۳۳

(ب) رُباعیات ۳۴۱

(ج) مخمّس ۳۴۱

(د) نثر ۳۴۲

۵۔ مثنویات ۳۴۴

۶۔ متفرقات ۳۷۵

(ا) مخمسات ۳۷۵

(ب) قطعات ۳۸۶

(ج) افراد ۳۹۰

۷۔ پہیلیاں ۳۹۱

۸۔ دیوان ریختی ۳۹۴

(ا) غزلیات ۳۹۶

(ب) رُباعیاں ۴۴۱

(ج) قطعے ۴۴۲

(د) مستزاد ۴۴۶

(ہ) مستزاد خماسی ۴۴۸

مقدمہ

بزرگوں کا اصلی وطن

اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ انشا کے بزرگ ہندوستان میں نجف اشرف سے آئے تھے مگر بعض کا قول ہے کہ خطۂ کشمیر کے سادات صحیح النسب سے ہیں اور وہاں کسی زمانے میں سمرقند سے آئے تھے۔ (آبحیات) سید انشا کے دادا شاہ نور اللہ (یا سید نور اللہ) ہندوستان ہی میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک تارک الدنیا بزرگ تھے مگر انھوں نے اپنے بیٹے میر ماشاء اللہ خاں کو بہت اچھی تعلیم دی تھی۔

میر ماشاء اللہ خاں

میر ماشاء اللہ خاں (انشا کے پدر بزرگوار) بڑے زبردست طبیب تھے اہل تذکرہ اُن کے کمال طب کی گواہی دیتے اور اُن کی قابلیت علمی کے معترف ہیں۔ شاعر بھی تھے اور مصدر تخلص کرتے تھے اُن کے دو شعر تذکروں میں ملتے ہیں ؎

خدا کرے کہ مرا مجھ سے مہرباں نہ پھرے — جہاں پھرے تو پھرے پر وہ جانِ جاں نہ پھرے

کافر ہو سوا تیرے کرے چاہ کسی کی — صورت نہ دکھائے مجھے اللہ کسی کی

بدیہہ گوئی میں مشہور تھے اور شاعری کے علاوہ اخلاق، مروت اور سخاوت میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ دلیر اور شجاع آدمی تھے۔ مشہور ہے کہ اتنے معرکوں میں شرکت کی تھی کہ تمام بدن پر زخموں کے نشان باقی تھے بموجب پیشۂ خاندانی کے میر ماشاء اللہ خاں دربار شاہی میں طبیب اور زمرۂ امرا میں داخل تھے۔ "دلی میں امیر الامرا نواب ذوالفقار خاں کے زمانے میں آئے تھے اس وقت سامان امارت کے علاوہ دو ہاتھی بھی اُن کے ساتھ تھے۔" (آبحیات) دلی کی تباہی کے بعد دربار مرشد آباد میں گئے، جہاں وہ نواب سراج الدولہ کی رفاقت میں تھے اور اٹھارہ ہاتھی دروازے پر جھومتے تھے۔" (آبحیات) سید انشا کی ولادت اسی زمانے

میں مرشد آباد ہی میں ہوئی۔ "مبتلا" اپنے تذکرہ "گلشن سخن" میں انشا کے بیان میں لکھتے ہیں: "راقم حروف دیر اور صغر سن ہنگام دولت میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود با والد الیشان آشنا بود"۔ الحاصل میر ماشاء اللہ خاں نے مرشد آباد میں بحیثیت طبیب و امیر بڑی شہرت پائی تھی اور بڑے بڑے معرکے کے علاج کیے تھے جیسا کہ ایک تذکرے میں ہے کہ "در بنگالہ علاجہائے نمایاں از و بظہور رسیدہ" قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باپ بیٹے مرشد آباد میں عالی جاہ میر قاسم علی خاں کے زمانے تک رہے۔

انشا کا مقام ولادت

انشا کا صحیح سنہ ولادت معلوم نہیں مگر وہ اپنے والد کے قیام مرشد آباد کے زمانے میں نواب سراج الدولہ کے عہد میں پیدا ہوئے اور میر جعفر کے زمانے میں بچہ تھے۔ اُس وقت میر ماشاء اللہ کے اقبال کا چمن لہلہا رہا تھا، ترقی و شادابی کی خوشحالی اپنے عروج پر تھی۔ حکیم صاحب کی اُمید مستقبل نے اِس نونہال کو دیکھ کر خوشی کے شادیانے بجائے اور تمناؤں نے مسرت کے ترانے سنائے۔ باپ نے بطور تفاؤل کے یا اپنے نام کی مناسبت سے خاندانی ناموں کے وزن پر انشاء اللہ خاں نام رکھا۔ ذرا ہوش سنبھالتے ہی بڑی دھوم سے بسم اللہ ہوئی اور یہ ہونہار بچہ اپنے باپ کے ظلِ عاطفت میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرنے لگا۔

بچپن کی طبّاعی و جودت

آزاد اِن کی جودت طبع کے متعلق لکھتے ہیں کہ "ایسا طبّاع اور عالی دماغ آدمی ہندوستان میں کم پیدا ہوا ہوگا"[1] وہ اگر کسی ایک فن کی طرف متوجہ ہوتے تو اُس فن میں وحید عصر گنے جاتے اُن کی طباعی و ذہانت کا یہ حال تھا کہ کسی ایک صورت اور ایک حالت پر اُن کو قرار نہ تھا جو ماحول ہوتا تھا یا جس چیز کو اُن کا جی چاہتا تھا وہ اُن کے دماغ سے فوراً آموجود ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں اس قدر تنوع ہے اور اتنے رنگ بھرے ہیں، اور اِس قدر خوبصورتی سے ہر رنگ کو برتا ہے کہ کسی

---

[1] آزاد نے انشا کی قدرتی تیزی و طراری کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے جو سننے کے قابل ہے لکھتے ہیں کہ انشا لڑکپن میں طالب علمی کرتے تھے مگر ساتھ ہی گانے کا بھی شوق تھا "کافیہ" حفظ کرتے تھے اور ستار بجاتے جاتے تھے۔ اکلہ لفظ کلہ لفظ۔ وضع لمعنی مفرداً دِدُ۔ مفرداً دِدُ۔

شاعر کو یہ بات نصیب نہیں چونکہ اُن کے مزاج میں بچپن ہی سے خودرَوی اور آزادی تھی اس وجہ سے اپنے آبائی پیشۂ طبابت کی طرف متوجہ نہ ہوئے بلکہ اس چیز کو اختیار کیا جس میں اُن کی خداداد قوتوں کے اظہار کا سب سے زیادہ موقع تھا یعنی شاعری، اور اس فن میں بھی اپنا طریقہ سب سے الگ رکھا۔

عربی و فارسی پر عبور زبان عربی و فارسی پر اُن کے عبور سے ثابت ہوتا ہے کہ مروّجہ درسِ نظامی اُنھوں نے پورا پڑھا ہوگا، پڑھنا درکنار، یہ فلسفہ اور حکمت کی کتابیں شاگردوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ ایک شعر میں اپنے مذاقیہ انداز میں کہتے ہیں ؎

انسا کہاں میاں بڑے پھاجل جہین ہیں (انشاء اللہ خاں فاضل ذہین) صدرا پڑھے ہیں جن سے تی طالبِ علم سے طالب علم آئے کے

یہ فلسفہ اور حکمت کا شوق ہی تھا جو باوجود اپنے خاص مذاقیہ رنگ کے بھی صدہا شعروں میں اُن کو مجبور کرتا ہے کہ وہ علمیہ مضامین کو خوبصورت طریقوں سے ظاہر کریں۔ اُن کی غزلیں کی غزلیں ایسے ہی بلند مضامین سے بھری پڑی ہیں مگر ایک یا دو فلسفیانہ شعر کے بعد دو چار تبسم انگیز اشعار بھی ضرور ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر آپ پھڑک جاتے ہیں۔

شاگردی انشا کی شاگردی کے متعلق تذکرہ نویسوں میں اختلاف ہے حقیقت یہ ہے کہ انشا بچپن ہی سے نہایت ذکی و ذہین تھے اور ملکۂ شاعری خداداد رکھتے تھے غالب کی طرح اِن کو بھی کسی ظاہری اُستاد کی چنداں ضرورت نہ تھی فطرت خود بہت بڑی اُستاد تھی۔ مگر پھر بھی صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ رسمی طور سے اِنھوں نے اپنا کلام اپنے والد ہی کو دکھایا ہوگا اور اُنھوں نے بھی بوجہ ذاتی شوق ہونے کے اِن کو شاعری سے روکا نہ ہوگا بلکہ کلام پر اصلاح دی ہوگی۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ انشا کی شاعری کی ابتدا ملک بنگال سے ہوئی جہاں بچپن میں سیکڑوں شعر کہے ہوں گے یہ ان کی صلاحیتِ مزاج کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اُن کے کسی شعر سے یہ پتا نہیں چلتا کہ یہ دلّی یا لکھنؤ کی بہترین اور بامحاورہ زبان نہیں ہے۔ نسّاخ نے اپنے تذکرہ "سخنِ شعرا" میں ایک سُنی سُنائی بات لکھ دی کہ ابتدا میں اِنھوں نے مصحفی سے اصلاح لی تھی اور پھر منحرف ہوکر اُن کی ہجویں کہیں۔ ہم کو تعجب

معلوم ہوتا ہے کہ مولوی عبدالغفور انشاؔ جو خود فرید پور بنگال کے رہنے والے تھے انشاؔ کی اُستادی کا سہرا بجائے خود اُن کے والد یا کسی اور مرشد آبادی شاعر کے مصحفی کے سر باندھتے ہیں جن کو نہ تو کوئی تعلق بنگال سے تھا اور نہ انشاؔ کے بچپن کے آشناؤں میں تھے، کہ اس صورت میں اُستادی کا گمان بھی ہو سکتا تھا۔ بعض لوگ میر سوزؔ کو انشاؔ کا اُستاد ٹھہراتے ہیں غالباً اس وجہ سے کہ اِن کا اور اُن کا رنگ ملتا جلتا ہے مگر آگے چل کر انشاؔ نے اپنے زمانے کے قریب قریب ہر شخص کے رنگ میں کہا ہے لہٰذا وہ تمام آدمی تو اُن کے اُستاد ہو نہیں سکتے۔

سید انشاؔ نواب شجاع الدولہ کے دربار میں

(عالی جاہ نواب میر قاسم علی خاں کا زمانہ مرشد آباد کے تنزل کا زمانہ تھا اور اِس طرف فیض آباد زیرِ حکومت شجاع الدولہ عروج پر تھا لہٰذا یہ دونوں باپ بیٹے مرشد آباد سے شجاع الدولہ کے دربار میں پہونچے اور یہ دونوں اسی دربار دُربار سے وابستہ ہو گئے)

"در عالمِ تنزّل کہ عہد نواب قاسم علی خاں بود پیش نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ مرحوم آمد۔" (تذکرہ مخزن الغرائب) (اس وقت انشاؔ کی عمر سولہ برس کی تھی اور وہ آداب دربار وغیرہ سے بخوبی واقف تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے والد کے ساتھ خدمات لائقہ پر ممتاز رہے مگر شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد جب فیض آباد کا دربار درہم برہم ہو گیا تو میر ماشاء اللہ خاں بد دل ہو کر فیض آباد چھوڑنے پر آمادہ ہوئے اور دونوں باپ بیٹے گھومتے گھماتے دلی پہنچے

"بعد چندے کہ نواب وزیر موصوف قضا کرد در دربارِ آصف الدولہ مجلس ارادل شد خان مزبور (یعنی سید انشاؔ) چندے بہ لشکر نواب ذوالفقار الدولہ میرزا نجف خاں مرحوم و مدتے در بندیل کھنڈ و بعد چند روز باز ہم پایہ بدر بہ دہلی رفتہ۔"
(مخزن الغرائب)

سید انشاؔ شاہ عالم کے دربار میں

اِس وقت دلی کا دربار لٹا پٹا تھا (ایک ٹوٹی پھوٹی درگاہ اور سجادہ نشین اُس کے شاہ عالم بادشاہ[1] تھے (آبجاؔ)

---

[1] شاہ عالم کا تخلص آفتاب تھا اکثر تذکروں میں ان کا کلام ملتا ہے۔ مشہور رباعی انھیں کی طرف منسوب ہے ؎

صبح تو عام سے گذرتی ہے — شب دل آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گذرتی ہے

بادشاہ خود بھی بہت اچھے شاعر اور شاعروں کے قدر دان تھے۔ اسی نسبت سے سید انشا بھی اہل دربار میں داخل ہوئے اور چونکہ اُن کے کلام میں ایک خاص طرح کی شوخی اور چمک تھی وہ گل افشانی کر کے محفل کو لٹا لٹا دیتے تھے اور یہ عالم ہوا کہ شاہ عالم کو ایک دم اُن کی جدائی ناگوار تھی۔" (آبحیات)

دلّی میں معرکے ہر چند کہ اس وقت دلّی کی ملکی و انتظامی حالت بہت خراب ہو چکی تھی مگر ادبی حالت بہت درست تھی میر و سودا گو کہ چلے آئے تھے۔ پھر بھی خواجہ میر درد حکیم ثناء اللہ خاں فراق، حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، شاہ ہدایت میاں سکیا، مرزا عظیم بیگ عظیم شاگرد سودا، میر قمر الدین منت، شیخ ولی اللہ محب وغیرہ بڑے بڑے سخنور اور سخن فہم دلی میں موجود تھے۔ اور ظاہر ہے کہ جہاں ایسے چوٹی کے شاعر جمع ہوں وہاں زبردست مشاعرے اور معرکے کیوں نہ ہوتے ہوں گے۔ انشا اسی مجمع شعرا میں بادشاہ کے ظلِ عاطفت میں داخل ہو گئے اور گو کہ یہ سب لوگ بڑے بڑے مشاق اور اپنے فن میں طاق تھے مگر "انشا کی طبیعت کی شوخی زبان کی طراری، تراشوں کی نئی پھبن، ایجادوں کا بانکپن وہ کہاں سے لاتے" (آبحیات) انھیں وجوہ سے ان کہنہ مشق بڈھوں اور چلبلی طبیعت کے نوجوان انشا سے بنی نہیں۔ یہ لوگ یا تو تعریف کے موقع پر انشا کے اشعار پر سر تک نہ ہلاتے یا مذاق آمیز الفاظ سے تعریف و تحسین کرتے جو ہمارے نوجوان شاعر کی نازک طبیعت پر سخت گراں گزرتا تھا۔)

یوں تو انشا کی طبیعت داری، چلبلے پن اور چھیڑ چھیڑ کر لڑنے کی عادت سے خیال ہوتا ہے کہ دلّی میں جہاں صدہا کہنہ مشق شاعروں کا مجمع تھا بہت سے ادبی مناقشے ہوئے ہوں گے مگر بطور اختصار کے یہاں ہم صرف ایک معرکہ پر اکتفا کرتے ہیں جس کا ذکر تذکروں میں بھی ہے یعنی مرزا عظیم بیگ کے ساتھ جو معرکہ پیش آیا۔ مرزا عظیم بیگ عظیم تخلص ایک کہنہ مشق، وضع دار سن رسیدہ شاعر تھے، سودا کے شاگرد تھے مگر (بعض لوگوں نے اُن کو شاہ حاتم اور خواجہ میر درد کا بھی شاگرد بتایا ہے) پرانی وضع کے آدمی تھے، پڑھے لکھے تو معمولی طور پر تھے مگر مزاج میں خودسری اور خود پسندی بہت تھی۔ اپنے آگے کسی دوسرے شاعر کی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ اُن سے اور حکیم میر ما شاء اللہ خاں سے ملاقات تھی۔ ایک دن اُن کے پاس آئے اور ایک

غزل سنائی جو بحر رجز میں تھی مگر بعض اشعار ناواقفیت کی وجہ سے بحر رمل میں بھی کہہ گئے تھے۔ جب یہ غزل سُنی گئی تو حکیم صاحب نے ظاہری طور پر بہت تعریف کی مگر انشا تاڑ گئے کہ یہ کچھ اونہیں سے ہیں اور یہ موقع ان کو بنانے اور ذلیل کرنے کا بہت اچھا ہے۔ خوب تعریف و تحسین کی اور باصرار کہا کہ اِس غزل کو مشاعرے میں ضرور سنائیے گا۔

مرزا عظیم بیگ کا معرکہ

اُس زمانے میں دلّی میں ایک مشاعرہ مرزا مینڈو کے گھر پر ہوتا تھا جو نواب شجاع الدولہ کے بیٹے تھے اور کسی وجہ سے دلّی چلے گئے تھے۔ بڑے صاحب اخلاق اور ذی مروت آدمی تھے اُمیر تخلص کرتے تھے غرضکہ یہ مشاعرہ اُنھیں کے یہاں تھا جس میں بڑے بڑے شعرا کے علاوہ عظیم اور انشا بھی موجود تھے عظیم نے اپنی وہی غزل پڑھی۔ سیّد انشا نے تقطیع کی جو فرمائش کی تو وہ بے چارے دم بخود ہو گئے۔ انشا نے اُسی وقت ایک مخمس کہہ ڈالا اور لوگوں کو سُنایا جس کا صرف ایک بند آب حیات میں ملتا ہے وہ یہ ہے ؎

گر تو مشاعرے میں صبا آج کل چلے — کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
اتنا بھی اپنی حد سے نہ باہر نکل چلے — پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے

افسوس ہے کہ اس مخمس کے اور بند نہیں ملتے مگر اسی زمین میں مرزا عظیم بیگ نے جو گھر جاکر اپنے دل کا بخار نکالا۔ اس کے سات بند آب حیات میں موجود ہیں۔ اور دو بند ایک اور تذکرہ سے یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ آب حیات کے سات بندوں سے پانچ بند بطور نمونے کے دیئے جاتے ہیں ؎

وہ فاضل زمانہ ہوتم جامع علوم — تحصیل صرف و نحو سے جن کی مچی ہے دھوم
رمل و ریاضی حکمت و ہیئت جفر نجوم — منطق بیاں، معانی کہیں سب زمیں کو چوم
تیری زباں کے آگے نہ دمبقاں کا ہل چلے

اک دو غزل کے کہنے سے بن بیٹھے ایسے طاق — دیوان شاعروں کے نظر سے رہے بطاق
ناصر علی نظیری کی طاقت ہوئی ہے طاق — ہر چند ابھی نہ آئی ہے فہمید جفت و طاق

ٹنگڑی تلے سے عرفی و قدسی نکل چلے

تھا زورِ فکر میں کہ کہوں معنی و مثال — تجنیس وہم رعایت لفظی و ہم خیال
فرقِ رجز، رمل نہ لیا میں نے گو سنبھال — نادانی کا مری نہ ہو دانا کو احتمال
گو تم بقدرِ فکر یہی کر حمل چلے

موزونی و معانی میں پایا نہ تم نے فرق — تبدیلِ بحر سے ہوئے بحرِ خوشی میں غرق
روشن ہے مثلِ مہر یہ از غرب تا بہ شرق — شہزور اپنے زور میں گرتا ہے مثلِ برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنے کے بل چلے

کیوں جنگ گفتگو کو تم اُٹھ دوڑے اس قماش — کرتے جو بھاری پائچہ ہوتا نہ پردہ فاش
پھر سمجھیں کب یہ بات جو کُندے ہوں ناتراش — تیغِ زباں کو میان میں رکھتے تم اپنی کاش
ناحق جو تم ازار سے باہر نکل چلے

باقی دو بند یہ ہیں ؎

ہے امتحانِ زور تو یہ پیشِ عقل مند — میرے سے تم قصیدے کہو یا کہ قطعہ بند
گو ہجو میری اُس میں ہو لیکن ہو دل پسند — یہ بات ہے زباں کہ دروازہ کر کے بند
دشنام دینے گھر میں محل بے محل چلے

میرا سا شعر کب ہے پڑھے گو کہ نحو و صرف — ہوئے بیاں معانی سے میرا بیاں نہ حرف
منطق سے کیا ہو نطق کا پایہ نہ ہو جو ظرف — منقول کی بھی عمر کی معقول ہے نہ صرف (؟)
ہیئت پڑھے سے اور ہی ہیئت بدل چلے

غرضکہ یہ مشاعرہ مرزا عظیم بیگ کی شکست اور انشا کی فتح پر ختم ہوا۔ اور بقول مصنف آبِ حیات "اب انشا کے طائرِ فخر کی بلند پروازی اور زیادہ ہوئی۔ ہر غزل میں مضامین فخریہ کا جوش ہونے لگا یہاں تک کہا کہ میرا اور ان لوگوں کا کلام ایسا ہے جیسے کلامِ الٰہی اور مُسیلمہ کذّاب کا "الفیل مالفیل"۔ اس کے بعد جو مشاعرہ انھیں مرزا مینڈو کے یہاں ہوا اُس میں سب شاعر کمریں باندھ باندھ کر آئے، یعنی لڑنے مرنے کو تیار تھے۔ آزاد کہتے ہیں کہ "یہ مشاعرہ ایک خطرناک معرکہ تھا۔ حریفوں نے تیغ و تفنگ اور اسلحہ جنگ سنبھالے تھے۔ بھائی بند

اور دوستوں کو ساتھ لیا تھا۔ بعض کو اِدھر اُدھر لگا رکھا تھا اور بزرگان دین کی نیازیں مان مان کر مشاعرے میں گئے تھے" (آبحیات) مرزا عظیم بیگ نے جو یہ رنگ دیکھا تو صرف ایک بند پر کفایت کی اور کہا کہ مَیں نے اپنے اُستاد کے ایک شعر پر قناعت کی ہے جو ابھی تضمین ہو گیا۔

وہ بند ملاحظہ ہو ؎

عظیم اب گو ہمیشہ سے ہے یہ شعر کہنا شعار اپنا — طرف ہر اک سے ہو بحث کرنا نہیں ہے کچھ افتخار اپنا
کہیں سکھن باز کھنڈ گویوں میں ہو نہ ہو اعتبار اپنا — جنھوں کی نظروں میں ہم سبک ہیں دیا اُنھیں کو وقار اپنا
عجب طرح کی ہوئی فراغت گدھوں پہ ڈالا جو بار اپنا

انشا نے بھی اپنی وہ معرکۃ الآرا غزل پڑھی، جس کا مطلع ہے ؎

اک طفلِ دبستاں ہے خلاطوں مرے آگے — کیا مُنہ ہے ارسطو جو کرے چوں مرے آگے

اس کے بعد حکیم میر قدرت اللہ خاں قاسم کے آگے جو شمع آئی تو اُنھوں نے کہا کہ سیّد صاحب ذرا اِس "الفیل ما الفیل" کو بھی ملاحظہ فرمایئے۔ اِس سے لوگوں کو خیال ہوا کہ شاید سخت ہجو ہو گی بے لطفی سے ڈرے اور میر مشاعرہ نے بڑھ کر دونوں آدمیوں کو گلے ملوا دیا۔ غرضکہ صلح پر خاتمہ ہوا۔

بیکس عظیم آبادی سے چھیڑ چھاڑ

قیاس کہتا ہے کہ انشا کو روزانہ اس قسم کے جھگڑوں بکھیڑوں سے کام پڑتا ہو گا یہ بات کچھ دلی ہی کے لئے مخصوص نہ تھی بلکہ جب وہ اپنے والد کے ساتھ مرشد آباد میں تھے وہاں بھی ایسے معاملات پیش آچکے تھے۔ چنانچہ مرزا محمد متخلص بہ بیکس ایک عظیم آباد کے رہنے والے شاعر تھے۔ ان سے اور اِنشا سے نہ معلوم کب اور کس بات پر چل گئی تھی۔ وہ قصّہ تو معلوم نہیں مگر بیکس نے جو اُن کی ہجو میں ایک رُباعی کہی تھی وہ اب تک تذکروں میں موجود ہے۔ تعجب اور افسوس ہے کہ انشا کی طرف سے جو چھیڑ ہوئی ہو گی اُس کا ذکر کسی تذکرے میں نہیں ہے۔ بیکس کی رُباعی یہ ہے ؎

ظاہر میں تو ایسے ہیں کہ ماشاء اللہ — سب کہتے ہیں زیادہ ہوں گے اِنشاء اللہ
باطن میں جو دیکھا اِنھیں اِتنے ہیں پوچ — لاحولَ وَلا قُوَّۃَ اِلّا بِاللہ

حکیم ماشاء اللہ خاں کا انتقال انشا دلّی ہی میں تھے اور اُن کے یہاں رہنے کی مدّت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ وہ سب واقعات دستیاب ہوتے ہیں جو یہاں رہنے کی مدّت میں پیش آئے ہوں گے۔ مگر جب سلطنت کو زیادہ تنزل ہوا اور بادشاہ فقط بادشاہ شطرنج ہو کر رہ گئے تو انشا اپنے والد کے ساتھ دلّی سے دل برداشتہ ہو کر فرخ آباد چلے گئے اور وہیں اقامت گزیں ہو گئے۔ اب وہ اُن کی خاندانی امارت اور اگلی حشمت ختم ہو چکی تھی۔ صرف نواب مظفر جنگ بقدر ما یحتاج اُن کی مدد کرتے تھے یا اُن کے کمال طبی سے شاید کچھ مل جاتا ہو اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہ تھی۔ اسی عالم میں حکیم ماشاء اللہ خاں کا انتقال ہوا اور وہ فرخ آباد ہی میں مدفون ہوئے۔ غالباً اسی زمانے میں انشا بھی کئی مرتبہ فرخ آباد گئے ہوں گے۔ "میر انشاء اللہ خاں ولدِ ارشد حکیم ماشاء اللہ خاں دو سہ بار وارد بلدۂ فرخ آباد شد۔"

(تاریخ فرخ آباد از میر ولی اللہ)

انشا لکھنؤ آتے ہیں دلّی چھوڑ کر لکھنؤ آنے کی وجہ "آبِ حیات" میں بہت معقول بیان کی گئی ہے۔ یہاں ہم اس کو ذرا تفصیل سے اور آبِ حیات ہی کے لفظوں میں بیان کرتے ہیں۔

انشا کی تعجب خیز خود غرضی "انشا اپنا مطلب ہزار طرح سے نکال لیتے تھے مثلاً جمعرات کا دن ہوتا تو باتیں کرتے کرتے دفعتاً خاموش ہوتے اور کہتے کہ پیر و مرشد غلام کو اجازت ہے بادشاہ کہتے خیر باشد؟ کہاں؟ کہاں؟ یہ کہتے حضور آج جمعرات ہے۔ غلام نبی کریم جائے۔ شاہ دین و دنیا کا دربار ہے کچھ عرض کرے۔ شاہ عالم بہ ادب کہتے کہ ہاں ہاں بھئی ضرور چاہئے۔ سید انشا خاں ہمارے لیے بھی کچھ عرض کرنا۔ یہ عرض کرتے کہ حضور! غلام کی اور آرزو کون سی ہے؟ یہی دین کی آرزو ویسی دنیا کی مراد! یہ کہہ کر پھر خاموش ہو جاتے۔ بادشاہ کچھ اور بات کرنے لگتے ایک لمحہ کے بعد پھر یہ کہتے کہ پیر و مرشد! پھر غلام کو اجازت ہو۔ بادشاہ کہتے کہ ہیں۔ لے

بھئی! میر انشاء اللہ خاں ابھی تم گئے نہیں؟ یہ کہتے ہیں کہ حضور بادشاہ عالی جاہ کے دربار میں غلام خالی ہاتھ کیونکر جائے۔ کچھ نذر و نیاز کچھ چڑھائی تو مرحمت ہو! بادشاہ کہتے ہاں بھئی درست، درست؟ مجھے تو خیال ہی نہیں رہا۔ جیب میں ہاتھ ڈالتے۔ اور کچھ روپے نکال کر دیتے۔ میر انشاء اللہ خاں لے لیتے، اور ایک دو فقرے دعائیہ کہہ کر پھر کہتے، کہ حضور دوسری جیب میں دست مبارک جائے تو فدوی کا کام چلے، کیونکہ وہاں سے پھر کر بھی آنا ہو۔ بادشاہ کہتے کہ ہاں ہاں بھئی سچ ہے سچ ہے بھلا وہاں سے دو دو کھجوریں تو کسی کو لاکر دو۔ بال بچے کیا جانیں گے، کہ تم آج کہاں گئے تھے۔ اگرچہ ان فقروں سے کام نکال لیتے تھے لیکن پھر کب تک؟ آخر دلی سے دل اچاٹ ہوا۔

خود غرضی کی دوسری مثال

"سعادت علی خاں کے ہاتھوں سید انشا کا انجام اچھا نہ ہوا اس کے مختلف سبب ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اگرچہ اپنی ہمہ رنگ طبیعت کے زور سے انھوں نے انھیں پرچا لیا۔ مگر درحقیقت ان کے اور اُن کے معاملے کا مصداق اِن کا مطلع تھا ؎

رات وہ بولی مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں
میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع تیرا میرا میل نہیں۔

مثلاً اکثر میلوں تماشوں میں چلنے کے لیے کچھ احباب کا تقاضا کچھ اُن کی طبیعت اصلی کا تقاضا۔ غرض انھیں جانا ضرور۔ اور یہ سعادت علی خاں کی طبع کے بالکل مخالف۔ اکثر ایسا ہوا کہ وہ اپنے کاغذات دیکھ رہے ہیں۔ مصاحبوں کے ساتھ یہ بھی حاضر ہیں؛ اِس میں ایک آدھ لطیفہ بھی ہوتا جاتا ہے اِنھوں نے عرض کی کہ حضور غلام کو اجازت ہے؟ وہ بولے کہ ہوں! کہاں؟ اِنھوں نے کہا حضور آج آٹھوں کا میلا ہے۔ اُنھوں نے کہا لاحول ولاقوۃ۔ سید انشا بولے کہ مناسب تو یہ تھا کہ حضور بھی تشریف لے چلتے۔ نواب نے کہا۔ انشا ایسے نارد مقاموں میں جانا تمھیں کس نے بتایا ہے! عرض کی حضور! وہاں تو جانا ایک اعتبار سے فرض عین ہے۔ اور ایک نظر سے واجب کفائی ہے۔ اور ایک لحاظ سے سنت ہے۔ پھر سب کی توجیہیں الگ الگ بیان کیں آخر اسی عالم مصروفیت میں

سنتے سنتے دق ہوکر نواب نے کہہ دیا۔ قصّہ مختصر کرو۔ اور جلدی سدھارو۔ اُسی وقت موچھوں پر تاؤ دے کر بولے۔ کون ہے آج سوا سیّد انشا کے کہ جو کچھ کہے اُسے عقل سے، نقل سے، آیت سے، اور روایت سے ثابت کر دے۔ ایسی باتیں بعض موقع پر نواب کو موجبِ تفریح ہوتی تھیں۔ بعض دفعہ بمقتضائے طبیعت اصلی مکدّر ہو جاتے تھے۔ خصوصاً جب کہ رخصت کے وقت خرچ مانگتے تھے، کیونکہ وہ شاہ عالم نہ تھا بسعادت علی خاں تھا۔"

گر جاں طلبی مضائقہ نیست ور می طلبی سخن درین است

اِن دونوں واقعوں سے جو اُوپر بیان ہوئے انشا کے کیریکٹر پر ایک خاص روشنی پڑتی ہے۔ اگر اِن کو غور سے پڑھیے تو معلوم ہوگا کہ انشا جوانی اور بڑھاپے میں بھی ایک عجیب طفلانہ مزاج لالچی اور خود غرض آدمی تھے جن کو سیر سپاٹے اور میلوں ٹھیلوں میں جانے کا از حد شوق تھا۔ اور جب ایسے موقعوں پر جاتے تو خالی ہاتھ نہ جاتے بلکہ جیبیں روپیوں سے بھری ہوتیں۔ یہ بھی تعجب معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مقامات پر جانے کے واسطے جلبِ زر کی غرض سے کسی کی اجازت ضرور طلب کرتے گو وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ لکھنؤ کے آٹھوں کے میلے میں جانے سے پیشتر تو انھوں نے غضب کیا کہ خود سعادت علی خاں سے کہا "مناسب تو یہ تھا کہ خود حضور بھی تشریف لے چلتے۔" اور جب انھوں نے جانے سے اِنکار کیا اور اس کو ایک فعل عبث اور لغو بتایا تو انشا نے میلوں میں جانا فرض عین، واجب کفائی اور سنت قرار دیدیا۔ اِن واقعات کو پڑھ کر ہم کو انشا ایسے ادا شناس درباری اور بوڑھے قابل شاعر سے باوجود مزاج کی وارفتگی کے بہت بعید معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کی طفلانہ حرکتیں جوانی اور بڑھاپے میں کرے، اور اس کا بھی مطلق خیال نہ کرے کہ ہم کس سے تخاطب کر رہے ہیں۔ غالباً یہ روایات مولانا آزاد نے کسی شخص یا کئی اشخاص سے سنی ہوں گی یا ممکن ہے کہ کسی تذکرے میں دیکھی ہوں، مگر ہم کو کمال ادب اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھوں نے نقد و درایت سے بالکل کام نہ لیا۔ اور جو کچھ سنا سنایا تھا

بے تکلف وہی لکھ دیا۔

لفظ انجب کا واقعہ اور اُس پر تنقید

اس سے آگے چل کر وہ واقعہ بھی کہ جب انشا نے سعادت علی خاں کو منہ در منہ انجبہا (یعنی ولد الحجاریہ) کہا، نہایت تعجب خیز ہے۔ انشا عربی کے جید عالم تھے، لفظ انجب کے معنی ضرور جانتے تھے۔ سعادت علی خاں بھی کوئی اَن پڑھ جاہل نہ تھے۔ علامہ تفضل حسین خاں کی شاگردی کا فخر اُن کو حاصل تھا۔ درباری لوگ بھی کوئی جاہل اَن پڑھ گنوار نہ تھے کہ لفظ انجب کے معنی سے ناواقف ہوں۔ غرضکہ جب ان تمام چیزوں کو ہم ملاتے ہیں تو یہ واقعہ بالکل غلط معلوم ہوتا ہے۔ انشا سے کبھی اِس کی اُمید نہیں کی جاسکتی کہ وہ ایک حاکمِ با اختیار کو "رُو دَر رُو" "لونڈی بچہ" بنائیں گے۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اُسی وقت اُن کی زبان کھنچوا دی جاتی۔

آصف الدولہ کے زمانے میں لکھنؤ کی ادبی سوسائٹی!

غرضکہ دلّی کی حالت جب بدل گئی تو انشا لکھنؤ کے عازم ہوئے۔ یہ زمانہ آصف الدولہ کا تھا اور گو آصف الدولہ کے دربار کو اُن کے والد نے پسند نہ کیا تھا مگر وہ زمانہ اور تھا اب لکھنؤ مستقل طور پر اودھ کا دارالریاست ہوگیا تھا۔ آصف الدولہ کی سخاوتوں کے ڈنکے بج رہے تھے۔ دلی سے جو ادھر آتا وہ یہیں کا ہو رہتا تھا۔ گو سوداؔ اور میر سوزؔ وغیرہ موجود نہ تھے مگر پھر بھی لکھنؤ میں شاعروں کی ایک اچھی خاصی جماعت موجود تھی، جن میں مصحفیؔ، جرأتؔ اور مرزا قتیلؔ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان سے اور اِن کے شاگردوں اور شہر کے شعر فہموں سے رات دن شعر و شاعری کی محفل گرم رہتی تھی۔ اسی فضا میں انشا دلّی سے لکھنؤ میں وارد ہوئے۔ لکھنؤ میں اس وقت مرزا سلیمان شکوہ (شاہ عالم کے بیٹے) بڑے تکلف سے رہتے تھے۔ وزیر الممالک آصف الدولہ اِن کے ساتھ بڑے ادب آداب سے پیش آتے اور چھ ہزار روپیہ ماہوار اُن کو دیا کرتے تھے۔

شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ اور اُن کا دربار

شاہزادہ مذکور کو شعر و شاعری کا

بڑا ذوق تھا۔ ولی اللہ محبؔ، جرأتؔ، سعادت یار خاں رنگینؔ اور مصحفیؔ انھیں کی سرکار سے وابستہ اور انھیں کے نمک خوار و مصاحب تھے اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحفیؔ کو یہ اپنا کلام دکھاتے اور انھیں سے اصلاح لیتے تھے۔ جب سیّد انشاؔ اس دربار میں پہونچے تو بقولِ آزادؔ مصحفیؔ کا مصحف طاق پر رکھا گیا اور اب اصلاحِ سخن انشاؔ ہی کے متعلق ہو گئی" اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لیے کہ انشاؔ کی تیزی و طراری، شوخی و شیریں زبانی کے آگے بڈھے مصحفیؔ کی سیدھی سادھی باتیں شاہزادے کو کیا پسند آتیں۔ غرضکہ مصحفیؔ کی تنخواہ جو پہلے پچیس تھی اب گھٹ کے پانچ رہ گئی۔ اس تخفیف سے شاہزادے کا یہی مطلب ہوگا کہ وہ بددل ہو کر نوکری چھوڑ دیں مگر اس زمانے کی وضع داری بھلا اس کو کب گوارا کر سکتی تھی۔ مصحفیؔ بد دل تو ضرور ہوئے لیکن نوکری سے کنارہ کش نہ ہوئے اور کمی تنخواہ پر یہ باندازِ مگر دل جلا قطعہ کہہ کر شاہزادے کو سنایا ؎

چالیس برس کا ہی ہو چالیس کے لائق — تھا مرد معمر کہیں دس بیس کے لائق
اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے — ہم بھی تھے کئی روزوں میں پچیس کے لائق
اُستاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر — ہوتا ہو جو درماہہ کہ سائیس کے لائق

عبرت! یہ اشعار عبرت سے خالی نہیں مصحفیؔ اتنا بڑا زبردست شاعر پچیس روپیہ ماہانہ پر خوش اور مطمئن اور اس وقت کے شعرا کی ماہوار آمدنی صرف مشاعرے کی فیسوں سے سیکڑوں سے متجاوز اور پھر غیر مطمئن!

مصحفیؔ کا معرکہ مصحفیؔ لکھنؤ کے کسی محلے احمد نگر میں رہتے تھے۔ تخفیف تنخواہ اور شاہزادے کی کج ادائیوں سے بد دل ہو رہے تھے، مگر وضعداری کو ہاتھ سے نہ دیا تھا۔ زیادہ وقت شاہزادے کے یہاں حاضر باشی میں صرف ہوتا تھا ایک مرتبہ جلسے میں یہ غزل پڑھی ؎

سر مشک کا ہر تیرا تو کافور کی گردن — نے موے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن
مچھلی نہیں ساعد میں ترے بلکہ نہاں ہے — وہ ہاتھ میں ماہیِ سقنقور کی گردن
یوں مرغِ دل اُس زلف کے پھندے میں پھنسا ہے — جوں رشتۂ صیاد میں عصفور کی گردن

دل کیونکے پری، حور کا پھر اِس پہ نہ پھسلے
صانع نے بنائی تری بلّور کی گردن

اِک ہاتھ میں گردن ہو صراحی کی، مزا ہے
اور دوسرے میں ساقیِ مخمور کی گردن

ہر چند میں جھک جھک کے کیے سیکڑوں مجرے
پر خم نہ ہوئی اُس بتِ مغرور کی گردن

کیا جانئے کیا حال ہوا صبح کو اُس کا
ڈھلکی ہوئی تھی شب تئے رنجور کی گردن

یوں زلف کے حلقے میں پھنسا مصحفی، اے وائے
جوں طوق میں ہووے کسی مخمور کی گردن

اِس غزل پر انشا نے اعتراضات کا ایک قطعہ اور جواب میں ایک غزل بھی لکھی۔ قطعہ میں پہلے تو اعتراض کیے اور آخر میں یہ رائے دی کہ لکھنؤ کو آپ ایسے شاعروں کی ضرورت نہیں ہے بہتر تو یہ ہے کہ آپ شعر کہنا ہی چھوڑ دیجے اور اگر نہیں مانتے تو پنجاب تشریف لے جائیے، اور وہاں کے لوگوں کو اپنے اشعار سے بیوقوف بنائیے غرضکہ قطعہ نہایت دلچسپ اور سننے کے لائق ہے ؎

سُن لیجے گوشِ دل سے مری مشفقانہ عرض
مانندِ بیدِ غصّے سے مت تھر تھرائیے

بلّور گو درست ہو، لیکن ضرور کیا
خواہی نخواہی اُس کو غزل میں کھپائیے

دستور، دلور، وطور، یہ ہیں قافیے بہت
اس میں جو چاہیے تو قصیدہ سنائیے

یہ تو غضب ہے کہیے غزل آٹھ بیت کی
اور اُس میں حرف ایسے انوکھے دکھائیے

کیا لطف ہے کہ گردنِ کافور باندھ کر
مُردے کی باس رندوں کو لا کر سنگھائیے

یوں خاطرِ شریف میں گذرا کہ بزم میں
کچلا ہوا شریفہ غزل کو بنائیے

ایسے نجس کثیف قوافی سے نظم میں
دندانِ ریختہ پہ پھپھوندی جمائیے

بس منہ ہی منہ میں رکھیے، اسے مت سرائیے
گردن کا دخل کیا ہے سفتقور میں بھلا

سانڈے کی طرح آپ نہ گردن ہلائیے
مشفق کڑی کمان کو کر ڈی نہ بولیے

چلّا کے مفت تیرِ ملامت نہ کھائیے
اُردو کی بولی ہے یہ، بھلا کھائیے قسم

اِس بات پر اب آپ ہی مصحف اُٹھائیے
اُستاد گرچہ ٹھہرے ہیں صاحب، یوں ہی سہی

لیکن ڈھکی ہی رکھیے بس اِس کو چھپائیے

جھٹ لکھیے روپ رام کٹارا کو ایک خط
بھلّو کی مہر سے سند اُس کی منگائیے

اپنی کمک کے واسطے جا بھرت پور میں
رنجیت سنگھ جاٹ کو ہمراہ لائیے

یا گرد و پیش کے قصباتی جو لوگ ہیں
ایک بلوا باندھیے انھیں جلدی بلائیے

مخلص کا التماس پذیرا ہو سوچ کر
کہنے سے ایسے ریختہ کے باز آئیے

سرکار کی یہاں نہیں گلنے کی دال کچھ
روٹی جو کھانی ہووے تو پنجاب جائیے

ستلج، بیاس، راوی، و جہلم کی سیر کر
چناب والے لوگوں کو یہ کچھ سنائیے

خشکا گدھوں کو دیجیے لو زینہ گاؤ کو
وہاں جا کے بین بھینس کے آگے بجائیے

اس رمز کا یہاں شنوا کون ہے بھلا
اب بھیرویں کا ٹپّہ کوئی آپ گائیے

(غزل چونکہ دیوان میں موجود ہے اس لیے اُس کا دینا غیر ضروری سمجھا گیا)

مصحفی نے جب یہ قطعہ اور غزل سُنی تو اس کا جواب اُسی غزل کی طرح میں دیا اور خود انشا کی غزل پر بیسیوں اعتراض کر دیے ؎

اے آنکہ معارض ہو میری تیغ زباں سے
تو نے سپرِ عذر میں ستور کی گردن

ہے آدم خاکی کا بنا خاک کا پُتلا
گر نور کا سر ہووے تو ہو نور کی گردن

میں لفظِ سقنقور مجرّد نہیں دیکھا
ایجاد ہے تیرا یہ سقنقور کی گردن

لنگور کو شاعر تو نہ باندھے گا غزل میں
کس واسطے باندھے کوئی لنگور کی گردن

گردن تو صراحی کے لیے وضع ہے ناداں
بیجا ہے خُمِ بادۂ انگور کی گردن

اِس سے بھی میں گذرا غلطی اور یہ سُنیے
باندھے ہے کوئی خوشۂ انگور کی گردن

کافور سے مطلب ہے مرا اُس کی سفیدی
ٹھنڈی تو میں باندھی نہیں کافور کی گردن

یہ لفظ مشدّد بھی درست آیا ہے تجھ سے
خم ہوتی ہے کوئی میرے بلّور کی گردن

اتنی نہ تمیز آئی تجھے ربط بھی کچھ ہے
ہر قافیے میں تو نے جو منظور کی گردن

یوں سیکڑوں گردن تو گیا باندھ تو کیا ہے
سوجھی نہ تجھے حیف کہ مزدور کی گردن

جو گردنیں باندھی ہیں مَیں لا تجھ کو دکھاؤں
تو مجھ کو دکھا دے شبِ دیجور کی گردن

گردن کے نئیں چاہیئے اک شکلِ کشیدہ — خم کرکے سمجھ ٹک سرِ مغرور کی گردن
مضمون تو میرا ہی ہے گو اور طرح سے — باندھے تو گمان اپنے میں رنجور کی گردن
گر قافیہ پیمائی ہی منظور تھی تجھ کو — تو باندھی نہ کس واسطے مقدور کی گردن
لاکھوں ہی معانی کو کیا قتل پر افسوس — سوجھی نہ تجھے دشنہ و ساطور کی گردن
منصف ہو تو پھر نام نہ لے دعوے کا ہرگز — یہ بوجھ اُٹھا سکتی نہیں مور کی گردن
منظور ہے کی ..... تو باللہ — باندھی نہ گراب خانۂ زنبور کی گردن
ٹوٹے ہوئے نیچے کی طرح میرے قلم سے — جاتی ہے پچک شاعرِ مغرور کی گردن
انصاف تو کر دل میں کہ ایک تیغ میں کیسی — میں کاٹ دی دعوے کی ترے زور کی گردن
کھڑاگ یہ گایا پہ ترے ہاتھ نہ آئی — افسوس کہ اس تان پہ تنبور کی گردن
سوجھا نہ تجھے ورنہ بناتا تو اسی دم — ناسور کی پٹی کو بھی ناسور کی گردن
انصاف کیا اس کا میں اب شہ کے حوالے — جھکتی ہے جہاں مار سے لے مور کی گردن
وہ شاہِ سلیماں کہ اگر تیغِ عدالت — ٹک کھینچے تو دو ہو وہیں فغفور کی گردن
جس سر پہ ٹک اپنا وہ رکھے دستِ نوازش — اُس سر کے لیے تکیہ ہو پھر حور کی گردن
اِس در کا جو سجدہ اُنھیں منظور نہ ہوتا — ملتی نہ فرشتوں کو کبھی نور کی گردن

اے مصحفی خامش بسخن طول نہ کھینچ جائے
یہاں کوتہ ہی بہتر سرِ پُر شور کی گردن

حیدر علی گرم شاگرد مصحفی نے اسی طرح میں غزل کہی۔ اُستاد پر جو اعتراضات ہوئے تھے اُن کے جواب دیے اور کچھ اور اعتراضات انشا پر کیے۔

غزل یہ ہے ؎

کل شمع نے دیکھی تھی جو اُس حور کی گردن — دی آگ میں رکھ اپنی وہ کافور کی گردن
زانو پہ جھکائے ہوئے بیٹھا ہوں سر اپنا — دیکھی ہے جو اک شاہد مستور کی گردن
ماہی کی اضافت میں جنھیں ہووے تامل — بے سر ہے وہ پھر اُن کی سفنقور کی گردن
جامی کی "زلیخا" میں ہے بلور کی گردن — کس نسخے میں ہے خوشۂ انگور کی گردن

سمجھے نہ کوئی شعر کو ہر بازی طفلاں — یہ مور کی گردن ہر نہ زنبور کی گردن
سر کاٹ کے اُس کا ابھی لنکا میں چڑھا دو — لگ جائے مرے ہاتھ جو لنگور کی گردن

منتظر مصحفی کے دوسرے شاگرد نے بھی اسی زمانے میں غزل کہی تھی افسوس ہر کہ اُس کا صرف ایک مصرع آبحیات میں ملتا ہر ع

باندھی دُم لنگور میں لنگور کی گردن

یہ چوٹ سید انشا پر ہر کیونکہ وہ اکثر ایک دُپٹا گلے میں ڈالے رہتے تھے جس کا ایک سرا آگے اور دوسرا پیچھے پڑا رہتا تھا۔

دوسرا معرکہ

ایک معرکہ تو یہ ہوا۔ دوسرا اس طرح بیان کیا جاتا ہر کہ مصحفی نے شاہزادے کے یہاں کسی جلسے میں اپنی یہ نو تصنیف غزل پڑھی ؎

زہرہ کی جو آئی کفِ ہاروت میں اُنگلی — کی رشک نے جا دیدۂ ماروت میں اُنگلی
بن دودھ انگوٹھے کی طرح چوسے ہر کودک — رکھتی ہر تصرف عجب اِک قوت میں اُنگلی
غرقہ کے ترے حال پہ از بہرِ تاسّف — ہر موج سے تھی کل دہن حوت میں اُنگلی
مہندی کے یہ چھلّے نہیں پوروں پہ بنائے — ہر اُس کی ہر اک حلقۂ یاقوت میں اُنگلی
. . . . . — ناچی ہر تری عالم لاہوت میں اُنگلی
شہتوت ہر یا صانع عالم نے لگا دی — شیریں کی یہ شاخِ شجرِ توت میں اُنگلی
. . . . . — حائک کی گرفتار ہو جوں سوت میں اُنگلی
تھا مصحفی یہ مائل گریہ کہ پس از مرگ — تھی اُس کی دھری چشم پہ تابوت میں اُنگلی

انشا نے پھر اس غزل پر غزل کہی (پوری غزل دیوان میں دیکھنا چاہیے) مصحفی کے مقطع کو خود انشا نے یا اُن کے اشارے سے کسی دوسرے نے یوں بگاڑا ؎

تھا مصحفی کا ناجو چھپانے کو پس از مرگ — رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں اُنگلی

آزاد کے بیان سے معلوم ہوتا ہر کہ معرکہ کی ابتدا اِسی اُنگلی والی غزل سے ہوئی تھی مگر تذکرہ "معرکہ خوش زیبا" سے پایا جاتا ہر کہ گردن والی غزل سے قصہ چلا تھا العلم عند اللہ۔

اس کے بعد دونوں شاعروں میں ملاپ ہو گیا، یہاں تک کہ انشا بذات خود مصحفی کے

پاس عذر خواہی کے لیے گیے اور پورے واقعات سے مطلع کیا اور اپنی بری الذمگی چاہی۔ مصحفی نے بے پروائی سے جواب دیا کہ بھئی مجھ کو اس کا کچھ خیال نہیں۔ بفرض محال اگر تم بھی اس میں شریک ہوتے تو کیا ہوتا۔ یہ طنز کا جملہ سید انشا کو سخت ناگوار ہوا اور ہجویں کہنا اور طرح طرح سے تنگ کرنا شروع کیا۔

"مصحفی ریختہ گو را آں قدر رسوائے کوچہ و بازار کرد کہ اگر غیرت میداشت خود را می کشت ہمی برخر سوار کردن باقی ماندہ بود۔ دیگر ہیچ ذلتے نبود کہ نصیب آں بیچارہ نشد۔ شرحش طول دارد (مخزن الغرائب)

غرضکہ ہجوؤں کی یہ کیچڑ اچھلا کی۔ کبھی انشا کی طرف سے کبھی مصحفی کی طرف سے کوئی سخت ہجو لکھی جاتی تھی اور لطف یہ کہ ہر ایک دوسرے کو الزام دیتا اور اپنے کو بری الذمہ سمجھتا تھا۔ انشا نے بحر طویل میں ایک ہجو لکھی جس کے چند مصرعے آبجیات میں دیے گئے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مجھ کو تمھاری ہجو سے کچھ سروکار نہ تھا، اور یہ سب لغو باتیں تمھاری طرف سے شروع ہوئیں۔ تمھاری نعوغزلیں اور مثنوی وغیرہ جس میں گالیاں بھری ہیں میری نظر سے گذری اور اسی بنا پر میں نے تمھاری ہجو کہی اگر تم لفظۂ ابلیس نہ ہوتے تو مجھ سید نجیب الطرفین سے نہ بھڑتے۔ اور میں تو ہر شخص سے تمھاری تعریفیں ہی کرتا تھا وغیرہ وغیرہ

انوکھا سوانگ

اس کا جواب مصحفی کے شاگرد منتظر نے اسی بحر میں لکھا اور یہ جھگڑا بڑھتا ہی گیا نوبت یہاں تک پہونچی کہ منتظر و گرم (شاگردان مصحفی) نے شہدوں کا سوانگ بھرا اور انشا کی ایک ہجو کہہ کر سر بازار پڑھتے چلے انشا نے بجائے ناراض ہونے کے ان سب لوگوں کو اپنے گھر بلا کر خوب خاطر تواضع کی۔ "بہت اچھلے کودے، شیرینیاں کھلائیں، شربت پلائے، پان کھلائے، ہار پنھائے ہنس بول کر عزت و احترام سے رخصت کیا" (آب حیات) اور اس واقعے کو ہنسی میں اڑا دیا مگر بدلہ ایسا لیا کہ خدا کی پناہ۔ ایک مصنوعی برات بنائی جس میں سیکڑوں آدمی ساتھ طرح طرح کی ہجویں پڑھتے جاتے تھے۔ کچھ لوگ ڈنڈے بجا کر پڑھتے۔ کچھ ہاتھیوں پر سوار ایک ہاتھ میں گڈا ایک ہاتھ میں گڑیا دونوں کو لڑاتے اور یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

سوانگ نیالایا ہو دیکھنا چرخ کہن　　لڑتے ہوئے آئے ہیں مصحفی و مصحفن

ان معرکوں میں مرزا سلیمان شکوہ بلکہ اکثر امرا نے سید انشا کا ساتھ دیا جس سے مصحفی بہت شکستہ خاطر ہو گئے یہاں تک کہ ایک غزل کے ان دو شعروں سے معلوم ہوتا ہو کہ لکھنؤ چھوڑ دینا چاہتے تھے ؎

جاتا ہوں ترے در سے کہ توقیر نہیں یاں　　کچھ اس کے سوا اب مری تدبیر نہیں یاں

اے مصحفی بے لطف ہو اس شہر میں رہنا　　سچ ہو کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں

ان جھگڑوں میں بعض شعروں پر (غالباً انشا کے اشارے سے) سلیمان شکوہ کو شبہہ ہوا تھا کہ ہم پر بھی شیخ مصحفی نے چوٹ کی جس کے عذر میں مصحفی نے یہ ایک طویل قصیدہ لکھا۔ مطلع میں کہتے ہیں ؎

قسم بذات خدائے کہ ہو سمیع و بصیر　　کہ مجھ سے حضرتِ شہ میں ہوئی نہیں تقصیر

مولف "تذکرہ گل رعنا" نے اپنے تذکرے میں سید میر ان جان الہ آبادی کے تذکرہ "خازن الشعرا" کا یہ اقتباس دیا ہو کہ وزیر الممالک آصف الدولہ نے مصحفی کا ساتھ دیا اور انشا کو اس جرم کی پاداش میں شہر سے چلے جانے کا حکم دیا تھا۔

"ہنگامیکہ فی مابین میر و میاں مصحفی مناقشہ واقع شدہ و نوبت ہجو یک دیگر کشید وزیر الممالک میر را رخصت انصراف داد و ایشان بہ حیدر آباد رفتند۔ از اثنائے راہ عریضۂ بخدمت جد امجدؒ (شاہ اجمل) ارسال نمودند و در آن یک بیت ہم بود ؎

یونہی بے شغل ہمارا کوئی دل رہتا ہو　　ایک قاتل اسے ہر حال میں مل رہتا ہو

حضرت بجوابش تحریر فرمودند خوش باش دلت چرا خراشد۔ انشاءاللہ خیر باشد و چیزے از اعمال مجرب بحسب طلب میر نیز ارسال فرمودند۔ بعد عرصۂ قلیلے نواب وزیر الممالک میر را بہ لکھنؤ طلب فرمودند۔ . . . . (خازن الشعرا)

مگر اس واقعہ کا ذکر کسی دوسرے تذکرے میں نہیں ملتا۔

انشا الماس علی خاں کی مصاحبت میں | انشا ایک عرصے تک مرزا سلیمان شکوہ کے

دربار میں رہے۔ اس کے بعد الماس خاں خواجہ سرا (میاں الماس) کے مصاحبین میں شریک ہو گئے۔

"مدتہا از مخصوصانِ حضور اقدس مرشد زادۂ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر بود۔ ازبسکہ پُرنازک مزاج است از انجا ہم دمغ شدہ برخاست در رفاقت الماس علی خان بہادر گزید" (مخزن الغرائب)

انشا سعادت علی خاں کے دربار میں

اب انشا کی زندگی کا چھٹا دور شروع ہوتا ہے جو گذشتہ تمام دوروں سے زیادہ دلچسپ، طویل اور عبرتناک ہے یعنی انشا وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں کے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ یہ دور دلچسپ اِس وجہ سے ہے کہ اِس کے تمام واقعات تفصیل کے ساتھ تاریخ کی روشنی میں آگئے ہیں۔ آزاد نے اپنی الہامی کتاب لاجواب میں اُن تمام واقعات کا بالتفصیل ذکر کر دیا ہے جو انشا اور سعادت علی خاں، اور دیگر درباریانِ سعادت علی خاں کے درمیان واقع ہوئے تھے۔ سب سے پہلے انشا کے اُس دربار میں داخل ہونے کا دلچسپ واقعہ آزاد کی زبان سے سنیے وہ فرماتے ہیں۔

دربار میں جانے کی تقریب

"وہاں تفضل حسین خاں ایک شخص تھے۔ کہ بعد ابوالفضل اور سعد اللہ خاں شاہجہانی کے علامہ کا خطاب اگر ہوا تو اُن کے لیے تسلیم ہوا ہے۔ وہ اپنے علم اور حسنِ تدبیر سے ادھر معتمد سرکار انگریزی کے، اُدھر رکن سلطنت لکھنؤ کے، اور مشیر تدبیر سعادت علی خاں کے تھے۔ ان کی صحبت ایک مجموعہ فضل و کمال کا تھا۔ وہاں سید انشا بھی جایا کرتے تھے۔ وہ بھی اِن کی لیاقت اور خاندان کے لحاظ سے پہلوے عزت میں جگہ دیتے تھے۔ اور فکر میں تھے کہ کوئی مناسب صورت حال نکالیں۔ ایک دن جوشِ تقریر میں سید انشا ایک لفظ بول گئے کہ اُس کے دو معنی تھے۔ مگر اُردو میں جو معنی ہیں، وہ اِس قابل نہیں کہ ایسے جلسوں میں ذکر آئے۔ چونکہ یہ خود بھی مزاج شناسی کے ارسطو تھے۔ اِس لیے کہنے کو تو کہہ گئے، مگر خان علامہ کی نظر تاڑ کر بولے کہ زبان مارواری میں بیوقوف کو کہتے ہیں۔ اُنھوں نے کچھ سوچ کر کہا۔" کہ خیر خان صاحب! انداز معلوم ہو گیا۔ جلد کچھ صورت

ہو جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ"۔ دوسرے ہی دن سعادت علی خاں سے اِن کے خاندان کی بزرگی اور ان کے ذاتی کمال کا ذکر کر کے کہا کہ "آپ کی صحبت میں ان کا ہونا، شغل صغریٰ و کبریٰ سے بہتر ہوگا۔ وہ سُن کر مشتاق ہوئے۔ دوسرے دن خاں صاحب سیّد انشا کو لے گئے، اور ملازمت ہوتے ہی ایسے شیر و شکر ہوئے کہ پھر نواب کو اُن کے سوا کسی کی بات میں مزا ہی نہ آتا تھا"۔

اس روایت کو پڑھ کر نہایت ادب اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو اِس کی صحّت میں کلام ہے بوجہ ذیل:۔

(۱) انشا تقریباً سولہ سترہ برس کے سن میں اپنے والد کے ہمراہ نواب شجاع الدولہ کے دربار میں آئے تھے اور کچھ دن قیام بھی کیا تھا، جیسا شروع میں مذکور ہوا۔ اس کے بعد آصف الدولہ کے زمانے میں مرزا سلیمان شکوہ کی سرکار سے وابستہ تھے۔ پس کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ سعادت علی خاں ان سے اس قدر ناآشنا ہوں کہ اُن کے خاندان کی بزرگی اور اُن کے ذاتی کمالات کا ذکر کر کے اُنھیں پہچنوایا جائے۔

(۲) تفضل حسین خاں عربی کے عالم متبحر، نہایت ثقہ آدمی تھے۔ انشا بھی عربی خوب جانتے تھے اور تلاش روزگار کے لیے خاں صاحب کے پاس گئے تھے، یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسے ثقہ کی صحبت میں جن سے کام بھی نکالنا ہے، ایسے ذو معنین الفاظ استعمال کریں جن میں مذاق یا فحش کا کوئی پہلو ہو۔

(۳) خانِ علامہ، سعادت علی خاں کے اُستاد تھے اور ظاہر ہے کہ شاگرد اور اُستاد کے درمیان کبھی ایسی بے تکلفی نہیں ہو سکتی کہ استاد شاگرد سے رنڈی منڈی کا ذکر کرے۔ اب خان علامہ کے اِس جملے پر غور کیجیے جو اُنھوں نے سعادت علی خاں سے کہا کہ "آپ کی صحبت میں اُن کا (یعنی انشا کا) ہونا شغل صغریٰ و کبریٰ سے بہتر ہوگا"۔ ظاہر ہے کہ صغریٰ و کبریٰ سے مختلف سنوں کی رنڈیاں مراد ہیں جو دربار میں آتی ہوں گی۔ ہماری سمجھ میں بالکل نہیں آتا کہ ایک ثقہ عالم اپنے ایک معزز شاگرد سے کسی کی تقریب اِس طرح کرے کہ اُس کی صحبت رنڈیوں کی صحبت سے بہتر ہے۔

الغرض انشا دربار میں داخل ہوتے ہی نواب کے بڑے مزاج داں اور ندیم خاص ہوگئے اُس زمانے میں ندیموں کی کوئی خاص خدمت یا ڈیوٹی تو تھی نہیں صرف ہر وقت کی حاضر باشی اور ہر دم کی مصاحبت ہی سب سے بڑی ڈیوٹی تھی۔ آزاد لکھتے ہیں کہ

"اس عالم میں اُنھوں نے عامۂ خلائق خصوصاً اہل کمال اور اہل خاندان کی کاربراری سے نیکی اور نیک نامی کی دولت کمائی کہ جس سے زیادہ کوئی خزانہ نہیں ہوسکتا۔ ہزاروں کو مراتب اعلیٰ پر پہونچا دیا مگر آپ شاعر ہی رہے۔" (آب حیات)

اِس سے انشا کا کیرکٹر یعنی لوگوں کو فائدہ پہنچانا اور آپ متمتع نہ ہونا کس قدر بلند معلوم ہوتا ہے۔

دربار میں انشا کا طوطی بولتا تھا

سعادت علی خاں کی اثنائے ملازمت میں انشا کے صدہا لطیفے اور چٹکلے "آب حیات" میں درج ہیں۔ یہاں اُن کے نقل کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اکثر کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق الفاظ کے بارے میں سعادت علی خاں اور تمام امرائے وقت کے نزدیک انشا گویا ایک عدالتِ اپیل تھے کہ جن کا فیصلہ بالکل قطعی مانا جاتا تھا۔ سُنا گیا ہے کہ انشا نے اس زمانے کے واقعات کو ایک کتاب کی صورت میں جس کا نام "لطائف السعادت" ہے جمع کیا تھا، افسوس کہ وہ ہماری نظر سے نہیں گذری مگر معلوم ہوا ہے کہ اُس کا ایک نسخہ کتب خانۂ جامعہ دہلی میں موجود ہے۔

انشا بحیثیت ندیم کے

فن ندیمی میں انشا نے وہ کمال حاصل کیا تھا کہ اُن کا کوئی مقابل ہم کو نظر نہیں آتا۔ ہر چند کہ اُن کے اور سعادت علی خاں کے مزاج اور طبیعت میں بڑا فرق تھا۔ خود اُن کا مصرع۔

"میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں"

حسب حال تھا۔ مگر اُنھوں نے فنِ مصاحبت کو اتنی ترقی دی کہ گویا ایک سائنس بنا دیا۔ بعض لوگ اس شبہے میں پڑ گئے کہ انشا شاعر اچھے تھے یا مصاحب۔ مولوی عبدالقادر رام پوری اپنے

روزنامچۂ سفر لکھنؤ میں لکھتے ہیں:

"اگرچہ شعر و شاعری مشہور است لیکن بدانست من فن ہمنشینی بجائے رسانیدہ بود کہ یکتائے زمانہ اش دریں کار اورا توان گفت"

اِن سے اور انشا سے ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ پھر انشا کی زباندانی کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بہ زبان اُردو و فارسی و عربی و بنگلہ و پوربی و مرہٹی و کشمیری و ترکی و افغانی بلہجۂ آن توان سخن گفتن و نثر فارسی روان و بے تکلف خوب نوشتے"

انشا کا آخری زمانہ انشا کا انجام اچھا نہیں ہوا۔ جوان بیٹا تعالی اللہ خاں مرگیا جس سے اُن کی کمر ٹوٹ گئی۔ نواب سے خدا کو معلوم کس وجہ سے اَن بن ہوگئی جس سے نظر بند کر دیے گئے اور آخر عمر بہت تلخیوں میں بسر ہوئی۔ صحت خراب ہوگئی، مزاج کی وہ خوش طبعی و شگفتگی رخصت ہوگئی۔ مشہور ہے کہ آخر آخر کچھ جنون کی بھی شکایت ہوگئی تھی۔ غرضکہ اِسی عالم یاس و پریشانی میں۔

"وہ چہکتا ہوا بلبل اپنے گھر کے پنجرے میں بند کیا گیا اور وہاں سے گمنامی کے ساتھ زمین کا پیوند ہوا کہ کسی کو خبر نہ ہوئی"۔ (آب حیات)

انشا کا سنہ و جائے وفات قبر یہیں لکھنؤ میں ہر آغا باقر کے امام باڑے میں مدفون ہوئے جس کا کچھ حصّہ اب بھی باقی ہے۔ سنہ وفات ۱۲۳۳ھ

بسنت سنگھ نشاط نے تاریخ کہی ؎

خبر انتقالِ میر انشا — دلِ غم دیدہ تا نشاطِ شنفت
سالِ تاریخ او زِ جانِ اجل — "عرفی وقت بود انشا" گفت

"عرفی وقت بود انشا" مادۂ تاریخ ہے جس سے بارہ سو تیس نکلتے ہیں۔ اِسی سے بلوم ہارٹ کو دھوکا ہوا اور صرف آخر کا مصرع لے کر ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء سال وفات قرار دیا ہے۔ مؤلف طبقات الشعرا نے بھی ابتا عاً یہی غلطی کی ہے۔ اصل میں یہ تاریخ تعمیہ میں کہی گئی ہے۔ یعنی پہلے مصرع میں لفظ "اجل" کی "ج" کے تین عدد کو بھی شامل کرنا چاہیے تو بارہ سو تینتیس مطابق ۱۸۱۸ء ہو جاتے ہیں۔

انشا کی اولاد ٹھیک معلوم نہیں کہ اُن کی اولاد میں کون کون باقی رہا، مگر یہ پتا چلتا ہے کہ اُن کی دو بیویاں تھیں۔ تاریخ اودھ مصنفۂ مولوی نجم الغنی کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کی ایک نواسی نعمی بیگم سے واجد علی شاہ نے بھی عقد کیا تھا اور وہ اُن کی محبوبہ محل تھیں۔ ایک شخص تقی علی خاں نامی انشا کے نواسے تھے اِن کے بیٹے کا تخلص سجاد تھا جو غالباً صاحب دیوان بھی تھے۔ آجکل چوک لکھنؤ میں ماشاءاللہ خاں اور نوشا اللہ خاں دو بھائی جو ٹوپیوں کے تاجر ہیں، اِسی خاندان کی ذریات میں سے ہیں اُنھوں نے اپنے دادا تک کے حالات جو انشاءاللہ خاں کے پوتے یعنی تعالی اللہ خاں کے بیٹے تھے مجھ سے بیان کیے جس سے اُن کے خاندان کی قدیمی شان و شوکت اور دولت کا پتا چلتا ہے۔ اِنشا کے جنون کے متعلق بھی میں نے دریافت کیا لیکن انھوں نے اِس سے لاعلمی ظاہر کی۔

انشا کے شاگرد حسب ذیل شاگردوں کا حال معلوم ہے۔

(۱) بہادر سنگھ بہادر کشمیری برہمن۔ لکھنؤ میں قیام تھا۔

(۲) شاہزادۂ مرزا سلیمان شکوہ، عرصے تک لکھنؤ میں رہے، اکبرآباد میں انتقال کیا اور وہیں مدفون ہوئے "رحمت خدا" تاریخ ہے۔ نمونۂ کلام ؎

لبوں پہ آکے جو نالہ نہ ہٹ گیا ہوتا　　تو آسمان و زمیں سب اُلٹ گیا ہوتا

(۳) صادق علی خاں صادق یہ دلّی کے رہنے والے، شاہزادۂ سلیمان شکوہ کے متوسلین میں سے تھے۔ لکھنؤ میں آرہے تھے۔ نمونۂ کلام ؎

جس نے دیکھا ہے تری جلوہ گری کا نقشا
اُس کو بھاتا ہے کب اے یار پری کا نقشا

(۴) ایسری سنگھ (عرف بسنت سنگھ) نشاط پسر لالہ سندر داس، انشا اور رنگین کے شاگرد تھے۔ انشا کی تاریخ وفات انھیں کی کہی ہوئی ہے۔

(۵) مکھن لال آرام۔ دلّی کے رہنے والے قوم کایستھ سے تھے نمونۂ کلام ؎

ہمدموں مجھ سے یہ کہتے ہو نہ تو یار سے مِل　　اُس کو سمجھاؤ ذرا یہ کہ نہ اغیار سے مِل

(۶) طالب حسین کشمیری الاصل تھے مگر دلی میں پیدا ہوئے۔

وضع قطع اور لباس انشا حسین، وضع دار، مائل بہ فربہی تھے رنگ گورا، اور قد میانہ تھا۔ میر حسن اُن کی خوبصورتی کو اُن کی خوش گوئی پر مقدم کرتے ہیں۔ علاء الدولہ نے اپنے تذکرۃ الشعرا میں مصدر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"پسر ایشان، کہ جوانِ وجیہ بدل نزدیک تر است، با مؤلفِ تذکرہ، فقیر اشرف علی خاں آشناست"

بی نوران والے میر صاحب سید انشا کے حسن کو اس طرح جانچتے ہیں "میر انشاء اللہ خاں بچارے میر ماشاء اللہ خاں کے بیٹے آگے پری زاد تھے ہم بھی گھورنے کو جاتے تھے۔ اب چند روز سے شاعر بن گئے" (آب حیات)

خود انشا نے جب وہ مرزا جان جاناں مظہر سے ملنے گئے ہیں تو اپنی تصویر یوں کھینچی ہے۔

"خط را تراش دادہ جامۂ ململ ڈھاکہ پوشیدہ دستار سرخ باندھنو برسر گذاشتم و دیگر لباس ہم ازین قبیل۔ واز سلاح کٹار خوبے بود کہ بکمر زدہ بودم"

اس وقت ان کی عمر تقریباً تیس برس کی تھی۔ مشہور ہے کہ ایک مشاعرے میں جب انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

گر نازنیں کے کہنے سے مانا بُرا ہو کچھ میری طرف تو دیکھیے میں نازنیں سہی

تو کسی نظر باز نے چپکے سے کہا "درین چہ شک" کپڑے صاف اور قیمتی پہنتے تھے اکثر پگڑی باندھتے اور شملے کی دُم کو تحت الحنک کے طور پر لپیٹ لیتے۔ شوق رامپوری تکملۃ الشعرا میں لکھتے ہیں:۔

"آزاد مشرب، آزاد مذہب، وارفتہ مزاج بطورِ آزادان بصفائے چہار بر ماند"

اخلاق و عادات یار باش، ہشاش بشاش، مگر قدرے متکبر و خود بیں بھی تھے اُن کی عادتیں بھی ویسی ہی تھیں جیسی ان کی ظاہری وضع تھی بول تو نہایت منہ پھٹ، بذلہ سنج، لطیفہ گو۔ راہ چلتوں سے چھیڑ کر ہنستے اور گالیاں کھا کر خوش ہوتے، مگر باوجود اس کے اپنی بات پر

کسی دوسرے کی بات کو بالا نہ ہونے دیتے، اور نہایت لیے دیے رہتے۔ مرنجاں و مرنج غیر متعصب آدمی تھے۔ ہر شخص سے محبت اور شگفتگی سے ملتے تھے ؎

بندگی ہر اپنی سب سے مہرباں ہیں اپنے سب شیعہ و سُنّی و صوفی، رند و رُد آشام بھی

شہسواری، تیر اندازی، اور شمشیر زنی کے بھی ماہر تھے۔ مختلف زبانیں جانتے تھے اور اُن میں شعر کہتے تھے۔ میر ولی اللہ تاریخ فرخ آباد میں لکھتے ہیں کہ:۔

"وقت جلوس نواب سعادت علی خاں بر مسندِ وزارت بہ سی و چہار زبان قصیدہ گفت۔"

شعر خوانی کا طریقہ اُن کا پڑھنا بھی ایک خاص انداز رکھتا تھا جس سے شعر کی شان اور لطفِ کلام دوبالا ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ اکثر اشخاص مشاعرے میں اپنی غزل اُن سے پڑھوایا کرتے تھے، کیونکہ اُن کی زبان آتشِ تاثیر کی چقماق تھی۔ اُس سے نکل کر گرمیِ سخن دوچند بلکہ دہ چند ہو جاتی تھی (آب حیات)

مشاعروں میں سج دھج "جب وہ مشاعرے میں آتے تھے یا دربار کو جاتے تھے ایک طرف آدابِ معقولیت سے سلام کیا۔ اور ایک طرف مسکرا دیے ایک طرف منہ چڑھا دیا۔ کبھی مقطّع مردِ معقول۔ کبھی ذلّی کے بانکے جوان۔ کبھی آدھی داڑھی اُڑا دی۔ کبھی چار ابرو کی صفائی بنا دی، جلسے میں اُن کا آنا بھانڈ کے آنے سے کم نہ تھا۔ پس مصحفی نے جو یہ کہا تو کچھ جھوٹ نہیں کہا۔ ع

"واللہ کہ شاعر نہیں تو بھانڈ ہی بھڑوے"

جب وہ یاروں کے جلسے میں یا مشاعرے کے معرکے میں آکر فانوسِ جادو روشن کرتے تھے تو تحسین اور واہ واہ سے دھواں دھار بن کر محفل بلوں ہو جاتی تھی۔ حق یہ ہو کہ وہ اپنی طرز کے آپ بانی تھے اور آپ ہی اُس کا خاتمہ کر گئے۔" (آب حیات)

اُن کی شاعرانہ صناعیوں کا موافق و مخالف، دوست و دشمن سب کو اقرار ہو مگر ایک شاعری ہی نہیں بلکہ اُن کے فضل و کمال، علم و ہنر، تمام چیزوں پر اُن کی ظرافت

حاوی تھی ۔ لوگ کہتے ہیں کہ سعادت علی خاں کی مصاحبت نے اُن کو زندہ دل اور ہنسوڑ بنایا ۔ ہم اس کے قائل نہیں، اس واسطے کہ جب وہ دلی میں تھے اس وقت بھی ایسے ہی تھے جیسا کہ ان کے مناقشوں اور مناظروں سے پتا چلتا ہے ۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ لکھنؤ میں بوجہ طولِ قیام کے اُن کے لطائف و ظرائف اور چٹکلوں کی تعداد دوچند ہو اور وہ زیادہ مشہور ہو گئے ہوں ۔

انشا کے متعلق اہلِ تذکرہ کی رائیں

اب ہم انشا کو دوسرے لوگوں کی نگاہوں سے دکھانا چاہتے ہیں یعنی مختصراً وہ رائیں قلم بند کریں گے جو تذکرہ نویسوں نے اُن کے متعلق قائم کی ہیں ۔

"چوں بشانزدہ سال رسید بحضورِ نواب وزیر الممالک شجاع الدولہ داخل جلسہا شد ۔ در آں وقت دیوانِ ہندی بطورِ خود و بطرزِ نوے باسنادِ ردیف وار تمام نمودہ بود ۔" (مخزن الغرائب)

"ولے بقدرِ کفایت از علومِ متعارفہ بہرہ اندوزاست و در فنِ شریف طبابت ہم مہارتے دارد ۔ طرزِ گفتارش بشاعرِ فصاحت افروز محمد میر سوز ماناست ۔ وایں طرز اگرچہ مرغوب الطبع دے اُفتادہ اما بہر گونہ سخن طرازی دستے دارد ۔ از مثنویات و قصائدِ وے خاصتہ قصیدہ کہ در تہنیت مرشدزادہ شوکت پژوہ میرزا سلیمان شکوہ بہادر در ایام ملازمیِ سرکار دولت مدار آں والا تبار در بلدہ لکھنؤ گفتہ زور طبعش معلوم می شود ۔ بنا بر بضاعتے کہ از علومِ شریفہ دارد کلامش صحت نظام است ۔ شعرِ فارسی ہم میگوید و الفاظِ عربی فراہم آوردہ موزون میتواند کرد ۔" (مجموعۂ نغز، حکیم قدرت اللہ قاسم)

"از خوبانِ جہان و خوش فکرانِ زبان سخن آگاہ میر انشاء اللہ طبعِ تازہ و ذوقِ بے اندازہ شرابِ معانی و ذوقِ جوانی فرح بخش و مسرت افزاست ۔ خلفِ حکیم الحکماء میر ماشاء اللہ دام افضالہٗ انشا تخلص می نماید ۔ نو مشق است ۔ اکثر طرزِ او بطرزِ میر سوز می ماند ۔ اصل وے از نجف است ۔ و مولدِ او بہ طرفِ

بنگالہ۔ خدایش سلامت دارد۔" (تذکرۂ شعرائے اُردو، میر حسن)

انشا تخلص سید انشاء اللہ خاں نام دارد۔ خلف الرشید میر ماشاء اللہ خاں وطن بزرگانش نجف اشرف وخودش در مرشد آباد تولد یافتہ تحصیل کتب عربیہ و فارسیہ وطب بقدر حال ہمہ دارد از ابتدائے عمر بحکم موزونی طبع شعر در ہر سہ زبان می گوید و زور طبیعت می نماید۔ اما میلان طبعش بطرف ریختہ بیشتر است۔ دیوانش از نظر فقیر گذشت۔ اگرچہ ہمہ کلامش در عالم ظرافت خالی از کیفیتے نیست۔" (تذکرۂ ہندی مصحفی)

"انشا تخلص، میر انشاء اللہ خاں خلفِ حکیم میر ماشاء اللہ خاں مصدر تخلص نجفی الاصل مرشد آباد مولد ست از مقربان خدمت نواب وزیر الممالک نواب سعادت علی خاں بہادر بود لختے در فنون رسمیہ مہارتے داشت و در ہر فن کوس لمن الملکی بہ آوازۂ تمام می نواخت۔ بر موزونانِ معاصر از اعتراضات و مطاعن قافیہ تنگ نمودے۔ دیوانے دارد، مشتمل اصناف سخن و ہیچ سخن را بطریقۂ راسخہ شاعرانہ نہ گفتہ۔ اما در شوخی طبع وجودتِ ذہن او سخنے نیست۔" (گلشن بے خار، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ)

"میر انشاء اللہ خاں، انشا تخلص، پسر حکیم ماشاء اللہ خاں متوطن شاہجہان آباد اکنون در بلدۂ لکھنؤ اقامت دارد۔ کوس سخنوری می نوازد۔ جوانے است قابل۔ صاحب استعداد کامل در فنون عربی و فارسی و ہندی مہارتے تمام دارد۔" (تکملۃ الشعراء، شوق رام پوری۔ غیر مطبوعہ)

"انشا نامش، انشاء اللہ خاں، ولد حکیم میر ماشاء اللہ خاں مصدر تخلص است۔ راقم حروف وے را در صغر سن ہنگام دولت نواب میر محمد جعفر خاں بہادر دیدہ بود۔ و با والد ایشان آشنا بود۔ درین ولا مسموع شدہ کہ مرد مستعد بحلیۂ خوبی ہا مزین است و گاہے شعر می گفت۔" (گلشن سخن مبتلا غیر مطبوعہ)

انشا اور قتیل کا معرکہ انشا اور قتیل کی دوستی اسی طرح ضرب المثل ہے جس طرح انشا اور سعادت یار خاں رنگین کی دوستی، مگر جیسا ہم اوپر دیکھ آئے ہیں، انشا کے مزاج میں ایک خاص طرح کی ضد اور دوسرے کو بدلائل قائل کرنے کی عادت بہت تھی۔ اِس کا ثبوت ذیل کے واقعے سے ملتا ہے، ہمارے سامنے دیوانِ انشا کا ایک قلمی نسخہ ہے جس کی کتابت ۲۲ ذی الحجہ ۱۲۴۰ھ کو (انشا کے انتقال کے ۷ برس بعد) تمام ہوئی۔ اُس کے اوّل میں مالک کتاب نے یہ عبارت بھی لکھی ہے کہ:-

"بہ قیمت دو روپیہ خریدہ شد چرا کہ ہنوز بسیار رائج نیست"

اِس کتاب میں جہاں کہ اور چیزیں دیوانِ مروجۂ مطبوعہ سے زیادہ ہیں وہاں صفحہ اوّل پر غزلیات شروع ہونے سے پہلے قتیل کا یہ واقعہ بھی لکھا ہے جس کی عبارت غالباً خود انشا کی لکھی ہوئی ہے، وہ بجنسہٖ نقل کی جاتی ہے:-

"یک روز بعد نمازِ ظہر بتلاوتِ قرآنِ مجید مشغول بودم۔ آں روز مرزا قتیل ہم در خانۂ من مہمان بود۔ چونکہ تلاوت کردہ بودم لفظ "مَعَنا" راخواندم۔ مرزا قتیل لفظ "مَعَنا" راشنید و گفت مَعْنا یعنی بسکون عین خوب است کہ قاعدۂ عربی معناست۔ فوراً کبت گفتم"۔

کبت

کہے جو کہ قتیل صحیح ہے وہ کہ وہ کھتری ہے، اور گدھے کی ہے دُم
کہے وہ جو خُدا مَعْنا سو غلط۔ نہ طریق رشاد کو کیجے گم
مَعَ ہو جو مضاف تو عین کو جزم اجی کیوں ہو بھلا وہ کہو مجھے تم
تو مثالیں غلط ہوں یہ سب مَعَہٗ مَعَہا مَعَ مَن مَعَنا مَعَکُم

اِسی کے ساتھ اِس کتاب میں قتیل کے نام ایک منظوم خط ہے جس میں لفظ "ہجر" مفتوح و مکسور پر بحث کی گئی ہے۔ وہ دلچسپ خط ملاحظہ ہو ؎

انیسا مشفقا بندہ نوازا لِمَ حَرَّرْتَنی قولاً ثقیلا

وہ خط لکھا کہ بس پڑھتے ہی میرا ہوا غصّے کے مارے رنگ نیلا
بمعنی چست اور چالاک ہو تو نظر آیا ولیکن سخت ڈھیلا
تجھے کہتی تھی دنیا قافِ معنی تو کیونکر بن گیا مجنوں کا ٹیلا
وہ چھو منتر تھا تجھ کو یاد جس سے بہت سے اژدھوں کو تو نے کیلا
بہت سی اور ڈھب کی نخت و پر کا دیا تھا جھونک چولھے میں پتیلا
بلا تحقیق لفظِ ہجر میں کل لیا کیوں حاے حُطّی کا وسیلا
جواب اِس شبہے کا تو مجھ سے سُن لے نہ کالا بَن، نہ نیلا ہو، نہ پیلا
وہ "ہجراً" ہی جو مہجوراً کے ہمراہ[1] سو ہے حُطّی ہی، ہاں مرزا قتیلا
دلے جوانِ قومی کے ہو آخر وہ "مہجوراً" ہے ہوّز سے خلیلا
نہ چٹکی دل میں لے "واصبر علےٰ ما یقولون" آیہ ہے تیرا دلیلا
ذرا تو سورہ مُزّمّل میں تو دیکھ کہ ہے با لفتح وہاں "ہجراً جمیلا"[2]
یہی تو فتح کا باعث ہوا ہے مجھے کیونکر کرے گا تو ذلیلا
بھلا آ تو سہی میں بھی پڑھوں گا یہی آیت "وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا"[3]
جواب اِس کا جو کچھ خاطر میں گذرے تو بسم اللہ، حاضر کر، ابھی لا
پھر اوشاخِ نبات اُٹکھیل سے کہہ اُٹھا دیوان حافظ تو ذری لا
"شبِ وصل است وطے شد نامہ ہجر" پڑھے گا یہاں ہر اک گل سے رنگیلا
سلامٌ ہی حتّیٰ مَطْلَعِ الفَجْرِ[4] یہی مصراع ہے اِس کا سجیلا

ہو الغالب ہے اِنشاء اللہ اِنشا
ترا کیوں اشک سے دامن ہے گیلا

---

[1] "ہجراً مہجوراً" (سورۂ فرقان آیۃ ۳۰، نیز ۵۵)

[2] دیکھو سورۂ مُزّمّل: وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ۝ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ۝

[3] سورہ قدر کی اخیر آیۃ۔

فائق کا معرکہ ایک دوسرا دل لگی کا واقعہ یہ ہے کہ مولانا فائق ایک شاعر تھے جو غالباً امیٹھی مضافات لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کا ایک دیوان بھی محفوظ ہے۔ اُنھوں نے لفظ "ید" کو غلطی سے مشدّد لکھ دیا۔ اس پر انشا کی نظر جو پڑی تو پھر کیا تھا۔ دل لگی کا مسالا ہاتھ لگا جھٹ ایک ہجو لکھی جس میں الفاظ غیر مشدّد کو بھی مشدّد کر دیا ہے ؎

چہ خوش گفت فائقِ شاعرِ غرّا — کہ چوں ذہن او ذہنِ رسا نباشد
یکے شعرِ نادر کہ در چند وزن — شود خواندہ وشک بہ معنیٰ نباشد
در آن لفظِ "ید" را بہ دالِ مشدّد — نوشت است واین غلط اصلا نباشد
شنید ایں سخن را، چو گسترد سخن — زانشا کہ ہمسرش اصلا نباشد
بہ گفتا کہ من شاعرِ خوش فکرم — چو من ہیچ مغل گویا نباشد
تو گلستان را ندانی دُرست — ترا ہیچ شعور و ذکا نباشد
سند یاد از اوستا دست مارا — بہ کلامِ او ہیچ خطا نباشد

چو تشدید در شعر ضرورت اُفتد
تشدید صحیح چرا نباشد

اِنھیں فائق نے انشا کی ہجو کہی تھی اور خود ہی اُن کو سنائی تھی۔ انشا بہت خوش ہوئے اور پانچ روپئے انعام دے کر یہ قطعہ اُن کے حوالے کیا ؎

فائقِ بے حیا چو ہجوم گفت — دلِ من سوخت، سوختہ ہے
صلہ اش پنج روپیہ دادم — دہنِ سگ بہ لقمہ دوختہ ہے

تصانیف انشا کی تصانیف حسب ذیل ہیں :-
(۱) کلیات جس میں یہ چیزیں شامل ہیں : (۱) اُردو غزلوں کا دیوان۔ (۲) دیوان ریختی۔ (۳) قصائد اُردو (۴) قصائد فارسی (۵) دیوان فارسی (۶) مثنوی شیر برنج بزبان فارسی (۷) مثنوی فارسی بے نقط (۸) شکار نامہ نواب سعادت علی خاں بزبان فارسی (۹) مختلف ہجویں۔ گھسلوں، پسوؤں وغیرہ کی

(۱۰) مثنوی عاشقانہ ۔ (۱۱) چنچل پیاری ہتنی کی شادی (۱۲) متفرق اشعار، معنے، پہیلیاں رباعیات وغیرہ ۔ (۱۳) دیوان بے نقط ۔ (۱۴) مأۃ عامل عربی کا ترجمہ فارسی میں۔

۲ ۔ دریائے لطافت، اردو صرف ونحو اور معانی وبیان کی ایک کتاب اِس کی تصنیف میں مرزا قتیل بھی برابر کے حصے دار رہے۔

۳ ۔ داستان رانی کیتکی، ایک چھوٹی سی داستان ہر جس میں عربی اور فارسی کا کوئی لفظ آنے نہیں دیا ہے۔ آج کل جو لوگ زبان ہندوستانی کے بڑے طرفدار ہیں، اُن کے ڈھب کی کتاب ہر۔

۴ ۔ لطائف السعادت ۔ ایک مختصر رسالہ، جس میں وہ لطائف ہیں جو اُن کے اور سعادت علی خاں کے درمیان خلوت میں ہوتے تھے۔

کلام پر اعتراضات اور اُن کے جواب

سیّد انشا کے کلام پر دو خاص اعتراضات وارد ہوتے ہیں:۔

(۱) اُن کا کلام بوجہ بے اعتدالیوں کے ہر ایک مقام پر قابل سند نہیں ہر۔

اِس اعتراض کا جواب مولانا آزاد یہ دیتے ہیں:۔

"یہ بات درست ہر مگر اُن کی بے اعتدالیاں کچھ جہالت کے سبب سے نہ تھیں بلکہ عمداً تھیں یا بے پروائی کے سبب سے تھیں کہ اپنے طبعِ وقّاد اور جامعیتِ استعداد کے سامنے قواعد اور اہل قواعد کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔" (آبِ حیات)

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہر کہ اُن کا کلام رندانہ یا شہدانہ ہر۔ جو اُن کے کلام میں ہزل ہر نہ بقدرِ نمک ہر بلکہ غذا کی مقدار سے بڑھی ہوئی ہر۔

اِس کا جواب بھی آزاد ہی کی زبان سے سنیے:۔

"یہ بات بھی درست ہر مگر اِس کا سبب یہ ہر کہ وقت حاکم جابر ہر اور پسندِ عام اُس کا واضعِ قانون ہر۔ اُس وقت شاہ و اُمرا سے لے کر گداو غربا تک اِنھیں باتوں سے خوش ہوتے تھے اور قدر دانی یہ کہ ادنیٰ ادنیٰ

نظموں پر وہ کچھ دیتے تھے جو آجکل کے مصنفوں کی کتابوں پر نصیب نہیں ہوتا۔ سید انشا اگر یہ نہ کرتے تو کیا کرتے پیٹ کو کاٹ کر کہاں پھینک دیتے..... انصاف کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ جو کچھ وہ کامل ہزار فن کر گیا ہر ہر ایک کا کام نہ تھا۔" (آب حیات)

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ ہر شاعر اپنی سوسائٹی کے رسم و رواج اور اپنے زمانے کے عادات و خصائل اور تخیلات کی نقل کرتا ہے بلکہ نقل کرنے پر وہ مجبور ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے گا تو اُس کے کلام کو کان دھر کے کون سنے گا۔ لہٰذا وہ بیچارہ فاقے مرے گا۔ اسی وجہ سے کوئی بڑے سے بڑا اور جواں مرد سے جواں مرد شاعر بھی یہ نہیں کر سکتا کہ وقت کی ترازو سے اپنے کلام کو نکال کر سو برس قبل یا سو برس بعد کی ترازو میں تولے۔ انشا نے بھی یہی کیا اور جو کچھ کیا وہ بجا کیا۔ اس پر کسی کو اعتراض کا موقع کیا ہو سکتا ہے۔

دیوان کی تدوین و ترتیب برخلاف اکثر شعرا کے انشا کے دیوان کی ترتیب خود انھیں کے ہاتھوں ابتداے عمر میں ہی میں ہوئی تھی۔ مؤلف تذکرہ مخزن الغرائب کا قول لکھا جا چکا ہے کہ سولہ برس کی عمر میں جب انشا نواب شجاع الدولہ کے ملازم ہو کر عہدۂ مصاحبت سے سرفراز ہوئے اُسی وقت اُن کا دیوان اُردو دلچسپ نئے طرز سے تیار تھا۔ اُس کے بعد جو کچھ وہ کہتے رہے سب اُس میں شامل ہوتا رہا۔

تمام تذکرہ نویس اُن کی قدرت نظم کے قائل ہیں۔ اکثر یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے رنگ میں فرد ہیں۔ دو ایسے بھی ہیں جن کو تھوڑا سا اختلاف ہے۔ ایک حکیم قدرت اللہ خاں قاسم، دوسرے نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ مگر ان کی جودت طبع کے دونوں مقر ہیں۔ قاسم کہتے ہیں "اما از راستی نباید گذشت و حق نتواند پوشید کہ میر موصوف شاعر لیست زبردست و سخن سنجیست قوی بازو۔" شیفتہ باوجود اختلاف کے قائل ہیں کہ "در شوخیِ طبع و جودتِ ذہنِ او سخنے نیست۔" بلکہ اُن کے اس شعر پر جھوم جھوم جاتے ہیں ؎

اُس سے خلوت کی ٹھہر جاتی، تو میں اللہ سے
واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا

کلام پر تفصیلی رائے

انشا کے کلام پر یعنی اُن تمام اصنافِ سخن پر جن پر انشا نے خامہ فرسائی کی ہر نمبر وار الگ الگ اجمالاً رائے زنی کی جاتی ہے:-

جامعیت

(۱) اُردو اور فارسی شاعری میں جس قدر اصنافِ سخن مروّج ہیں اُن سب پر انشا نے طبع آزمائی کی، بلکہ وہ چیزیں بھی جو عام طور پر شاعری میں داخل نہیں ہیں، اُن پر بھی اپنی طبعی ذہانت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ لکھا ہے یعنی طلسم، معمّے، پہیلیاں وغیرہ۔ صنائع کو بھی نہیں بھولے۔ علاوہ معمولی اور مروجہ صنعتوں کے صنعتِ مہملہ (غیر منقوطہ) پر دل کھول کے طبع آزمائی کی۔ علاوہ ایک مختصر دیوان غیر منقوطہ کے ایک زور دار قصیدہ "طور الکلام" بھی اسی صنعت میں لکھا۔ اُن کے زمانے میں ریختی کا بھی رواج ہو چلا تھا۔ یہ دلچسپ چیز اُن کی نظر سے کیونکر بچ سکتی تھی۔ لہٰذا اس پر بھی دل کھول کے لکھا۔ اور اپنی تیزی و طراری اور مضمون آفرینی سے اِس لغو صنف کو بھی اعلیٰ درجے پر پہنچا دیا، چنانچہ اُن کے زمانے میں اور نیز اُن کے بعد بھی کسی ریختی گو کا کلام انشا کے برابر نہیں پہنچ سکا۔

انبساطی رنگ

(۲) انشا کی شاعری کا یہ خاص تخصّص ہے کہ اُس کا رنگ انبساطی ہے، یعنی انشا کے کلام کو پڑھ کر دل کو انبساط اور خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو انشا کے کلام کا ایک مایۂ ناز جوہر، اور اُن کی شاعری کو تمام دوسرے شعرا کی شاعری سے ممیّز کر دیتی ہے۔ اُردو شاعری میں فارسی شاعری کے تتبع میں چار رنگ خاص طور پر متمایز ہیں۔

(۱) عاشقانہ، (۲) صوفیانہ، (۳) تخیلی، (۴) خارجی رنگ، جو سلاست زبان اور برجستگی محاورے سے پیدا ہوتا ہے۔ ممکن ہے ان چار رنگوں کے علاوہ اور بھی رنگ ہوں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ انھیں چار مختلف رنگوں پر شاعری کا دارومدار ہے۔ ہماری شاعری زیادہ تر عاشقانہ ہے جس کا غالب عنصر یا جزو لاینفک حزن و ملال ہے۔ اس کے علم بردار میر تقی میر ہیں۔ اور اس رنگ کو انھوں نے اتنا اور ایسا برتا کہ کوئی شاعر اُن کے پاسنگ کو بھی نہیں پہونچ سکا۔ اور کسی شاعر کو اُن کا انداز کلام نصیب نہ ہوا۔

اس کے بعد صوفیانہ یعنی تصوف آمیز شاعری ہے۔ اس کے علم بردار خواجہ میر درد ہیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس صنف پر ہمارا چھوٹا بڑا ہر شاعر طبع آزمائی کرتا ہے مگر تصوف کا اصلی رنگ و اثر پیدا نہیں کر سکتا۔ داغ۔ امیر۔ جلال وغیرہ اور اُن کے علاوہ بیسیوں شاعروں نے تصوف کے رنگ میں کچھ نہ کچھ ضرور لکھا مگر خواجہ میر درد کی زبان اور اثر نہ پیدا کر سکے۔

فارسی کے تتبع میں اُردو شاعری میں بھی تخیل کا بڑا مرتبہ اور زور ہے۔ اُردو شاعری میں اِس صنفِ خاص کے علم بردار میرے نزدیک سودا اور غالب ہیں۔

خارجی یا بیانیہ رنگ جو سلاستِ الفاظ اور صحت محاورات سے پیدا ہوتا ہے اس کے علم بردار استاد ذوق ہیں۔ اب ان چاروں اصنافِ سخن پر نظر ڈالنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ ہماری شاعری میں انبساطی رنگ یعنی خوشی و شادابی اور ہنسنے ہنسانے کا نہ کہیں ذکر ہے اور نہ اُس کے فائدے اور مرتبے کے ہمارے شعرا قائل ہیں۔ پس اس صنفِ خاص کو اگر انشا نے اپنا مخصوص رنگ قرار دیا تو اُردو شاعری کو ایک بہت بڑے الزام سے بچا لیا۔

ہجو اور ہیومر میں فرق

(۳) کہا جا سکتا ہے کہ انشا کے قبل بھی یہ رنگ کسی نہ کسی حد تک اور کسی نہ کسی صورت میں ضرور تھا۔ مثلاً سودا کی ہجویات وغیرہ۔ مگر سودا کی ہجو اور انشا کے خالص ہیومر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ سودا اپنی خوش طبعی کے لیے کسی نہ کسی شخص یا چیز کو ڈھونڈھتے اور اُس کو اپنا زیرِ مشق بناتے تھے۔ برخلاف اِس کے انشا کے لیے کسی ایسے زیرِ مشق کی ضرورت نہ تھی۔ وہ معمولی سے معمولی باتوں میں مذاق کا پہلو اِس خوبصورتی سے نکالتے جس کو پڑھ کے دل خوش ہو جاتا اور ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ جاتے ہیں۔ اُن کو ہمارے ہنسانے کے لیے کہیں دور جانا نہیں پڑتا۔ قریب ہی کی پیش پا اُفتادہ باتوں سے ایسی مذاق کی چیزیں پیدا کر لیتے ہیں کہ دل خوش ہو جاتا ہے اور یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ معمولی معمولی چیزوں میں اس قدر شگفتگی اور مذاق کیوں کر بھرا جا سکتا ہے۔ یہ انشا کا کمال اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہونے کا نتیجہ تھا کہ محض ردیف و قافیہ کے الفاظ انتہا درجے کا

ہیومر پیدا کرنے کے لیے کافی تھے مثلاً وہ غزل لیجیے جس کی ردیف "لڑے" اور قافیہ بھی "کڑے بڑے" وغیرہ ہے۔ ردیف و قافیہ کے الفاظ ایسے معمولی ہیں کہ جن سے کوئی ہنسی مذاق کا مضمون نکالنا مشکل معلوم ہوتا ہے مگر الفاظ کی در و بست اس انداز کی ہے جس سے اشعار بے انتہا بامذاق ہو گئے ہیں۔ مثلاً ؎

کل ایک گھر میں خوب سے چھوٹے بڑے لڑے — ہاتھوں سے ہاتھ اور کڑوں سے کڑے لڑے
چھلنی سے چھاج، چھاج سے چھلنی اُلجھ گئی — مٹکوں سے مٹکے ٹوٹے گھڑوں سے گھڑے لڑے
لڑکوں سے لڑکے چمٹے جوانوں سے سب جوان — بڈھوں سے بڈھے کُڑ بڑوں سے کُڑ بڑے لڑے
چھوٹوں سے چھوٹے گتھ پڑے چوٹوں سے چوٹیاں — بیٹھوں سے بیٹھے لپٹے کھڑوں سے کھڑے لڑے
حُقّوں سے حُقّے چلموں سے چلمیں بھی ٹوٹیاں — نیچوں سے نیچے گڑ گڑوں سے گڑ گڑے لڑے
جب تُل گئی لڑائی ترازو کی تول میں — بانٹوں سے بانٹ ٹوٹے دھڑوں سے دھڑے لڑے

اِنشا یہ دیدے اپنے بھی اس دھوم دھام میں
دیدوں سے ایک شخص کے ہو کر کڑے لڑے

میں سوچتا ہوں کہ اس غزل میں انبساطی عنصر کس وجہ سے پیدا ہوا، تو جواب ملتا ہے کہ سیکالوجی کا اصول ہے کہ غیر متوقع چیز کے ظاہر ہونے سے مذاق پیدا ہو جاتا ہے اور اس غزل میں غیر متوقع چیزوں کے بیان کرنے کا خاص طور پر التزام کیا گیا ہے۔

دوسرے شعرا کا رنگ (۴) اُن کے کلام میں اکثر مشہور شعرا کا خاص رنگ بلکہ صحیح نقشہ اور صحیح اتباع موجود ہے جہاں وہ جذباتی شعر کہتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ میر تقی میر کا کلام ہے مثلاً ؎

جھوٹا نکلا قرار تیرا — اب کس کو ہے اعتبار تیرا
دل میں سو لاکھ چٹکیاں لیں — دیکھا بس ہم نے پیار تیرا
لپٹوں ہوں گلے سے آپ اپنے — سمجھوں ہوں کہ ہے کنار تیرا

اِنشا سے نہ روٹھ، مت خفا ہو
ہے بندۂ جاں نثار تیرا

کہیں سودا کی، کہیں میر سوز کی اور کہیں جرأت کی پیروی معلوم ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو وہ اس طرح ادا کرتے ہیں ؎

بو باس نکلتی ہے کچھ شعر میں انشا کے — جامی کی نظامی کی سعدی کی سحابی کی

پھر کہتے ہیں ؎

میر و قتیل و مصحفی و جرأت و مکیں — ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار چار پانچ
سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ کے — انشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار چار پانچ

مشکل زمینیں (۵) سخت سے سخت زمینوں میں غزلیں کہتے اور اُن دشواریوں سے جو ایسی زمینیں اختیار کرنے سے پیدا ہوتی ہیں، نہایت آسانی سے عہدہ برا ہو جاتے ہیں۔ ایسے ایسے صاف شعر کہہ جاتے ہیں کہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ کوئی مشکل ردیف و قافیہ تھا ؎

آیا وہ خود فروش جو بازارِ حسن میں — سودے میں اس کے سیکڑوں مفلس نے غش کیا
غفلت تو آگئی تھی نشے میں ہمیں ولے — چلتے تو پھر بھی شکوۂ فرطِ عطش کیا

رہیں گے خلد میں دائم اگر سوزِ دروں والے — تو پھونکیں گے وہاں بھی سُندر اعراف کا جوڑا

خرابات کی جب سے عادت پڑی ہے — چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا

لچک سی آگئی ہے شاخِ گل کے شانے میں — خدا کے واسطے اپنی کمر تو مت لچکا

ایک ہی زمین میں متعدد غزلیں (۶) ایک ایک زمین میں کئی کئی غزلیں کہتے چلے جاتے ہیں اور کہیں دماغ کو تھکن نہیں معلوم ہوتی۔ کبھی ایک ہی ردیف قائم رکھتے ہیں اور قافیے تبدیل کر کر کے کئی کئی غزلیں کہہ جاتے ہیں اور روانی طبع پر کسلمندی کے آثار معلوم نہیں ہوتے۔ مثلاً اُن کی غش کیا"

اور "جوڑا" ردیف والی غزلیں دیکھ لیجیے معلوم ہوتا ہے کہ کسی دریا کا بند ٹوٹ گیا ہے اور پانی کا سیلاب ساری زمین کو تہ آب کئے دیتا ہے۔

محاورات کا صحیح اور برمحل استعمال (۷) چونکہ وہ زبان پر عبور کامل رکھتے ہیں اس لیے محاورات اور ضرب الامثال برمحل اور نہایت بے تکلفی کے ساتھ استعمال کرتے ہیں ؎

غلام میں تو ہوں اُن صاحبوں کی کھُرچن کا　　سڑی تو صاحبی اس پر چبوترا گچ گا

ہوں کشتہ اُن کے گچھے اشاروں کی چوٹ کا　　تھا جن کے سر دُپٹا تمامی کی گوٹ کا

تک قیس کو چھوڑ چھاڑ کر عشق　　لپٹا مجھے پنجے جھاڑ کر عشق

فحش کی طرف گچھے اشارے (۸) وہ باتوں باتوں میں ایسے اشارے کر جاتے ہیں جو حدودِ غزل گوئی کے اندر تو ہوتے ہیں مگر مزاح و ہزل کو فحش کی حدود سے ملا دیتے ہیں، ایسی استادی کے ساتھ کہ کوئی اُن کو کھلا ہوا فحش کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اِس قسم کے شعر اُن کے دیوان میں چالیس پچاس فی صدی سے کم نہ ہوں گے ؎

یہ بھی قسمت نہ کھلا قفلِ در اور بہتیری　　اس نے شب دیر تلک زیر و زبر کی کنجی

چل نہ امریّوں میں جھولیں لیں درختوں کی ہوا
چھا گئی کالی گھٹا ہے تیرہ بختوں کی ہوا

منظور اور بات جو کچھ ہو تو آیئے　　گلشن میں اک کنارے ہے چمپا کا جھاڑ خوب

کب چاہوں ہوں میں صرف ملاقات کی ٹھہرے　　تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے

طل

بجو باتیں کروں عرض میں خدمت میں تمھاری　　صحبت مری اور آپ کی گررات کی ٹھہرے

جس جگہ لینے سے تو چونک پڑے　　لیجے ایسے مکان میں چٹکی

مانگا جو میں نے بوسہ اُن سے چمن کے اندر
بولے کہ یاں نہیں چل مچھی بھوون کے اندر

دو تین دن تو ہو چکے اب پھر وہیں چلو　　فیروز شہ کی لاٹ کے اُس چوتھے کھنڈ پر

بھلا آپ شرمائے کس واسطے　　کبوتر کا باہم جو جوڑا لگا

نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخ طرحدار کی گیند　　اُس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند۔

تفضلات نہیں لطف کی نگاہ نہیں　　معاملہ ابھی مطلق وہ روبراہ نہیں

شیخ وزاہد سے مذاق

(۹) شیخ وزاہد وغیرہ سے جو مذاق کرتے ہیں وہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا، باوجود اِس کے کہ اِس قسم کی چیزوں سے ہمارے شعرا کے دیوان بھرے پڑے ہیں مگر انشا کا رنگ سب سے الگ ہے جس کے وہ موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ اس مزاحیہ رنگ کو وہ مختلف طریقوں سے پیدا کرتے ہیں مثلاً ؎

مزے خوب لوٹو گے کیوں شیخ صاحب　　ملیں گے بہشت بریں میں اگر پر
زمرد کی ایک چونچ ہوگی بڑی سی　　کہ مارو گے ٹھونگ اس سے ہر اک ثمر پر
پڑے اُڑتے پھریے گا جوں کالا کوّا　　کبھی اِس شجر پر کبھی اُس شجر پر

۱۔ کہیں ردیف وقافیہ کے زور پر ؎

طوافِ حرم تجھ کو زاہد مبارک — مرا اور تیرا نہیں ساتھ رہ کا
صنم خانے جاتا ہوں مجھ کو تو ناحق — نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا

۲۔ کہیں پر لطف پھبتیوں کے ذریعے سے ؎

اِس مٹھو سے پن پہ میٹھے کس قدر ہیں شیخ جی
تو نہ تم اِن کی نہ سمجھو ہو یہ مٹکا راب کا

کیوں نہ لڑکے سب کہیں ہوا تمھیں، اے شیخ جیو!
ہو جھموڑے کی سی صورت ہی ڈرانی آپ کی
گول پگڑی، نیلی لنگی، مونچھ منڈی، تنکہ ریش
پھر وہ رومال اور وہ اخ تھو ناس دانی آپ کی

کل شیخ پوپلے کو اِک ٹوٹے پُل کے نیچے
میں نے کہا کہ تم نے اِس پل کا مُنہ چڑایا

شیخِ دراز قد نے جو مجلس میں ڈگ بھرے — پھبتی کہی سبھوں نے کہ آیا کلنگ فرش

مختلف فرقوں کی زبان کی صحیح نقالی

(۱۰) وہ مختلف فرقوں، مختلف مذہبوں اور مختلف قوموں کی زبان کی ایسی نقالی کرتے ہیں کہ اصل و نقل میں فرق نہیں معلوم ہوتا (آزاد فقیر) ؎

گر حکم ہو تو سائیں سلفے کا دم لگا کر — پھنکاروں اور بھی میں سبزی کا ایک کوڑا

کھینچتا ہوں نعرۂ حق کھیلتا دھمّال ہوں — اے مرے سائیں مدد، داتا مدد، مولےٰ مدد
اب کسی موذی کو جڑتا ہوں پھر اک بھنگ گھوٹتا — ہو مدد، حق ہو مدد، ہو ہو مدد، ہا ہا مدد
نام پر سالار دل کے عشق کوڑا بھر کوئی — گاجنا دولھا مدد، مجلوا مدد، سہرا مدد

یورپین لہجہ ؎

کرچ لے کر آہ کی کہتا ہو یوں دل چرخ سے　　تم سے دل بوگر بڑا صاحب لڑائی مانگتا

گنواری بولی ؎

چھکری میں پھکر بھی پیٹھ آئے کے　　جھاؤ میاں کو بھویں پہ چوٹکس گھمائے کے
انسالہ کھاں میاں بڑے پھاچل جہین ہیں　　صد را پڑھیں ہیں جن ستی طلبلم آئے کے

آغاؤں کی بولی ؎

سن کر اسیر باد، بس آغا نے ایک جریب　　دی پشت برہمن پہ بزور تمام چھوڑ
کہنے لگا "چہ رنجی چہ رنجی" تو بولے آپ　　کردی تو بد دعا مجھے، رام رام چھوڑ
ایں مردمانِ ہند مرا می کنند اسیر　　ام بابا بھاگ جاویں گے بس این مقام چھوڑ

اِن اشعار کا مطلب یہ ہو کہ ایک آغا کو ایک برہمن نے "اسیر باد" کہہ کر دعا دی۔ آغا صاحب بجائے دعا کے اِس کو بد دعا سمجھے یعنی "تو قید ہو" اور بگڑ کے برہمن کو ایک ڈنڈا رسید کیا، برہمن ڈر گیا اور "چہ رنجی چہ رنجی" کہہ کر عذر خواہی کی اور معافی مانگی۔ آغا صاحب لفظ "چہ رنجی چہ رنجی" سے رنجیدہ ہو گئے اور اِس کو بھی ایک کوسنا سمجھے اور غصے سے کہنے لگے کہ "رام رام" کی جگہ تو نے مجھ کو "چہ رنجی چہ رنجی"۔ کیوں کہا۔ آخر میں یہ فرمایا کہ ہندوستان کے آدمی عجیب ہیں کہ مجھ کو اسیر کرنا چاہتے ہیں۔ ہم بابا اس ملک سے بھاگ جاویں گے۔

عورتوں کی زبان ؎

لگی کہنے انشا کو شب وہ پری　　مجھے بھوت ہو، یہ نگوڑا لگا

ہندو عورتوں کی بول چال ؎

کیڑے کا پر انگیا میں لگا، رادھکا بولی　　ہر کشن! یہ کاٹن کو مورے انگ میں کیڑا

مارواڑی بولی۔ (مثنوی ہجو گیان چند ساہوکار دیکھیے)

ظرافت برائے ظرافت

(۱۱) کہیں ظرافت سے سوائے ظرافت کے اُن کا کوئی دوسرا مطلب نہیں ہوتا۔ اس طرح کے اشعار بھی انشا کے یہاں بکثرت ہیں اور ان کا یہ رنگ دوسروں کے لیے ناقابلِ اتباع ہے ؎

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا　　جب دھم سے آ کہوں گا "صاحب سلام میرا"

خیال کیجیے کیا آج کام میں نے کیا　　جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

حبابِ بادہ کو کیونکر کرے نہ پیارا انشا　　کہ ہے یہ شیشے کا بیٹا ایاغ کا پوتا

دوسرے مذہبوں کی تلمیحات

(۱۲) چونکہ وہ دوسروں کے مذہبی رسم و رواج سے بخوبی واقف ہیں اس لیے ان کی تلمیحات بہت صحیح اور بے تکلف ہوتی ہیں اور ایک نیا لطف پیدا کرتی ہیں ؎

جہاں کے تھے راجہ بھرتری جی، کنواں بنانے کو واں کسی نے
زمین کھودی تو ایک جوگی دھرے ہوئے سر پہ نا ند نکلا

راجہ نل اور دمن کیوں نہ ہوں صدقے دونوں
کھیلے جس بزم میں معشوق سے چوپڑ عاشق

مہاراجا، جہاں چگتے تھے موتی ہنس کے جوڑے
وہاں کا اب شتری ٹھاکر بنا ہے کاگ کا جوڑا

مسائلِ تصوّف و فلسفہ

(۱۳) شوخی کلام کے ساتھ تصوّف اور فلسفے کے مسائل بھی نہایت خوبصورتی سے موثر پیرائے میں بیان

کرتے ہیں ؎

کیوں شہر چھوڑ عابد غارِ جبل میں بیٹھا — تو ڈھونڈتا ہے جس کو ہے وہ بغل میں بیٹھا

جمعیت اجزا کا "کُل" نام ہے اے انشا — ہر چند کہ جُز ہیں پر موجد ہیں ہمیں کُل کے
یاں جام و صراحی سے اب دورِ تسلسل ہے — منکر حکما سب ہیں گو دورِ تسلسل کے

تجھے انشا اور تو کیا کہوں دو جہاں میں کوئی بھی طرف ہے
جو خدا کے نور سے پُر نہ ہو کہ محال دہر میں ہے خلا

اشعار میں عربی جملوں اور فقروں کی تضمین

(۱۴) عربی فقروں اور جملوں اور آیاتِ قرآنی کو نہایت خوبصورتی سے نظم میں بٹھاتے ہیں ؎

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھا لا — قُمْ خُذْ بِیَدِی وَ فَتَّکَ اللّٰہُ تعالیٰ

صنعا برتبِ کریم یاں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر الستُ بربِّکُم تو ابھی کہے تو کہیں "بلیٰ"

عجیب حمد و نعت

(۱۵) حمد و نعت دونوں ایسی چیزیں ہیں جہاں تمسخر اور شوخیوں کی مطلق گنجائش نہیں مگر انشا اس میدان میں بھی اپنی چال نہیں بھولتے اور اُسی طرح اکڑ کر چلتے ہیں ؎

ہے یاد میں تمھاری بیٹھا ہوا مُراقب — چارم فلک پہ عیسیٰ کھینچے ہوئے اُداسا

کرّوبیاں تمھیں اب کیوں پیشوا نہ سمجھیں — رُوحُ القُدُس ہے ادنیٰ اِک بالکا تمھارا

تم نے سکھا دیا کیا جبریل کو، نہ جانے　　جھٹ زیرِ سدرہ اُن نے جو بستر اجما یا

جھمکا چمک کا تڑے اِس نمک کا　　نہ لیتا جو مکّا تو تھا بن کمک کا
شتر بے مہار اس میں کفتار رہتے　　دیا بوتے دانہ جوار اور مکّا

لفظی صنائع (۱۶) اُن کے کلام میں لفظی صنائع بکثرت ہیں۔ یہ چیز اگرچہ ان کے زمانے میں متروک ہو چکی تھی، اور اہلِ ذوق اس سے کچھ دلچسپی نہ لیتے تھے، مگر اِنشا نے اُنھیں صنعتوں میں کچھ ایسا مزہ پیدا کیا کہ سامعہ کو پھر اِدھر توجہ دینی پڑی ؎

سحر ایک ماش پھینکا مجھے جو دکھا کے اُن نے　　تو اِشارہ میں نے تاڑا کہ ہے لفظِ شام اُلٹا
لگے کہنے آپ "مانع" تجھے ہم کہا کریں گے　　کہیں اُن کے گھر سے بڑھ کر جو پھرا غلام اُلٹا

فقط اِس لفافے پر ہے کہ خط آشنا کو پہونچے
تو لکھا ہے اُن نے اِنشا یہ ترا ہی نام اُلٹا

ان اشعار میں الفاظ "ماش و شام"، "مانع و غلام"، "آشنا و انشا"، ایک دوسرے کے مقلوب ہیں۔

اُن کے معاشیق (۱۷) اُن کے معاشیق اکثر عورتیں ہیں ؎

نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخِ طرحدار کی گیند　　اُس نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند

اُس پریزاد کے جی صدقے کہا یوں جن نے　　میری ڈولی میں لگا دیجیو مہرا پردا

دھم سے ہم دونوں گرے فرش پہ اِس روپ کہ رات
رہ گیا اُن کا دوپٹا بھی چھپر کھٹ سے لپٹ

آہٹ کو میری تاڑ کے چوکھٹ سے جھٹ اُچک
جھٹ پٹ وہ ہٹ کواڑ کے پٹ سے چمٹ گئی
شب میں نے جوں ہی ہاتھ لگایا، تو وہ پَری
بے اختیار شرم کے مارے سمٹ گئی

انشا اور دیگر شعرا کے کلام میں ایک مابہ الامتیاز فرق

(۱۸) انشا اور اُن کے معاصرین کے کلام میں ایک مابہ الامتیاز فرق یہ ہے کہ انشا کے یہاں نہ قدیم و فرسودہ زبان ہے اور نہ قدما کی طرح اُلجھی ہوئی ترکیبیں۔ ڈیڑھ سو برس گذر گئے ہیں مگر انشا کی زبان پُرانی نہیں معلوم ہوتی اور بہت کم چیزیں ایسی ہیں جو بدل کر آج کچھ سے کچھ نہ ہو گئی ہوں۔ اصل یہ ہے کہ اُن کی قادر الکلامی اور جودتِ طبع کی عینک نے اتنی دور کی چیزوں کو کس صفائی سے دیکھ لیا تھا۔

بہت ممکن ہے کہ غور کرنے پر اُن کے کلام میں اور بھی خوبیاں ملیں، مگر فی الحال ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔

دیوان اِنشا عرصے سے ختم ہو کر نایاب تھا اور یہ کمی ادب اُردو میں ایک بہت بڑی کمی سمجھی جاتی تھی۔ انھیں ضرورتوں پر نظر کر کے اس کو ایک جدید طرز سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اُمید ہے کہ قدر دانانِ ادب کے لیے یہ ایک گراں مایہ تحفہ ہوگا۔

لکھنؤ، ۲۸ اپریل ۱۹۴۵ء — مرزا محمد عسکری عفی عنہ

کلامِ انشا

(اُردو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غزلیات

①

یہ سرِ دیوان غزل حمد میں ہے، اِس کے بعد والی غزل نعت میں ہے اِنشا نے قدما کے تتبع میں اپنے دیوان کی ابتدا حمد و نعت سے کی ہے زبان بہت سلیس و بامحاورہ، مطالب بلند، مگر غالب کی سی بلند پروازی اِس میں نہیں، ان کی خاص خصوصیت ظرافت بھی غائب ہے، کیونکہ ظرافت اور تمسخر کا موقع خدا و رسول کی تعریف میں کیا ہو سکتا ہے، اِنشا ایسا ظریف و چٹکلہ شخص یہاں ہمارے سامنے نہایت مؤدب و مقطع بن کر اور سنجیدہ صورت بنا کر آتا ہے، اُس کی بناوٹی سنجیدگی بھی ہم کو پسند ہے اور ہم زیرِ لب مسکراتے ہیں چونکہ حمد کی غزلیں عموماً زور دار ہوتی ہیں، اِنشا نے بھی اس غزل میں لفظاً اور معناً دونوں اعتبار سے حتی المقدور اپنا زورِ قلم دکھایا ہے، بحر بھی ایسی اختیار کی ہے جس میں ایک موسیقیت اور نرنم ہے، چھٹے اور ساتویں شعر میں تصوّت کا بھی ایک رنگ ہے، جو اِنشا پر کھپتا نہیں، مقطع میں فلسفے کا مشہور مقولہ "خلا محال ہے" صحیح مانا ہے، اس لیے کہ جب نورِ الٰہی دونوں جہان میں بھرا ہوا ہو، تو پھر خلا کہاں۔

صنما بر بکریماں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا[1] کہ اگر "الستُ بربکم" تو ابھی کہے تو کہیں "بلےٰ"[2]

---

[1] "یہ مبتلا" یعنی اس قدر عاشق ہیں۔ [2] اشارہ ہے آیہ کریمہ "الست بربکم قالوا بلےٰ" کی طرف۔

ہوسِ جمالِ حبیب ہو تجھے کچھ ملا تو کلیم دشت — نہ وہ لن ترانی اُدھر کی سُن اِدھر ہی کہنے پہ جی چلا[۵۱]
وہ جو محوِ مستِ نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں وہ — کہ اسی تجلّیِ نور نے ہمیں مثلِ طور دیا جلا
یہ محمدؐ عربی تو دے دو سہ جام بادۂ نور وہ — کہ نہ سوجھے شکر میں ساقیا ہمیں کچھ جہاں کا بُرا بھلا
بہ روانِ ساقیٔ کوثرا، سرِ خم کو پیرِ مغاں ہلا[۵۲] — سبھی اہلِ وجد کو مے پلا کے تو شیخ و شاب کو دے صلا[۵۳]
یہ جو کیجیے کعبے میں ہے فقط، یہ غلط ہے محض اسی نمط — جدھر آنکھ اُٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھ کو وہ برملا[۵۴]

تجھے انشاؔ اور تو کیا کہوں وہ جہاں میں کوئی بھی ظرف ہے،
جو خدا کے نور سے پُر نہ ہو کہ محال دہر میں ہے خلا

(۲)

یہ غزل ایک مشہور طرحی زمین میں ہے، جس میں میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ وغیرہ یہاں تک کہ نظیرؔ اکبر آبادی نے بھی طبع آزمائی کی ہے سوداؔ کا مطلع اور سب کے مطلعوں سے بہتر اور بہت اعلیٰ درجے کا ہے فرماتے ہیں ؎

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا — سو حضرتِ دل سلمہٗ اللہ تعالےٰ

یہ تعجب کی بات ہے کہ ہر شاعر نے اس غزل میں کوئی عربی جملہ موقعے سے ضرور نظم کیا ہے۔ چنانچہ انشاؔ کے مطلع کا دوسرا مصرع بھی اسی انداز کا ہے، غزل کے آخری چار شعر قطعہ بند ہیں جس میں شاعر ساقیٔ کوثر حضرت علیؑ علیہ السلام سے عرض کرتا ہے کہ "دیکھیے حضور عذاب کے فرشتے مجھ کو پکڑ کر دوزخ میں لیے جا رہے ہیں حضور اپنے غلام "قنبر" کو حکم دیں کہ وہ جلدی سے میری خبر لے، اور اولادِ نبی کے سایے میں مجھ کو لے آئے" یہ طلبِ مغفرت بھی نہایت دلچسپ ہے۔

---

۵۱ جی چلا یعنی ہمت کر۔

۵۲ کوثرا میں الف زائد ہے، سجع کی غرض سے بڑھایا گیا ہے

۵۳ صلا "آواز"، دعوت، یعنی شراب پینے کی دعوت۔

۵۴ برملا، صاف صاف، کھلم کھلا۔

اے عشق مجھے شاہدِ اصلی کو دکھا لا[۱] — قُم خُذ یَدِی وَفَّقَکَ اللّٰہُ تَعَالٰے[۲]
ہے تجھ کو جنوں کی قسم اے جذبِ محبّت — اُس نورِ تجلّی کی جھلک مجھ کو جھکا لا[۳]
اِتنا تو پھرا، وادیِ وحشت میں کہ میرے — ہے پائے نظر میں بھی پڑا اشک کا چھالا[۴]
سُوجھے ہے مجھے عالمِ اِطلاق[۵] کی منزل — اُلفت نے تو تقئید کے جھگڑے سے نکالا
ہر چند کہ عاصی ہوں پر اُمّت میں ہوں اسکی — جس کا ہے قدم عرشِ مُعلّٰی سے بھی بالا
مولائے جہاں رہبرِ عشاق، محمدؐ — سب عقدۂ مشکل کا مرے کھولنے والا
اُمید مجھے ساقیِ کوثر سے ہے جس کے (ق) — ہے جامِ تولّا[۶] سے مرا نشّہ دوبالا
قنبر کو کرے حکم کہ جلدی سے خبر لے — اِنشا ہے غلاموں میں مرے اُس کو پھر الا
زنہار نہ پہونچے کہیں آسیبِ[۷] جہنّم — اولادِ نبی کے اُسے سایے میں بُلا لا

سب اُس کے تصدق سے حسین ابنِ علیؑ کے
بخشا کے غفور اپنے سے تو جرم و خطا لا[۸]

(۳)

لاہوت پر نہ دیکھیں جو قدسیاں تماشا[۹] — سو ہم کو ہے دکھاتا عشقِ بُتاں تماشا

۱؎ شاہدِ اصلی، شاہدِ حقیقی یعنی خدا۔

۲؎ یعنی تو کھڑا ہو اور میرا ہاتھ پکڑ خدا تجھ کو اس کی توفیق دے۔

۳؎ جھکانا، جھانکنے کا متعدی ہے۔ یعنی دُور سے یا جلدی سے چھپ کے کسی کو دیکھنا۔

۴؎ مطلب یہ ہے کہ وادیِ جستجو میں پھرنے سے میرے پاؤں میں تو چھالے پڑ ہی گئے ہیں۔ آنکھوں میں بھی آنسوؤں کے چھالے پڑ گئے ہیں۔

۵؎ عالمِ تجرّد و عالمِ تنزیہ یعنی وہ عالم جہاں مادہ سے کوئی تعلق نہ ہو، تقیّد سے مراد عالمِ مادہ ہے۔

۶؎ تولّا۔ محبّت۔

۷؎ آسیب، تکلیف۔ عذاب۔

۸؎ اس شعر میں سخت تعقید ہے، نثر میں اسکی صورت یہ ہوگی "حسین ابنِ علی کے تصدق سے اپنے غفور سے تو اس کے سب جرم و خطا بخشا کے لا"

۹؎ لاہوت یعنی مقامِ فنائی الذات، یا عالمِ ارواح بمقابلہ ناسوت کے جو عالمِ اجساد ہے قدسیاں (جمع قدسی کی) یعنی پاک مقدس ارواح یا فرشتے۔

ٹک کیجے چشمِ دل سے یاں سیر میکدے کی — ساقی عجب مزے کا، پیرِ مغاں تماشا[1]
جس نے سُنے یہ میرے اشعار سن کے بولا (ق) — نامِ خدا ہے تو بھی، اے نوجواں، تماشا[2]
اللہ ری فصاحت، اللہ ری بلاغت — ایسا کہاں جھمکڑا[3]، ایسا کہاں تماشا
شوخی ادا سوا یسی جوش و خروش اتنا — بندش دھواں سویہ اور طرز یاں تماشا[4]
دیوان سیکڑوں ہی دیکھے ہیں ہم نے لیکن — اُن میں نظر نہ آیا جو یاں تماشا

کیا خوب واہ ماشاء اللہ، ہے عجب تجھ
دیوان میرا، انشاء اللہ خاں، تماشا

(۴)

کیوں شہر چھوڑ، عابد، غارِ جبل میں بیٹھا — تو ڈھونڈھتا ہے جس کو وہ ہے بغل میں بیٹھا[5]
دل میں سما رہا ہے یوں داغِ عشق اپنے — جس طرح سے کہ بھونرا ہووے کنول میں بیٹھا[6]
سب یار تیرے دم کا ہے یہ شمار، جو مَیں (ق) — یاں ایک کل میں اُٹھا اور ایک کل میں بیٹھا[7]
نارِ نفس ترے ہاتھ، اے یار، مجھ کو تو نے — کھینچا تو پل میں اُٹھا، چھوڑا تو پل میں بیٹھا

رحمت خدا کی، انشاؔ صد آفریں کہ تجھ سے
ہر ایک قافیہ کیا گرم اس غزل میں بیٹھا[8]

---

[1] اس مصرع کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ پیرِ مغاں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ میکدے کی سیر چشمِ دل سے کر، یہاں عجیب تماشا ہے یعنی دیکھنے کے قابل چیزیں ہیں (میکدے سے مراد دنیا ہے) اور دوسرے معنی مذاق کے بیر اٹھے ہیں یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ میکدے کی سیر کر اور وہاں پیرِ مغاں کو دیکھو کہ یہ بھی عجیب چیز ہیں، ایک تماشا ہیں۔

[2] تماشا عجیب لائق و فائق آدمی (ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے)

[3] جھمکڑا، حسین چیزوں کا مجمع یا جمگھٹا۔

[4] دھواں۔ دھواں دھار یعنی پُر زور۔

[5] بغل میں یعنی بہت نزدیک نحن اقرب الیہ من حبل الورید کی طرف اشارہ ہے۔

[6] کنول ایک خوبصورت پھول، بھونرا اس کا عاشق ہے جب بھونرا پھول کے اندر رس چوسنے جاتا ہے تب پھول بند ہو جاتا ہے گویا اپنے عاشق کو اپنے اندر چھپا لیتا ہے تشبیہ نہایت شاندار اور پُر لطف ہے۔

[7] کل سے مراد یہاں اشارہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان خدا کے ہاتھ میں ایک کھلونا یا کٹھ پتلی ہے جس کو وہ جس طرح چاہتا ہے اٹھاتا ہے اور بٹھاتا ہے۔

[8] قافیہ گرم بیٹھنا = ردیف کے ساتھ قافیے کا چسپاں ہونا۔

(۵)

اگر نہ مجھ سے تو آکر لپٹ گیا ہوتا
تو رات تجھ سے مرا جی ہی پھٹ* گیا ہوتا

کسے ہے خندۂ قلقل تبسّمِ گل دیکھ
ہنسی کے مارے مرا دل اُلٹ گیا ہوتا

ہزار حیف، ملا چاندنی میں ہم سے وہ ماہ
وگرنہ رات کو ڈول، اُس سے پٹ گیا ہوتا

دلِ رمیدہ، لگاوٹ نے تیری قہر کیا
جفائے یار سے تو کاش ہٹ گیا ہوتا

بہ شدت آپ سے انشا خفا ہوا تھا رات
تم اُس کو گر نہ مناتے، تو چٹ گیا ہوتا

(۶)

جگر کی آگ بجھے جلد جس میں وہ شے لا*
لگا کے برف میں ساقی صراحیٔ مے لا

قدم کو ہاتھ لگاتا ہوں، اُٹھ کہیں گھر چل
خدا کے واسطے اِتنے تو پانو مت پھیلا

نکل کے وادیٔ وحشت سے دیکھ، اے مجنوں†
کہ زور دھن میں اب آتا ہے ناقۂ لیلا

گرا جو ہاتھ سے فرہاد کے کہیں تیشہ
درونِ کوہ سے نکلی صدائے واویلا

نزاکت اُس کے یہ مکھڑے کی دیکھیو، انشا
نسیمِ صبح جو چھو جائے رنگ ہو میلا

(۷)

تم جو کہتے ہو "مجھے تو نے بہت رسوا کیا"
کیا گنہ، کیا جرم، کیا تقصیر، میں نے کیا کیا

واسطہ، باعث، سبب، موجب، جہت، کچھ بات بھی
راز وہ کم بخت کیا تھا میں نے جو اِفشا کیا

ب ق ۲ = "ہٹ"

* ق ۲ = "بجھے جس میں جلد وہ شولا" ۔ ق ۳ = "بجھے جس میں اب تو وہ شولا"

† ق ۳ = "تو مجنوں"۔

کیا کہا، کس سے کہا، کن نے سُنا، کب، کس گھڑی
کس جگہ، کس وقت، کس دم، آپ کا چرچا کیا

کچھ پتا بھی، نام اُس کا، شکل کیسی، وضع کیا،
جس کسی نے آن کر مذکور اِس ڈھب کا کیا

گبر ہے وہ، یا مسلماں، یا نصاریٰ، یا یہود*،
اِس طرح کا تذکرہ جس شخص نے میرا کیا

شیخ ہے وہ، یا کہ سیّد، یا مغل ہے، یا پٹھان،
مونچھ داڑھی ہے کہ مولا نے اُسے کھوسا کیا

ہے جواں سا، یا وہ امرد، یا کہ بوڑھا، یا ادھیڑ،
مرد ہے، یا حق تعالیٰ نے اُسے خُنسا کیا

نوکری پیشوں میں ہے، یا اہلِ حرفہ وہ عزیز،
کون ہے جس نے تمھیں جانا، اجی! بے جا کیا

کس محلّے میں رہے ہے، ہے کہاں کا وہ خبیث،
کوئی شیطاں ہووے گا جس نے کہ ذکر ایسا کیا

کذب، بُہتاں، افترا، طوفاں، غلط، محض دروغ
میں تمھارا نام لے کب بھلا رویا کیا

مرحبا، شاباش، اے رحمت خدا کی، آفریں
میرے حق میں تم نے باور اور کا کہنا کیا

نقشِ دنداں ---------- حبِ نیلا کیا

کیچ کچاکر ---------- بھلا ---------- اچھا کیا

چودھویں تاریخ اک ابر تنک سا تھا جو رات (ق) صحنِ گلشن میں عجائب سیر میں دیکھا کیا

جھلملی سی چادرِ مہتاب اوپر، برق کا
وہ دوپٹا بادلے کا سا جو لہرایا کیا

یوں لگا معلوم ہونے، ہیں یہ دو پریاں بہم
ایک نے گویا کہ سایا دوسری پر آ کیا

بوے گل بولی کہ "آج آپس میں بدلی اوڑھنی
چاندنی خانم نے بی چیلا سے بہنا پا کیا

خود بدولت تو نہ آئے اور انشا رات بھر
آپ بن، رویا کیا، لوٹا کیا، تڑپا کیا

لہ اس کے بعد کے دو شعر مطبوعہ نسخوں میں غالباً بوجہ مبتذل اور فحش کے حذف کر دئے گئے جن کا ہم نے بھی حذف رہنا ہی مناسب سمجھا ۱۲

[تینوں قلمی نسخوں میں سے کسی قلمی نسخے میں ایسے کوئی شعر نہیں ہیں]

* ق ۲ = "جہود"

ز بل خیلا سب نسخے "چیلا"

(۸)

ہو یہ کھر کھوج مٹے چاہ نصیب اعدا — کرے اس دکھڑے کو اللہ نصیب اعدا
ایک دل خستہ یہ رستے میں کھڑا کہتا تھا — مرضِ عشق نہ ہو آہ نصیب اعدا
حیف تم چاند سا مکھڑا نہ دکھاؤ ہم کو — اور یوں ہو یہ شب ماہ نصیب اعدا
میں کہا حق کرے اب تم بھی کسی کو چاہو (ق) — لگے فرمانے کہ "اے واہ، نصیب اعدا
خاک منہ میں ترے اس منہ کو لگے آگ، مجھے — نہ جھکاوے یہ خدا راہ، نصیب اعدا
دال، فے، عین ہو، رے واو زبر "رو" ہو، ارے — سخت یہ درد ہے جاں کاہ، نصیب اعدا
کوستا ہے مجھے چل دور ہو بد فال نہ بول — میرے بیری مرے بدخواہ، نصیب اعدا
خوبی غلطے کی دوانا ہو بس منہ کو سنبھال — میں کروں غیر کی پرواہ، نصیب اعدا

عشق صاحب کو مبارک رہے انشاءاللہ
عشق اور بندۂ درگاہ، نصیب اعدا

(۹)

اکڑ کے پنجوں کے بل یہ چلنا کیوں کے کشتہ ہوں اس ادا کا (۷)
سجا سجایا کسا کسایا، یہ دھج تو دیکھو، غضب خدا کا
بروں ہو وہم و قیاس سے بھی، کروں جو تعریف اس صنم کی
جوانِ رعنا بہ حسن و خوبی، پری کا عالم غرض، گدا کا

---

(۱) ق: کھر کوج : اصطلاح، خانہ خراب اور ستیاناس ہو جائے۔ (۲) م: "ڈھگڑے"۔ (۳) ق ۳: "ترے"
(۴) ق ۲، ۳ = "جھکاوے"۔ (۵) ق "غلطہ" (۶) ق: دیوانا ق ۲، ۳: دیوانہ
م: دوانہ۔ (۷) ق ۳: نکشتہ کیوں کر۔

نگہ یہ ظلم و کرشمہ آفت، قیامت اُس پر یہ قامت اُس کی
ملاحت ایسی بلا کی توبہ! یہ عالم اپنے ہر دل رُبا کا

بہ رنگ گل کے بھلا میں کیوں کر کروں نہ جیبِ شکیب ٹکڑے
کنار میں اس کو تنگ کھینچے، ہوا یہ مقدور اب قبا کا

گھٹا یہ کالی، گلوں کی یہ بو، خروشِ رعد اور برق ایسا
پلا نہ بھر بھر کے جام، ساقی! سمجھ تو انداز ٹک ہوا کا

شب انکھڑیوں کا تری تصوّر خیال میں مجھ کو اس قدر تھا
کہ بوے نرگس سے پُر ہر اب تک کنارِ دامن مری دعا کا

جو شخص طالب حسین کا ہو، تصدّق اُس کے نہ کس طرح ہوں؟
غلامِ فدوی ہوں جی سے انشا شہیدِ میدانِ کربلا کا

(۱۰)

کیوں جی کیوں، آپ کی خاطر میں بھلا کیا آیا
کہ خفا ہو گئے کل ذکر جو میرا آیا

اُس کی بن پونچھی جو ہونٹوں کی مسی یاد آئی
سامنے آنکھوں کے اک بار اندھیرا آیا

غیر کے ملنے کا طعنہ جو دیا میں تو کہا
تمھیں اِس بات کا کاہے کو مسوسا آیا

پیار سے اُس نے پکارا جو مجھے منہ سے مرے
یہی نکلا کہ یہ آیا، اجی آیا، آیا

میں خفا ہو کے دو بارا جو گیا اُن نے کہا:
ابھی تو روٹھ گیا تھا، ابھی دوڑا آیا

آج بے ساختہ کچھ یوں ہی جو وہ آ نکلے؛
اُن کے آنے کا بڑا مجھ کو اچنبا آیا

ناقہ رک رک کے لگا چلنے تو لیلیٰ بولی
جس میں مجنوں ہو یہ شائد وہی صحرا آیا

مستعد اُٹھنے پہ بیٹھے تھے مرے گھر سے کہ رات
بوندیں پڑنے لگیں اور ابر سا اِک چھا آیا

تب لگے کوٹ کے ماتھے کو یہ کہنے ہی ہی
مجھے رہنا ہی پڑا تھہر یہ کیسا آیا

---

(۱) ق ۳: "کا" (۲) ق، ق ۳ - م: "کر" (۳) ق ۳: "کب" (۴) ق ۳: "پلانا" (۵) ق: "یونہیں" و ق ۲ "یونہی" ق ۳: "یوہیں" و (۶) م: "میں"

۹

کیا برسنا تھا اِسے میرے ہی گھر جاتے وقت
اِس گھڑی کس لیے بادل یہ نگوڑا آیا

ہم نشینوں نے کہا اُن کے جو قاصد پہنچا:
لو مبارک ہو، اجی نامۂ انشا آیا

(۱۱)

برقِ چشمک زن ہے ساقی ابر ہے چھایا ہوا
جامِ مے دے تو کدھر جاتا ہے مچلایا ہوا

اُس کی سادی وضع کی تعریف، تم سے کیا کروں
ٹپکے ہی پڑتا ہے واں جو بن وہ گدرایا ہوا

مرتسم ہے دل کے آئینے میں شبیہِ ذوالجلال[۲]
اب یہ صورت ہے خیال اپنے میں جو آیا ہوا

بس خیال دور بیں، لاہوت کی تو سیر کر
اور بھی آگے چلے گا تو یہیں کا یا ہوا

دل لگایا ہے کہیں انشا نے شائد دوستو!
اِن دنوں آتا نظر ہے سخت گھبرایا ہوا

(۱۲)

بُتِ کافر، مسیحا دم، فرنگی ملّت اے ترسا
نصارا کر تو مجھ مومن کو یا مجھ پاس بے ترس آ

نہ طفلِ اشک کے منہ چڑھ تجھے کہتا ہوں اے ناصح
کہ ہے یہ شوخِ ناداں ناقباحت فہم ابتر سا

شعاعِ آفتابِ روزِ محشر سے سکھالیں گے
اگر دامانِ رندانِ سبوکش کچھ ہوا تر سا

لگا تیرِ نگہ سینے میں ایک ایسا ہی، اے قاتل
کہ ٹوٹے دل ہمارا نیم بسمل ہو، کبوتر سا

تری خاطر حرم سے آ ہوا راہب کلیسا کا
قسم عیسیٰ مریم کی تجھے، انشا کو مت ترسا

(۱۳)

دل کے نالوں سے جگر دُکھنے لگا
یاں تلک روئے کہ سر دُکھنے لگا

---

(۱) ق ۲: "نکلے ہی" (۲) ق ۲: "پہ نقش ذوالجلال" (۳) ق ۳: میں یہ بیت نہیں ہے۔

(۴) ق ۲، ۳: "میں در مریم"

دور تھی از بسکہ راہِ انتظار — تھک کے ہر پائے نظر دکھنے لگا
روتے روتے چشم کا ہر گوشہ یاں — تجھ بن اے نورِ بصر دکھنے لگا
درد یہ ہو، ہاتھ گر رکھا اُدھر — واں سے تب سرکا، اِدھر دکھنے لگا

مت کر آہ، انشا، نہ کر افشائے راز
دل کو دکھنے دے، اگر دکھنے لگا

(۱۴)

گرا جو آنکھ سے اپنی دلِ بے صبر کا ٹکڑا — ہوائے آسماں پر جا ہوا وہ ابر کا ٹکڑا
کسی اچھے مصوّر سے کھداؤں صورتِ لیلیٰ — جو ہاتھ آوے کوئی مجنوں کے سنگِ قبر کا ٹکڑا

(۱۵)

جوں ہی کعبے سے فقیروں نے اُٹھایا بستر — جھٹ دربیت الصنم پر جا بچھایا بستر
کیا تعیّن ہم کو منزل کا کہ ہیں آزاد لوگ — دن جہاں آخر ہوا بس واں لگایا بستر
منکا ٹھنکا سیلی تاگا ہو گیا بھسمنت سب — آہ کی دھونی نے جب اپنا جلایا بستر
بہرِ تعویذ اُس پری رو کو لگا لایا فقیر — یعنی اِس تقریب سے اپنا دکھایا بستر
بالکوں بالوں نے اکثر اپنے بھی اے جبرئیل — سدرہ کے سائے تلے جا کر جمایا بستر
مرشد اللہ، شب مراقب ہو یہ روئے کل کہ صبح — بالکوں نے دھوپ میں اُن کا سکھایا بستر
دشت میں اپنے جو آیا قیس، وحشت نے کہا — چل بے، بے وحدت پرے، کیوں یاں لگایا بستر

---

(۱) ق ۲: "جب" ہم: "تک"۔ * یہ ناتمام غزل صرف ق اور ق ۲ میں ہے۔ † یہ غزل ق اور ق ۲ میں نہیں ہے۔
(۲) ق ۳: "جو نہیں؟"۔ (۳) منکا ٹھنکا: اصطلاح یعنی عقیق و بلولہ اور سلیمانی دانوں کی تسبیح اور سمرن جسے آزاد اور بے نوا فقیر ہاتھ اور گلے میں پہنتے ہیں اور ڈالے رہتے ہیں۔

منکا ٹھنکا سیلی تاگا ہو گیا بھسمنت سب
آہ کی دھونی سے اپنا جب جلایا بستر (مخزن فوائد از نکہت شاہجہاں آبادی)

(۴) م: "سب" (۵) م: "یاں تو لایا"
※ بے وحدت = بے شرم، بے ادب۔

جب لگے کسنے اُداسا، رک کے ہم آزاد لوگ دوڑ اک بابو نے ہاتھوں سے چھٹایا بسترا*

اُن قلندر مشربوں کا وقت خوش، انشا جنھیں
خاکِ صحرائے قناعت پر خوش آیا بسترا

(۱۶)

یہاں سے غزلوں کا ایک چمن زار شروع ہوتا ہے جن کو پڑھ کر دل باغ باغ ہو جاتا ہے، اکثر غزلیں ایسی ہیں جو ایک ہی ردیف میں بہ تبدیل بحر و قافیہ کہی ہیں۔ بحریں نہایت دلچسپ اور موسیقیت سے بھری ہوئی، ردیف قافیے عجیب اور بہت مشکل، انشا کا یہ کمال ہے کہ ایسے غیر مانوس اور مشکل قافیوں کو ایسی خوبصورتی اور اُستادی سے بٹھایا ہے کہ وصل ہو گئے ہیں۔ اور عجیب مضمون پیدا کرتے ہیں، بعض قافیے تو ایسے چھانٹ کر لائے ہیں کہ اُن کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں گذرتا اور وہ لفظ آموجود ہوتا ہے، مضامین مختلف ہیں بعض نہایت بلند اور اعلیٰ تخیل کے، جن میں کہیں تصوف کا رنگ ہے، کہیں فلسفہ و نفسیات کا کوئی پیش پا افتادہ بتایا ہے، کہیں کوئی فحش اشارہ، کہیں وہی معمولی سی باتیں، جن کو ہم آپ سب جانتے ہیں۔

کچھ یہ مجھی کو یوں نہیں اُس کی پھبن نے غش کیا غنچے بھی چٹ سے فق ہوئے سارے چمن نے غش کیا[۱]
نالہ بھرا جو یاد میں، میں نے شمیم یار کی نبضیں گلوں کی چھٹ گئیں، بوے سمن نے غش کیا
میرے تمھارے رابطے دیکھے بہم تو رشک سے نل تو پچھاڑیں کھا گرا، اُس کی دمن نے غش کیا[۲]
میں نے دوپٹا جب نرا آنکھوں سے اپنی مَل لیا اُس کی شمیم ناز سے بادِ یمن نے غش کیا

اچھی غزل پڑھ اور ایک انشا بدل کے بحر اب*
سنتے ہی تیری گفتگو اہل سخن نے غش کیا

---

* یہ شعر ق میں نہیں ہے۔

[۱] پھبن = ایسا حسن جو لباس و زیور یعنی ظاہری زینت کی وجہ سے عورتوں میں پیدا ہوتا ہے۔ فق ہونا = چہرے کا رنگ سفید ہو جانا بوجہ بیماری یا شدت رنج یا حیرت کے۔

[۲] نل اور دمن = (نل اور دمینتی) ہندی افسانوں کے مشہور عاشق و معشوق (اور ہیر و رانجھا ان کا عشق مثل لیلیٰ مجنوں اور شیریں فرہاد کے مشہور ہے۔

* ل: "اور تو انشا"۔ ق ۳: پڑھ انشا تو اور کی بدل۔

۱۷

مجھے بیخودی جو کچھ آگئی تو لپٹ کے یار نے غش کیا
سو کچھ ایسے ڈھب سے کہ تو کہے ابھی آ بہار نے غش کیا

گھڑی ایک میں جو جھجک مٹی تو کہا زباں سے یہی اجی
ارے لو گو جلدی سے دوڑیو مرے بے قرار نے غش کیا

ابھی سیر گل کو یہ آیا تھا اسے ہم نے خوب ہنسایا تھا
(ق) کسی اور ہی کا یہ سایہ تھا کہ ہمارے یار نے غش کیا

یہ بہار لالہ کو کچھ کڈھب بری آنکھوں دیکھ رہا تھا جب[1]
تبھی ہم تو سمجھے تھے اس کے اب دل داغدار نے غش کیا

مرے دل میں سانپ سا پھر گیا مرے جی سے چین بچھڑ گیا
مری بھاویں باغ اوجڑ گیا مری جانثار نے غش کیا[2]

ارے یہ مشک و گلاب دو، نہ گلاب ہووے تو آب دو
غرض اب جو ہو سو شتاب دو کہ امید وار نے غش کیا[3]

مجھے جھانک پھر تو ہو سرنگوں، لگی کہنے ہائے رے کیا کروں
ارے کچھ تو بول کہ میں سنوں تجھے کس خمار نے غش کیا

"تجھے دور پار نہ ہوشی" یہ کچھ اس طرح سے ادا ہوئی
کہ یہ میں نے چپکے سے عرض کی اسی "دور پار" نے غش کیا[4]

غزل اور بحر میں انشا اب بدل کے قافیہ کوئی پڑھ
کہ جہاں کے اہل سخن کو ہے ترے اشتہار نے غش کیا[5]

۱۸

میں نے جو وجد میں یہاں جیب کو پھاڑ غش کیا
کہتے ہیں اس نے بھی وہاں موند کواڑ غش کیا

سیر کناں جو گذرے کل ریگ رواں کی وضع سے
وادی قیس دیکھکر ہم نے اجاڑ غش کیا

تم نہ پے عیادت آئے، زخمی تیر غمزہ نے
مفت میں اپنے سینے کے پھائے اکھاڑ غش کیا

آہ کدھر ہے کوہکن، ہم نے تو اس کے دھیان میں
دیکھ کے سن پڑے ہوئے جھاڑ و پہاڑ غش کیا[6]

کس کی یہ جھانک تاک کی باس سمار ہی تھی یاں
دل نے جو اس کواڑ کی ناڑ دراڑ غش کیا

---

[1] کڈھب دیکھنا یعنی خاص طور سے یا غیر معمولی طریقے سے نظر گڑو کے دیکھنا۔

[2] [ق ۳: "مرے دل میں نیل سا پڑ گیا"] مری بھاویں: میرے نزدیک۔ [3] امید وار: عاشق۔

[4] "دور پار"۔ غور میں "خدا خواستہ" کی جگہ یہ لفظ بولتی ہیں۔

[5] اشتہار: شہرت یعنی شہرت شاعری۔

[6] جھاڑ و پہاڑ: بڑے بڑے جھاڑی دار درخت اور پہاڑ۔ سن: سکنان۔

لے جوگئی نسیم صبح وادیِ نجد کی شمیم شاہدِ حی نے ایک بار کھا کے پچھاڑ غش کیا[1]

اور بھی ایک اب غزل انشا لکھ اور بحر میں
تیری تو گفتگو کو خوب یاروں نے تاڑ غش کیا[2]

(۱۹)

واں جھوٹ موٹ تم نے بناوٹ سے غش کیا ہم سچ مچ ایسے روٹھے کہ یاں چٹ سے غش کیا

دروازے سے جو آپ نہ نکلے تو ہم نے آہ سر کو پٹک کے رات کو چوکھٹ سے غش کیا

ساقی نہیں صراحیِ مے کی کچھ احتیاج آگے ہی ہم نے اُس کی تو غٹ غٹ سے غش کیا[3]

ہو کر دو چار، بات وہ کیا کر سکے بھلا ہو جس نے تیرے پانوں کی آہٹ سے غش کیا

اِتنی رچی ہوئی تھی یہ پردوں میں کس کی باس یوں میں نے گر کے شب جو چھپر کھٹ سے غش کیا

ہوتی تھی دل کو یوں تو سدا بیخودی و لے کچھ اُس نے آج اور ہی کروٹ سے غش کیا[4]

انشا غزل جو طرح ہوئی ہر سواب وہ پڑھ
اِس کی تو ہم نے خوب بجاوٹ سے غش کیا

(۲۰)

کھڑے پہ اُس کے صرف نہ بلبل نے غش کیا چٹ چٹ بلائیں غنچوں نے لیں گل نے غش کیا

صحن چمن میں ہیں گل و سنبل نڈھال سے یاں کس کے عاشقِ رُخ و کاکل نے غش کیا

اللہ رے اثر مرے نالے کا جس پہ رات اِن دلبران اہلِ تغافل نے غش کیا

گیسو کی کس کے لٹ نظر آئی، جو باغ میں مارِ سیاہ طرۂ سنبل نے غش کیا

---

[1] حی، عربی میں قبیلے کو کہتے ہیں۔ شاہد حی سے مراد لیلیٰ ہے

[2] تاڑ = تاڑکر۔

[3] غٹ غٹ = صراحی سے پانی نکلنے کی آواز۔

[4] کروٹ = انداز، طریقہ۔

چل نکلی خُلطے[1] میں یہ بطِ مے کہ اِس پہ رات
سو بار کبکِ خندۂ قلقل نے غش کیا

عالم کو میری خانہ بدوشی کے سوچ سوچ
خلوت میں صاحبانِ توکل نے غش کیا

تنہا نہ کاظمین کے کچھ زائرین کو (ق)
میرے اِن آنسوؤں کے تسلسل نے غش کیا

روتا ہوا جو میں شطِ[2] بغداد تک گیا
واں کے بھی ساکنانِ سرِ پُل نے غش کیا

انشا بدل کے قافیہ اِک اور لکھ غزل
تیرے سخن پہ بلبلِ آہل[3] نے غش کیا

(۲۱)

تنہا نہ اُس کو دیکھ کے محفل نے غش کیا
اپنی بھی جان لوٹ ہوئی، دل نے غش کیا

موجِ نسیم سر پہ اُڑاتی ہے آج خاک
شاید کسی اسیرِ سلاسل نے غش کیا

صدقے مَیں اِس جگر کے کہ کشتے کی نعش سے
خوں بہہ چلا، تو دیکھ کے قاتل نے غش کیا

آیا جو میرے گھر تو بناوٹ کو سوچیو
رکھ دل پہ ہاتھ، اُس بُتِ عاقل نے غش کیا*

مجنوں پہنچ شتاب کہ آتے ہی نجد میں
تنہا نشینِ پردۂ محمل[4] نے غش کیا

دریائے معرفت کے تموّج کی شان پر
معمورۂ خراب کے ساحل نے غش کیا

سر جھاڑ[5] مونہہ پھاڑ، جو وحشت نظر پڑی
حضرتِ جنوں سے مرشدِ کامل نے غش کیا

یہ تیسری غزل بھی بہ تبدیلِ قافیہ
انشا نے ایسی لکھی کہ بلبل نے غش کیا

---

[1] غلط (خ مضموم) = اختلاط، شرکت۔

[2] شط = کنارۂ دریا۔

[3] "بلبلِ آہل" (م مضموم) سے مراد مشہور شاعر طالب آملی ہے

* ق ۳: "کافر"، م: "قاتل"۔

[4] "تنہا نشین پردۂ محمل" سے مراد لیلیٰ ہے

[5] سر جھاڑ مونہہ پھاڑ = وحشت ناک صورت۔

سر جھاڑ مونہہ پھاڑ لیے اپنے ہاتھ میں
عاشق کی شامیانۂ تابوت کی شبیہ (انشا)

(۲۲)

گو اُس کی جھانک تاک پہ جس تس نے غش کیا
لیکن نہ اُس کو سوجھ پڑی کس نے غش کیا

دیکھ اُس کی کل چمن میں خماری وہ انکھڑیاں
بے اختیار ہو گُلِ نرگس نے غش کیا

بیٹھے ہیں ہم تو دل کو مسوسے ہوئے میاں
تو جان اُس کو دے کہ تجھے جس نے غش کیا†

آیا وہ خود فروش جو بازارِ حُسن میں
سودے میں اُس کے سیکڑوں مفلس نے غش کیا

گھائل کو تیرے تھا تو اِفاقہ سا کچھ ولے
پھر زخمِ سینہ تک جو لگا رسنے، غش کیا

تیرے مریضِ عشق کی پتھر اگئی جو آنکھ
اُس کے ہر ایک ہمدم و مونس نے غش کیا

دانتوں کے نیچے داب کے انگلی وہ شوخ و شنگ
بولا، جب اُس کے عاشقِ بے حس نے غش کیا:

چپ چاپ کیا پڑا ہے مگر ہائے بول بھی
ایسے جی کوئی جانے کہ ہیچ اِس نے غش کیا‡

ایسی ہی وضع سے تو لکھ اب چار میں غزل
اِنشا ترے سخن پہ تو مجلس نے غش کیا

(۲۳)

ایسا ہی ایک* رندِ سُبو کش نے غش کیا
جس کی ادا پہ ساقیِ مہوش نے غش کیا

افشانِ رُخ پہ اُس کی جو زلفیں بکھر گئیں
بل کھا ہر ایک مارِ منقش نے غش کیا

مکھڑا ترا نشے میں دھواں دھار دیکھکر
ہو اک پری کے بھیس میں آتش نے غش کیا

تھا صیدِ کشتہ کون وہ جس کے لہو کو سونگھ
نتھنے پھُلا پھُلا ترے ابرش[1] نے غش کیا

اِس پانچویں غزل کی نئی وضع مست دیکھ
اِنشا سے شاربِ مے بے غش[2] نے غش کیا

---

† قلمی نسخے: "تو جان اُس کی دیکھ تجھے"۔

‡ ق، ق ۲: "ایسے جی"۔ ق ۳: "ایسے کہ"۔ [ایسی چے یعنی واہ وا کیا خوب سہ ایک مست کو جو کھینچا زاہد نے تو وہ بولا
ایسی چے ملک ٹھہری گویا کسی کی مسجد]

* ق ۳: "ایسا کل ایک"۔

[1] ابرش: وہ گھوڑا جس کی جلد پر مختلف رنگ کے چھوٹے چھوٹے نشان یا بتکیاں ہوں ہندی میں "کھبیارا" (انشا)

[2] بے غش (غ کسرہ) = بے میل، صاف۔

(۲۴)

ساقی کی انکھڑیوں نے جسے بادہ کش کیا
چتون کو اُس کی دیکھ کے نرگس نے غش کیا

غفلت تو آگئی تھی نشے میں ہمیں دے
چیتے تو پھر بھی شکوۂ فرطِ عطش[1] کیا

پنجہ اُٹھا کے پیار سے اُنگلی اُٹھائی اور
صد شکر پانچ بوسوں کو آج اُس نے شش کیا

تعویذ و نقش سے جو نہ آیا تو اپنے ہاتھ
صفحے پہ دل کے نام ترا منقش کیا

یہ لوٹنے کی جا ہر گدھے پر سوار ہو
زاہد نے عزمِ کعبہ بہ ایں ریش و فش کیا

اِنصاف تیرے ہاتھ، میانِ خود و خدا
طرزِ سخن کو تو ہی مرے سوچ، رشکیا!

اِنشا اب اور بحر میں لکھ اِک غزل کہ، یار!
جامِ سخن کا حق نے تجھے جُرعہ چش کیا

(۲۵)

جس دم کہ ترے محوِ تجلّی کو غش آیا
لوگوں نے کہا حضرتِ موسیٰ کو غش آیا

عکسِ رخِ ساقی* سے ہوا جام جو روشن
خورشید یہ کانپا کہ مسیحا کو غش آیا

دیکھا جو ہم آغوش ہمیں اور تمھیں کل
بے خود ہو گرا دامنِ وعدا کو غش آیا

کوچے میں ترے آج جو ہو بھیڑ بہت سی
شاید کہ کسی عاشقِ رسوا کو غش آیا

نظارے کی تاب اپنے نہ لایا نہ، یہ دیکھو
دیکھ آئینہ اُس شوخِ خود آرا کو غش آیا

جب وادیِ مجنوں سے چلا قافلہ آگے
بے ساختہ واں ناقۂ لیلیٰ کو غش آیا

جس وقت وہ یوسف سے ہم آغوش تھی اُس وقت
سنتے ہی ترا نام زلیخا کو غش آیا

بالیں پہ مٹ کر کے جو لوگ آئے ہیں اُس کے
شاید ترے بیمارِ تمنا کو غش آیا

گرنے نہ دیا اُس کو ملائک نے زمیں پر
جس دم ترے دُردی کشِ صہبا کو غش آیا

---

[1] عطش = پیاس۔

* ق، ق۲، ق۳: عکسِ لبِ ساقی

اک مست نے انجیل کے چھیڑے جو مقامات — بس سنتے ہی رہبانِ[1] کلیسا کو غش آیا
بے خود ہو گر ا بزم میں انشا، تو وہ بولا
آغا کو غش آیا، مرے مرزا کو غش آیا

(۲۶)

رہا ہر ہوش کچھ باقی، اسے بھی اب نبیڑے جا[2] — یہی آہنگ، اے مطرب پسر نک اور چھیڑے جا
مجھے اس درد میں لذت ہوا ے جوشِ جنوں اچھا — مرے زخمِ جگر کے ہر گھڑی ٹانکے اُدھیڑے جا†
پڑے ہیں آشنا اپنے جو گردابِ محبت میں — کنارے کب لگیں گے دیکھیے اُن سب کے بیڑے جا
کہیں اے صبر جلدی بھاگ اپنی خیر چاہے تو — یہ دیکھ آئے ہیں فوجِ اشک کے ہیم ڈیڑے جا[3]
سوالِ بوسہ سُن کہنے لگا وہ شوخ غصّہ ہو — بہت اچھا سمجھ لوں گا بھلا، تو مجھ کو چھیڑے جا

وفورِ مے سے حالت غش کی ہو انشا کو، اے ساقی
شراب پرتگالی کے دے مُنہ پر تڑیڑے جا[4]

(۲۷)

خواص اعجاز عیسوی کیوں نہ رکھے ساقی ایاغ[5] اپنا — کہ مثلِ خورشید چرخِ چارم ہے اس گھڑی ہر دماغ اپنا
خدا ہی جانے کدھر سدھارے شکیب و صبر و قرار و طاقت — ہر ایک اُن میں سے دے گئے ہیں ہمارے سینے کو داغ اپنا
جو لوگ تشریف لے سدھارے عدم کو اُن کی ملے خبر کیا — سنو اچنبھا کہ جیتے جی ہی ملا نہ ہم کو سُراغ اپنا

---

[1] رُہبان یا راہب = وہ تارک دنیا پادری جو کسی خانقاہ (مونا سٹری) میں زندگی بسر کرتا ہو (رہبان جمع ہے راہب کی، مگر خود واحد بھی ہے جس کی جمع رہابین اور رہابنہ ہو)

[2] نبیڑنا = ختم کرنا † یہ شعر ق ۲ میں نہیں ہو

[3] ڈیڑے اور تڑیڑے = کے ترجمہ قریب ایک ہی معنی ہیں فرق صرف یہ ہو کہ جب دھار بہت موٹی اور زیادہ زور سے گرے تو وہ ڈیڑا ہو

[4] ایاغ = پیالۂ شراب۔

* ق: "گیا ہو"۔

شگون کا اعتماد کیا ہے، خموش ہے یہ زبانِ رازی ہمارے رونے پہ مت ہنسا کر سنبھال مُنہ اے چراغ اپنا[۱]
نہ ٹوک الفت کے داغ کو اب نظر لگا مت کہیں تو انشا
ٹکا اس پہ الحمد پھونک پڑھ کر کہ ہے یہ چشم و چراغ اپنا[۲]

(۲۸)

دیکھنا جب مجھے، کر شان یہ گالی دینا کس سے تم سیکھے ہو ہر آن یہ گالی دینا
اختلاط آپ سے اور مجھ سے کہاں کا ایسا واہ جی، جان نہ پہچان، یہ گالی دینا
اب تو ناداں ہو، سُنا چاہو سو پیارے کہہ لو پر تمھیں ہووے گا نقصان یہ گالی دینا
آخرش ہو گے جواں، پھر تو کسے بھاوے گا؟ چند روز اور ہے مہمان یہ گالی دینا
تہمتِ بوسہ عبث دیتے ہو منظور جو ہو کر کے بے فائدہ بہتان یہ گالی دینا
دیجیے دیجیے ہے عین سعادت اپنی عاشقوں پر تو ہے احسان یہ گالی دینا
تیرے غصّے سے جو انشا ہو خفا ناحق ہے
ہاں، تجھے چاہیے، نادان، یہ گالی دینا

(۲۹)

خیال[۳] کیجیے کیا آج کام میں نے کیا جب اُن نے دی مجھے گالی سلام میں نے کیا

---

[۱] چراغ: بعض وقت چراغ سے کچھ روشن ذرے نکلتے لگتے ہیں جن کو پھول کہتے ہیں، اس وقت کہا جاتا ہے کہ چراغ ہنس رہا ہے اور یہ ایک شگون نیک سمجھا جاتا ہے۔

[۲] چشم و چراغ: یعنی بہت عزیز۔

[۳] یہ مطلع اور اس کے دس پانچ غزلوں کے بعد ایک دوسرا مطلع ؎

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا جب دھم سے آ کہوں گا صاحب سلام میرا

یہ دونوں شعر اپنی صنف میں بے مثل ہیں، میرے ایک عزیز نے یہ شعر سنکر خوب کہا کہ یہ شر سوائے خود انشا اور چودھری محمد علی صاحب تلقدار ابرپور، رودلی کے کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا واقعی عجیب تخیل ہے اور عجیب مضمون باندھا ہے، اس زمانے میں جس طرح لوگ کسی نئے خطاب یا افزونی جاہ و مرتبہ پر لاٹ صاحب کو جھک جھک کر سلام کرتے ہیں، اسی طرح ہمارا بذاق شاعر ہر گانی کے بعد نہایت مودب ہو کر تسلیم بجا لاتا ہے۔

کہا یہ صبر نے دل سے کہ لو خدا حافظ
حقوقِ بندگی اپنا تمام میں نے کیا

جنوں یہ آپ کے دولت[1] ہوا نصیب مجھے*
کہ ننگ و نام کو چھوڑا یہ نام میں نے کیا

لگا یہ کہنے کہ خیر اختلاط کی خوبی
حوالے یار کے خالی جو جام میں نے کیا

جھڑک کے کہنے لگے لگ چلے[2] بہت اب تم
کبھی جو بھول کے اُن سے کلام میں نے کیا

کیا زبانیِ دل گریباں کہ کہتا ہے: (ق)
صنم کو اپنے غرض اب تو رام میں نے کیا

کہیں نہ مانیو بہتان ہے یہ سب اُس پر
ہنسی کے واسطے یہ اتّہام میں نے کیا

تمھارے واسطے تک دل میں اپنے غور کرو
کبھی کسی سے نہ ہو، سو مدام میں نے کیا

مقیم کعبۂ دل جب ہوا تو زاہد کو
روانہ جانبِ بیت الحرام میں نے کیا

عجب طرح کے مزے چاندنی میں دیکھے رات
قرار جا کے جو بر پشتِ بام میں نے کیا

ہوس یہ رہ گئی صاحب نے پر کبھی نہ کہا
کہ آج سے تجھے اِنشاؔ غلام میں نے کیا

(۳۰)

ذیل کی غزل صنعت ایہام میں میر سجّاد کے طور پر ہے جیسا کہ مقطع میں اشارہ کیا گیا ہے، ایہام گوئی سے یہ مطلب ہے کہ کلام میں دو معنین الفاظ اور لفظی تلازمے استعمال کرنا جو آج کل صنعت مراعات النظیر یا ضلع جگت کہلاتے ہیں مثلاً ؎

تو جو دریا کے پار جاتا ہے
دل مرا وار وار جاتا ہے

کنجی اس کی زبان شیریں ہے
دل مرا قفل ہے بتاشے کا

گندمی چہرے کو اپنے لطف میں نہاں نہ کر
ہندواں سن کر مبادا شور ڈالیں کال کا

یہ طرز اب بالکل متروک ہے، اور قدیم دوروں کی ایک یادگار رہ گئی ہے، میر سجاد و ایہام گو

---

[1] دولت = بدولت،

* ق ۲، ق ۳ = "حصول مجھے"

[2] لگ چلے = بے تکلف ہو گئے۔

مشہور تھے۔ میر تقی میر کے معاصر، شاہ نجم الدین آبرو کے شاگرد تھے، اکبر آباد کے رہنے والے تھے اکثر تذکروں میں اُن کا ذکر ہے۔

جھمکا چمک کا ترے اس نمک کا[۵۱] — نہ لیتا جو مکّا تو تھا بن کمک کا
شتر بے مہار اُس میں کفتار[۵۲] رہتے — دیا بوتے دانہ جوار، اور مکّا
بھلا اُس کے اوصاف کس سے بیاں ہوں — جو مسجود ہووے سما اور سمک[۵۳] کا
جڑی لات و عزّا[۵۴] کے وہ لات سر پر — کہ مُکّا نہ ہو رعد کا اِس گھمک[۵۵] کا

یہ ہے میر سجّاد کا طور، اِنشا
دوانا ہوں میں تو غرض اِس چمک[۵۶] کا

(۳۱)

پرتو سے چاندنی کے ہے صحنِ باغ ٹھنڈا — پھولوں کی سیج پر آ، کر دے چراغ ٹھنڈا
شفقت سے ہاتھ تو دھر تک دل پہ میرے تا ہو — یہ آگ سا دہکتا سینے کا داغ ٹھنڈا
مے کی صراحی ایسی لا برف میں لگا کر — جس کے دھویں سے* ہووے ساقی دماغ ٹھنڈا

---

۵۱ یہ غزل صنعت ایہام میں بظاہر خلیفانہ رنگ میں ہے مگر حقیقت میں دیکھیے تو نعت میں ہے اس کے اشعار کا مطلب الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ تیرے حسن ملاحت کی چمک اور جھمک سے اگر مکّا (مکہ) تیرے قبضے میں نہ آجاتا تو وہ بے کمک یعنی بے یار و مددگار کے رہ جاتا۔ اور وہاں جنگلی جانور مثل کفتار وغیرہ کے ادھر اُدھر شتر بے مہار کی طرح پھرتے یا اُسکی زمین میں سوائے جوار اور مکّا کے کوئی دوسرا غلّہ نہ بویا جاسکتا۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کس سے بیان ہوں وہ تو زمین و آسمان دونوں کے مسجود ہیں۔ اُنھوں نے عرب کے پُرانے بتوں لات و عزّا کے سر پر ایسی لات جڑی (یعنی بت پرستی کا قلع قمع کیا) کہ رعد کا مُکّا (گھونسہ) اتنے زور کا نہیں ہوتا۔

۵۲ کفتار = لکڑ بگھا، چرغ (ق: "اعراب"، ق۲: "کفتار"، ق۳: "کفّار"۔)

۵۳ سمک = مچھلی، یہاں وہ مچھلی جس پر زمین ٹھہری ہوئی ہے۔

۵۴ لات و عزّا = عرب قدیم کے دو بتوں کے نام۔

۵۵ گھمک یا کمک: زور کی گونج دار آواز۔

۵۶ چمک = تڑپ (طرز)

* ق: "پیے سے"

تجنیس جس دنی کی ہو جوشِ چشم، یارو ہم نے مدام پایا اُس کا اوجاغ[1] ٹھنڈا ۱۵۰

ہیں ایک شخص لاتے خس کی شراب انشا
دھودھا گلاب سے تو کر رکھ ایاغ ٹھنڈا

(۳۲)

اِس بندے کی چاہ دیکھیے گا اور اُس کا نباہ[†] دیکھیے گا
میں کیسے نباہتا ہوں تم سے اِن شاء اللہ دیکھیے گا
فوجیں اشکوں کی تُل رہی ہیں یہ حشمت و جاہ دیکھیے گا
عاشق مجھے جان کرتے ہیں قتل تقصیر و گناہ دیکھیے گا

انشا سے اب آپ کیوں خفا ہیں
یوں بھر کے نگاہ دیکھیے گا

(۳۳)

جھوٹا نکلا قرار تیرا اب کس کو ہو اِعتبار تیرا
دل میں سو لاکھ چٹکیاں لیں دیکھا بس ہم نے پیار تیرا
دم ناک میں آ رہا تھا اپنی تھا رات یہ اِنتظار تیرا
واللہ کہ کام آ رہے گا مجھ سا یک رنگ یار تیرا
کر جبر جہاں تلک تو چاہے میرا کیا، اِختیار تیرا
لپٹوں ہوں گلے سے آپ اپنے سمجھوں ہوں کہ ہو کنار تیرا

انشا سے نہ روکھ، مت خفا ہو
ہے بندۂ جاں نثار تیرا

---

[1] اوجاغ = دیگ دان، تنور وغیرہ، مصرع اوّل میں انشا نے اپنے زمانے کے کسی دنی اور کنجوس آدمی کا نام بطور معما کے لکھا ہو جو مجھ میں نہیں آیا۔ مطلب یہ ہے کہ اُس شخص کا چولہا یا تنور ہم نے ہمیشہ ٹھنڈا پایا، اس کی ذلت اور کنجوسی کی یہ حالت ہو۔

† ق، ق ۲، ق ۳: اس کی نباہ۔

(۳۴)

ہو ترا گال مال بوسے کا[1] کیوں نہ کیجے سوال بوسے کا
مُنہ لگاتے ہی ہونٹھ پر تیرے پڑ گیا نقش لال بوسے کا
زلف کہتی ہو اُس کے مکھڑے پر ہم نے مارا ہو جال بوسے کا
صبح رخسار اُس کے نیلے تھے، شب جو گذرا خیال بوسے کا
انکھڑیاں سُرخ ہو گئیں چٹ سے دیکھ لیجے کمال بوسے کا
جان نکلے ہو، او میاں، دے ڈال آج وعدہ نہ ٹال بوسے کا
گالیاں آپ شوق سے دیجے رفع کیجے ملال بوسے کا
ہو یہ تازہ شگوفہ، اور سنو پھول لایا نہال بوسے کا
عکس سے آئنے میں کہتا ہو (ق) کھینچ کر انفعال بوسے کا
برگ گل سے جو چیز نازک ہو واں کہاں احتمال بوسے کا؟
دیکھ، انشا نے کیا کیا ہو تھہر، ٹھہر!
متحمل یہ گال بوسے کا!

(۳۵)

زلف کو تھا خیال بوسے کا خط نے لکھا سوال بوسے کا[2]
دوہرے پتوں[3] کے زیر سایہ ہوا سب قلم بند حال بوسے کا
چشمک خال رُخ نے صاف کہا ہو تبسم مآل* بوسے کا

---

[1] مال: یعنی ملکیت، مطلب یہ ہو تیرا گال بوسے کی ملکیت ہو۔

[2] یعنی زلف کو بوسے کا خیال پیدا ہوا تو سبزۂ خط نے عدالت حسن میں یہ سوال دے دیا کہ زلف اپنے اس خیال سے باز رکھی جائے کیونکہ بوسے کا حق تو میرا ہو۔

[3] دوہرے پتے = کان کا ایک زیور۔

* ق، ق ۲، ق ۳: "تبسم یہ مال"۔

سبزۂ نو دمیدہ نے مارا — گرد رخسار، جال بوسے کا
رہ گیا تیرے مکھڑے پر باقی — اب مکاں خال خال بوسے کا
ہو غضب اپنے بال نوچ لیے — ہے یہ سارا وبال بوسے کا
تیرے غصّے سے اب کوئی انشا
چھوڑتا ہی خیال بوسے کا

(۳۶)

دست جنوں سے اے وائے ویلا — سونے نہ پائے ٹک پاؤں پھیلا
جام مے عشق موند آنکھ پی جا — ہی ایک ہی گھونٹ کڑوا کسیلا
ابر و ہوا ہی، چمکے ہی بجلی — مت روٹھ ساقی، لا، جام مے لا
کرتے تھے مذکور میرا تمھارا — فرہاد و شیریں، مجنوں و لیلا
وہ صاف مکھڑا ہی قہر انشا
کیوں کر نہ اپنا دل ہووے میلا

(۳۷)

فقیرانہ ہی دل مقیم اس کی رہ کا — غرض کیا کہ محتاج ہو بادشہ کا
خدنگ آہ کا، اے فلک، بے طرح ہی — بھروسا تو تاروں کی مت کر زرہ کا
خرابات کی جب سے لذّت پڑی ہی — چھٹا بیٹھنا مسجد و خانقہ کا
طوافِ حرم تجھ کو، زاہد، مبارک — مرا اور تیرا نہیں ساتھ رہ کا
صنم خانے جاتا ہوں، تو مجھ کو ناحق — نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا، نہ بہکا
ترے منہ سے کچھ بو جو آتی ہی مے کی — دماغ دل اس بو سے جاتا ہی مہکا
رقیبوں کے دل چاک مثل گتاں ہوں — گزر اس طرف ہو اگر اپنے مہ کا
تری آشنائی میں کیا میں نے پایا — دیا نقد دل اور اپنی گرہ کا

چمک کر تو اے برق مت مار چشمک
تو مستوں کی آتش کو مت اور دہکا
تبھی* لطف ہو، ساقیا، مے کشی کا
کہ تو بھی بہک اور مجھ کو بھی بہکا

کبھی تجھ سے انشا نے بوسہ بھی مانگا؟
گنہ گار ہو وہ فقط اِک نگہ کا

(۳۸)

اچھّا جو خفا ہم سے ہو تم، اے صنم، اچھّا
لو ہم بھی نہ بولیں گے، خدا کی قسم، اچھّا
مشغول کیا چاہیے اِس دل کو کسی طور
لے لیویں گے ڈھونڈھ اور کوئی یار ہم اچھّا
گرمی نے کچھ آگ اور ہی سینے میں لگائی
ہر طور غرض آپ سے ملنا ہو کم اچھّا
اغیار سے کرتے ہو مرے سامنے باتیں
مجھ پر یہ لگے کرنے نیا تم ستم اچھّا
ہم معتکفِ خلوت بُت خانہ ہیں، اے شیخ
جاتا ہو تو جاتو، پے طوفِ حرم، اچھّا
جو شخص مقیمِ رہ دلدار ہیں، زاہد
فردوس لگے اُن کو، نہ باغِ ارم، اچھّا
کہہ کر گئے آتا ہوں کوئی دم میں ابھی میں
پھر دے چلے کل کی سی طرح مجھ کو دم اچھّا

اس ہستیِ موہوم سے میں تنگ ہوں، انشا
واللہ کہ اِس سے بمراتب عدم اچھّا

(۳۹)

ہو ظلم اُس کو یار کیا ہم نے کیا کیا
کیا جبر اختیار کیا، ہم نے کیا کیا
داغوں سے اپنے سینۂ سوزاں کو اے نسیم
یاں رشکِ نو بہار کیا، ہم نے کیا کیا
اُس رشکِ گل کی خواہشِ بوس و کنار کو
اپنے گلے کا ہار کیا، ہم نے کیا کیا
دستِ جنوں سے اپنے گریبانِ صبر کو
اے عشق، تار تار کیا، ہم نے کیا کیا
اُس سنگ دل کے ہجر میں چشموں کو اپنی آہ!
مانندِ آبشار کیا، ہم نے کیا کیا

---

* ق، ق۲، ق۳: "یہی"

وحشت یہ دیکھ، ناصحِ مشفق نے جو کہا — ہرگز نہ زینہار کیا، ہم نے کیا کیا
جاگے تمام رات عبث مفت آپ کے — کہنے کو اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا
پھیلائے اُن نے پانو، تو شب ہاتھ جوڑ کر — پھر عجز و انکسار کیا، ہم نے کیا کیا
باہم دگر جو تھی خفگی سب گئی اُسے — بے اختیار پیار کیا، ہم نے کیا کیا
آزادگی کو سلطنتِ ملکِ عشق کا — مختار کار و بار کیا، ہم نے کیا کیا

رہ رہ کے دل میں آوے ہر انشا یہی کہ کیوں
اِس دل کو بے قرار کیا، ہم نے کیا کیا

(۴۰)

ملک آنکھ ملاتے ہی کیا کام ہمارا — تس پر یہ غضب پوچھتے ہو نام ہمارا
تم نے تو نہیں خیر، یہ فرمائیے بارے — پھر کن نے لیا راحت و آرام ہمارا
میں نے جو کہا آیئے مجھ پاس، تو بولے — کیوں کس لیے کس واسطے کیا کام ہمارا؟
رکھتے ہیں کہیں پانو تو پڑتے ہیں کہیں اور — ساقی تو ذرا ہاتھ تو لے تھام ہمارا
ٹک دیکھ ادھر غور کر انصاف یہ ہے داہ! — ہو جرم و گنہ غیر سے، اور نام ہمارا
اے بادِ صبا محفلِ احباب میں کہیو — دیکھا ہے جو کچھ حال تہِ دام ہمارا
گر وقت سحر جایئے ہوتا ہے یہ ارشاد — ہر وقت ملاقات سر شام ہمارا
پھر شام کو آئے تو کہا صبح کو یونہیں — رہتا ہے سدا آپ پر الزام ہمارا
سرگشتگی مرحلۂ* شوق میں اے عشق — پڑتا ہے نئی وضع سے ہر گام ہمارا
اے برہمنِ دیر محبت میں صنم کی — اللہ ہی باقی رکھے اسلام ہمارا
ہم کوچۂ دلدار کے ہوتے ہیں تصدق — اے شیخ حرم ہے یہی احرام ہمارا

بیتابیِ دل کے سبب اُس شوخ تک انشا
پہونچے ہے بلا واسطہ پیغام ہمارا

---

* ق: "راحلہ"۔ ق ۲: "دراحلہ"۔ راحلہ = سواری۔

(۴۱)

اگر ہمارے کرے کوئی بند بند جدا
تو یہ قبول نہ ہو، ہو وہ خود پسند جُدا

کدھر سے آکے دکھائی تجھے میں دل کہ ترے
دریچے بند جدا ہیں، جھروکے بند جُدا

ہمیشہ پانوؤں تلے دل کو میرے روندے ہو
وہ رخشِ حُسن جدا، ناز کا سمند جُدا

مرے اور اُس کے یہ صحبت ہوئی بروز وداع
کہ دردمند سے ہو جیسے دردمند جُدا

رقیب نے تو مری جان ہی کھپا ڈالی
خدا کرے کہیں ہو تجھ سے یہ لوند[1] جُدا

نہ کہہ تو شیخ مجھے زہد سیکھ مستی چھوڑ
تری پسند جدا ہے، مری پسند جُدا

خجل ہر آپ کی دیوار کی بلندی سے
ہماری آہ جدا، ریشمی کمند جدا

ترے شہید کی بالیں پہ صبح تک شب دفن
اگر کی بتّی جدا جلتی ہے سپند جُدا

دُہائی دیتے ہیں عاشق جو تیرے کوچے میں
فغاں بلند جدا، ہاتھ ہیں بلند جُدا

نمک فشاں ہیں مرے زخمِ دل پہ اے انشا
سبھوں کے طعنے جُدا، ناصحوں کی پند جُدا

(۴۲)

رہروانِ عشق نے جس دم عَلَم آگے دھرا
سدرہ[2] کے سائے میں دم لے پھر قدم آگے دھرا

تجھ بن، اے ساقی، شرابِ سبز کا ساغر نہیں
ہے میری آنکھوں میں گویا جامِ جم آگے دھرا

دیکھتے ہی کچھ لگا تیوری چڑھانے کل وہ شوخ
پھولوں کا دونا جو میں نے کرکے دم آگے دھرا

سائیں[3] اللہ ڈھڈہا سبزہ نہیں درکار یاں
ہم نہ یہ افیوں کا گھولا بیش و کم آگے دھرا

جس نے یارو مجھ سے دعویٰ شعر کے فن میں کیا
میں نے لے کر اُس کے کاغذ اور قلم آگے دھرا

---

[1] لوند: لفنگا، شہدا۔

[2] سدرہ = یعنی سدرۃ المنتہیٰ۔

[3] سائیں اللہ = یہ آزاد فقیروں کی بولی ہے۔ ڈھڈہا = بہت شوخ رنگ۔

بیٹھتا ہو جب تُنُدیلا شیخ آکر بزم میں　　اک بڑا مٹکا سا رہتا ہو شکم آگے دھرا
سیرِ انشا واں کریں ہیں سیرِ بامِ عرش کا*
یاں کمندِ آہ کا ہو پیچ و خم آگے دھرا

(۴۳)

مجھے کیوں[1] نہ آوے ساقی نظر آفتاب اُلٹا　　کہ پڑا ہو آج خُم میں قدحِ شراب اُلٹا
عجب اُلٹے ملک کے ہیں جی آپ بھی کہ تم سے　　کبھی بات کی جو سیدھی تو ملا جواب اُلٹا
چلے تھے حرم کو، رہ میں ہوئے اِک صنم کے عاشق　　نہ ہوا ثواب حاصل، یہ لیا عذاب اُلٹا
یہ شبِ گذشتہ دیکھا، وہ خفا سے کچھ ہیں گویا　　کہیں حق کرے کہ ہووے یہ ہمارا خواب اُلٹا
ابھی جھڑ لگا دے بارش، کوئی مست بھر کے نعرہ　　جو رہیں یہ پھینک مارے قدحِ شراب اُلٹا
ہوئے وعدے پر جو جھوٹے تو نہیں ملاتے تیور　　اے لو اور بھی تماشا یہ سُنو جواب اُلٹا
کھڑے چپ ہو دیکھتے کیا مرے دل اُجڑ گئے کو　　وہ گنہ تو کہہ دو جس سے یہ دہِ خراب اُلٹا*

غزل اور قافیوں میں نہ کہے سو کیوں کر انشا
کہ ہوا نے خود بخود آ، ورقِ کتاب اُلٹا

(۴۴)

مجھے چھیڑنے کو ساقی نے دیا جو جام اُلٹا[2]　　تو کیا بہک کے میں نے بھی اُسے سلام اُلٹا

---

* ق ۲، ق ۳؛ "عرش اور"

[1] یہ غزل طرحی ہو، اس میں مصحفی اور جرأت کی غزلیں بھی ہیں مطبوعہ نسخوں اور "آبِ حیات" آزاد میں۔ غزل میں ایک شعر بھی ہو جو انشا کا نہیں مصحفی کا ہو: "یہ عجیب ماجرا..... تو اب اُلٹا" انشا کے دیوان کے کسی قلمی نسخے میں یہ شعر نہیں ملتا۔

[2] اس غزل میں انشا نے بطور صنعت بعض الفاظ مقلوب استعمال کئے ہیں یعنی ایسے الفاظ جن کو اُلٹ کر بھی کوئی دوسرا معنی دار لفظ بنجائے جیسے کہ۔ ماش و شام، مار و رام، کلام و لالک و آشنا و انشا۔

* یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہو۔

سحر ایک ماش پھینکا مجھے جو دکھا کے اُن نے
تو اشارہ میں نے تاڑا کہ ہر لفظ شام اُلٹا

یہ بلا دھواں نشا ہے[1] مجھے اِس گھڑی تو ساقی
کہ نظر پڑے ہے سارا در و صحن و بام اُلٹا

بڑھوں اُس گلی سے کیوں کر کہ وہاں تو میرے دل کو
کوئی کھینچتا ہے ایسا کہ پڑے ہے گام اُلٹا

درِ میکدہ سے آئی مہک ایسی ہے مزے کی
کہ پچھاڑ کھا گرا واں دلِ تشنہ کام اُلٹا

نہیں اب جو دیتے بوسہ تو سلام کیوں لیا تھا؟
مجھے آپ پھیر دیکے وہ مرا سلام اُلٹا

لگے کہنے آپ: "مانغ"[2] تجھے ہم کہا کریں گے!
کہیں اُن کے گھر سے بڑھ کر جو پھرا غلام اُلٹا

مجھے کیوں نہ مار ڈالے تری زلف اُلٹ کے کافر
کہ سکھا رکھا ہے تو نے اُسے لفظ رام اُلٹا

نرے سیدھے سادھے ہم تو بھلے آدمی ہیں، یارو
ہمیں کج جو سمجھے سو خود ولد الحرام اُلٹا

تو جو باتوں میں رُکے گا، تو یہ جانوں گا کہ سمجھا
مرے جان و دل کے مالک نے مرا کلام اُلٹا

فقط اِس لفافے پر ہے کہ "خط آشنا کو پہونچے
تو لکھا ہے اُس نے انشا یہ ترا ہی نام اُلٹا

(۴۵)

ہے بندھا مینہ کے تار کا جھولا
کیوں نہ لے جھونٹے[3] یار کا جھولا

گا نہ، اے مطرب آکے، ہے مشتاق
میگھ[4] کا اور ملار کا جھولا

اے صبا باغ میں ہلایا کر
تو مرے گل عذار کا جھولا

رونق افزا ہے عکس سے تیرے
نہر اور آبشار کا جھولا

تیرے ہاتھوں میں یہ کہیں نہ گرے
رسنِ تاب دار کا جھولا

تجھ سی نازک پری کو چاہیے، ہو
صرف پھولوں کے ہار کا جھولا

---

[1] بلا دھواں نشا = یعنی سخت دھوئیں دار نشا۔

[2] یعنی آنکھوں نے مجھے غلام سے الٹ کر "مانغ" کا خطاب دیا (مانغ بروزن جاہل) = احمق، بیوقوف کہنے والا۔ ق ۳: "لگے آپ کہنے"

[3] جھونٹے لینا = پینگ لینا۔

[4] میگھ اور ملار = ساون میں گائے جانے کی چیزیں ہیں۔

نکہت گل کے جھولنے کے لیے ہو نسیم بہار کا جھولا
ہوگی کس دن کو قطرہ افشانی منتظر ہے پھوار کا جھولا
چاہیے طفل اشک کو اِنشاؔ
مژۂ قطرہ بار کا جھولا

(۴۶)

دیوار پھاندنے میں دیکھو گے کام میرا جب دھم سے آ کہوں گا، صاحب سلام میرا
ہمسائے آپ کے میں لیتا ہوں اِک حویلی اِس شہر میں ہوا جو چندے قیام میرا
جو کچھ کہ عرض کی ہے سو کر دکھاؤں گا میں واہی نہ بات سمجھو یونہیں کلام میرا
اچھا مجھے بتاؤ جتنا کہ چاہو، میں بھی سمجھوں گا، گر ہے انشا اللہ نام میرا
میں غش ہوا کہا جوں ساقی نے مجھ سے ہنس کر یہ سبز جام تیرا، اور سرخ جام میرا
پوچھا کسی نے مجھ کو اُن سے کہ کون ہے یہ تو بولے ہنس کے: یہ بھی ہے اِک غلام میرا
محشر کی تشنگی سے کیا خوف، سید اِنشاؔ
کوثر کا جام دے گا مجھ کو اِمام میرا

(۴۷)

لیا گر عقل نے منہ میں دل بیتاب کا گٹکا[1] تو جوگی جی دھرا رہ جائے گا سیماب کا گٹکا
گرو جی کوئی اُڑ سکتے ہیں کھل جاوے ابھی قلعی جو ہم ترکیب دیویں نقرۂ مہتاب کا گٹکا
ترے لب چوستے ہی چتپۂ کوثر پر اُڑ لاگا تو گویا حق میں میرے بن گیا عنّاب کا گٹکا
بہت پرواز پر ہے شیخ اُس نے گھونٹ پانی سے کوئی پڑھ کر غلیلہ کر لیا سرخاب کا گٹکا*

[1] گٹکا دیدک میں گولی یا حبوب کو کہتے ہیں، گٹکے کی صورت ایک بڑی گولی کی سی ہوتی ہے۔ مشہور ہے کہ اس کی صنعت میں خاص دوائیں ادویہ استعمال کئے جاتے ہیں اور اس کا مافوق العادت اثر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو شخص اِس کو منہ میں دبا لیتا وہ ہوا پر اُڑ سکتا ہے۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے

عمل "یا حیّ یا قیّوم" کا رکھتا ہوں میں، اِنشاؔ
پر اُس کو کوئی سمجھے "یا اولی الالباب" کا گٹکا†

(۴۸)

اے عشق جلوہ گر ہے خود تجھ میں ذاتِ مولا — والسّابحاتِ سبحاً فالسّابقاتِ سَبقاً[1]
تم نے سکھا دیا کیا جبریل کو نہ جانے — جھٹ زیرِ سدرہ اُن نے جو بستر اجما یا
جو شخص جبہہ ساہو خدمت میں یاں تمھاری — کیوں کر نہ پھر وہ دیکھے لاہوت کا تماشا
فرما دیں آپ جو کچھ حقّا کہ وہ ہی سچ ہے — اے میرے پیر و مرشد، ہاں بادشاہِ داتا
گر حکم ہو تو سائیں سلفے کا دم لگا کر — پھٹکا روں اور بھی میں سبزے کو ایک کوڑا
سبزا اگر چڑھانا منظور، صبح دم، ہو — تو لیجے برگ کوئی و النّاشطاتِ نشطاً[2]
ہے یاد میں تمھاری بیٹھا ہوا مُراقب — چارم فلک پہ عیسیٰ کھینچے ہوئے اُداسا[3]
کر وبیاں[4] تمھیں سب کیوں پیشوا نہ سمجھیں — روح القدس ہے ادنیٰ ایک بالکا تمھارا

اِتنا نہ پھٹکے پھریے، تشریف لائیے بھی
حضرت سلامت اِنشاؔ ہے آپ ہی کا چیلا

(۴۹)

جس وقت ہم کو بنگ کا صافہ نظر پڑا — ساقی کا اُس میں صاف قیافہ نظر پڑا
دو گالیاں تھی روز کی* اک بار دس ملیں — بے ڈول کچھ یہاں کا اِضافہ نظر پڑا

---

[1] یہ آیت قرآنی ہے جس میں قسم کھائی گئی ہے یعنی شاعر قسم کھا کر کہتا ہے کہ عشق میں ذاتِ مولا جلوہ گر ہے۔

† ق ۲: "سمجھے کیا اولی" (کذا)

[2] یہ بھی اسی سورۃ کا ایک جزو ہے اس کو "برگ" مذکورہ کی صفت سمجھنا چاہیے۔

[3] اُداسا: (سنسکرت میں "پرانایام") ایک آسن ہے جس میں جوگی اور رشی سانس دم کرتے ہیں۔

[4] کروبیاں: خدا کے مقرب فرشتے۔ بالکا: کمسن لڑکا یا چیلا۔

* ق ۳: "وہ"۔

مجنوں تو کیا کرے ہے یہاں بید کے تلے　　لیلیٰ کا دیکھ لے وہ محافہ نظر پڑا
قاصد سے خط کے لیتے ہی بس آگ ہو گیا
انشا کی مُہر کا جو لفافہ نظر پڑا

(۵۰)

میں نے جو آنشے میں بلبل کا منہ چڑایا　　ساقی نے کہکے قہقہہ قلقل[1] کا منہ چڑایا
اللہ، حضرت آدم کہ کل کا جز تھا ہم میں　　جس جز[2] نے اپنے آخر اُس کل کا منہ چڑایا
باس اُس کی زلف کی جو آئی مجھے، تو میں نے　　سُو کر کے شاخشانے[3] سنبل کا منہ چڑایا
یہ لال لال ڈورے دکھلا کے فصل گل میں　　نرگس نے تیری ساقی، یاں گل کا منہ چڑایا
کل شیخ پوپلے[4] کو اِک ٹوٹے پل کے نیچے　　میں نے کہا کہ تم نے اِس پل کا منہ چڑایا
دو باتیں فارسی کی سیکھ اُس نے میر انشا
بس لکھنؤ سے سارے کابل کا منہ چڑایا

(۵۱)

کیا خدا سے عشق کی میں رونمائی مانگتا　　مانگتا بھی اُس سے تو ساری خدائی مانگتا
کر بیج لے کر آہ کی کہتا ہوں دل چرخ سے　　تم سے "وَل[5] بوگر" بڑا صاحب لڑائی مانگتا
یوں کہا رندوں نے جھٹ پٹ شیخ کی پگڑی اُتار　　دو بڑائی، ہم یہ سر اِس کا بڑائی مانگتا

---

[1] قلقل = بوتل سے شراب نکلنے کی آواز

[2] جز سے مراد انسان اور کل سے مراد خدا ہے۔

[3] "سُو کر کے شاخشانے"۔ سو سو طرح سے۔

[4] پوپلے آدمی پر ٹوٹے پل کے منہ چڑھانے کی کیا خوب پھبتی کہی ہے۔

[5] وَل بوگر = یہ کرشنوں کی بولی ہے صحیح لفظ "ویل بگر" ہے جس کے معنی انگریزی میں "اچھا رہ بدمعاش" کے ہیں مطلب یہ ہے کہ دل چرخ سے کہتا ہوں کہ لے کمینہ تجھ سے میرا مقابلہ کروں گا تعجب ہے کہ انشا کے زمانے میں بھی انگریزی کی ایسی بول چال کے الفاظ لوگوں کی زبان زد ہو گئے تھے۔

اُس سے خلوت کی ٹھہر جاتی تو میں اللہ سے واسطے دو دن کے عرشِ کبریائی مانگتا
دادرس کوئی جو مل جاتا تو اِنشا عشق سے
الاماں میں بادشہ کی دے دہائی مانگتا

(۵۲)

عشق نے مجھ پر اٹھایا ایک تازہ اشتعلا[۱] لے گیا دل چھین اِک میلا کچیلا چلبلا
ران پر دھر ہاتھ میری آگ سی اِک پھونک دی گدگدی آمیز چٹکی کا بنا تھا چٹکلا
دیکھ کر مجھ کو رو ہانڈا سا، لگے فرمانے آپ "ٹھیسرا یہ میری چڑھی ہے ناک اپنی مت پھلا"[۲]
اُس پری کے رشک سے لیلیٰ نہ کیونکر تپ کرے سو کھے سہے قیس کا میں نے مٹایا غلغلا[۳]
دھیان کر اِنشا تلک اُس کے غرفۂ منظر کی سمت
عرش کا در وا ہوا، چلوں اُٹھی، پردا کھلا

(۵۳)

جو ہاتھ اپنے سبزے کا گھوڑا لگا تو سلفے کا اور اُس کو کوڑا لگا[۴]
مرے ہی جو بازو میں اک نیل سا سو تیرے ہی پانوؤں کا توڑا لگا
اجی چشم بد دور نامِ خدا تمھیں کیا بھلا سرخ جوڑا لگا
بھلا آپ شرمائے کس واسطے کبوتر کا باہم جو جوڑا لگا
یہ دُکھتی نگاہوں سے دیکھا مجھے* کہ دُکھنے مرے دل کا پھوڑا لگا

---

[۱] اشتعلا = شگوفہ، چٹکلا۔

[۲] روہانڈا اور ٹھیسرا = دونوں کے معنی ہیں: "روتی صورت"

[۳] غلغلا = شہرت۔ (مطلب یہ کہ میری معشوقہ کے رشک سے لیلیٰ بیمار ہوگئی اور میں نے اپنی عاشقانہ شوریدہ سری سے قیس کی شہرت کو مٹا دیا۔

[۴] سلفے کا کوڑا = یعنی دھواں دھار چرس۔

* ق ۳ : "گھورا مجھے"۔

لگی کہنے انشا کو شب وہ پری
مجھے بھوت ہو یہ نگوڑا لگا[1]

(۵۴)

پیدا ہوا، اجی، عشق سے جب سنگ میں کیڑا
پھر کیوں نہ پڑے زخم دل تنگ میں کیڑا

عکسِ لبِ جاں بخش سے جوں بیر بہٹی[2] کے
پھرتا ہی پڑا اک قدحِ بنگ میں کیڑا

کیڑے کے پر انگیا میں لگا، رادھا بولی
ہر کشن یہ کاٹن کو مورے انگ[3] میں کیڑا

مُنہ چنگی نے فنکاری کی یہ لی، کہ جھجک کر
کیڑے نے کہا ہی تری منہ چنگ[4] میں کیڑا

جگنو کو نہ رکھ محرم شبنم[5] میں، اری چھوڑ
اک زہر بھرا میرے دل تنگ میں کیڑا

جھینگر کی سُن آواز، مراقب ہو کہ ہی یہ
مشغولِ عبادت عجب آہنگ میں کیڑا

لچھے ہیں یہ ریشم کے نہ یہ خط شعاعی
ہی مہر بھی اک عالمِ نیرنگ میں کیڑا

ڈورے تری آنکھوں کے اگر دیکھے تو وہ ہیں
ریشم کا لگے آئنہ زنگ میں کیڑا

بوسیدہ لغت[6] چھانٹے ہو، اللہ کرے پڑ جائے
اے شیخ عمل کی تری فرہنگ میں کیڑا

وہ مور و ملخ فوج مضامیں ہی مرے پاس
جس کے نہ مقابل ہو کسی ڈھنگ میں کیڑا

شُدہ شُدہ دستے شدہ پائی[7] جو پڑھو تو
موذی نہ رہے سیکڑوں فرہنگ میں کیڑا[†]

چونکے گرہ بند سے سمجھے کہ در آیا
دارائی[8] کے اک نیفۂ منقش تنگ میں کیڑا

اس دور میں، افسوس، اگر خواجوی کرمانی[9]
ہوتا تو بٹھاتا وہ ہر اک سنگ میں کیڑا

---

[1] لگا - یعنی میرے ساتھ ہر کسی طرح جان نہیں چھوڑتا - [2] انگ : بدن -

[3] منہ چنگ = ایک منہ سے بجائے کا باجا -

[4] محرم = گرمی کو کہتے ہیں - شبنم ایک نرم و نازک بہت باریک کپڑے کا نام -

[5] بوسیدہ لغت = غیر مانوس متروک لغات

[6] دارائی = ایک کپڑے کا نام ہی - گرہ بند = ازار بند - سب نسخوں میں اسی طرح ہی "تو چونکے یہ" ہو تو وزن درست ہوتا ہی

[7] خواجوی کرمانی خواجہ حافظ کا معاصر ایک مشہور شاعر - کرم فارسی میں کپڑے کو کہتے ہیں اور کرمان ایک شہر کا نام ہی ان میں نسبت ظاہر ہی -

† ق اور ق ۲ میں اسی طرح - ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہی - "شدہ .... پائی" منتر کے الفاظ ہیں -

من بعد فنا ناک سے اک ناگ ہو نکلا — تھا کبر کا وہ جو سر ہوشنگ میں کیڑا[1]
سائل ہو جگت بولنے پر مجھ سے تو وہیں — پڑ جائے تہی گاہ جگت جنگ میں کیڑا[2]

انشا نے چھوا آبلۂ دل کو تو آیا
جاں دار سمند[3] رنمط ایک چنگ میں کیڑا

(۵۵)

انھیں بھوک پیاس سے کام کیا وہ جو قید تن سے ہوئے رہا
ثمرِ جناں انھیں دیویں گے وا اُتوا بہ[4] متشابہا

کہ وہ سہ سے عقدہ کشائیاں نہیں ہوتیں کچھ بھی بجز خدا
کبھی میں نے کر کے رجوع کچھ نہ کہا "کہا" نہ کہا "مہا"

الفِ ندا کی تو دُم عبث یہ لگائی ہے کہ دمِ تلے
نہ تو کاہ او گاؤ گے تم کہا! نہ تو مہ بناؤ گے تم مہا!

ہے امام شاہی[5] اگر دلا! تو بس آ کے عشق کی کر صدا
کہیں اِس مقام سے پھر نہ جا نہ ہو اس طریق سے کارہ آ

مجھے وِرد مصرعِ فارسی یہی اِنشا آٹھ پہر ہے اب
نبود زحالتِ دل خبر کہ برو گذشت چہا چہا

(۵۶)

کیا جو کھیت آج چاندنی نے مرا دانپی پیا چاند نکلا — تو ایک ساقی بھی گھر سے اپنے شراب کی بھر کے نا نند نکلا

---

[1] ہوشنگ ایک قدیم ایرانی بادشاہ

[2] سائل ہو = یعنی مقابلہ پر آمادہ ہو۔ جگت جنگ = غالباً کسی آدمی کا نام ہے [یا وہی مقابل جو جگت کا جواب جگت سے دیتا ہو اور جسے جگت جنگ خطاب ہونا چاہیے شیرقرق میں نہیں ہے]

[3] سمندر = آگ کا کیڑا۔ چنگ = چنگل، ہاتھ۔

[4] آیت قرآنی ہے جس میں جنت کے پھلوں کے متعلق بتایا گیا ہے کہ متشابہ ہوں گے۔

[5] امام شاہی = فقیروں کا ایک فرقہ۔

جو گھر سے گا دُر لپسر وہ کپڑوں کو نا ندے میں سوندھ سا ندھ نکلا
تو بولے سب اہلِ دید دیکھو نیا یہ بدلی سے چاند نکلا

یہاں جو تشریف آپ لائے کدھر سے یہ آج چاند نکلا
کہ ماہ کنعاں بھی جس کے آگے جو خوب سوچا تو ماند نکلا

جہاں کے تھے راجہ بھرتری جی کنوان نانے کو واں کسی نے
زمین کھودی تو ایک جوگی دھرے ہوئے سر پہ نا ند نکلا

جو ٹھنڈے ٹھنڈے چلے ہوا ے آہ چھاتوں تاروں کی چل نکل تو
گلوں کی نکہت کا قافلہ بھی چمن سے اب لا دپھا ند نکلا

بہت سنبھالا کرنالہ اپنا بڑھے نہ چرخِ بریں سے لیکن
ستارے جتنے چھٹک رہے تھے سبھوں کو وہ روند ما ند نکلا

خیال تھا اُن کو ماہِ نو کا تو کس مزے سے وہ کہہ رہے تھے
نمک اپنے کوٹھے پہ دیکھ انشا کہیں بھی ہے آج چاند نکلا

۵۷

چل نہ امریّوں[1] میں جھولیں لیں درختوں کی ہوا
چھا گئی کالی گھٹا، ہے تیرہ بختوں کی ہوا

رات دی تھی اس کی چوکی[2] سو مرے دامن میں آج
رچ رہی ہے سیکڑوں پریوں کے تختوں کی ہوا

سر و قد جو لوگ ہوں بیچ کھیل اے دل اُن سے تو
سخت کرتی ہے دلوں کو اِن کرختوں کی ہوا

شیخ یہ برسات ہے مجھ سے پرے ٹک ہو کے بیٹھ
آدمی کو جن کرے ہے تیرے[3] رختوں کی ہوا

ہیر پھیر آتا ہے انشا وہ ہی مصرع مجھ کو یاد
"چل نہ امریّوں میں جھولیں لیں درختوں کی ہوا"

۵۸

ہوں کشتہ اُن کے گچھے[4] اشاروں کی چوٹ کا
تھا جن کے سر دوپٹا تمامی کی گوٹ کا

کیا جانے لوٹ پوٹ کیا کس کی پھوٹ نے
ہے درد سا جو ایک ہمیں پھوٹ پھوٹ[5] کا

---

[1] امریوں میں عموماً جھولے ڈالے جاتے ہیں اسی وجہ سے اکثر ساون کے گیتوں میں اِن کا ذکر ہے۔

[2] چوکی دینا = پہرہ دینا۔ لفظ چوکی "پریوں" اور "رختوں" میں مناسبت ہے

[3] تیرے رختوں یعنی تیرے کپڑوں کی ہوا۔

[4] گچھے اشارے = یعنی بہت گہرے اشارے، رمز و کنایہ کی باتیں۔ تمامی، مثل ململ کے ایک نہایت قیمتی باریک کپڑا۔

[5] پھوٹ = جدائی۔ پھوٹ۔ پھوٹ۔ پُور پُور۔

ہیں گین باز[1] ایک کھلاڑی بڑے ہی قہ — آساں نہیں ہے مارنا کچھ ان کی گوٹ کا
اے قرص آفتاب نہ للچا مجھے کہ میں — بس معتقد ہوں اپنے ہی سائیں کے روٹ[2] کا
گزرے عمل سے حُب کے بتا دے کوئی ہمیں — کچھ جھاڑ پھونک، نقش کوئی، کوئی ٹوٹکا

انشا گر فشانی اِن آنکھوں کی کیا کہوں
اِک عالم اِن میں صاف ہے پانی کے پوٹ کا

۵۹

زاہد میرے مولا کے اسرار نہیں پاتا — غافل اسے کیا پاوے ہشیار نہیں پاتا
ہر چند کہ تیور تو لڑ جائیں ہیں آپس میں — پر اپنا کچھ اگلا سا میں پیار نہیں پاتا
خوں کرنے پہ اپنے ہوں ہاتھوں سے تُرے ہیں* — پر کیا کروں اِس دم میں تلوار نہیں پاتا
چلنے کو تو حاضر ہوں میں وادی وحشت میں — یاں قافلہ، پر کوئی تیار نہیں پاتا
گو وعدہ کیا تم نے اور کھائی قسم لیکن — تسکین، دل اپنا کچھ، اے یار نہیں پاتا
اللہ یہ دشمن ہے! اے شوخ تو میرا اب — جب مجھ کو تو پاتا ہے ہتھیار نہیں پاتا
اے حضرت دل تجھ میں اک لہر تو ہے اِس کی — پر تجھ کو نشے میں کچھ سرشار نہیں پاتا

گو روپ بدلتا ہے ہر روز نئے انشا
صحبت میں کبھی اُس کی پر یار نہیں پاتا

۶۰

غلام میں تو ہوں اُن صاحبوں کی کھڑپیچ[3] کا — سڑی تو صاحبی، اُس پر چپوترہ گچ[4] کا

---

[1] گین باز: چیدہ باز، کھیل میں بے ایمانی کرنے والے۔ قہ: بڑے استاد۔ بہت گہرے۔
[2] سائیں کا روٹ: اللہ کی دی ہوئی روٹی۔
* ق، ق ۲: تروار
[3] کھڑپیچ: اُلٹی باتیں۔ اُپج۔
[4] یہ ایک مثل ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ٹکا تو پاس نہیں مگر ظاہری بناوٹ اور تصنع بہت کرتے ہیں"۔ بدن پہ لتا پان کھائیں البتہ"۔

جو لوگ[1] پچکے ہوئے ہوں اُنھوں کی بیچ کیجے — کہ وصف کرتے ہیں ایسی ہی وضع کی بیچ کا
عبث نہ اپنی تو بک بک سے مغز کھا ناصح — کہ آشنا نہیں میں اِس طرح کی کچ کچ[2] کا
سمندِ ناز پہ وہ شہسوار جو نکلا — تو غل سا مچ گیا بازار بیچ "بیچ بیچ" کا
لچک سی آگئی ہے شاخِ گل کے شانے میں — خدا کے واسطے اپنی کمر کو مت لچکا[3]
نہ جھوٹ موٹ گواہی دلایئے مجھ سے — کہ کہنے والا ہوں مکھ پھاٹ[4] میں تو سچ سچ کا

جو خوب سوچو تو ہے نام جس کا اِستغنا
وہی تو اصل ہے اِنشا ہزار لالچ کا

(۶۱)

ہوا جب اشک دل بافراغ کا بیٹا — تو کیوں نہ کیجے پھپولے کو داغ کا بیٹا
نہ جھونک آہ کے شعلے کو بھاڑ میں اے عشق — کہ ہے بڑے ہی یہ صاحب اوجاغ[5] کا بیٹا
مثالِ عیسیِ مریم، مقابلے نے کیا — لباسِ عشق میں پیدا چراغ کا بیٹا
نہ پنبۂ سرِ مینا[6] کو چھیڑ شائد ہو — خفیف قاضیِ عالی دماغ کا بیٹا

حبابِ بادہ کو کیوں کر کرے نہ پیارا انشا
کہ ہے یہ شیشے کا پوتا ایاغ کا بیٹا

---

[1] پچکے ہوئے = یعنی جن کو زمانے نے دبا دیا ہے، مصیبت زدہ "بیچ کیجے" یعنی طرفداری کیجیے، ہمدردی کیجیے۔

[2] کچ کچ = بک بک، فضول بیکار باتیں۔

[3] لچک اور لچکا میں صنعت تجنیس زائد ہے۔

[4] مکھ پھاٹ = مُنہ پھٹ

[5] صاحب اوجاغ = بڑے چولھے یا تنور کا مالک یعنی امیر و سخی۔

[6] پنبۂ سرِ مینا = وہ روئی جو شراب کی بوتل کے منہ پر بطور ڈاٹ کے لگائی جائے۔ اس کو فارسی میں "ریشِ قاضی" کہتے ہیں اسی مناسبت سے دوسرے مصرعے میں "قاضیِ عالی دماغ" کہا۔

۶۲

مجھے کیا ملائکِ عرش سے، مجھے عشق ہے ترا اے خدا
بہت اُن کو لکھوں تو والسّلام علیٰ مَنِ اتّبَعَ الھُدیٰ[1]

ارے اے جنونِ جہاں کشا، مجھے اس کی ٹاپ سے مت ڈرا
یہ ترا جنونِ شوق ہے، اُسے آپنے اور کہیں کُدا

دلِ قیس کیوں کے نہ غش کرے، سُنے آہ جب کہ وہ مہ کشش
کہ وہ اُس کی لیلیٰ ماہ وش ہوئی اور شخص سے کد خدا

تری آنکھ سے ہو مجھے خطر، نہ کر اس طرف سے بس اب گذر
ارے عشق کچھ تو خدا سے ڈر، مرے دل کو اب تو نہ گدگدا

نہ کسی کے ساتھ دلا ملک، حرم اور دیر میں مت بھٹک
درِ میکدہ سے ہی سر ٹپک نہیں تجھ کو ہووے گی واشد آ[2]

مجھے آفت آکے نہ گھیرلے کہ گناہ بھی ہیں بہت کیے
مجھے ایک کشتی بادہ دے، ارے اے جہاز کے ناخدا

رہِ اتقا سے بھلا ہو کیا کہ ریا سے میں نہیں آشنا
کہیں انشا اُن کی نہ مے پلا مجھے اُن کے نُمرے سے اَرشَدا

۶۳

دلِ ستم زدہ بیتابیوں نے لوٹ لیا
ہمارے قبلہ کو وہابیوں نے لوٹ لیا

کہانی ایک سُنائی جو ہیر رانجھا کی
تو اہلِ درد کو پنجابیوں[3] نے لوٹ لیا

یہ موجِ لالہ خودرو نسیم سے بولی
کہ کوہ و دشت کو سیرابیوں نے لوٹ لیا

صبا! قبیلۂ لیلےٰ میں اُڑ گئی یہ خبر
کہ ناقہ نجد کے اعرابیوں نے لوٹ لیا

کسی طرح سے نہیں نیند آتی انشا کو
اُسے خیال میں بے خوابیوں نے لوٹ لیا

---

[1] یعنی سلام ہو اُس پر جو راہِ ہدایت کی پیروی کرے، جب آپ مخاطب کو اپنے نقطۂ خیال پر لانا چاہیں۔ مگر وہ مخالفت کرتا ہو اور آپ کا ہم خیال نہیں ہوتا، تو آپ اس کو لکھتے ہیں کہ سلام تم کو اسی وقت ہو جب تم راہِ ہدایت اختیار کرو۔ ملاحظہ کیجیے کہ انشا ملائک عرش سے جو مقربانِ الٰہی ہیں یہی خیال ظاہر کرتا ہے۔

[2] واشد = نجات کامیابی۔

[3] پنجاب میں رو مشہور عاشق و معشوق گذرے ہیں۔

(۶۴)

اب تو اگلی سی طرح کا نہیں گھرا پردا
رہ گیا آپ میں اور ہم میں اِکہرا پردا

ہے یہ والان پری[1] حکم جو ہو تو اس میں
ایک روپہرا لگے اور ایک سنہرا پردا

باد کے صدمے سے کھڑکا ہی کرے ہے دن رات
یاں تلنگوں کی طرح دیوے ہے پہرا پردا

گر پڑا تھا جو دوشالہ بھی پڑا اچلوں پر
ٹانگ جو تم نے دیا تھا، سو نہ ٹھہرا پردا

اُس پری زاد کے صدقے کہ کہا یوں جن نے
"میری ڈولی میں لگا دیجو سنہرا پردا"

ہے زمانہ یہ بُرا، اپنے غلام انشا کا
آپ رکھ لیجیے یا حضرتِ زہرا پردا

(۶۵)

اب یہاں سے ایسی غزلوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جن کی ردیف جوڑا ہے، مگر بحریں اور قافیہ بدلتے جاتے ہیں۔ ہر شاعر کو اپنا زورِ طبیعت اور قادر الکلامی دکھانا فرض ہے لیں انشا بھی اپنی اُستادی کا ثبوت جا بجا ایسی ہی غزلوں میں دیتے ہیں اور ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ واقعی یہ شخص الفاظ کا بادشاہ تھا جس لفظ کو جی چاہتا کسی دوسری لفظ سے جو بظاہر بے میل معلوم ہوتی اس خوبصورتی سے پیوند کر دیتا کہ دل وجد کرنے لگتا۔ خیال کیجیے کہ اٹھارہ غزلیں جن میں کم سے کم تقریباً ڈیڑھ سو شعر ہیں اور ان میں بظاہر کوئی ربط و تعلق ردیف اور قافیہ میں نہیں معلوم ہوتا مگر انشا کی سحر کاری سے یہ سب ایک سانچے میں ڈھل جاتے ہیں اور جہاں کہیں ظرافت و تمسخر کی چاشنی ہے یا کوئی نفسیاتی نکتہ بیان کیا ہے وہاں شعر کہیں سے کہیں پہنچ گیا ہے۔ البتہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اکثر جگہ یہ پوری فضول و بے مزہ ہو گئی ہے۔

ہوا پیدا یہ دو دِل سے کوہِ قاف کا جوڑا
کہ واں پریوں نے اِک قصّہ مرے اوصاف کا جوڑا

---

[1] والان پری = بہت خوبصورت والان۔

رہیں گے جا کے جنت میں اگر سوزِ دروں والے
تو پھونکیں گے وہاں بھی سُندس[1] اعراف کا جوڑا

مزا دیکھو کہ اُس چاہِ ذقن کا عکس تھا وہ تو
عبث طوفان اُن لوگوں نے جس پر نان کا جوڑا

کہا سب دیکھنے والوں نے دشمن زیرِ پا صاحب
نیا پہنا جب اُن نے مخملِ زر باف کا جوڑا

پتھورا کے جو محلوں کی ہو کوئی آکھ کی بڑھیا[2]
بنے وہ آکے اس بوڑھے بڑے نداف کا جوڑا

مہابھارت کے قصّوں کے سوا یاں اور تو کچھ بھی
نہیں ہم پاس صاحب کے گزاف و لاف کا جوڑا

کہوں کیا اُس کی میں باتیں غرض میری تو جانب[3] میں
زمانے میں نہ ہوگا کوئی اُس حرّاف[4] کا جوڑا

بہت ڈھونڈھا نہ پایا راج میں ہڑبونگ کے لیکن
کہیں حضرت سلامت آپ کے انصاف کا جوڑا

مشابہ ہو اُسی گدڑے سے اے لیلیٰ ترا مجنوں
بنا جس کے لیے اک تاش[5] کے موباف کا جوڑا

کہاں یہ بال پیڑو پر سمجھ چوٹی کی پرچھائیں
کہ ہو پشتِ شکم آئینۂ شفاف کا جوڑا

بغیر از چہرۂ یوسف کہ تھا وہ ماہ کنعاں کا
نہیں کوئی جہاں میں تیرے روئے صاف کا جوڑا

میتنی ہو جو بڑکنی اگر چڑھ جائے ڈھب پر تو
گھٹے کس روپ سے گنیش جی صرّاف[6] کا جوڑا

رہے گا چار سو ستّر برس انشا زمانے میں
کہ اس پر سج رہا ہے عین و شین[7] و قاف کا جوڑا

(۶۶)

جو بھیجا ابر کو دریا نے نادر یاٹ کا جوڑا
تو واں بجلی نے طوفاں اور ہی گھر گھاٹ کا جوڑا

---

[1] سندس = قدیم زمانے میں ایک نہایت قیمتی ریشمی کپڑا ہوتا تھا۔

[2] آکھ کی بڑھیا = ایک نہایت لاغر سفید پرکی طرح کی چیز جو ہوا میں اڑتی پھرتی ہے اور مدار کے پھل سے نکلتی ہے جب قریب آتی ہے تو بچے اسے پھونک کے پھر اڑا دیتے ہیں بچے اُسے (بڈھا یا بڑھیا) کہتے ہیں آکھ۔ اور آکھا مدار کا درخت۔ پتھورا یعنی رائے پرتھی راج جو ہندوستان کا مشہور راجہ گذرا ہے۔ نداف = یعنی دھنیا۔ ایک بوڑھے دھینے پر جس کے سر اور داڑھی کے بال دھنکی ہوئی روئی سے بھرے ہوتے ہیں آکھ کی بڑھیا کی ایک عمدہ تشبیہ کہی ہے۔

[3] [جانب یا جانبِ عوام کا لفظ ہو علم یا دانست کے مفہوم میں]

[4] حرّاف۔ مکّار۔ دغا باز [5] تاش اور تاہی دو قسم کی مہین کپڑے ہوتے تھے جو چوٹی کے موباف میں لگائے جاتے تھے۔

[6] گنیش جی کسی صرّاف کا نام ہوگا۔

[7] لفظ عشق کے عدد چار سو ستر ہوتے ہیں

پکھیرو کوئی جھڑ بدلی میں دکھلائی نہیں پڑتا — مگر آتا نظر ہو تو گھٹولی گھاٹ کا جوڑا
نہ ہاتھ آیا جو جوتا ٹاٹ بافی اور چمکی کا — تو پہنا ایک صاحب نے فرنگی ٹاٹ کا جوڑا
مڑوڑی[1] فوجِ انگریزی نے دی اک ایسی ہمبکی — کہ رسّی کٹ گئی ہلکر کی، ٹوٹا جاٹ کا جوڑا
کسو ہندو بچے کی یاد میں آنکھوں سے اے انشا
نکلتا ہو پڑا جوالا مکھی کی لاٹ کا جوڑا

(۶۷)

چمک کر رات کو گر جا یہ برق و رعد کا جوڑا — کہ بچھڑا ہمدگر سے ہوشِ قبل و بعد کا جوڑا
گریباں سے کہیں جو چس[2] گیا تھا جامۂ کہنہ — تو واں قینچوں کر موباف اُن کی جعد کا جوڑا
وہی بچھڑوں کو بھی ذی الحج تک شاید ملا دیوے — ملایا جن نے ہو شوال سے ذیقعد کا جوڑا
معاذ اللہ دشمن جو کوئی سادات کا ہووے — یقیناً وہ تو ہو دنیا میں ابنِ سعد کا جوڑا
فقط اُمید ہی رکھیے نہ خالی یاس ہی[3] انشا
کیا پیدا خدا نے ہو وعید و وعد کا جوڑا

(۶۸)

نہ کیوں ہو جزمِ[4] آہ اہلِ عزم کا جوڑا — الف کے ساتھ ہی واں گٹھ رہا ہو جزم کا جوڑا
نکال آواز ایسی گڑگڑا کر، اے میاں ساقی — کہ ہو ابرِ سیہ سلفے کی تیری بزم کا جوڑا
جو کچھ یاں ٹھانیے دل میں سو بس کر بیٹھیے وہیں — کہ ہو مشہور یہ باتوں میں عزم و جزم کا جوڑا

---

[1] مڑوڑی سے مراد فاش شکست ہو مطلب یہ کہ جب بکراجیت سے اور انگریزی فوج سے لڑائی ہوئی تو ان دونوں کو انگریزی فوج نے سخت شکست دی۔ جاٹ کے جوڑے سے غالباً دیپ رام کٹارا اور رنجیت سنگھ راجہ بھرت پور مراد ہیں جن کا ذکر ایک قطعہ میں انشا نے کیا ہے۔

[2] چس گیا یعنی سک گیا یا پھٹ گیا۔

[3] مطلب یہ ہو کہ انسان کو نہ صرف اُمید ہی اُمید چاہیے اور نہ خالی یاس ہی یاس۔

[4] یعنی آہ میں الف کو مدہو اور ہ کو جزم ۔۔ن جیز۔ + ن بزم

صبا نے چادرِ گل کے بدل اک گورِ مجنوں پر　　بنا کر رکھ دیا گلہائے شمعِ بزم کا جوڑا
زرہ[1] داؤدی، انشا خود بکتر داستانے، ہاں!
یہی مردوں کو اُترا عرش پر سے رزم کا جوڑا

(۶۹)

ملا آپس میں اِس دھج سے سحاب و برق کا جوڑا　　کہ کڑکا رعد نے اقسامِ غرق و حرق کا جوڑا
نہیں ہر صوفیوں کی بات خالی خرقِ عادت سے　　انھیں پر سج گیا ہے القیام[2] و خرق کا جوڑا
یمین الدولہ[3] کو رکھیو الٰہی تا ابد قائم　　ق　　یہی اک رہ گیا ہے شاہِ غرب و شرق کا جوڑا
کیا اِسپند تاروں کا فلک نے آتشِ گل پر　　پہن کر جب وہ آیا خوب زرق و برق کا جوڑا
ہمارے سر پہ انشا سایہ ہے ایسے شہ دیں کا
نہ ہو طاؤس گردوں[4] جس کے تاجِ فرق کا جوڑا

(۷۰)

ہوئی جب لیلۃ القدر اُس پری کی جعد[5] کا جوڑا　　چھپا بالوں کے جا پٹّوں میں قبل و بعد کا جوڑا
ہوا و ابر نے کل تیسویں کا چاند دکھلایا!　　بڑا طوفان یہ شوال پر ذیقعد کا جوڑا
زحل طالع رقیب، اور آپ اُس کے مشتری ہر دم　　بندھایا بے طرح دو نجم نحس و سعد[6] کا جوڑا
پڑا پھرتا ہے ان آنکھوں کی کاجک کے تلے اپنے　　ہمیشہ طائرِ قدسی وعید و وعد کا جوڑا

---

[1] زرہ، خود، بکتر، داستانے، یہی چار دں چیزیں مرد کے واسطے سامان حرب ہیں۔ [فارسی "دستانہ" کو اُردو والے عموماً داستانا بولتے ہیں]

[2] خرق والقیام فلسفہ کی اصطلاح ہے خرق پھٹنے کو اور القیام مل جانے کو کہتے ہیں۔ پانی اور ہوا میں خرق والقیام کی کیفیت موجود ہے۔ مگر ٹھوس چیزوں میں نہیں پائی جاتی۔

[3] یعنی نواب سعادت علی خاں جن کے دربار میں انشا تھے۔

[4] طاؤس گردوں سے مراد آفتاب ہے۔ تاج فرق یعنی سر کا تاج۔

[5] جعد = چوٹی۔

[6] زحل طالع یعنی نحوس مشتری = خریدار، اور مشہور سیارے کا نام۔ نجم نحس و سعد یعنی منحوس و مبارک ستارے۔

کہیں ہو شال باف[1] ایسا جو جاڑوں تک بنا دیوے ہمیں ایک اس صنم کے مو یہائے جعد کا جوڑا
ہمیں اور اُن کو رات اِنشاؔ بہم دیکھا تو شرما کر
رہا چھپ ابر کے دامن میں برق و رعد کا جوڑا

(۷۱)

پہن مست مانگ کے ایسے کسی کم ظرف کا جوڑا کہ تیغ بچے کی صورت بن رہا ہو برف کا جوڑا
بندھی خونِ سرِ فرہاد کی ڈکری[+] تھی یاں جن پر عبث لوگوں نے قصہ سرخیِ شنجرف کا جوڑا؟
ہوا تحصیل فارغ شیخ اُس کے دام میں آیا تو جہاں جس قسم کا تھا اسم و فعل و حرف کا جوڑا
تو اپنے جی میں یہ ہو جوڑ جوڑ آٹے کی لیئی سے اُسے پہنا دیں ایک اوراقِ نحو و صرف کا جوڑا
کمی کیا صیدِ معنی کی کہ اپنے پاس ہے اِنشاؔ
قیامت ایک شاہینِ[2] نگاہِ ژرف کا جوڑا

(۷۲)

لیا چھین ابرو و مژگاں نے عام و خاص کا جوڑا بنی وہ چشمِ سعد ابن[3] ابی وقاص کا جوڑا
تامل کیجیے تو گوہرِ شب تاب ہاتھ آوے یہاں موجود ہے ہر غوطۂ غواص کا جوڑا
نکلتے تیس صوفی حال کرتے واں جو مل جاتا بہم سیمرغ قاف و قفنس[4] رقاص کا جوڑا
نہیں ہم فن کو باہم دیکھ سکتے لوگ یہ سچ ہے لگا القاص سے ہے لا یحبّ[5] القاص کا جوڑا

---

[1] شال باف = شال بنانے والا۔ [2] شاہین = باز

[+] ڈکری شاید چھپہ کے قیاس پر بنایا ہوگا بجدان کے مفہوم میں ہے (ممکن ہے یہ لفظ "پگڑی" کی تصحیف ہو) ن۔ ڈکرمی۔

[3] سعد ابن ابی وقاص مشہور فاتح ایران کے چشم معشوق کو فتوحات سعد ابن ابی وقاص سے تشبیہ دی ہے۔

[4] سیمرغ اور قفنس دو مشہور خیالی چڑیاں ہمارے اصنامیات میں ہیں "سیمرغ (تیس مرغ) "تیس صوفی" کی روایت قابل ملاحظہ ہے۔

[5] یہ "القاص لا یحب القاص" (قصہ کہنے والا دوسرے قصہ گو کا دوست نہیں ہوتا) یعنی ع
بود ہم پیشہ با ہم پیشہ دشمن

اجی دیکھو گے جب تم آرسی مصحف تو واں انشا
پڑھے گا سورۂ الحمد اور اخلاص کا جوڑا

(۷۳)

جواہر[1] سے ملاتا کون یہاں اعراض کا جوڑا
یہ ہر باندھا ہوا خود مبدأ فیاض کا جوڑا

حفاظت بحر و بر کی تب تو سونپی جائے قدرت سے
بندھے جب خضر اور الیاس سے مرتاض[2] کا جوڑا

قضا نے خارجی کے واسطے بنوا کے بھیجا ہے
عجب اک ریسمانِ پنبۂ امراض کا جوڑا

غرض کے حرف کی تکرار کی جن نے تو وہ بولے
پہن آئے ہو تم تو اطلسِ اغراض کا جوڑا

کتر اور[3] بیونت یاں تک ہے کہ میری کاٹ پر اُن نے
مجھے بھیجا تو کلکتے سے ایک مقراض کا جوڑا

(۷۴)

وہ دو زلفیں نہیں، ہیں ایک کالے ناگ کا جوڑا
بنایا جن کی فُنکاری[4] کو حق نے آگ کا جوڑا

نہ کیوں کر بن کے بن مینو کے پھولوں کے نظر آویں
جو جنگل جی سے جوگی آپ پہنے بھاگ کا جوڑا

اُنھیں کیا نعمت الواں سے جن کو عرش سے اترا
یہی ایک جَو کی روٹی اور اُبلے ساگ کا جوڑا

مہاراجا جہاں چگتے تھے موتی ہنس کے جوڑے
وہاں کا اب شری ٹھاکر بنا ہے کاگ[5] کا جوڑا

لگا دی دَون[6] سی اس جنگل کو بس اک دم ہی آہوں میں
یہ دُھرپت تھا کچھ انشا نے دیپک راگ کا جوڑا

---

[1] جواہر اور اعراض فلسفہ کی اصطلاحیں ہیں۔ جوہر سے قائم بالذات مراد ہے۔ مثلاً انسان فرس وغیرہ۔ اور عرض سے قائم بالغیر مراد ہے۔ جیسے رنگ بو وغیرہ۔ مبدأ فیاض یعنی خدائے تعالیٰ۔

[2] مرتاض یعنی ریاضت کرنے والا۔

[3] کتر بیونت، کاٹ، مقراض یہ صنائع جگنت ہیں۔ بنوٹ [فنکاری = پھنکاری]

[4] کاگ = کوّا

[5] دَون لگانا = یعنی آگ لگا دینا۔ دَون اس آگ کو کہتے ہیں جو جنگل میں آپ ہی آپ لگ جاتی ہے۔ دیپک راگ وہ راگ ہے جس کی نسبت مشہور ہے کہ اس کے گانے سے آگ لگ جاتی ہے۔

(۷۵)

ہوا پھٹ[1] جس گھڑی قیسِ بیاباں گرد کا جوڑا
تو ٹکرایا بہم دونوں کی آہِ سرد کا جوڑا

شعاعِ مہر اگر زعفران کے کھیت چر جاوے
نہ ہووے تو بھی وہ عاشق کے روئے زرد کا جوڑا

سیاہ سوزنِ مژگاں سے تیری قیس نے لے لے
گلابی ریشم رگ ہائے برگِ ورد کا جوڑا

مبارکباد گائی خوب سی ٹکرا کے تیشے نے
شہانا جب ہوا فرہادِ غم پرور د کا جوڑا

لباسِ خاک میں جو دو گبولے لڑ گئے شاید
یہ دو روحیں تھیں پہنا تھا جنھوں نے گرد کا جوڑا

لکھا رکھی ہیں حسبُ المدعا دو عرضیاں انشا
ملا گر وقت تو موجود ہو یہ فرد کا جوڑا

(۷۶)

نہ اے زاہد پہن بنوا کے موٹے سوت کا جوڑا
کہ اُترے گا تجھے استبرق[2] لاہوت کا جوڑا

مرصّع پوشی گردوں کے ستاروں سے عبث ٹھہری
نہ نکلا واں تو تیرے حقّہ[3] یاقوت کا جوڑا

غزالانِ حرم کی فوج کا سردار[4] خیل ہو لیکن
کہاں قیسِ بنی عامر ترے مہوت[5] کا جوڑا

تمھارے بطلخ اور بطّخ کے غل کرنے کو سن لیوے
نہ دیکھا جن نے ہو پیپل تلے کے بھوت کا جوڑا

نظر آئے ترے انشا اگر وہ نرگسِ جادو
تو باہم لڑ پڑے ہاروت[6] اور ماروت کا جوڑا

(۷۷)

صنم خانے میں جب بولا بتِ ناقوس کا جوڑا
لگا ٹھاکر کے آگے ناچنے طاؤس کا جوڑا

---

[1] پھٹ ہونا - اکیلا یا تنہا رہ جانا۔
[2] ایک قیمتی ریشمی کپڑا جو قدیم زمانے میں پہنا جاتا تھا۔
[3] حقہ = ڈبیا۔
[4] سردار یعنی سردار۔ مہوت = بے حواس - دیوانہ یعنی عاشق۔
[5] ہاروت اور ماروت دو فرشتے تھے جو دنیا میں عبادت کے زعم میں آئے مگر یہاں آکر گناہوں میں ایسے آلودہ ہو گئے کہ بس یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

جو سوتے ہیں وہ راتوں کو تو کیا کیا سیر کرتا ہوں
سرھانے رکھ کے تنبوری کوئی فانوس کا جوڑا

نہ سمجھو کہکشاں کا عکس دریا میں اِدھر دیکھو
کہ ہر مارِ سیاہِ نالۂ مایوس کا جوڑا

کرام کاتبیں کی شکل کا اُن کی طرف سے یاں
لگا پھرتا ہوا اپنے ساتھ اِک جاسوس کا جوڑا

رصد جو طارمِ تاکِ دلِ انگور سے باندھے
ستارے جانتے ہیں اُس کو بطلیموس[1] کا جوڑا

ہُما کی مور چھل پر نور تن باندھے تو اِنشا نے
کہی پھبتی کہ ہو یہ چتر کیکاؤس[2] کا جوڑا

(۷۸)

نہیں مجھ پاس اے قمری ترے کھڑاگ[3] کا جوڑا
ترے میں گھونسلے میں چھوڑ دوں گا ناگ کا جوڑا

یہ خاصیت ہو اُن کی آنکھوں کی جوں آتشی شیشہ
کسی نے ہو کہیں دیکھا بھی اِس کی لاگ کا جوڑا

اڑلسیل[4] کوئی گینڈا ہو، وہی لے آپ سے ٹکر
کہ جوگی جی یہ جوڑا ہو اُسی کے کھاگ[5] کا جوڑا

مہادیو اُترے جو کیلاش سے اپنی جٹا کھولے
تو شاید بن سکے اِس جوگ کے بیراگ کا جوڑا

پھُنکا جاتا ہوں سوزِ عشق کی گرمی سے اے اِنشا
خدا نے کیا بلا یہ دل بنایا آگ کا جوڑا

(۷۹)

تڑاقے[6] کا یہ پہنا اُس پری نے تاش کا جوڑا
کہ اُڑ لاگا فلک پر طائرِ شاباش کا جوڑا

---

[1] بطلیوس ایک یونانی ہندس قاحس کا نظام بطلیوسی مشہور ہو۔

[2] کیکاؤس؛ قدیم ایران کا ایک بہت مشہور بادشاہ گزرا ہو۔

[3] کھڑاگ ایک پیچیدہ اور مشکل راگ کا نام ہو۔

[4] اڑلسیل = اڑیل۔ لڑاکا

[5] کھاگ۔ گینڈے کا سینگ

[6] تڑاقے کا یعنی زرق برق۔

رلائی آپ نے چتون تو ہم بھی دل کی کہہ بیٹھے
یہی تھا پاس اپنے اِس نگاہِ فاش کا جوڑا

پڑھا کرتا ہو مَش بش آئینے کو جب دیکھے
کہاں ہو کوئی تیرے عاشقِ ہشاش[1] کا جوڑا

ہوئی ہو روحِ قیس و کوہکن باہم دگر اک جا
قضارا[2] ہو گیا ہو مفلس و قلاش کا جوڑا

بھلا جو مردِ افیونی ہو اُس کو بھوک کیا معنی
کفایت می کند یک دانۂ خشخاش کا جوڑا

جو دل بادل[3] کے ہاتھی سے بڑا گز گت میں ہو کوئی
تو ٹھہرے رائے گینڈا مل تمھاری لاش کا جوڑا

وہ قمری سرو پر جو بولتی ہو اِن دنوں اُن نے
پنواڑا[4] ایک جھاؤ لال کے فراش کا جوڑا

کسی جوگی نے جو منتر سکھایا ہو مجھے اِنشا
لیے پھرتا ہوں میں چٹکی میں اپنی ماش کا جوڑا

(۸۰)

کہیں بچھڑا ہوا دیکھا جو اک سُرخاب کا جوڑا
توڑا مھیں مار کر رویا بطِ گرداب کا جوڑا

نہ آنکھیں تر ہوئیں فرہاد بے کس پر جو شیریں کی
تو نکلا بیستوں سے پھوٹ کر سیلاب کا جوڑا

گھٹاٹوپ[5] اُس پری کی نالکی کا کچھ ہوا اچھا
تو پاٹ اک اُس میں لے کر چادرِ مہتاب کا جوڑا

بہت پرواز پر ایک دُنبکی سنتے ہیں آیا ہو
پرِ اپنی دُم میں کیا اُن نے کوئی سرخاب کا جوڑا

وہی سوزش زدے یکبارگی جو چاہ میں ڈوبے
جنھوں کو لے گیا وہ مارِ موجِ آب کا جوڑا

اُنھیں فریادیوں کی ہیں یہ آنکھیں اشک آلودہ
پری زادوں نے جن پر توتیا دولاب[6] کا جوڑا

نہ لگا کھائے ہرگز آپ کی گدڑی سے ہاں سائیں
پڑا اچکا کرے گو مہر عالم تاب کا جوڑا

---

[1] ہش اور بش دونوں کے معنی خوش و خرم ہونے کے ہیں۔ گرہشکے دُبلے اور ضعیف ہونے کے معنی بھی ہیں عاشق ہشاش یعنی نحیف و لاغر عاشق۔

[2] قضارا یعنی اتفاق سے۔

[3] دل بادل کا ہاتھی یعنی وہ ہاتھی جو قد و جسامت میں سب سے بڑا ہو۔ گزگت (= گجگت) یعنی قد و جسامت۔ گینڈا مل (یا گینڈا مل) کوئی موٹا شخص ہوگا جس پر دل بادل کے ہاتھی کی پھبتی کہی گئی ہو۔

[4] پنواڑا بطولانی قصہ جھاؤ ایک مشہور رخت رانا جھاؤ لال ایک مشہور نخشی جو زمانہ نواب آصف الدولہ میں تھے ان کا بنایا ہوا پلنگ دولہا رام بھی لکھنؤ میں ہو۔

[5] گھٹاٹوپ = پالکی کا پردہ۔ نالکی شاہی زمانے میں ایک قسم کی پالکی ہوتی تھی۔

[6] توتیا = بیتان۔ اِلہام۔ الوام۔ (عربی لفظ "توطئہ" سے ماخوذ) دولاب = چرخی یا پہیہ جس سے کنوئیں سے پانی کھینچا جاتا ہو۔

کہیں تو شال کا بونٹا، کہیں زربفت کا ٹکڑا ق کہیں اطلس کہیں پوند ہو کمخاب کا جوڑا
لیے انشا نے بوسے دو ہزار اُن کے لبوں سے کل
دوگانہ[1] دے کے سیدھے ہاتھ میں عناب کا جوڑا

(۸۱)

چمن[2] سے کیا بندھے تیرے رخِ نم ناک کا جوڑا — کہ ہو واں کان آنکھ اور مُنہ نباشد ناک کا جوڑا
سحر کے مُنہ سے مل دیں گے بھبھوت اکسیر کا آکر — بگولا کر جو آتے ہیں یہ پہنے خاک کا جوڑا
سجا ہو دخترِ رز سے پری نے آج، اے ساقی — عجب ابریشم رگہائے برگِ تاک کا جوڑا
ہزاروں ڈھب کے بان اس سے سیہم ڈھلتے جاتے ہیں — نہ ہو کیوں چرخ گردوں اے کلال اس چاک کا جوڑا
یہ نکلیں ایک افیونی کی آنکھیں گور سے باہر — کہ لالا جی نے دیکھا کاسۂ تریاک کا جوڑا
اُٹھا دُم ہنہناتی ہو نسیم صبح کی گھوڑی — اسے کر لیجے اپنے توسنِ چالاک کا جوڑا

قیامت بے ادب ہیں جو تلوں سمجھیں اے انشا!
کہیں وہ دونوں آنکھیں گردشِ افلاک کا جوڑا

(۸۲)

ملے پارے سے جوہر تال کر کے راکھ کا جوڑا — تو تا میسر جی اگلیں کوئی نوّے لاکھ کا جوڑا
تصوّر نے ترے ایک چھوپ سی سوتوں کو ڈھلائی — ہوا ساون بھی اُن کو جیٹھ اور بیساکھ کا جوڑا
نہیں کچھ بھید سے خالی یہ تیسی داس جی صاحب — لگایا ہو جو اک بھونرے سے تم نے آکھ کا جوڑا
لپٹ کر کشن جی سے رادھکا یونہیں لگی کہنے — ملا ہو چاند سے اے لو اندھیرے پاکھ کا جوڑا

یہ سچ سمجھو کہ انشا ہو جگت بیٹھ اس زمانے کا
نہیں شعر و سخن میں کوئی اُس کی ساکھ کا جوڑا

---

[1] دگانہ جوڑا ہوا پھل کسی کو بھلا دے کر دیتے ہیں اور پھر لفظ فراموش۔ اور اس کے بدل میں وہ ہی چیز دو ہزار مانگتے ہیں۔ عناب کا جوڑا یعنی دو ہر یا عناب۔

[2] یعنی چمن کو تیرے چہرے سے کیا نسبت ہو کیونکہ اس میں صرف (گل) آنکھ (نرگس) ناک (گل زنبق) ہو مگر منہ نہیں ہے۔

(۸۳)

جس شخص نے کہ اپنی نخوت کے بل کو توڑا
راہ خدا میں اُن نے گویا جبل کو توڑا

اپنا دلِ شگفتہ تالاب کا کنول تھا
افسوس تو نے ظالم ایسے کنول کو توڑا

کو لے تلے کھڑا تھا، دیکھا جو مجھ کو آتے
ہاتھ اُن نے کر کے اوچا جھٹ ایک پل کو توڑا

تھا ساعتِ[1] فرنگی، دل چپ جو ہو رہا ہے
کیا جانیے کہ کس نے اب اِس کی کل کو توڑا

دارا و جم نے کیا کیا تجھ سے شکست پائی
اے چرخ تو نے کس کس اہلِ دول کو توڑا

مفلس کے بر میں یارو وہ لالچی کب آیا
رکھتا ہو گرم زر کا جس کی بغل کو[2] توڑا

آنکھوں سے اپنی آنسو کچھ ایسے پھوٹ نکلے
فوارے کے کسو نے جیسے ہو نل کو توڑا

یعنی ہو جنسِ دل تو ظالم تو آج لے چک
پڑ جائے گا وگرنہ پھر اُس کا، کل کو، توڑا[3]

احوال خوش اُنھوں کا اِنشا میاں، جنھوں نے
اُس ذاتِ بحت[4] سے مِل بندِ اجل کو توڑا

(۸۴)

کیا کہوں احوال تیرے عاشق بیتاب کا
اشک جو ٹپکا سو گویا قطرہ تھا سیماب کا

دیکھیے آکر جھمکڑا چادرِ مہتاب کا
لہریں لیتا ہے سمندر عالمِ سیماب کا

تھے جو کمبل پوش اُن کے سامنے کیا تذکرہ
صاحبِ شال و سمور و قاقم و سنجاب کا

سوزنِ عیسیٰ سے رم کرنے لگے قدوسیاں
یہ ضمیمہ رہ گیا تھا عالمِ اسباب کا[5]

---

[1] گھڑی (فرنگ کی بنی ہوئی)۔

[2] یہ مصرع تعقید سے صاف ہو کر اس طرح ہوگا۔ "جس کی بغل کو زر کا توڑا اگرم رکھتا ہے" یعنی جس کو روپیہ کی کمی نہیں ہے۔

[3] توڑا۔ توڑا پڑنا یکمی نایابی۔

[4] ذات بحت: ذات مطلق ذات محض یعنی ذات الٰہی۔

[5] سوزن عیسیٰ: مشہور ہے کہ حضرت عیسیٰ جب آسمان پر اٹھائے گئے تو انکے دامن میں ایک سوئی رہ گئی۔ اسی وجہ سے وہ چوتھے آسمان سے بالاتر نہ جا سکے کیوں کہ یہ چیز علائق دنیوی کی یادگار تھی۔

کوئی سفلہ بڑھ چلا حد سے تو یاروں نے کہا
ایک یہ بھی جوش تھا برسات کے سیلاب کا

لطف وہ شامِ اودھ کا دیکھیے جاکر دوستو
ہو جو فیضِ آبادِ میں نوکر میاں دارا بؔ کا

نعرہ ہو سے کسی کے زلزلہ سا ہو گیا
حال کرنا ہم نے دیکھا مسجد و محراب کا

اس مٹھوسے پن پہ بیٹھے کس قدر ہیں شیخ جیو
تو ندتم اُن کی نہ سمجھو ہو یہ مٹکا راب کا

اور بھی پرواز اگر منظور ہو، تو زاہدا!
گانٹھ لیجے دُم میں اپنی پَر کوئی سرخاب کا

دیکھ لیجے ہاتھ دھر کر اس مرے سینے پہ آپ
گر نہ دیکھا ہو تڑپنا ماہی بے آب کا

کیا ہی پھبتا ہو یہ صاحب رینگ کا کرتا تمھیں
اور اے ظالم یہ ڈھیلا پائنچہ کمخاب کا

نالہ و آہ و فغاں سے ربط ہو جن کو مدام
غل مچانا کیوں نہ خوش آوے انھیں دو لاب کا

مانگتا ہو یہ دعا آٹھوں پہر اِنشا سدا
یا الٰہی بول بالا ہو مرے نواب کا

(۸۵)

اَبکے یہ سردی پڑی ہر ایک تارا جم گیا
کاسۂ چرخِ بریں سارے کا سارا جم گیا

چاند سے مکھڑے کو اُس کے دیکھ کر دا گر دسے
چار چار انگشت سورج کا کنارا جم گیا

کیمیا کا شوق تھا جن کو اکڑ کے بُت ہوئے
تھا جہاں نک شہر میں موجود پارا جم گیا

سرد مہری سے زمانے کی نہ پوچھو حال کچھ
اوس میں جو آہ سے نکلا شرارا جم گیا

آبخورے برف کے اِنشا کو بھیجے آپ نے
اس کے یہ معنی کہ لو نقشا تمھارا جم گیا

علہ رینگ ایک مہین کپڑا مثل تنزیب یا ململ کے۔

لہ میاں داراب = بہو بیگم صاحبہ کے مشہور امیر کبیر خواجہ سرا تھے۔

لہ حال کرنا = یعنی وجد میں آنا۔ جھومنا۔

لہ نقشا جمنا = مستقل نوکری ہو جانا۔

ردیف (ب و پ)

(۸۶)

مل گئے سینے سے وہ پھر ہے یہ کیسا اضطراب
کیوں رے دل جاتا نہیں ہے پھر بھی تیرا اضطراب

کیوں پڑی تھلکیں[1] نہ آنکھیں آنسوؤں کے بوجھ سے
ہے دل صد پارہ کو سیماب کا سا اضطراب

قیسؔ کا یہ حال ہے یاں قافلے سے پڑ کے دور
کر رہی ہو جس طرح محمل میں لیلا اضطراب

پوچھتے کیا ہو کہ تیرے دل میں کیا ہے مجھ سے کہہ
اور کیا یاں خاک ہوگی جوش ہے یا اضطراب

دم لگا گھٹنے اجی میں کیا کہوں کل رات کو
تم نہ آئے تو کیا یاں جی نے کیا کیا اضطراب

کیا غضب تھا پھاند کر دیوار آدھی رات کو (ق)
دھم سے میرا کودنا اور وہ تمہارا اضطراب

پر وہ دھڑکا تھا مزے کے ساتھ ملتے اس کے جی
پھر کرے اپنے نصیب اللہ ویسا اضطراب

اس کی چاہت میں جوانی اپنی تھی سو چل بسی
ہے پر اب تک جی کو اک جیسے کا تیسا اضطراب

پیر و مرشد کا یہ مصرع حسب حال انشاؔ کے ہے
"مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب"

(۸۷)

زلزلہ لایا ہے جسم مضمحل کا اضطراب
مرمٹے پر بھی گیا اپنے نہ دل کا اضطراب

نکہتِ گل سی پری کو کونے کونے لے پھری
تھا نوکھا یہ ہوائے معتدل کا اضطراب

کر کے کچھ تقصیر اُن کی بڑھ چلا جو میں، تو وہ
بولے ٹک دیکھو تو اِس نامنفعل کا اضطراب

عشق وہ پھل ہے کہ جس کے تخم ہیں یہ اتنک سُرخ
بیخ و دی ہے مغز اُس کا اُس کا چھلکا اضطراب

اُس کے ہم صدقے مٹایا جس نے باہم کر کے غلط
آتش تیز و ہوا و آب و گل کا اضطراب

---

[1] آنکھیں تھلکنا یعنی آنکھوں میں آنسو بھر آنا۔ [نیز ن: "روس" (یعنی رسخ دغم)] † یہ اور اس کے آگے کی غزل حسب حکم نواب مصرع طرح لکھی گئی تھی مگر تینوں قلمی نسخوں میں نہیں، مطبوعہ نسخوں میں مصرع یوں ہے۔ مل گئے سینے سے سینے پھر یہ کیسا اضطراب۔

یاد میں انشا وہ شرمائی ہوئی آنکھیں تجھے
اور تنہائی میں اُس پیماں گسل کا اضطراب

(۸۸)

جھٹ پٹ[1] جھپٹ کے تم نے جو موندے کواڑ خوب — چوکھٹ پہ گر کے رات میں کھائی پچھاڑ خوب
اِک سنگ پر جو صورتِ شیریں نظر پڑی — ہم بیستوں کا دیکھ کے روئے پہاڑ خوب
منظور اور بات جو کچھ ہو تو آیئے — گلشن میں اک کنارے ہی چپے کا جھاڑ خوب
لیلیٰ نے آ کے بجد میں مجنوں سے یوں کہا — کیا آپ نے پسند کیا ہے اُجاڑ خوب!
ایسا نہ ہو کہ خون کسی کا ہو اِن دنوں — رہنے لگی ہے در پہ ترے بھیڑ بھاڑ خوب
جلدی خبر لو میری کہ ہر زخم دل کے آج — دستِ جنوں نے ڈالے ہیں پھائے اُکھاڑ خوب
دیوانہ تو کہو ہو مجھے میں بھی اب کے سال — لاتا ہوں کیا ہی سوانگ گریباں کو پھاڑ خوب
پھولوں کی گیند[2] مجھ کو تو جھٹ مار بیٹھنی — کر کر نشانہ دور سے، نظروں میں تاڑ خوب
اور اپنی باری چوٹ بچا جانی واچھڑے[3]! — کیا آپ نے نکالی ہے تکیے کی آڑ، خوب!

انشا جو اُس سے بگڑا تو کہنے لگا وہ خوب
اچھا جی اچھا جایئے ٹھیرا بگاڑ خوب

(۸۹)

پھرا یہ آنکھوں میں اُس زلفِ عنبریں کا سانپ — کہ موجِ اشک ہوئی اپنی آستیں کا سانپ
کھجوری[4] چوٹی یہ کس کی تھی جس کے دھوکے میں — جگر کو کاٹ گیا شاخِ یاسمیں کا سانپ

---

[1] ان الفاظ کی تجنیس صوتی قابل ملاحظہ ہے۔

[2] گیند دلی میں مونث ہے

[3] واچھڑے: کیا خوب سبحان اللہ

[4] کھجوری چوٹی: وہ چوٹی جس میں بالوں کی تین لڑیں ملا کے گوندھی جاتی ہیں۔

ہلا کے زلف "نہیں" کس نے کی تھی بوسے پر
کہ پھر گیا مری چھاتی پہ اُس "نہیں" کا سانپ

تک اُس کے سرمۂ دُنبالہ دار پر کر دھیاں
کہ ہے یہ نرگسِ شہلائے نازنیں کا سانپ

لٹ اُس کے بالوں کی غصے میں تک جبیں پر دیکھ
نہ ایسا ہووے گا صحرائے ملکِ چیں کا سانپ

مگر وہ زلف مددگارِ چشم تھی، کہ مرا
ڈسے ہے دل نگہِ سحر آفریں کا سانپ

عمامے والوں سے اے دل تو بچ کے نکلا کر
کہے ہے یہ شملۂ زنّارِ راہِ دیں کا سانپ

شبِ فراق تو اک تھی ہی اژدہا تمثال (ق)
کہ تھا خیال میں اُس جعدِ عنبریں کا سانپ

صباح کفچۂ[1] زرینِ آفتاب کو دیکھ
کہا یہ میں نے یہ کافر نہیں زمیں کا سانپ

نکل ہی لینے کو نکلا ہے غار مشرق سے
وہ پھن نکالے ہوئے چرخِ چارمیں کا سانپ

پھر اُس پہ ایسی ہی مطرب نے جو گیا گائی[2]
کہ بن کھڑا ہوا فوں آہِ آتشیں کا سانپ

عصائے حضرتِ موسیٰ ہوا نپی آہ انشا
کبھی کرے جو کہیں قصد میرے کیں کا سانپ

(۹۰)

بنا کے چھوڑوں جو افیون کا شراب میں سانپ
تو صاف آوے نظر جرمِ آفتاب میں سانپ

ہماری آنکھوں میں ساقی بغیر برق نہیں
یہ کھینچے ہے نفسِ آتشیں سحاب میں سانپ

اُلٹ کے چوٹی جو کنگھی سے اُس نے اٹکا دی
پٹک کے پھن کو پڑا اخت پیچ و تاب میں سانپ*

ہلے ہے آئنے میں اس طرح وہ زلفِ سیاہ
کہ لہریں لیوے پڑا جیسے سطحِ آب میں سانپ

یہ بال دھوئے ہیں کس نے کہ عکسِ موجۂ آب
مجھے دکھائے ہے ہر کاسۂ حباب میں سانپ

سمجھ نہ حلقۂ کاکل میں کان کا موتی
یہ من نکال کے بیٹھا ہر ماہتاب میں سانپ

دلا نہ اہلِ زمانہ سے تو معانقہ کر
کہ ہے نہفتہ گریبانِ شیخ و شاب میں سانپ

---

[1] سانپ کے پھن کو بھی کفچہ کہتے ہیں۔ * ق ۳: ... "کنگھی شب اُس نے نکادی + تو سر پٹک کے پڑا سخت پیچ تاب میں سانپ

[2] جوگیا: ایک راگنی جو آخرِ شب میں گائی جاتی ہے۔

خیال اُس کی لٹوں کا نہ کیوں بسے دل میں — پھرا کریں ہیں ہزاروں وِہ خراب میں سانپ
کسی کی زلف سیہ کی جسے چڑھی ہو لہر — نہ کیوں وہ چونک پڑے دیکھ دیکھ خواب میں سانپ

ہزاروں ڈھب سے مضامین باندھ ڈالے ہیں†
پڑے ہیں ہاتھ سے اِنشا کے اِک عذاب میں سانپ

ردیف (ت)

(۹۱)

نہیں چاہیے شرم اِتنی بہت — کہ مجلس میں بن بیٹھیے جیسے بُت
بناتے ہیں ہم تم کو کیا، شیخ جیو[۵۱] — ذرا آنے دیجے تو ہولی کی رُت
بہم صبر و شورش کے کیوں کر بنے — کہ یہ کم سے کم وہ بہت سے بہت
کنور جی بھی ٹھاکر کے ایسے ہی ہیں — ہنومان جی جیسے پتھر کے سُت[۵۲]

غزل لکھ اب اِنشا کوئی اور بھی
کہ یہ قافیے ہیں انوکھے اچھوت

(۹۲)

ہمیں اُس صنم سے ہے الفت بہت — جھکے جس کے سجدے کو پتھر کے بُت
نہ لہرائے کیوں کر ہوائے جنوں — کہ ہے شورش افزا یہ ساون کی رُت
مہاراج جی تم نے یہ سچ کہا — جنھیں درشن اِت ہیں اُنھیں درشن اُت[۵۳]

---

† ق ۳ : "مضامیں میں باندھ ڈالے ہیں ۔

* یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ۔

۵۱ شیخ جیو : یعنی شیخ جی ۔ "شیخ جیو" بہت پرانا لفظ ہے ۔ اکبر شیخ فیضی کو شیخ جیو کہا کرتے تھے ۔

۵۲ سُت = یعنی پوت ، بیٹا ۔

۵۳ اِت = یہاں ۔ اُت = وہاں ۔ یعنی جو اللہ کے درشن اس دنیا میں کرتے ہیں وہی اُس دنیا میں بھی کریں گے ۔

کہے ہر انھیں دیکھ کر راجہ راندر — یہ لجیات ہیں تمتیں دامن کے دُت[1]
کوئی بھوکے ناحق جو کتے کی طرح — تو ڈنکار دینا اُسے کہہ کے "دُت"

بیادِ خلیلِ خدائے وددود
جڑالات وعُزّا کو اِنشا نے بُت[2]

(۹۳)

کعبے[3] سے کیا ہم نے جو آہنگِ خرابات — کیا جانے خوش آیا ہمیں کیا رنگِ خرابات
آتشکدہ ہو ہر شررِ سنگ خرابات — جھلکے ہے غرض اور ہی کچھ رنگِ خرابات
ربِّ ارنی کیوں نہ کہوں مثلِ کلیم اب — ہر طور تجلّی سے پھر آہنگِ خرابات
سب ٹوٹ گئے جام و خُم و ساغر و مینا — تھا گرم یہ شب معرکۂ جنگِ خرابات
اے پیرِ مغاں اینڈیے گا شوق سے دن رات — مستانہ ہو پی کر قدحِ بنگِ خرابات
گر شیخ سُنے نغمۂ لبیک کو بھولے — آوازِ نے و بین و دف و چنگِ خرابات

لے سلطنتِ عشق مبارک تجھے، اِنشا
ہو زیبِ دہِ شاہیِ اورنگِ خرابات

(۹۴)

کچھ[4] اشارا جو کیا ہم نے ملاقات کے وقت — ٹال کر کہنے لگا دن ہے ابھی رات کے وقت
سرسری آپ کے تشریف لے آنے سے حصول؟ — میں تو تب جانوں کہ آجاؤ کبھی گھات کے وقت
غیر سے کرتے تھے آنکھوں میں ابھی باتیں تم — ہم بھی آپہونچے ہیں کیا عینِ اشارات کے وقت

---

[1] لجیانا: لاج کرنا۔ شرمانا۔ لجیات ہیں شرماتے ہیں۔ یعنی دامن کی آڑ کرکے تم سے شرماتے ہیں۔

[2] بُت گھونسا۔ مُکّا۔

[3] یہ غزل سودا کے طرز پر کہی ہے [یہ غزل ق ۳ میں نہیں ہے]

[4] یہ غزل جرأت کے رنگ میں کہی ہے۔

گرچہ مے پینے سے کی توبہ ہو میں نے ساقی
بھول جاتا ہوں ولے تیری مدارات کے وقت

آوے خاطر میں جہاں آپ پھرا کیجے یوں
پاس اِس بندے کے آرہیے پر اُس بات کے وقت

کیا کروں پاسِ ادب سے ہوں نہایت لاچار
ورنہ کچھ اور ہی سوجھے ہو مجھے لات کے وقت

موسمِ عیش ہو یہ عہدِ جوانی اِنشاؔ
دور ہیں تیرے ابھی زہد و عبادات کے وقت

(۹۵)

مدّت کے بعد آئے نظر، خیر و عافیت؟
کہیے مزاج کی تو خبر، خیر و عافیت؟

گر نکہتِ بہار سے مل جائے پوچھیو
میری طرف سے بادِ سحر، خیر و عافیت

اوصاف ہیں زیادہ زحد اپنی آہ میں
لیکن جو پوچھیے، تو اثر، خیر و عافیت

اے اہلِ درد و حسرت و حرماں کے جور سے
کی رات کس طرح سے بسر، خیر و عافیت

اللہ کیا سُرور ہو انشاؔ سے بزم میں
اِک بار یار پوچھے اگر، خیر و عافیت

(۹۶)

جمال و عظمتِ دادارِ خالقِ ملکوت
خیال کر کے یہ کہتا ہوں بھلّہ رے[۱] جبروت

نمودِ بسطتِ پروردگار ہو، دیکھو
جہاں تلک کہ کرے کام یہ نظر کا سوت[۲]

محیط اس میں ہو ممتثالِ جلوۂ واجب
اگرچہ آئنۂ ممکنات ہو ناسوت[۳]

زہے کریم کہ کروبیوں کو جن نے دیا
مدام مشغلۂ سیرِ گلشنِ لاہوت

---

[۱] بھلّہ رے = اللہ اکبر!

[۲] نظر کا سوت = تارِ نظر۔

[۳] واجب یعنی واجب الوجود = ذاتِ باری۔ ممکن یعنی ممکن الوجود = مخلوق۔ ناسوت یہ عالمِ انسانی، انسان۔ مطلب یہ کہ انسان اگرچہ ممکنات میں سے ہو، پھر بھی ذاتِ باری کا جلوہ اُس میں دکھائی دیتا ہو۔

حسنؑ حسینؑ کی خاطر جو بخشش دیوے گا ق گناہ گاروں کو قصر زمرد و یاقوت
کہ جس میں سینکڑوں حوریں ہزار ہا غلماں ہر ایک مثل قمر کے بدون ریش و بروت
یہ بیت سبحٰن ربی الاعلیٰ عطا کرے جو تفضل سے قدسیوں کا قوت
بغیر اس کے کرم کے نہیں بن آتی بات ہزار گرچہ پڑھا کیجیے دعائے قنوت
بیان ذات کے اوصاف کس سے ہو انشا
صفات جس کی میں حمال عرش ہیں مبہوت

(۹۷)

تو نے لگائی آ کے یہ کیا آگ، اے بسنت جس سے کہ دل کی آگ اٹھی جاگ، اے بسنت
کیفیت بہار کی اس کو تو دے خبر* موج نسیم کی طرح اڑ لاگ، اے بسنت
ہر شاخ زرد و سرخ و سیہ ہجر یار میں ڈستے ہیں دل کو آن کے جوناگ، اے بسنت
منہ دیکھو عاشقوں کے مقابل ہو رنگ میں ق باندھے ہو مجھ سے کس لیے تو لاگ، اے بسنت
تجھ میں کہاں یہ بوقلمونی، کہاں یہ رنگ؟ دست و جبل کو خیر سے اب بھاگ، اے بسنت
نظارہ نگار کرے ہو چمن میں تو بے طرح کچھ لگے ہیں تجھے بھاگ، اے بسنت
جوں تار چنگ چھیڑ نہ انشا کو، بات مان
تیرا سنا ہوا ہے یہ کھڑاگ، اے بسنت

(۹۸)

صد برگ گہ دکھائے ہے گہ ارغواں بسنت[۲] لاوے ہے ایک تازہ شگوفہ یہاں بسنت
بھر بھر کے گلستاں میں مے عیش و جشن سے دیتی ہے ہر گھڑی مجھے رطل گراں بسنت
تو اٹھا چلا تو زرد ہوئے سب کے رنگ رو کل آگئی بہار میں کچھ ناگہاں بسنت

---

* ق ۳: "کی اس گل کو دے خبر"۔

[۱] چنگ اور کھڑاگ میں ایک رعایت ہے۔ چنگ ایک باجا ہے اور کھٹ ایک راگ۔
[۲] صد برگ اور ارغواں پھولوں کے نام ہیں۔

آتے نظر ہیں دشت و جبل زرد ہر طرف — ہو اب کے سال ایسی ہی، اے دوستاں بسنت
شادابیٔ نسیم سے بحرِ سرور کو — کرتی ہو جوش مار کے اب بیکراں بسنت
گر فی المثل ملائکہ ہوں اہلِ زہد سب — لے آوے بہرِ سیر انھیں موکشاں بسنت
پتی نہیں چمن میں کھڑکتی ترے بغیر — کرتی ہو اس لباس میں ہر دم فغاں بسنت
گر شاخِ زعفراں اسے کہیے تو ہو روا — ہو فرخ بخش واقعی اس حد کو ہاں بسنت
گڑوا بنا کے ریشِ مخنّث سے محتسب — جاتا ہو اُس مقام میں جاوے جہاں بسنت

انشا سے شیخ پوچھتے ہیں آج کیا صلاح
ترغیبِ بادہ دے ہو مجھے، اے جواں بسنت

*

(۹۹)

آؤ مولیٰ فقیر کی صورت — "کُل شیءٍ قدیر" کی صورت
چھپی رہتی ہو خاک میں کوئی — تم سے روشن ضمیر کی صورت
فقرا کو کوئی خوش آتی ہو — بادشاہ و وزیر کی صورت

(۱۰۰)

اس کے آگے تین طویل مستزاد ہیں یعنی ایسی غزلیں جن کے ہر مصرع کے آخر میں ایک رکن بطور مستزاد کے اضافہ کیا جاتا ہو۔ معلوم نہیں اس صنف کا ایجاد کس زمانے میں ہوا۔ اُردو شاعری کے قدیم دوروں میں اِس کا رواج نہیں تھا یا اگر ہوگا بھی تو بہت کم۔ مگر انشا کے زمانے میں یہ چیز بہت مرغوب و دل پسند تھی۔ چنانچہ شعرائے ثلثہ انشا مصحفی جرأت نے خوب مستزاد کہے ہیں اور ایک دوسرے کی چوٹ پر کہے ہیں اگر کسی کو اس صنف سے شوق ہو تو چاہیے کہ انشا کے ساتھ جرأت و مصحفی کے بھی مستزاد پڑھے۔

کو صولتِ اسکندر و حشمتِ دارا، اے صاحبِ فطرت — پڑھ فاعتبروا یا اولی الابصار کا آیا، تا ہو تجھے عبرت

* یہ تین شعر ق ۳ میں نہیں ہیں۔

مستانہ جو مَیں نے قدحِ بنگ چڑھایا، در عالمِ وحشت
یوں خضر لگا کہنے ہِنیٰاً و مرِیٰاً[1] اب دیکھ حلاوت

ہو جی میں فقیروں کی طرح کھینچ لنگوٹا، اور باندھ کے تہت
جا کنجِ خرابات میں ٹک گھونٹیے سبزا، یوں کیجے عبادت

اے حضرتِ عشق آیئے سائیں جی مولا، یاں کیجے عنایت
مرشد مرے مالک مرے ہادی مرے داتا، دیجے مجھے نعمت

ماتھے پہ مرے[2] خط الف اللہ کا کھینچو، سونپو مجھے بستر
تم تو نا گرو پیر، بتو بندہ ہو چیلا، جی سے کرے خدمت

میں خاک نشیں ہوں جو گروہِ فقرا سے، کیا سمجھو ہو مجھ کو
رومال چھڑی لے کے جو تک کھینچو او واسا دکھلاؤں کرامت

گر سیر کنانِ ہر میں جا نکلوں تو بولوں ناقوس کو سن کر
ای برہمن بت کدۂ عشق خدارا[†] ہو تجھ سے بھی الفت

خوش رہتے ہیں چارابرو کی تبلا کے صفائی، مانندِ قلندر
نے ہم کو غمِ دُرد و نہ اندیشۂ کالا، ہو خوب فراغت

درویش بلا نوش بلا چٹ ہیں میاں دوست، پنک میں جو آویں
افعی کو مسل کر کریں افیون کا گھولا، ہیں ایسے ہی آفت

گاڑھے میں ہم اُس سے بھی جو ختکے[3] کو ہلاکر، للکارے تھا نہیں
دیتا ہوں ہلا کنگرۂ عرشِ معلّا، رکھتا ہوں یہ طاقت

آزادوں کے لہجے میں غزل یہ تو سنائی، از بہرِ تفنّن
اب اپنی تو بولی میں کچھ اشعار کہا انشا جو ہیں ظرافت

(۱۰۱)

ہو نامِ خدا، واچھڑے کچھ زور تماشا، یہ آپ کی رنگت
گات ایسی غضب، قہر بھپن اور جھمکڑا، اللہ کی قدرت

میں نے جو کہا ہوں میں ترا عاشقِ شیدا، اے کانِ ملاحت
فرمانے لگے ہنس کے سنو اور تماشا، یہ شکل یہ صورت!

---

[1] ہِنیٰاً و مرِیٰاً = رچے پچے، مبارک ہو۔

[2] آزاد فقیر اپنے ماتھے پر ایک کھڑا خط کھنچا کرتے تھے جس کو وہ "الف اللہ" کہتے تھے۔ یہ ساری غزل آزاد فقیروں کی اصطلاحات و کاروائی سے بھری ہوئی ہے جس کا اشارہ مقطع میں بھی ہے۔ [بقیہ ق: "تم بھی نہ گرو پیر و بنو"۔ ق ۳: تم تو بھی گرو پیر و بنو۔]

† ق ق ۲: صدا را "جو خدا را" کی تصحیف ہے۔ ق ۳: "ای برہمن بتکدہ عشق است شمارا"۔

[3] خُتکا = بھنگ گھوٹنے کا سوٹا نما کاڑھے ہیں ہم اس سے بھی "یعنی ہم اس سے بھی طاقت میں بڑھ کر ہیں۔

(ق)، ق ۲: سونٹے کو پھرا کر" دوسرا مصرع: دیتا ہوں گرا کنگرۂ عرش معلّا، ہر یہاں بھی یہ قدرت" ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

الحاد و تصوّف میں جو تھا فرق بہم، یاں اصلاً نہ رہا کچھ
پردا جو تعیّن کا محبت نے اُٹھایا*، کثرت ہوئی وحدت

تاثیر ہو کیا خاک میں اُس نجد کی کہہ دے تو مجھ کو تو بارے
ہر پھر کے جو آ نکلے ہے یاں ناقۂ لیلیٰ، اے جذبِ محبت

کعبے کا کروں طوف کہ بُت خانے کو جاؤں، کیا حکم ہے مجھ کو
ارشاد مرے حق میں بھی کچھ ہووے گا آیا، اے پیرِ طریقت

ہوں پرتوِ روح القدس اِس عہد میں میں بھی عیسیٰ کی طرح سے
یوں چاہیے بیساختہ رہبانِ کلیسا، میری کرے بیعت

آئے جو میرے گھر میں وہ شب راہِ کرم سے، میں ہندوی کُندی
مُنہ پھیر لگے کہنے تعجب سے کہ یہ کیا! ایں! تیری یہ طاقت

لوٹا کریں اس طرح مزے غیر ہمیشہ، تک سوچ تو دل میں
ترسا کرے ہر وقت یہ بندہ ہی تمھارا، اللہ کی قدرت

دیوارِ چمن پھاند کے پہونچے جو ہم اُن تک، ایک تاک کی اوجھل
ترساں ہو یہ فرمانے لگے کوٹ کے ماتھا، اے وائے فضیحت

خورشید چھپا سانجھ ہوئی شیخ جی صاحب، اب دیکھنے کیا ہو
چڑیوں نے لیا آ کے درختوں پہ بسیرا، چوں چوں کرو حضرت[۲]

لے برق کی زنجیر کو ٹک سونڈ میں اپنی، اے ابر کے ہاتھی
سیندور لگا ماتھے پہ اِس رنگِ شفق کا، باغلت و شوکت

چل آٹھوں کے میلے کی ذرا دید کریں ہم، ہے سیر کی جا گہ
سم بیٹھ چڑھا یاروں کو پھر میل رکد دامت رعد کی حُسن حدت[۳]

---

* ن "پردا جو محبت نے دردِ دل سے اُٹھایا"۔

[۱] تاک کی اوجھل = یعنی درخت انگور کی ٹٹی کی آڑ میں۔

[۲] [ق ۱، ق ۲: "سانجھ ... جی"۔ ق ۳: "شام .... جیو"] چوں چوں کرو حضرت یعنی جناب شیخ جی صاحب خوش نغمیاں کیجیے۔ گائیے ناچیے۔

[۳] میل، دحت، رکد، دا، فیل یہ باتوں کی اصطلاحات ہیں۔ [ق: "آکدا"۔ ن ۲: "اکدا"۔ ق ۳: "اگدا"]۔

شبِ مجلسِ ہولی میں جو وارد ہوا زاہد، رندوں نے لپٹ کر
داڑھی کو دیا اُس کی لگا بذ رقطونا[۱]، اور بجنے لگی گت
تب مغبچے کہنے لگے ٹک پرلو[۲] ناچو، رکھ ناک پہ انگلی
اور "آئے جی آئے" سے بُرا مانے سو بھڑوا ہو موسمِ عشرت
کشمیری معلّم کو جو ایک طفل نے ناگہ، انگور کے دانے
لا کر دیے اور اُن سے کہا کھائیے میوا، ہو قسمِ ولایت
بھبھے میں تکشم کے مقطع ہو یہ بولے، شاگرد سے اپنے:
"چل سامنے میرے سے اُٹا کر[۳] یہیں لے جا، اِن میں نہیں لذّت"
لے ساتھ انگرناک ہو بَرُو جسی تجھ کو، سو کوڈی کو دس ہو
بابا یہ تُو کیا ہو یہ چھٹا رانٹ ہو اس کا، کانا تو لیے مت[۴]
اب اور ردیف اور قوافی میں غزل پڑھ، لیکن اسی ڈھب کی
تا شاعروں کے آگے ہو اس بزم میں اِنشا ظاہر تری شوکت

(۱۰۲)

چرخ اِسے کہہ مت یہ ہو نسجِ لعابِ عنکبوت[۵]
ہر ستارے کو سمجھ چشمِ ذُبابِ عنکبوت
کھیاں کڑی کے جالے میں نہ جس دم اپنھیں
ہو وہی دن فی الظّل یوم الحساب[۶] عنکبوت
مست ہو کے پھول جاویں کیوں نہ مستسقی نمط
سُرخیِ خونِ مگس ہو ہی شرابِ عنکبوت
مرحبا جرأت کو تیری اے مگس، صد آفریں
بل بے بھنّائے تڑے اور پیچ و تابِ عنکبوت
عالمِ تزویر میں ہر شیخ جو صاحب کی ذات
مقتدای و مرشدِ عالی جنابِ عنکبوت

---

[۱] بذرقطونا = اسپنول۔

[۲] پرلو = ایک قسم کا ناچ ہو۔ (ق ۲ میں یہ اور اس کے آگے کے دو شعر نہیں ہیں اور ق ۳ میں ان کے علاوہ مقطع بھی نہیں ہے)۔

[۳] یعنی اِنھیں اُٹھا کر لے جا۔ اِن میں لذت نہیں ہے (ق ۲: اٹھا کر انھیں لے جا' اِن "۔) † یعنی اسے تو مت کھانا۔

[۴] یعنی مکڑی کا جالا۔ چشمِ ذباب یعنی مکھی کی آنکھ۔

[۵] یوم الحساب = یعنی قیامت کا دن، موت کا دن۔

مکھیاں[1] ماری پڑیں جالے لگے ڈاڑھی کے بیچ ہو بڑے جی آپ پر یہ سب عذابِ عنکبوت

بیکلی انشا کو یہ ہر دھیان میں اُس خال کے
بے مگس ہو جس طرح سے اضطراب عنکبوت†

(۱۰۳)

کیوں میاں بلند رتبہ سرِ راہ کے درخت ہیں کیسے سایہ دار میری آہ کے درخت
جو چھوٹے چھوٹے پودے لگائے تھے خیر سے نام خدا ہوئے وہ سرِ راہ کے درخت
کیوں چتر دار سایہ ہوا اُن کا نہ اے نسیم بوٹے ہوئے جو ہو دیں کسی شاہ کے درخت
الفت نہ کس طرح سے بہم ہو کہ ہم غریب اللہ کے فقیر، یہ اللہ کے درخت

انشا غزل یہ میں نے پڑھی جس مکان پر
وہاں سے بھرے بھتوے[2] اُگے واہ کے درخت#

ردیف (ٹ)*

(۱۰۴)

لینے جو بلائیں لگے ہم آپ کی چٹ چٹ، تو بول اُٹھے جھٹ
چل جا ابے رے واؤ زبردار ہو پرے ہٹ، ہے سب یہ بناوٹ
اِن آنکھوں کو میں حلقۂ زنجیر کروں گا، ایسا ہی بلا ہوں
چھوڑوں ہوں کوئی آپ کے دروازے کی چوکھٹ، جب تک نہ کھلیں پٹ

---

[1] ان دو شعروں میں "شیخ جو صاحب" سے بہت مذاق کیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ دیکھو لمبی داڑھی والے شیخ صاحب جو اپنی داڑھی کے جال میں لوگوں کو پھانسا کرتے ہیں انھیں کی تقلید میں مکڑی بھی اپنے جالے میں گزر مکھیوں کو پھانستی ہے تو گویا شیخ صاحب مکڑی کے مقتدا اور پیر و مرشد ٹھہرے۔ † یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔ بڑے جی یہ جناب من۔

[2] بھرے بھتوے۔ کثرت سے اُبھرتے ہیں۔ واہ کی پھلیاں مشہور ہیں۔ # یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔
*۔ [ان ۲ میں ٹ کی ردیف نہیں ہے]۔

مرجائے لہو چاٹ، نہ گونگا ہو وہ کیوں کر، جو شخص کہ دیکھے
سرخی تری آنکھوں کی، اور ابرو کی کھنچاوٹ، سرے کی گھلاوٹ[1]
ہر معدنِ انوارِ الٰہی دلِ عاشق، سوچو تو، عزیزو
اِس چھوٹی سی جاگہ میں یہ وسعت، یہ سماوٹ، اللہ رے جگھٹ[2]
کیا پھبتی ہر اے نام خدا دا چھڑے آہا، ہونٹوں پہ تمھارے
اک بوسے کے صدمے سے دھواں دھار نِلاہٹ مسی کی اداہٹ
میں روپ بدل اور ہی چپکے سے جو پہنچا بیٹھے تھے جہاں وہ
سُن کہنے لگے میرے دبے پانوں کی آہٹ، ہو ایک تو نٹ کھٹ
تھی گرم یہ کچھ مجلسِ مے رات کہ ساقی، سب کہتے تھے زاہد
ہر توبہ شکن آج صراحی کی غٹاغٹ، بھلّا رے جماوٹ
اے واہ رے بالیدگی اور چنپئی رنگت، یہ گات، یہ سج دھج
اور جامۂ شبنم کی یہ چولی کی پھنساوٹ، بازو کی گولاوٹ[3]
مت چھیڑ دیکھو ابھی کہنے لگوگے، اچھا کیا تم نے
چولی مری ٹکڑے ہوئی دامن بھی گیا پھٹ، لگ جائے گی پھر رٹ
ہر نورِ بصر مردمکِ دیدہ میں پنہاں، یوں جیسے کنھیّا
سو اشک کے قطروں سے پڑا کھیلے ہر جھرمٹ، اور آنکھوں میں نگھٹ[4]
اے عشق اجی آؤ، مہاراجوں کے راجا، ڈنڈوٹ ہر تم کو
کر بیٹھے ہو تم لاکھوں کروڑوں ہی کے سرچٹ، اک آن میں جھٹ پٹ
پھرتا ہر سماں آنکھوں میں اب تک وہی انشا ہر ظالم، ارے کیوں
باہم وہ لپٹ سونے میں آجاوے رکاوٹ، وہ پیار کی کروٹ

---

[1] ق، ق ۲: لہو چاٹ ہو گونگا ہونے اور سرے کی گھلاوٹ میں اور آنکھوں کی سرخی اور لہو پانے میں رعایتیں ظاہر ہیں۔
[2] سماوٹ یعنی سما جانے کی قوت یہ لفظ نیا ہے جگھٹ: یعنی حسن و خوبصورتی کا مجمع۔
[3] شبنم شلمل کے ایک مہین کپڑا گولاوٹ: یعنی گول اور پُر گوشت ہونا۔
[4] نورِ بصر کو کنھیا سے آنکھوں کو پنگھٹ سے کیا خوب تشبیہ دی ہے۔

وہ سیج بھری پھولوں کی مخمل کے وہ تکیے، کمخاب کی پوشش[1]
پردے وہ تمامی کے وہ سونے کے چھپر کھٹ، اور اُس کی سجاوٹ

(۱۰۵)

کھول آغوش تک اجسادِ اسیراں سے لپٹ — کہ اسی دھن میں موئے ہیں درِ زنداں سے لپٹ
یوں گئے لختِ جگر دیدۂ گریاں سے لپٹ — جوں پتنگے رہیں بارش میں چراغاں سے لپٹ
تب تجھے جانیں ہم اے مردمکِ دیدۂ تو — خال کے روپ سے جائے لبِ جاناں سے لپٹ
گر یہ چھٹنے کی خبر سیچ ہر تو قیدی تیرے — خوب سے روویں گے دروازۂ زنداں سے لپٹ
دسترس ہو دلِ صد چاک کو اپنے تو ابھی — جاوے جوں شانہ جھٹ اُس کا کلیچاں سے لپٹ
لہر کھانا یہ کنارے[2] کا نہیں رقص کے وقت — کوندتی ہر پڑی بجلی ترے داماں سے لپٹ
باب پنجم کی حکایت جو خوش آئی تو وہ طفل — کھول آغوش گیا اپنی، گلستاں سے لپٹ
لے گئی وادیٔ مجنوں میں جو وحشت ناگاہ — خوب سا روئے ہم اشجارِ بیاباں سے لپٹ
اب تلک دَد میں وہ بانگِ انا لیلیٰ گویا* — لہریں لیتی ہر پڑی دشتِ مغیلاں سے لپٹ

غزل ایک اور بھی کہنی ہر تو کہہ ڈال انشاؔ
سر جھکا فکر میں، جا اپنے گریباں سے لپٹ

(۱۰۶)

اُٹھ نہ اے دود جگر ابرِ بہاراں سے لپٹ — رعد ہو صاعقہ ہو، برقِ درخشاں سے لپٹ
یاد میں اُس قدِ رعنا کی بھری میں نے جو آہ — دو ہیں وہ آگ سرو گلستاں سے لپٹ

---

[1] پوشش = پلنگ پوش۔ (ق ۲: "کا چھپر کھٹ")

[2] کنارے = زرتار مہین کپڑا جس کی پیشواز رقص کے وقت پہنی جاتی ہے۔

* ق، ق ۲ میں اس طرح ہے "دَد" (دد کے زبر، و کی تشدید سے) عربی میں بیابان یا رگیستان کو کہتے ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں معترضہ اس طرح بدل دیا گیا ہے "قیس کی روح نیم بسمل کی صورت"۔ † ق ۲: "کہتے ہیں"

دیکھتے ہی اُسے کچھ جی جو بھر آیا، اللہ!
ہم بھی کیا رو دئے ہیں کل بلبلِ بُستاں سے لپٹ

پاسباں چاند رہا تابہ سحر چاندنی میں
رات جو سو رہے ہم اُس مہِ تاباں سے لپٹ

وادیِ نجد میں جب ناقۂ لیلیٰ گذرا
اُٹھ کے ایک شعلہ گیا پائے حُدی خواں[1] سے لپٹ

بیدِ ماتم میں نہ کیوں بال بکھیرے اپنے
قیسِ صحرا میں مواہو، جو غیلاں سے لپٹ

سیرِ فردوس جو مطلوب تجھے ہو، اے دل
تو نہ روحُ القدس و دامنِ رضواں سے لپٹ

کسوتِ خاک میں تو کھول کے بازو اپنے
دوڑ دروازۂ سلطانِ خراساں[2] سے لپٹ

تیسری اور دھواں دھار پڑھ انشاؔ وہ غزل
کہ دھواں جس کا رہے گنبدِ گرداں سے لپٹ

(۱۰۷)

چٹ گیا ناقۂ لیلیٰ جو غیلاں سے لپٹ
قیس نے قہر کیا بیدِ بیاباں سے لپٹ

آشنائی ہو کچھ افتادگیِ دل سے، تو آ
اشکِ رخسارۂ طفلانِ یتیماں سے لپٹ*

دیکھ مدفن کو شہیدوں کے ذرا رو تو، پھر
کھول آغوش تک اک گورِ غریباں سے لپٹ

شمسِ تبریز ہمارا یہ جگر کا ہے داغ
رہتے ہیں جس سبب اُس مہرِ درخشاں سے لپٹ

مولوی روم نہ کیوں نعرہ ہو اپنا کہ وہ جھٹ
شعلہ ہوتا ہے دلِ صاحبِ عرفاں سے لپٹ

بُشنواز نے کی اوپج ایسی ہی لی گرما گرم
کہ بس اِک آگ گئی سارے نیستاں سے لپٹ

ہمنشیں اُن کے ہنسانے کا جو ہو قصد، تو اُٹھ
جھاگ سے منہ سے نکال اپنے تو بالوں سے لپٹ

لڑکھڑاتے ہوئے اور مُنہ کو بناتے ہوئے خوب*
سانگ لا آج تو تو زمرۂ مستاں سے لپٹ

کہہ بہ تبدیلِ قوافی غزلِ انشاؔ ایک اور
رستمی اپنی دکھا طبعِ سخنداں سے لپٹ

---

[1] حُدی خواں: جب اونٹ پر کوئی طویل سفر کیا جاتا ہو تو ایک شخص راستہ کاٹنے کے لیے کچھ خاص نغمے گاتا جاتا ہے جن کو حدی کہتے ہیں۔

[2] سلطانِ خراساں: یعنی امام رضا علیہ السلام۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

* ق، ق ۲: "اور مُنہ برائیوں کرتے ہوئے"

(۱۰۸)

سانپ سی زلف گئی اُس کے جو گھونگھٹ سے لپٹ
بیچ کر میرے گلے شب وہ گیا جھٹ سے لپٹ †

کھول آغوش نہ لو مجھ سے لگاوٹ سے لپٹ
اب جو لپٹا ہے تو آ پیار کی کروٹ سے لپٹ

اُس نے سر اپنا دُھنا دیکھ شگافِ در سے
کر کے غش رہ گئے ہم اُس کی جو چوکھٹ سے لپٹ

دھوم یہ بادہ کشوں کی ہے کدے خانے میں
مست جاتے ہیں صراحی کی غٹاغٹ سے لپٹ

جوں گلی میں مجھے آتے ہوئے دیکھا تو وہ شوخ
اپنی چوکھٹ سے اُچک، جھٹ سے گیا پٹ سے لپٹ

شیخ سے عید کو کیوں آپ ہم آغوش ہوئے
کوئی جاتا ہے بھلا ایسے بھی کھوسٹ سے لپٹ

جس کو کہتے ہیں تڑاقے کی پھبن، سو ظالم
رہ گئی ہے تری چولی کی پھنسا وٹ سے لپٹ

پیس ڈال آج تو میرے بھی پھپھولے دل کے
آنہ آ مجھ سے بھی تک ایسی سجاوٹ سے لپٹ

دھم سے ہم دونوں گرے فرش پہ اِس دھپ کی رات
رہ گیا اُن کا دوپٹا بھی چھپر کھٹ سے لپٹ

چوٹ کھا کر لگے کہنے کہ اگر ایسے ہی
ہو کلا[1] کھیلنی تجھ کو، تو کسی نٹ سے لپٹ

رعد کے ساتھ ہے انشاؔ مرے نالے کا وہ روپ
جیسے گتھ جاتے ہیں سم دُولوں[2] میں تروٹ سے لپٹ

(۱۰۹)

لگی غلیل سے ابرو کی دل کے داغ کو چوٹ
پر ایسی ہے کہ لگے تڑ سے جیسے زاغ کو چوٹ

ہماری آہ سے اغلب کہ لگ گئی ہو گی
کسی کے سینۂ دیوار خانہ باغ کو چوٹ

بتا کہ حال ترا کیا ہوا اے نسیم، اگر
خدانخواستہ پہونچے کسی ایاغ کو چوٹ

---

† ق، ق ۲ میں یہ شعر بھی ہے جو مطبوعہ نسخوں میں نہیں۔

* ق: "خلافت" کو جائے "تڑاقے" ق ۲: "کس کو کہتے ہیں خلافت کہ نہیں ہو ظاہر"

[1] کلا کھیلنا = سر کے بل کھڑے ہو نا جیسے نٹ تماشا کرتے ہیں۔

[2] سم، دُولی، تروٹ، موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔ سم وہ مقام ہر جہاں نے ختم ہو، دُولی طبلے کی تیز رفتار کو کہتے ہیں۔ تروٹ مثل تڑانے کے ہے

نوٹ: یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

خروشِ نعرۂ دل سے یہی تو دھڑکا ہے
مبادا جا کے لگے جانِ سیخ و داغ[1] کو چوٹ

کسی کے گھر کو اندھیرا نہ کر خداوندا!
کسی طرح کی نہ پہونچے کسی چراغ کو چوٹ

گرے جو وجد سے عشرت کے شیخ جیو تو لگی
کمال شانۂ ملا ابوالفراغ[2] کو چوٹ

ہمارے نالے پر اہلِ چمن تو لوٹ گئے
بلا سے گر نہ لگی کلسرے کلاغ[3] کو چوٹ

قصور اس میں میاں تانسین کا کیا ہے
نہ پہنچے اُن کے جو گانے سے کچھ الاغ[4] کو چوٹ

یہ سوچ ہے کہیں انشا نسیم سے نہ لگے
شمیمِ نرگسِ بیمارِ کم دماغ[5] کو چوٹ

ردیف (ث)

(۱۱۰)

جس کو کچھ دُھن ہو کرے ہم سے حقیقت کی بحث
کہ ہمیں جانتے ہیں اہلِ طریقت کی بحث

قاضیا! ہاتھ بڑھا، شیشۂ صہبا کو اُتار
طاقِ نسیاں پہ تو رہنے دے شریعت کی بحث

کر دیا مجتہدِ وقت کو قائل جھٹ پٹ
ہم نے مسجد میں کل ایسی ہی قیامت کی بحث

بزمِ رندانہ میں کیا زہد و ورع کا چرچا
شیخ صاحب ہے بہت یہ تو حماقت کی بحث

بوعلی ساتھ کوئی بولتے انشا کو سُنے
زور ہوتی ہے بہم اہلِ بلاغت کی بحث

(۱۱۱)

بیٹھے جہاں ہیں غیر سب مجھ کو بلاتے ہو عبث
دل کو کڑھا کر اور بھی جی کو جلاتے ہو عبث

---

[1] سیخ و داغ = یعنی سیاہ و سفید۔ [2] ملا ابوالفراغ = ایک مذاقیہ اور فرضی نام معلوم ہوتا ہے۔
[3] کلاغ۔ کوا (کلسرا = کالے سر والا) [4] الاغ = بیگاری جانور۔ مراد ہے کسی گھامڑ بے مثل آدمی سے۔
[5] کم دماغ = نازک دماغ۔ مغرور۔

شب کو کدھر تھے مہرباں، دیکھو ادھر تو آنکھ بھر — اپنی نظر میں ہم سُنا ہم سے چھپاتے ہو عبث
سیکھی یہ تم نے وضع ہے پیارے عجب ہی ان دنوں — کہیے کبھی جو بات بھی غصہ ہو جاتے ہو عبث
آتے ہی کہہ کر اُٹھ چلے آویں گے ہم پھر اور دن — کن نے بلایا تھا تمھیں، یوں ہی تم آتے ہو عبث

مہر و وفا کے عہد کو تم نے سب اِنشا سے کیے
جانے ہے وہ تو خوب سا، باتیں بناتے ہو عبث

ردیف (ج)

(۱۱۲)

ہاتھ آوے کس کے آپ سے عیّار کا مزاج — ہو اندنوں کچھ اور ہی سرکار کا مزاج
فضل خدا سے خیر، بہر حال شکر ہے — کیا پوچھتے ہو مجھ سے دل افگار کا مزاج
اب خیر و عافیت تو لگا مجھ سے پوچھنے — اِتنا تو بارے نرم ہوا یار کا مزاج
حضرت سلامت آپ سے میں بولتا نہیں — کیا پوچھتے ہو مجھ سے گنہگار کا مزاج؟
کس طرح دخل پائیے کیا کیجیے، کیا نہیں — ملتا نہیں ہے ترکِ ستمگار کا مزاج
چھپ چھپ کے کر نظارہ، خبردار اُس طرف — بگڑے نہ تا کہ قاتلِ خونخوار کا مزاج

اِنشا کہیں تو آنکھ ملا کر نہ دیکھیو
نازک ہے اُس کی نرگسِ بیمار کا مزاج

(۱۱۳)

(بطرزِ جرأت)

جو بات تجھ سے چاہے ہے اپنا مزاج آج — قربان تیرے کل پہ نہ ٹال آج آج آج
دیکھے ہے آگ دل میں پڑی اشتیاق کی — تیرے سوائے کس سے ہو اس کا علاج آج
ہر فوج فوج غمزہ و انداز تیرے ساتھ — اقلیمِ ناز کا ہے تجھے تخت و تاج آج

تیرا وہ حُسن ہے کہ جو ہوتا تو بھیجتا — یوسف زمینِ مصر سے تجھ کو خراج آج
خوبانِ روزگار مقلّد ترے ہیں سب — جو چیز تو کرے سو وہ پاوے رواج آج
آبِ زلالِ وصل سے اندوہِ دردِ ہجر — ناپید گھل کے ہو ہی گیا مثلِ زاج[1] آج

اِنشا سے اپنے اور یہ اِنکار حیف ہے
لایا ہو وہ کبھی نہ کبھی احتیاج آج

(۱۱۴)

سبز خط میں ترے تل ہیں وہ طلسمات کے بیج — دل گیا جن کے سبب لینے سقرلات کے بیج
مزرعِ یاس سے حاصل ہوئے ہنگامِ درو — داغ کے پھول، پھل افسوس کے، بیہات کے بیج
گر سحاب مژہ اپنا نہ برستا اے ابر — تو نہ اُگتے کبھی اقسامِ نباتات کے بیج
ہنس کے پستے نہیں بخشے مجھے تم نے، گویا — بو دیے کشتِ محبت میں مُدارات کے بیج
تارے دو چار جو آتے ہیں نظر اوّلِ شام — چھٹکے ہیں کشتِ فلک بیچ یہی رات کے بیج
بوئے جو دانۂ اشک، اُس کی ہری ہو کھیتی — ہیں یہی اپنے تو نزدیک عبادات کے بیج

رو کے اِنشا نے دکھا دی مجھے لاہوت کی سیر
تھے مگر تخمِ سرشک اُس کی کرامات کے بیج

ردیف (ج)

(۱۱۵)

نہ فقیروں کے جان واہی خرچ — او میاں اُن کے ہیں اِلٰہی خرچ
لے درہمائے چند داغ ہی ساتھ — ہو یہ بس تجھ کو مُزدِ راہی خرچ[2]

---

[1] زاج = پھٹکری۔

[2] ق ۲: "لے درم چند داغ ہیں یہ ساتھ"۔

نہ مُنے ہم، اگرچہ اُن نے بہت کی سماجت میں عذر خواہی خرچ
تم سے ہم یوں اڑے ہیں بوسے پر مانگتے جیسے ہوں سپاہی خرچ
ہیں سلیماںؔ[1] کے نوکر، اے اِنشاؔ
کیوں نہ اپنے ہوں پادشاہی خرچ

(۱۱۶)

بن کے وہ برقِ نگہ ابروے خم دار کی آنچ یوں کہے ہو کہ بُری ہوتی ہو تلوار کی آنچ
اینڈتا کیوں نہ پھرے وادیِ ایمن میں پڑا جس نے جھیلی ہو ترے لمعۂ انوار کی آنچ
دوست دارانِ علی ہو دیں جو اشخاص اُن کو داخل ہو یہ کہ کرے مَس لَہَبِ نار کی آنچ؟
ہفت دوزخ کو جلا ڈالے غرض ہر دو شے آتشِ دوستیِ حیدرِ کرار کی آنچ
لن ترانی بجوابِ ارنی کہہ اٹھی جب دھواں دھار ترے شعلۂ رخسار کی آنچ
تو مجھے دیکھ کے بیہوش پڑے کیوں نہ بھلا "خرّ موسیٰ صَعِقا" آہ شرر بار کی آنچ
پھونک مت مجھ کو، پرے بیٹھ کے رؤف اِنشاؔ
شمع کی لو ہو ترے دیدۂ خونبار کی آنچ

(۱۱۷)

اَمرد[2] ہوئے ہیں تیرے خریدار چار پانچ دے ایسے اور حق مجھے اغیار چار پانچ
جب گدگداتے ہیں تجھے ہم اور ڈھب سے تب سہتے ہیں گالیاں تری ناچار، چار پانچ
تنہا نہ ہم ہی در سے ترے لگ رہے ہیں، یار! ہیں اور بھی کھڑے پسِ دیوار چار پانچ

---

[1] یعنی شاہزادہ سلیمان شکوہ۔

* ق ۲: "تروار" ۔ + ق ۲: جس نے دیکھی ہو"۔

[2] لَہَب نار = شعلۂ آتش

[3] امرد = بے ریش و بروت۔

کل جوں کہا کہ ٹک تو ٹھہر یے تو بولے اٹھ — ہیں منتظر مرے سرِ بازار، چار پانچ
اوجانے والے شخص تک اک مڑکے دیکھ لے — یہاں پر تڑپ رہے ہیں گنہگار، چار پانچ
صیاد لے خبر کہ دیا چاہتے ہیں جان — کنجِ قفس میں تازہ گرفتار، چار پانچ
میاں ہم بھی کوئی قہر ہیں جب دیکھو تب نئے — بیٹھے ہیں اپنے پاس طرحدار، چار پانچ
چپکے سے تم جو کہتے ہو ہیں اپنے آشنا — شعلے بھبھوکے اور دھواں دھار، چار پانچ
ہر ایک اُن سے شوخ ہو کیا خوب بات ہو — لگ جائیں تیرے ہاتھ جو کیبار، چار پانچ
تو اُن کو چاہ، چھوڑ مجھے واہ چھیڑ چہ خوش — رکھتے* ہیں میرے واسطے دلدار، چار پانچ؟
ہو کام ایک ہی سے، وہ چولھے میں سب پڑیں — صدقے کیے تھے دیئے ہوں فی انار، چار پانچ
صاحب تمھیں ہیں نہیں ہرگز نہیں نہیں — مجھ کو نہیں نہیں نہیں درکار، چار پانچ
میر و قتیل و مصحفی و جرأت و کمیں — ق ہیں شاعروں میں یہ جو نمودار، چار پانچ

سو خوب جانتے ہیں کہ ہر ایک رنگ کے
انشا کی ہر غزل میں ہیں اشعار، چار پانچ

ردیف (ح)

(۱۱۸)

(بطرزِ مصحفی)

ہر شبِ وصل کھلے کاش نہ دروازۂ صبح — کم نہیں شورِ قیامت سے کچھ آوازۂ صبح
دیکھ عارض کو ترے ہو عرقِ شرم میں غرق — شستہ شبنم سے نہیں روے ترو تازۂ صبح
جامِ خجلت کنِ خورشید[1] ہمیں دے ساقی — دیکھ برہم زنِ مستی ہے یہ خمیازۂ صبح

---

* ق: "رکھتے"۔ ق ۲: "رکھتے"۔

ق: یہ اور اگلی غزل ق ۳ میں نہیں۔

[1] جامِ خجلت کنِ خورشید = یعنی ایسا جام جو چمک میں آفتاب کو بھی خجل و شرمندہ کر دے۔

کب مقابل ترے کھڑے کے ہو گو بادِ سحر — عارضِ گل پہ لے لاکھ طرح غازۂ صبح
کیوں نہ مجنوں صفت اب رویئے وہ دیکھ چلا — لے کے لیلائے شب وصل کو جمازۂ[1] صبح

آمنہ انشا کہیں اس رنگ میں تو بھی مل جا
جیبِ گل چاک ہو گلشن میں باندازۂ صبح

(۱۱۹)

کریم جلد کرم کر ہو مزاج صحیح[2] — بہ رنگِ نرگسِ بیمار ناتواں ہوں صریح
نسیمِ فضل و کرم میں تری وہ ہو بو باس — نہ پہنچے گرد کو جس کی کبھی شمیم مسیح
بسانِ بید مرے بند بند جکڑے ہیں — وفورِ درد یہاں تک کہ ہوں بشکل سطیح[3]
نگرگ کے نمط اب بس گھلا ہی جاتا ہوں — بوضعِ برگ کے ہوں مرتعش بصدمۂ ریح
نفس کو تنگ کیا ہے حرارتِ دل نے — ہلا دے مروحۂ لطف تک پہ ترویح[4]
یہ جانتا ہوں کہ عاصی نہیں کہیں مجھ سا — کیا زمانے میں، واللہ، خوب سا تنقیح
بربِّ کعبہ کہ ہمضماً لنفسہٖ[5] یہ بات — نہیں ہیں اپنے خصائل کو جانتا ہوں صریح
رہا ہمیشہ سروکار فسق سے مجھ کو — جو چیز ظاہر و باہر ہو اس کی کیا تصریح
بلہو و لعب کٹی عمر۔ طبع تھی مائل — کبھی بحسنِ ملیح و کبھی برنگ صبیح

---

[1] جمازہ = تیز دوڑنے والی اونٹنی۔ جمازۂ صبح یعنی آفتاب۔

[2] یہ قطعہ بند غزل ایک تاریخی اہمیت رکھتی ہے اس سے انشا کی علالت کا حال جس کے اثنا میں غالباً یہ غزل کہی گئی ہوگی) نیز جولائی کی بے اعتدالیاں اور اسی کے ساتھ اپنے درس و تدریس اور مشاغل شعر و شاعری کے بھی مختصر حالات بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں اور مرض کی بھی پوری کیفیت کا پتا لگتا ہے یعنی (۱) اس کے بند بند جکڑ گئے تھے (۲) بہت دبلے اور اس قدر کمزور ہو گئے تھے کہ بدن میں رعشے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی (۳) حرارت قلب سے بہت پریشان تھے (۴) کسی جکڑا رد درد میں مبتلا تھے جس سے خیال یہ کرتے تھے کہ مفاصل میں پیپ یا کوئی مادہ فاسد جمع ہو گیا ہو۔

آخر میں واسطے مردے کے صدق دل سے دعا کرتے ہیں کہ خداوندا مجھے شفاے کامل جلد عطا کر اور فلاں فلاں دوائیں پینے کی نوبت کبھی نہ آئے۔

[3] (چت لیٹا ہوا شخص، کمزور، بیمار آدمی سطیح ایک کاہن کا نام بھی ہے جس کے بدن میں ہڈی نہ تھی)

[4] مروحہ = پنکھا۔ ترویح = راحت پہنچانا۔

[5] ہمضماً لنفسہ = نفس کو دھوکا دیکر یعنی کسر نفسی یا جھوٹ اور بناوٹ سے۔

ہزار مرتبہ میں کر چکا بتوں کے نثار
ردا و جبہ و دستار و خرقہ و تسبیح

فراغ اُن سے جو حاصل ہوا تو پیشِ نظر
رہی مطوّل و توضیح و سلّم و تلویح[1]

گئے تھی زیچ اولغ بیگ ہاتھ میں میرے
مطالعے میں سطرلاب[2] کی گئے تسطیح

کسی کی ہجو کہی فارسی میں گر میں نے
قصیدۂ عربی میں کسی کی کی تمدیح

لغاتِ غامضہ[3] وہ بولنے تشخص ساتھ
کدھر ہیں اب وہ کہاں فہم و علم و نطق فصیح

فسادِ لقمۂ شک سے نہ تھا مجھے پرہیز
علیل اس لیے اب ہوں اکل خبز شیح[4]

غرض عمل میں نہ آئی کبھی وہ شے یارب
کہ جس سبب ہو اموراتِ دین کو توشیح

سوائے تیرے ولے کب کسی کو سمجھوں ہوں
محمدی ہوں نہیں تابع سطیح و نطیح

طُرق شفا کے اشارات[5] میں جو ہیں تیرے
کہاں سدیدی و قانون بیچ یہ توضیح

ہوئے ہیں منتشر اوراقِ نسخۂ صحت
حکیمِ مطلق و شافی! ابھی سے ہو تصحیح

چمک یہ وضع میں محسوس ہو مری کہ خیال
کرے ہویوں کہ مفاصل میں مجتمع ہو قیح[6]

ہوا ہوں ضعف و نقاہت سے اس قدر لاغر
کہ جس طرح سے مصوّر رگوں کی ہو تشریح

رجوع تجھ سے لے آیا ہوں اے مرے مولیٰ
حصول ایسے شاغل سے کیا بجز تفضیح

طفیلِ چہرۂ نورانیِ رسول اللہ
بہ یمنِ مہرِ نبوت، بہ لمعِ حسنِ ملیح

بہ سوزِ سینۂ خیر النساء شفیعۂ خلق
ملائک آتے ہیں جس کے پے طوافِ ضریح

مجھے ائمۂ اثنا عشر کے واسطے بخش
جنھوں کو جملہ خلائق پہ تو نے دی ترجیح

علی الخصوص برائے حسین ابن علیؑ
کہ تیری راہِ رضا میں ہوا قتیل و ذبیح

---

[1] یہ چار عربی کی مشہور درسی کتابیں ہیں۔

[2] سطرلاب یا اسطرلاب = ایک سطح آلہ جس سے ستاروں کی بلندی وغیرہ ناپتے تھے۔

[3] لغاتِ غامضہ = مشکل الفاظ۔

[4] خبز = روٹی۔ شیح = کنجوس۔ خبز شیح = کنجوس کی روٹی یعنی بہت تھوڑی۔

[5] شفا اور اشارات دو مضمین استعمال کئے ہیں۔ شفا، اشارات، سدیدی اور قانون، یہ چار مشہور طبی کتابوں کے نام ہیں۔

[6] قیح = پیپ۔

شفا تصدقِ بیمار کربلا[1] ہو مجھے
سحابِ لطف کو کر حکم تا کرے ترشیح
بروحِ حیدرِ صفدر مجھے نہ کر محتاج
بہ چوبِ چینی و قیصوم و دوح و عشبہ و شیح[2]
مفرح اپنے شفا خانۂ عنایت سے
شتاب بھیج کہ انشا کو جلد ہو تفریح

(۱۲۰)

تجھ سے یوں یکبار توڑوں کس طرح
میں قدم تیرے چھوڑوں کس طرح
گھر سے باہر تو نہ نکلا تا ہنوز
تیرے در پر سر نہ پھوڑوں کس طرح
مے سے تائب تھا، ولیکن آج پی*
ہاتھ لگ جاوے تو چھوڑوں کس طرح
آبروئے ابریاں منظور ہے
آہ میں دامن نچوڑوں کس طرح
صاف دل کیونکر کروں تجھ سے بھلا
ٹوٹی اُلفت پھر کے جوڑوں کس طرح
شوق سے تو ہاتھ کو میرے مروڑ
میں ترا پنجہ مروڑوں کس طرح
وقتِ بوسے کے یہ انشا سے کہا
تجھ سے میں پھر منہ نہ موڑوں کس طرح

ردیف (خ)

(۱۲۱)

یوں تری خونخوار آنکھوں کا ہے قاتل رنگ سُرخ
صید کے لوہو سے جوں شاہیں[3] کا ہووے چنگ سُرخ

---

[1] بیمار کربلا = یعنی حضرت امام زین العابدین۔
[2] یہ پانچوں دواؤں کے نام ہیں۔
* تینوں قلمی نسخے "رہی"
[3] شاہیں = باز

رہ نوردانِ جنوں کی دولتِ پا بوس سے
ہو گئے دشتِ طلب کے سینکڑوں فرسنگ سُرخ

خونچکاں آنکھوں کے گر قطرہ گرے ہو کر یہیں[۲]
رود نیل و دجلہ و شطِّ فرات و گنگ سرخ

موسمِ ہولی میں دیکھا ہم نے کیا ہی لطف واہ!
رنگ سے تیرا ہوا جب طرّۂ شبرنگ سُرخ

فائدہ کیا مے سے بہکر بیوپیں گے اُس کے رنگ کو
غیرت و خشم و حیا و شرم و عار و ننگ سُرخ

بادہ نوشی شب کوں تھی تو نے شاید غیر ساتھ
ہر ترا چہرہ جو کچھ اے طفلِ شوخ و شنگ سُرخ

خونِ عاشق آچڑھا آنکھوں میں اُس قاتل کی آہ!
کر سکے یوں ورنہ کب اِنشا خمارِ بنگ سُرخ؟

(۱۲۲)

ہر یاں وہ نخلِ عشق میں دیوانہ پن کی شاخ
جس سے اُگے نہال اُولیس قرنؔ کی شاخ

سائے میں اپنے سرو خراماں کے دب گئی
وہ نخلِ حسنِ یوسفِ گل پیرہن کی شاخ

دیوِ سفید صبح کے سر پر نظر پڑی
آج ایک رُپہلی اور سنہری کرن کی شاخ

عکسِ ذقن کو سوچ کے بالیدگی نے کی
ہیں سوکھے ساکھے ہاتھ کچھ ایسے ہی شیخ کے

نکلی ہو جیسے کوئی درختِ کہن کی شاخ
بھینسا سُر اپنے حکم میں ایسے ہی بیر ہیں

جو چٹ سے توڑ ڈالتے ہیں گردن[۱] کی شاخ
متھرا میں کس کی آئی یہ ساچق کہ رات کو

جھک جھک پڑی خوشی سے ہر اک گام بن کی شاخ
سونے کے تھے درخت نئے لاکھوں اُن کے ساتھ

گوٹوں کے پھل تھے تاروں کے پھول اور کرن کی شاخ

اِنشا لگا دے نخلِ غزل میں تو اور شاخ
لیکن وہ شاخ ہو جو بڑی ہو بھین کی شاخ

(۱۲۳)

پھر کاش پھول بیٹھے ہر اک اُس چمن کی شاخ
پھوٹے حمل[۲] کے سر سے طلائی کرن کی شاخ

---

[۱] گردن: گینڈا۔ [۲] یہ اور اگلی غزل قلمی نسخوں میں نہیں۔ [۳] حمل یعنی برج حمل۔ نسخہ ح ق ۳: سہووے دہیں۔

لیلےٰ کے جھولنے کی جو اُڑتی سی کچھ سُنی — مجنوں بھی خوب جھولے پکڑ کر ہرن کی شاخ
موتی ہی اُگلے پاوے جو نخلِ انار کا — پیوند نخلِ شمعِ مرصّع لگن کی شاخ
کنگھی کرے جہاں وہ پری اُس زمین سے — نکلے بجاے سبزہ غزالِ ختن کی شاخ
بادل بھی آ کے شوق سے جھولا کریں جو ہو — اِس آم کے درخت میں ایک لاکھ من کی شاخ
خوبی جو اُس کے ساعدِ سیمیں کی دیکھ پائے — تو پھونک دیوے آتشِ گل یاسمن کی شاخ
جوگی جی آپ گلبنِ اسلام میں عبث — پیوند کچھ نہ کیجیے آواگون[1] کی شاخ

انشا ترے نہال سخن کے گلے لگے
نخلِ بلندِ عیسیِ معجز سخن کی شاخ

ردیف (د)

(۱۲۴)

نہ لگی مجھ کو جب اُس شوخ طرحدار کی گیند — اُن نے محرم کو سنبھال اور ہی تیار کی گیند
دسترس ہو تو ترے سیبِ ذقن کو[2] ماروں — قرصِ خورشید کی اور لمعۂ انوار کی گیند
جھٹ پلٹ آ[2] جو لگی بیچ میں چھاتی کے ترے — تھی یہ رو کے ہوے کس محرمِ اسرار کی گیند
رکھے ہر ماہِ شبِ چار دہم دل میں ہوس — کہ وہ قالب بنے اور ہو ترے دستار کی گیند
لیجیے اُس کو بدل آپ جریمانے میں — گم ہوئی مجھ سے جو کل رات کو سرکار کی گیند
گردِ مقیش طلائی کی کرن ٹکوا کر — میں یہ لایا ہوں بنا، اطلس گل دار کی گیند
گو کھرو، الہر، نبت، ڈانک، ستاروں سمیت — اور اک پہنچے گی زلفِ نمودار کی گیند
گیند بازی میں مہارت ہر یہ تجھ کو کہ تری — گومتی پار تلک پہنچے ہوا دار کی گیند

---

[1] آواگون = تناسخ جس کے ہندو قائل ہیں۔

[2] پلٹ آ۔ یعنی پلٹ آکر۔

* ق، ق ۲، ق ۳: "پر"

شالی رومال کی تو چوٹ مجھے کچھ نہ لگی
اب بنا پھینکیے کمخاب کی شلوار کی گیند

کھینچ ماروں جو اِس آہِ دلِ سوزاں کا خدنگ
تو بنا ڈالوں ابھی برقِ شرر بار کی گیند

ہو کھلاڑی وہ بڑا جس نے کہ ٹھہرا رکھی
پھینک بر روئے ہوا گنبد دوّار کی گیند

لگے فرمانے وہ مَل دَل غزلِ اِنشا کو
واہ کیا خوب بنی کاغذِ اشعار کی گیند

(۱۲۵)

لگ جا تو مرے سینے سے دروازے کو کر بند
وے کھول قبا اپنی کے بے خوف و خطر بند

افسونِ نگہ سے ترے اے ساقیِ بدمست
شیشے میں ہوئی مثلِ پری اپنی نظر بند

ٹکراتے ہوئے پھرتے ہیں ہم کوچے میں اُس کے
کیا کیجیے دروازہ اِدھر بند اُدھر بند

یا شاہِ نجف نام اشارے میں ترا لوں
ہو جائے دمِ نزع زباں میری اگر بند

آوے وہ اگر یارِ سفر کردہ، تو اِنشا
میں دوڑ کے کس لطف سے کھلواؤں کمر بند

(۱۲۶)

حضرتِ عشق اِدھر کیجے کرم، یا معبود
بال گوپال ہیں یاں آپ کے ہم، یا معبود[۵]

بندہ خانے میں اجی لائیے تشریف شریف
آ کے رکھ دیجے اِن آنکھوں پہ قدم، یا معبود

نفی اثبات[۵] کے شاغل جو قلندر ہیں سو وہ
اپنی گردن کو نہیں کرتے ہیں خم، یا معبود

اپنے داتا کی حقیقت کے ہیں جلوے تم میں
لمعۂ نورِ تجلّی کی قسم، یا معبود

جلد پھٹکار[†] دے سبزے کو نشے کا کوڑا
کھینچیے اور کوئی سلفے کا دم، یا معبود

---

[۵] یہ غزل ق، ش، ۲ میں نہیں ہے۔
[۵] یہ غزل آزاد فقیروں کے لہجے میں ہے۔ بال گوپال یعنی چیلے
[۵] نفی اثبات حضرات صوفیہ میں ایک شغل کا نام ہے جس میں "لا الہ" اور "الا اللہ" ایک خاص طریقے سے ادا کیا جاتا ہے۔
† ق ۳: "پھٹکایئے"

آپ ہی آپ ہیں وہ، آپ نے سچ فرمایا — یوں بھی کچھ دھوکے سے تھے نام کو ہم، یا معبود
ورنہ یہ عاریتی ہے جو وجود اپنا سو — گذراں وہ تو ہے جوں موجۂ یم، یا معبود
واقعی بولتے[1] سے اپنے لڑا بیٹھے جو آنکھ — کیوں خودی سے نکرے پھیرے وہ رم، یا معبود
آنکھ کو کہتے عرب عین ہیں، سو عین، اگر — دم پر آجائے تو ہو عینِ عدم، یا معبود
رات تریاک کے نشے نے الٹ ڈالا واہ — کوئی گھولا[2] تو وہ تھا کاسۂ سم، یا معبود
رہ مدرسہ تک آن تو پہنچا ہوں دے قصد جریہ — کہ بڑھوں اور بھی دو چار قدم، یا معبود

چارہ نا تو ہو اب انشا بھی زمیں سے اونچا
یک وجب سہنے لگا سادھ کے دم، یا معبود

(۱۲۷)

گر کوئی چاہے کسی کو یہ نہیں کچھ کام بد — رکھ دیا ہے یاں عبث لوگوں نے میرا نام بد
ہر طرح رہتے ہیں خوش ہم فضل مولا سے مدام — خاک منہ میں اُن کے جو کہتے ہیں، ہیں ایام بد
ابتدائے دوستی میں دل کو ہے یہ بے کلی — کچھ نظر آتا ہے اس آغاز کا انجام بد
ہیں جو عاشق زلف و عارض کے ترے اُن کو مدام — شام سے ہے صبح بد اور صبح سے ہے شام بد
واقعی ہاں شرط بد کر سینکڑوں کی ہار جیت* — شغل میں چوپڑ کے ہے سچ اے بتِ خود کام بد
لیک جی لگنے کے خاطر تجھ کو میری ہے قسم — ایک پستہ اک ڈلی، اِک لونگ، ایک بادام بد

روٹھنا اس سے مناسب ہے نہیں انشا تجھے
مان کہنے کو ارے ہے یہ خیال خام بد

(۱۲۸)

نظر کر علی کو قرینِ محمد — ہوا نورِ حق ہمنشینِ محمد

---

[1] "بولتا": اردو فقیروں کی اصطلاح میں روح یا نفس کو کہتے ہیں۔
[2] گھولا۔ یعنی پیا لے بنگ۔
* ق ۲: "ہے"

ریاض القدس میں یہ بولے مالک — یہ ہو آفتابِ جبینِ محمدؐ
وہ ہو وحی و معنائے قرآنِ ناطق — وہ ہو جبرئیلِ امینِ محمدؐ
یداللہ کے نام سے ہر جہاں میں — درخشندہ نقشِ نگینِ محمدؐ
نہیں ماسوا اُنکے دنیا میں کوئی — ضیا بخش شرعِ متینِ محمدؐ
ائمہ کی تعریف کس سے بیاں ہو — منوّر ہوا اُن سے دینِ محمدؐ
انھیں بارہوں برج سے میر انشاؔ!
ہوئی زیبِ چرخِ بَرینِ محمدؐ

(۱۲۹)

یاں سینہ ہر مدینہ، اور دل نبی کی مسجد — کیوں قبلہ ہو پہونچتی اُس کو کسی کی مسجد؟
جن نے وہ تیغِ ابرو دیکھی وہ یوں ہی بولا — جوہر سے ہم نے تاڑا ہر یہ پری کی مسجد
مٹھرا میں جوں کنھیا وہ بُت جو ہاتھ آوے — تو میں اُسے دکھاؤں عبدالنبی کی مسجد
ہیں جا بجا لٹکتے خفاش جس کی چھت سے — اے زاہد وہی ہو کیا شیخ جی کی مسجد؟
کیا موچھیں منڈی منڈی اور ٹنکہ ڈاڑھیوں کی — کی سیر میں جو دیکھی اک ناصبی کی مسجد
اِک مست کو جو کھینچا زاہد نے تو وہ بولا — ایسی جی مِلک ٹھہری گویا کسی کی مسجد
از روے شرع مجھ کو پہلے بتا بھلا یہ — بابا کا گھر ہو تیرے یا کنچنی کی مسجد۔
انشاؔ کا دل بنایا مہرِ علیؑ سے حق نے
لازم ہو اُس کو کہنا سیّد علی کی مسجد

(۱۳۰)

بے[1] مدد حق کے کریں کیا مردم دنیا مدد — کب تلک بالا مدد، اے عالمِ بالا مدد

---

[1] یہ غزل بھی آزاد فقیروں کے طرز میں ہے اور انھیں کی زبان ہے۔

کھینچتا ہوں نعرۂ حق کھیلتا ہوں میں دھمال[1] — اے مرے سائیں مدد، داتا مدد، مولا مدد
اب کسی موذی کو جڑتا ہوں پھر اک بھنگ گھوٹنا[2] — ہو مدد، حق ہو مدد، ہو، ہو مدد، ہا ہا مدد
فرقۂ یاجوج و ماجوج آ بہم لڑتے ہیں جب — وہاں کرے ہے عاشقوں کی بھنگ کا سونٹا مدد
جتنے ہیں ناسوت کے ابدھوت[3] بھاگیں ہو کے بھوت — ایک چٹکی بھر جو کر بیٹھے بھبوت اپنا مدد
ہو نگہ مستوں کی جوں رب ہٹیلے[4] کی چھری — حضرتِ وحشت مدد، اے جوششِ سودا مدد
جی میں ہو بن کر زِ زالے آپ بھی للکارے — کی نہ مرد آدمی پن نے گر، اے انشا، مدد

نام پر سالار دل[5] کے عشق کو ڑا بھر کوئی
گاجنا دولھا مدد، جلوا مدد سہرا مدد

ردیف (ڈ)

(۱۳۱)

لوٹیں ہیں مست یوں بسرِ خاک اینڈ اینڈ — انگڑائیاں لیں جوں شجر تاک اینڈ اینڈ
گلشن میں بھول جاوے ہو سرو سہی اکڑ[6] — چلتا ہو جب وہ باقدِ چالاک اینڈ اینڈ
انگور زخمِ سینہ کو کیوں کر نہ ہو فشار — مسلے ہو اُس کو یہ دلِ صد چالاک اینڈ اینڈ
یہ گنبدِ خمیدہ[7] نہیں جائے اعتماد — اے بے خبر، نہ سو تہ افلاک اینڈ اینڈ
چولی کو اپنی جامۂ شبنم کی ہر گھڑی — ٹکڑے کرے ہے وہ بتِ بیباک اینڈ اینڈ
بسمل تری نگاہ کا میدانِ قتل میں — لوٹے ہے جیسے مستِ طرناک اینڈ اینڈ

---

[1] دھمال کھیلنا = مانگنے فقیر حلقہ باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ایک شخص درمیان میں ڈھول بجاتا ہے جس پر یہ اچھلتے کودتے ہیں۔

[2] بھنگ گھوٹنا = وہ سونٹا جس سے بھنگ گھوٹی جاتی ہے۔ اور اسے خنکا بھی کہتے ہیں۔

[3] ناسوت کے ابدھوت: یعنی دنیا کے شیاطین۔

[4] رب ہٹیلے بھی ان فرضی اشخاص سے ہیں جن کو آزاد فقیر مانتے ہیں۔ رب ہٹیلے کی چھری کا یہ اثر بتاتے ہیں کہ جس کو یہ دکھائیں وہ معاً دیوانہ ہو جاتا ہے

[5] سالار دل = آزاد فقیروں نے مذہب میں کسی بزرگ کا نام ہے۔

[6] اکڑ = گھمنڈ۔

[7] صائب کی ایک غزل ایسے ہی مضامین کی ہے جسکا مطلع یہ ہے ؎ درونِ گنبدِ دوار فتنہ بارِ عنب † بزیرِ سایۂ پُل موسمِ بہارِ عنب۔

اِنشا کا ہو خمار میں یہ حال جس طرح
خمیازہ لے ہو صاحبِ تریاک اینڈ اینڈ

(۱۳۲)

میاں چشمِ جادو پہ اِتنا گھمنڈ — خط و خال و گیسو پہ اِتنا گھمنڈ
اجی سر اُٹھا کر اِدھر دیکھنا — اسی چشم و ابرو پہ اتنا گھمنڈ
نسیمِ گل اُس زلف میں ہو تو آ — نہ کر اپنی خوشبو پہ اتنا گھمنڈ
شبِ مہ میں کہتا ہو وہ ماہ سے — رکابی[1] سے اِس رو پہ اتنا گھمنڈ
بس اے شمع کر فکر اپنی ذرا — اِنھیں چار آنسو پہ اتنا گھمنڈ
اکڑتا ہو کیا دیکھ دیکھ آئینہ — حسیں گرچہ ہو تو، پر اتنا گھمنڈ

وہ کر پنجہ اِنشا سے بولے کہ واہ
اِسی زور بازو پہ اِتنا گھمنڈ

ردیف (ذ)

(۱۳۳)

کیوں نہ گھبراؤں کہے جب مجھ کو تو مشفق[2] ملاذ — غائبانہ ویسی باتیں رُو برو، مشفق ملاذ
کون سی یہ وضع ہو سوچو تو اپنے دل میں تم — بے تبے کہنا کبھو مجھ کو، کبھو، مشفق ملاذ
سینکڑوں دشنام دیتا بات میں اے واہ واہ — تم نے کچھ یہ زور[3] سیکھی گفتگو، مشفق ملاذ
آپ گر غصہ نہ فرماویں کروں خدمت میں عرض — موجبِ تہمت ہو پھرنا کو بکو، مشفق ملاذ

---

[1] یعنی گول بدقطع چہرہ پر۔

[2] مشفق ملاذ: خط میں ایسے لوگوں کو "مشفق ملاذ" کا لقب لکھتے ہیں جن کا مرتبہ کاتبِ خط کے نزدیک بلند ہوتا ہو اور وہ اس کے ساتھ محبت و شفقت بھی کرتے ہیں۔

[3] زور سیکھی: کیا خوب سیکھی۔

خوف آتا ہے ہمیں اب بات کہتے آپ سے — اِن دنوں آتے نظر ہو تند خو مشفق ملاذ
باندھ کر تیغ و سپر* چلنے لگے پنجوں[1] کے بل — چشم بد دور اِس قدر ہو جنگجو مشفق ملاذ
منحصر کیا آپ پر ہے، دل لگانا گر ہوا — شہر میں ہیں اور لاکھوں خوبرو مشفق ملاذ

مدعا حاصل ہو اِنشا کا کبھو آجایئے
ہے غرض خواہش یہی، یہ آرزو مشفق ملاذ

(۱۳۴)

چھیڑا نہ کرو میرے قلمدان کے کاغذ — ہیں اِس میں پڑے بندے کے دیوان کے کاغذ
اُس طفل کو بیتوں کا مری شوق ہوا، تو — مخشوش ہوئے سارے گلستان کے کاغذ
ہر وصلی سرکار پہ جدول ہے طلائی — اب آپ لگے لکھنے بڑی شان کے کاغذ
اُس شوخ نے کل ٹکڑے لفافے کے کیے اور — مارے سر اُستاد پہ وہ تان کے کاغذ
دس بیس اِکٹھے ہیں خط اُس پاس، تو قاصد — لے جا کہ یہ ہیں سخت ہی ارمان کے کاغذ

کیا چہرۂ اِنشا کا ہوا رنگ، کل اُس کا
یکبار جو قاصد نے دیا آن کے کاغذ

(۱۳۵)

لکھ دو آخونجی[2] صاحب کوئی ایسا تعویذ — کہ مرے مُنہ سے لگے اُس کے گلے کا تعویذ
کچھ تو دے اپنی نشانی مجھے بُندا، بالا — توڑا، زنجیر، کڑا، قول کا چھلّا[3]، تعویذ
دل دھڑکنا ترے عاشق کا نہ جاوے ہرگز — گرچہ سو لاکھ طرح لکھ دے سیچا تعویذ

---

[1] پنجوں کے بل چلنا = غرور اور تبختر کرنا۔

* ق، ق ۲، ق ۳ : "تیغ و تبر"

[2] آخونجی = اخوند جی ایک قسم کے صوفی جو نقش و تعویذ وغیرہ لکھتے ہیں۔

[3] قول کا چھلّا = وہ چھلّا جو محبت کے اقرار کے ثبوت میں نشانی کے طور پر دیا جاتا ہے۔ مرزا غالب ؎

کافی ہے نشانی ترا چھلے کا نہ دینا — خالی مجھے دکھلا کے بوقتِ سفر انگشت

غش ہوئے ہم تو اجی قہر تھا اُس کافر کا — لالی ناڑے میں بندھا ہائے وہ نیلا تعویذ
سر کے بالوں سے لٹک جھٹکے سے الجھا تو کہا — اب لگا مجھ کو ستانے یہ رنگوڑا تعویذ
گرچہ سیانوں نے پڑھا افسوں بہت اتوار کے دن ق خونِ ہُدہُد سے مرے واسطے لکھا تعویذ
جی جلا اپنا سا پھونکا کیے لونگ اور اسپند — مشک، سیندور، اگر، مرچ، فلیتا، تعویذ
جس پری کا مجھے سایہ تھا نہ اُترا، لیکن — کام آیا نہ کسی شخص کا گنڈا تعویذ
حاضرات[1] اب نہ کرو بس نہ پڑھو سورۂ جن — دوستو چپ رہو جانے بھی دو کس کا تعویذ
شیخ جی "چھو" تو یہاں چڑ ہے نہ گھولا کیجے — آبِ نیساں میں، لے کورا سکورا، تعویذ

خیر انشا کی جو چاہو تو پلا دو دھو کر
اُس کے بازو کا وہ ننھا سا روپہلا تعویذ

(۱۳۶)

مستی ہی تیری آنکھوں کی ہر جام سے لذیذ — ہر ورنہ کون شے مے گلفام سے لذیذ
چٹکارے کیوں بھرے نہ زباں تیرے ذکر میں — کوئی مزہ نہیں ہر ترے نام سے لذیذ
گالی وہ اُس کے ہونٹوں کی آنکھیں دکھاتے وقت — وہ شے ہے، ہے جو پستہ و بادام سے لذیذ
انشا کو لذت اُس کی جوانی کے حُسن کی ق ہر اور طفلگی کے بھی ایام سے لذیذ

آجاوے پختگی پہ جو میوہ درخت کا
وہ کیوں نہ ہو بھلا ثمرِ خام سے لذیذ

ردیف (ر)

(۱۳۷)

ہیں زورِ حُسن سے وہ نہایت گھمنڈ پر — نامِ خدا نگاہ پڑے کیوں نہ ڈنڈ پر

---

[1] حاضرات کو نا "جس شخص پر کوئی آسیب وغیرہ آتا ہو اسکے اُتارنے کے لیے کسی بزرگ کو بلاتے ہیں اور چھلیدار وغیرہ گاتے ہیں۔ اسے مجنگ بھی کہتے ہیں۔
نسخہ: ق ۲، ق ۳: "چٹکارے"۔ یہ "چنکارے" مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں۔

تعویذ لعل ہی کے نہ پھریے گھنڈ پر
ایک نیلا ڈورا باندھیے اس گورکھ ڈنڈ پر

یارب سدا سہاگ کی مہندی رچا کرے
پتے نچیں کھچیں، رہے آفت اَرنڈ پر

یہ باڑھ میرے کاٹ کی دی کس نے اس قدر
جو تم رگڑ رہے ہو سر و ہی کرنڈ[1] پر

دو تین دن تو ہو چکے اب پھر چلو وہیں
فیروز شہ کی لاٹ کے اُس چوتھے کھنڈ پر

وہ پہلوان سا وہ لب جو پہ ڈنڈ پیل
ہو لاکھ کوئی غش[2] ہو تو ایسے بھُسنڈ[3] پر

جو کالے کو ملے سی چھنکنے کے دھن میں ہیں
سو جنس چوب سے جو خفا ہیں تو جنڈ[4] پر

گلبرگ تر سمجھ کے لگا بیٹھی ایک چونچ
بلبل ہمارے زخم جگر کے کھرنڈ پر

انشا بدل کے قافیے رکھ چھیڑ چھاڑ کے
چڑھ بیٹھ ایک اوزبھیر[5] سے اکھنڈ پر

(۱۳۸)

یہ جو مہنت بیٹھے ہیں رادھا کے کنڈ پر
اوتار ان کے گرتے ہیں پریوں کے جھنڈ پر

اے موسم خزاں لگے اس سرکو تیرے آگ
بلبل اُداس بیٹھی ہے اک سوکھے ڈنڈ پر

شیو کے گلے سے پاربتی جی لپٹ گئیں
کیا ہی بہار آج ہے برہما کے رُنڈ[6] پر

راجہ جی ایک جوگی کے چیلے پہ غش ہوئے
عاشق ہوئے ہیں واہ عجب لنڈ منڈ[7] پر

انشا نے سُن کے قصۂ فرہاد یوں کہا
کرتا ہے چوٹ عشق تو ایسے ہی منڈ[8] پر

(۱۳۹)

کیا بھلا شیخ جی تھے دیر میں تھوڑے پتھر
کہ چلے کعبے کے تم دیکھنے روڑے پتھر

---

[1] کرنڈ ۔ سلی کا پتھر [2] بھسنڈ = موٹا تازہ ڈنڈ پیل ۔ جوان [3] جنڈ = ایک بد قطع جنگلی درخت [4] بھیر ۔ وہ بچھیر جس پر سواری نہ ہوئی ہو۔
[5] اکھنڈ بھیر ۔ وہ بچھیر جس پر سواری نہ ہوئی ہو۔
[6] رُنڈ جسم بے سر۔
[7] منڈ ۔ سردار ۔ بڑا آدمی۔

اے بسا کہنہ عمارات مقابر جن کے
لوگوں نے چوب و چگل کے لیے توڑے پتھر

جاؤ اے شیخ و برہمن حرم و دیر کو تم
بھائی بیزار ہیں ہم، ہم نے یہ چھوڑے پتھر

کبھی دلہائے بتاں بھی پسیجیں اے اشک
تو یہ ہم جانیں کہ بس تو نے نچوڑے پتھر

نہ چرے نوک سے نشتر کے عیاذاً باللہ
کوئی عشاق کے تھے چھاتی کے پھوڑے پتھر

کوس بیٹھیں فقرا اہل دول کو، تو ابھی
اُن کے ہاتھی ہوں پہاڑ اور ہوں گھوڑے پتھر

گرسنگِ گرسنہ لے شوم کے مطبخ کی باس
تو بھلا ہڈی کی جا کیا وہ بھنبوڑے پتھر؟

نہ ہنسا میں جو ہنسانے سے شب اُن کے تو کہا
تجھے قربان کروں، ہائے نگوڑے[1] پتھر

اِک غزل اور سنا دے ہمیں، اِنشا، ہر چند
تو نے اِس میں بھی کسی ڈھب کے نہ چھوڑے پتھر

(۱۴۰)

ہلکے پھلکے جو ملے دیر کے روڑے پتھر
چوم اور چاٹ کے میں کیسے کے چھوڑے پتھر

دفن ہو کونِ غم، وہ جس جا اے چرخ
رکھ دے لوہو بھرے واں لا کے تو تھوڑے پتھر

دوستو صندل سائیدہ سے کیا ہوتا ہے
ہو رہے ہیں مرے سینے کے دو ڑے پتھر

رقت آئی نہ تجھے حال پہ میرے سیج ہے
ہو جو پتھر اُسے کیا کوئی نچوڑے پتھر

ہاتھ تک مجھ سے ملاتے ہی یہ فرمانے لگے
تجھ سے پنجہ وہ کرے جو کہ مروڑے پتھر

کانورو دیس[2] میں مت جائیو، اے صاحبِ فوج
زور جادو سے وہاں ہوتے ہیں گھوڑے پتھر

تو سنِ فکر عدو اپنی رہ انجام کے ساتھ
پہونچے تب جب کہ چلیں کھانے سے کوڑے پتھر

گھور انھیں، آوے ہے صنم میں نے کہا تو بولے:
میں تو انسان ہوں، ہو تو ہی نگوڑے پتھر

بھٹ کٹیا[3] کے ارے کانٹے پڑیں ہٹھی خاک
رائی اور نون ترے دیدوں میں تھوڑے پتھر

---

[1] ق، ق ۳: "اور وہ"۔

[2] یعنی پتھر کی طرح بے حس۔

[3] کانورو دیس یعنی کامروپ (مشرقی بنگالہ) جہاں کا جادو مشہور ہے۔

[4] بھٹ کٹیا کے کانٹے، مٹھی خاک، رائی، نون۔ یہ سب چیزیں دفع نظر بد کے لیے ہیں۔

وہ بھری گود دکھا بولے کہ اے دیوانے — پھوڑے سر اپنا تو لے اور بھی تھوڑے پتھر
سانپ سی تیری بگڑ زلف کھلی نہر کے بیچ — جا در آب نے ٹکرا کے جو پھوڑے پتھر
لہر ایسی ہی چڑھی موج کو جس سے کہ وہیں — منہ پہ کف جوش سے لا اُس نے جھنجھوڑے پتھر

معرفت کی وہ غزل اب تو سنا دے اِنشا
جس کو سُن صوفیوں نے سر سے ہوں پھوڑے پتھر

(۱۴۱)

آدمی چیز ہے کیا اُن نے نہ چھوڑے پتھر — پھونکے جس جلوے نے سب طور کے روڑے پتھر
چادرِ آب کا گرنا تو پہاڑوں پر دیکھ — واہ کیا حکم ہے یوں جس نے پنچوڑے پتھر
کر نظر لعل و زمرد کی طرف؛ پہنے ہیں — سُرخ اور سبز عجب رنگ کے جوڑے پتھر
آتشِ عشقِ اِلٰہی سے ہے خالی کیا شے — یہ شرر رکھتے ہیں سب سینے میں روڑے پتھر
آبلے ہیں دل دریا کے حباب ایسے ہی — جس طرح کوہ کی چھاتی پہ دو دوڑے پتھر
تیری دولت پہ پڑے خاک بس اے خواجہ خلیل[1] — یا اِلٰہی یہ ترے زر کے ہوں توڑے پتھر
صنعِ معمارِ قضا کر نظر اے دل جس نے — کمرِ کوہ کے کس وصل سے جوڑے پتھر

کہہ غزل اور بدل قافیہ اِنشا کہ شرار
نکل آئے ہیں بہت تو نے جو پھوڑے پتھر

(۱۴۲)

کھاویں ہر چند کہ بارش کے تڑیڑے[2] پتھر — پر نہیں کب مرے اشکوں کے وڑیڑے پتھر
میں دِوانا جو کہیں چڑھ گیا ہاتھ اُن کے تو سب — دامنِ کوہ کے لڑکوں نے نبیڑے[3] پتھر

---

[1] خواجہ خلیل شاید اس وقت کے کوئی مشہور کنجوس ہوں گے۔

[2] تڑیڑا یا وڑیڑا = دھار باندھ کر پانی ڈالنا۔ تڑیڑا کمزور اور وڑیڑا اس سے زیادہ زور دار دھار۔

[3] نبیڑنا = ختم کرنا۔

لختِ دل کامرے یہ روپ ہی کچھ اشکوں میں
لطمۂ موج سے جوں کھا دیں تھپیڑے پتھر

سینہ صد چاک نظر آیا ترے عاشق کا
اُس کی تربت کے جو میں جا کے اُدھیڑے پتھر

جن پہاڑوں میں مزاریں ہیں ترے کشتوں کی
لوہو اُبلے جو کوئی واں کے اُکھیڑے پتھر

اِک غزل اور بہ تبدیلِ قوافی اِنشاؔ!
تو نے آخر تو ہیں اِس بحر کے چھیڑے پتھر

(۱۴۳)

فوج لڑکوں کی جڑے کیوں نہ تڑاتڑ پتھر
ایسے خبطی کو چبا جائے جو کڑکڑ پتھر

پھر پھریری سی جنوں کی مجھے آجائے ہے جب
کرتے ہیں دامنِ اطفال میں کھڑکھڑ پتھر

کوہکن کھا کے گرا سر پہ جو تیشہ تو وہیں
بیستوں کے گئے تن اُس کے یہیں گڑگڑ پتھر

تربتِ قیس پہ ٹکرائے یہ آہو کہ تمام
گئے شاخوں کی دھڑا دھڑ سے وہ جھڑجھڑ پتھر

ذکر کچھ سنگ دلی کا جو شب آیا اُس کی
سانس لیتے مری چھاتی سے گیا اڑ پتھر

سنگ سار اُس نے کیا تجھ کو بہت سالے دل
شیشۂ چرخ پہ اب تو بھی تو اِک جڑ پتھر

اُن کے ساجھے میں جو ہم ہارے تو یوں کہنے لگے
لاؤ پالے دو اِدھر کھیلو گے چوپڑ پتھر[1]

بے ادب خدمتِ سادات میں بولے جو شخص
خوک کا آہنی سر اُس کا ہو اور دھڑ پتھر

شیشۂ دل کو بچائے ہوئے رکھنا اِنشاؔ
مار بیٹھے نہ کہیں جھٹ سے وہ اکھڑ[2] پتھر

(۱۴۴)

راتوں کو نہ نکلا کر دروازہ سے باہر
شوخی میں دھرو پاؤں نہ اندازہ سے باہر

جراّح نہ رکھ مینہ و مرہم کہ یہاں آگ
نکلے ہے ہر اک زخم ترو تازہ سے باہر

نسخہ ق ہ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[1] پتھر یعنی کیا خاک پتھر۔ [2] اکھڑ۔ کھرا۔ صندی۔ بدخو۔

لے قیس مبارک ہو کہ لیلیٰ نکل آئی — پردے کو اُٹھا محملِ جمّازہ سے باہر
لیتے وہ جمائی ہیں، تو گویا کہ نزاکت — ٹپکی پڑے ہے شوخیٔ خمیازہ سے باہر
گو غیر نے آوازہ کسا اُس کی گلی میں — پر میں کوئی نکلوں ہوں اس آوازہ سے باہر
نازکی کے چھلکے تھے مگر عطر میں ڈوبے — بُو باس یہ تھی ادویۂ غازہ سے باہر

رہتے ہیں سدا خواہشِ احباب سے انشاؔ
اجزا مرے دیوان کے شیرازہ سے باہر

(۱۴۵)

مانگا جو میں نے بوسہ اُن سے چمن کے اندر — بولے کہ یاں نہیں مچھی[۱] بھون کے اندر
شعلے بھڑک رہے ہیں یوں اپنے تن کے اندر — دوں[۲] لگ رہی ہو جیسے گرمی سے بن کے اندر
ہے خال یوں تمھارے چاہِ ذقن کے اندر — جس روپ ہو کنھیا آبِ جمن کے اندر
جو چاہو تم سو کہہ لو چپ چاپ ہیں ہم ایسے — گویا زباں نہیں ہے اپنے دہن کے اندر
کیا گھات[۳] کی جگہ ہے چیتے کے جھاڑ نیچے — مہندی کی ٹٹیوں کی اوجھل چمن کے اندر
گل سے زیادہ نازک جو دلبرانِ رعنا — ہیں بکلی میں شبنم کے پیرہن کے اندر
ہے مجھ کو یہ تعجب سوویں گے پانو پھیلا — یہ رنگ گورے گورے کیونکر کفن کے اندر
کافر سمارہا ہے سارنگ[۴] کا یہ لہرا[۵] — طبلے کی تال دم کے ہر ہر پرن[۶] کے اندر
سو چلونوں کے باہر مطرب جو گا رہا ہے — آتی ہے کس مزے سے آواز چھن کے اندر
غم نے ترے بٹھایا اے ماہِ مصر خوبی — یعقوب وار ہم کو بیت الحزن کے اندر
منہ[۷] چنگ بیچ تیرے مطرب یہ تاریوں ہے — کانٹا لگا ہو جیسے کالے کے بچھن کے اندر

---

[۱] مچھی بھون۔ یہ لکھنؤ میں قدیمی تحیر انگیز کا ایک مشہور قلعہ تھا۔ جس کے آثار اب بھی باقی ہیں۔ اس میں مچھی اور بوسے کی رعایت ہے۔
[۲] دوں۔ بانفتح جنگل کی آگ [۳] گھات گھاٹ کی جگہ چھپنے کی جگہ۔ جھاڑ درختوں کا جھنڈ۔
نوٹ: ق ۲، ق ۳ = "سارنگی"
[۴] لہرا = سارنگ کی وہ آواز جس میں سنگت نہ ہو۔ [۶] پرن = وہ تال جو بہت تیزی سے ادا ہو۔
[۷] منہ چنگ = ایک باجا جو منہ سے بجایا جاتا ہے۔

بل بے ترا اکڑنا، لے ہاتھ میں کمانچہ† ق اور آ کے بیٹھنا یوں مجلس میں تن کے اندر
سو جھی تو دور کی تھی، کہتا نہیں، ولیکن اتنا تو میں کہوں گا اس انجمن کے اندر:
وہ چیز نام جس کا لینا نہیں مناسب سو تیرے رو کھے سوکھے اس بانکپن کے اندر

یوں بولتا[1] کہے ہے، سنتے ہو میر انشا؟
ہیں طرفہ ہم مسافر اپنے وطن کے اندر

(۱۴۶)

آئے نہ آپ رات جو اپنے قرار پر گذری قیامت اس دلِ اُمید وار پر
ہے اشتیاقِ بوس و کنار اس قدر کہ یار جی تک تو ہم لگاتے ہیں اب ایک بار پر
ساقی صراحیِ مے گلفام لا شتاب ہے مجھ کو کچھ خیال بھی ابر بہار پر
شادابیِ ہوا میں یہ کیفیت ابد کے ہے سو رنگ کے شگفتہ ہیں گل شاخسار پر
نظارہ سوے دانۂ شبنم اگر کروں جاتی ہے چٹ نگاہ پھسل سبزہ زار پر
اشجار جھومتے ہیں کھڑے صحن باغ میں تا ک اینڈتے ہیں مست پڑے جوئبار پر
موجِ بہارِ لالۂ خودرو نے، اے نسیم کچھ آگ سی لگائی ہے آکوہسار پر‡
سو سو طرح کی شکل دکھاتا ہے کیا کہوں عکسِ شگوفہ ہے جو پڑا آبشار پر
ہو کر ترا نہ سنجِ لب جو کے پاس بیٹھ کس کس طرح سے جھاڑے ہے اپنے ہزار[2] پر

انشا سے اب تو آنکھ چرا دے یہ قہر ہے
اس وقت میں تو رحم کر اُس کے خمار پر

(۱۴۷)

ساقیا یہ خوش آئی بوے خانۂ خمار دوڑے ہم سبو لے کر سوے خانۂ خمار

† ق ۳: "طمانچہ" [1] آزاد فقیروں کی اصطلاح میں رد و ح - [2] ہزار = بلبل۔
‡ یہ شعر ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہے

زلزلہ قیامت کا اور صورِ اسرافیل — ہوتے ہیں خجل سُن کر ہوئے[1] خانۂ خمّار
ایک بار جو آیا لوٹ پوٹ تھا بس خیمہ — بھلّہ رہے غضب جاہے کوے خانۂ خمّار
زاہد اکسے بھاویں وہ بہشت کی نہریں — نور سے ہر یاں لبریز جوے خانۂ خمّار

چھوڑ کر حرم انشاؔ ایک بیک اُٹھ آیا جب
خواب میں نظر آیا روے خانۂ خمّار

(۱۴۸)

لے چلا دامانِ صحرا کو گریباں پھاڑ کر — آخر آ مجھ کو جنوں چمٹا ہے پنجے جھاڑ کر[2]
زلف میں یک دست شانہ ناخن اپنے گاڑ کر — پنجۂ خورشید سے لپٹا ہے پنجے جھاڑ کر
چڑھ گیا جو میکدے میں محتسب رندوں کے ہاتھ — خوب ہی چنگا بنایا سب نے اُس کو جھاڑ کر[3]
سُن خروش نعرہ اپنا ہے عدو تو چیز کیا — کھا کے دہشت بھاگ جاوے دیو بھی چنگھاڑ کر
کیوں نہ دیکھے جلوۂ حق اے دلِ آ ہنک ایک جا — طور آسا بیٹھ رہ تو پاؤ اپنا گاڑ کر

چھوڑتے ہیں اب کوئی دو چار بوسے بن لیے — چٹکیاں لے گالیوں کی خواہ تو بوچھاڑ کر
ہم نہیں ڈرنے کے اِن باتوں سے پیارے شوق سے — اور غل کر، اور چلّا[4]، اور تو بہ دھاڑ کر[5]

مختلط غیروں سے دیکھا شب جو انشاؔ نے تمھیں
ہوگیا وہ جان بوجھ انجان سب کچھ تاڑ کر

(۱۴۹)

جو چاہے تو مجھ سے ہنسوڑے کی خیر[6] — تو یوں دیکھ اِس گھوڑے جوڑے کی خیر

---

[1] یعنی ہائے ہو = مستانہ نعرے ۔ ب: ق ۲، ق ۳: "روے"

[2] پنجے جھاڑ کر چمٹنا = پیچھے پڑ جانا ۔

[3] جھاڑنا = لتاڑنا ۔

[4] توبہ دھاڑ ۔ توبہ تلا ۔

[5] یہ غزل آزاد فقیروں کے طرز اور لہجے میں ہے ۔

کُداوے نشے کے مرے رخش کو — میاں ساقی اِس سلفے کوڑے کی خیر
دکھائی مجھے سیرِ باغِ ارم — الٰہی ہو اس سبز[1] گھوڑے کی خیر
ہنسا یا جو میں نے تو بولے نہیں — نظر آتی کچھ اِس نگوڑے کی خیر

لگا بیٹھ اِنشا کو ٹھوکر تو ایک
ارے اپنے سونے کے توڑے کی خیر

(۱۵۰)

ہو یہ اُس مہ جبین کی تصویر — یا کسی حورِ عین کی تصویر
بن گئی دود آہ مجنوں میں — ایک محمل نشین کی تصویر
اپنے داغِ جگر میں سوجھے ہو — مجھ کو اُس نازنین کی تصویر
دیکھ لے اُس کی چینِ پیشانی — ہو یہ خاقانِ چین کی تصویر

نظر آتی ہو اشکِ اِنشا میں
جبرئیلِ امین کی تصویر

*

(۱۵۱)

دل کرے کیا تجھ کو لکھ کر خطِ پنہانی پہ مُہر — داغ کی آگے ہی سے ہو اُس کی پیشانی پہ مُہر
کل ڈرا کر مجھ کو دشمن سے لگے فرمانے آپ — آج سے رکھنا تو اپنے کھانے اور پانی پہ مہر
داغِ دل کے گرد ہیں یوں چھوٹے چھوٹے داغ — ہو اُزک کی جس طرح فرمانِ سلطانی پہ مہر
حُسن کے بدرے کی ڈوری کی سرک[2] پھندی کو کھول — آرہی ہو دیکھ ایسے میں کچھ آسانی پہ مہر
اُس کے ابرو پر نہیں ہو خوشنما چیچک کا داغ — ہو یہ شاہِ حُسن کی تیغِ خراسانی پہ مُہر
اس غزل نے اک پری پیکر انگوٹھی کو اُتار — کی دہانِ سعدیِ شیراز و خاقانی پہ مہر

---

[1] سبزہ گھوڑا = یعنی بہنگ ۔ * ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔
[2] سرک پھندی ۔ ایک قسم کی گرہ جو آسانی سے کھل جائے ۔ اس کو لکھنؤ میں سکر پھندی بھی کہتے ہیں۔

سیدالنشا ہو سلیماں شاہِ کشور[1] کا غلام
اب کھداتا ہوں یہی سنگِ سلیمانی پہ مہر

(۱۵۲)

اے صبح نجا سارے چمن نذر پکڑ کر
مل ہم سے تو اک غنچہ دہن نذر پکڑ کر

صورت یہ اویس آن کے دیکھے تو چلا جائے
سب رائحۂ بادِ یمن نذر پکڑ کر

اللہ رے صفائی کہ ترے عکس کے آگے
آئینہ ملا صافیٔ تن نذر پکڑ کر

اِس کو نہ سمجھ قرصِ قمر یہ شبِ ہجراں
ہم سے ملی اک سانپ کا مَن[+] نذر پکڑ کر

ہو جی میں کہ مل جاؤں جوانانِ چمن سے
ایک شیشۂ صہبائے کہن نذر پکڑ کر

ہو قصد کہ اُس نرگسِ جادو سے ملیں ہم
ایک بچۂ آہوئے ختن نذر پکڑ کر

زر پاس نہیں عید کے دن اُن سے ملیں گے
ہم اشرفیٔ داغِ کہن نذر پکڑ کر

حمّام میں تو آوے تو جاوے شہ خاور
اپنا تجھے زرّینہ لگن، نذر پکڑ کر

کھو اُن کی تو وحشت کو دلا ابن کے قراول[2]
نوکر ہو نہ دو چار ہرن نذر پکڑ کر

اِس دل میں مرے کھنچ گئی تمثال تمھاری
عاشق یہ ملاتم سے پھبن نذر پکڑ کر

ٹھنڈک نہ پڑے کیوں کہ گئی چادرِ مہتاب
زخمی کو ترے ایک کفن نذر پکڑ کر

بکھری ترے رخسار پہ جو زلف، تو مجھ کو
ایک داغ ملا چاند گہن نذر پکڑ کر

گو نذر نہ ہو جی میں ہر مل جایئے اُن سے
اپنا یہی بیساختہ پن نذر پکڑ کر

لہراسپ اگر ہو تو ملیں اُس سے سپاہی
سیلابۂ سُہراب فگن نذر پکڑ کر

جو شخص حسینی ہو تو ساتھ اُس کے چلا آئے[‡]
رضوان سندِ خلقِ حسن نذر پکڑ کر

حوران بہشتی اُسے مجرا کریں آکر
غلماں ملیں سب سیف و قمن نذر پکڑ کر

---

[1] شاہزادۂ سلیمان شکوہ مراد ہیں۔

* ق، ق۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔ + ق۳: "رچھن"

[2] شکار کے منتظم۔

‡ م: "تو اس پاس چلا آئے"

ایسے ہی بڑے قافیے پیش آئے اب، انشاؔ
مل جن سے کُلا اپنی دمن نذر پکڑ کر

(۱۵۳)

سینہ نہ جلا شعر و سخن نذر پکڑ کر — مل اُن سے دلا تھوڑی سی بُن[1] نذر پکڑ کر
نقاشِ خیال اُس کو اگر پاوے تو جاوے — اپنا ورقِ نقشۂ کُن نذر پکڑ کر
جاوے وہ صنم برج کو، تو آپ کنھیّا — جھٹ سامنے ہو مرلی کی دھُن نذر پکڑ کر
ہر بجھ کو یہ رتبہ کہ ترے روبرو آوے — جبریلِ امیں علمِ لدُن نذر پکڑ کر
ایسا ہی گنی میں ہوں کہ سب ناؤں کے ملّاح — دریا پہ ملیں مجھ سے تو گُن نذر پکڑ کر
گھُن دل کو لگا قصد یہ ہر عید کو اُن سے — میں اب کے ملوں تھوڑا سا گھُن نذر پکڑ کر

دکھن کی بہت چال پسند آئی ہے، انشاؔ
مل بیٹھ نہ تو بھی کئی مُن نذر پکڑ کر

(۱۵۴)

کیا اُن سے ملوں عید کے دن نذر پکڑ کر — ہوں سامنے ایک بچّۂ جن نذر پکڑ کر
یوں مجھ سے کہا، بس ہی تو ہیں چاہیں گیارہ — لے اشرفیاں اپنی تو گن نذر پکڑ کر
جس میں کہ خشونت ہو کبھی اُس سے نہ ملیے — ملیے تو کئی حرفِ خشن نذر پکڑ کر
ہوں داغ بدل مرتعش اب یوں ترے آگے — جوں کانپے کوئی مردِ مُسن نذر پکڑ کر

گو بادشہ روم ہو، اے حضرتِ انشاؔ
پر میں نہ ملوں آپ کے بِن نذر پکڑ کر*

ی ق ۳: "کل جیسے لے"۔

[1] بُن = تہوہ۔

نوٹ: اس کے بعد کی دو غزلیں صرف ق ۳ میں ہیں اور کسی مطبوعہ اور قلمی نسخے میں نہیں ہیں۔ باقی اور جتنی غزلیں مطبوعہ نسخوں میں ہے کی ردیف کی ہیں وہ ق، ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہیں۔

(۱۵۵)

جو تک دھونی لگا بیٹھوں زمیں کی ناف کے اُوپر
تو قفنس ہو چلے سی مُرغ کوہِ قاف کے اوپر
وہ سیلی جیسے سنبل یوں ہر اُس کی ناف کے اُوپر
کہ مرکز جوں لگا ہووے کلی کی ناف کے اوپر
کہوں کیا بات قاضی کی سمجھنا ہیچ ہر اُس کو
جو چڑھتا ہر یہ فخریہ گزافِ[۱] ولاف کے اوپر
بڑی داڑھی بڑا جبّہ ولیکن یاکُلُ الرشوہ
یہ طُرّہ اور ہر اُس عمّامۂ اوصاف کے اوپر
لحافِ کہنۂ منصور اُدھیڑا[۲]، خوب دُھن ڈالا
فلک لایا ستم بیچارۂ ندّاف کے اوپر
پڑے عاشق پر اولے سر منڈاتے ہی محبّت میں
پڑیں اے ابر، پتھر اِس ترے اِنصاف کے اوپر
پھرا کر اُسترا سبزہ زبردستی نکالا ہر
نہ تھا ایک رونگٹا بھی ورنہ روئے صاف کے اوپر
مہک سوندھے کی ہر جیسی اجازت ہو کہوں صاحب
ذرا میں ہونٹھ رگڑوں آپ کے موباف کے اُوپر
جلا کر مدد شاہی ایک پیسا کیوں نہ کل کھاؤں
اجی میں لوٹتا ہوں کشن جی صرّاف کے اُوپر

---

* یہاں سے آخر تک اس ردیف کی غزلیں "ق، ق ۲" میں نہیں ہیں۔ اور یہ دونوں (۱۵۵، ۱۵۶) غزلیں مطبوعہ نسخوں میں بھی نہیں ہیں۔ صرف "ق ۳" میں ہیں۔

[۱] ق ۳؛ "کزاف" لکھا ہے۔ [۲] ق ۳؛ "اودھیڑا"

نظر ذات وصفاتِ قابلیت پر نہیں پڑتی
یہاں ترجیح ہر اَجلاف کو اَشراف کے اوپر
ترا قتے کی غزل ایک اور بھی پڑھ ڈال وہ اِنشا
کہ پریاں اُس کو گاویں، جلوہ گر ہو قاف کے اُوپر

(۱۵۶)

دھرا جب نقدِ دل ہی کھول، تیری ناف کے اوپر
تو پھیروں کیوں نہ ہاتھ اس سینۂ شفاف کے اُوپر

پڑا اِس ڈھب سے میرا ہاتھ[1] تیری ناف کے اوپر
کہ پریاں کھل کھلاتی چڑھ گئیں سب قاف کے اوپر

لایلاف اُس پہ دم کرتا ہوں جب فرطِ محبّت سے
تو آجاتا ہر ابرو دو گزاف، ولاف کے اوپر

گرامیں اُس پہ شب یونہیں کروٹ پڑتا ہو جوں کوئی
اُچکا، جیب کترا، بدرۂ صرّاف کے اُوپر

بھری ہر خوب روئی کیوں تری شالی رضائی میں
مجھے آتا ہر غصّہ بوڑھے سے نحّاف کے اُوپر

جگر میں جنتر کی طرح سے سوراخ ہیں لاکھوں
مجھے کیا چین آوے خاکِ فرشِ صاف کے اوپر

پڑا مقیش جھڑتا آہِ سوزاں سے ہر اے اِنشا
یہ اپنی اِن دنوں حالت ہر ایک زربافت کے اوپر

(۱۵۷)

بولے وہ جب ہاتھ رکھا میں نے اُن کی ران پر
خیر ہر تم کو اجی لعنت کرو شیطان پر

میں نے کب کی تھی بھلا کچھ اور ڈھب کی بات پر
قہر ٹوٹے غیب کا، بہتان اور طوفان پر

ہونے دیتے ہی نہیں ہیں آنکھ سے اوجھل ذرا
غصہ آتا ہر مجھے صاحب کے باوا جان پر

واقعی صاحب نے دل میرا نہیں ہرگز لیا
ہاتھ تو دھر لے نہا دھو کر بھلا قرآن پر

ہاتھ سے صاحب کے گو ہم تنگ آویں ہو سو ہو
شکوہ کرنا آپ کا ہم کو نہیں شایان، پر

کیا کہیں کہنے کی کچھ منزل نہیں باقی رہی
ہو گئے ہم لوٹ پوٹ اُن کی ادا و آن پر

---

[1] ق ۲: "ہات"۔

کون سا ہوگا بنی آدم کہ جس سے ہم لڑیں — قصد یاں کر بیٹھے ہیں ہم جان ابن الجان پر
ہو پری یا حور یا غلمان ہم کو کیا غرض — آپ بن کوئی گذرتا ہی نہیں کچھ دھیان پر
گھر کیا تھا دل میں اِنشا کے جنھوں نے واہ واہ
دھر گئے وہ آج اپنے ہاتھ دونوں کان پر

(۱۵۸)

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر — فعلِ بد تو اُن سے ہو لعنت کریں شیطان پر
کیا بموقع اِس گھڑی تشریف لائے ہے بجا — مَیں اگر خطِّ غلامی لکھ دوں اِس احسان پر
پَر نہ تھے اِس پر بھی پروانوں سے پہنچا کچھ پرے
کیا غضب ہوتا اگر پاتا کہیں اِنسان پر

(۱۵۹)

نگہ جو پڑی تجھ سے رشکِ قمر پر — گئی پھیل بس چاندنی سارے گھر پر
شریروں اُبھر آئے داغِ جگر پر — سنہری ہو نادِ علیؓ جوں سپر پر
اِشارا کرے ہے سماں جوگیا[1] کا — کہ لیلے بھبوت آج روئے سحر پر
کبھی عمر بھر پھر نہ تلوے جلیں گے — قدم آپ رکھیے مری چشمِ تر پر
میاں بھیجو کچھ جو توفیقِ حق ہو — کھڑا ایک آزاد ہے تیرے در پر
کہاں تک کروں میں زمانے کا شکوا — مصیبت ہے یوں تو سب اہلِ ہنر پر
خصوصاً[2] وہ جو وضع داروں میں ہیں یاں — برستا ہے اِفلاس ہی اُن کے گھر پر
نگارا رام جانے، رُپیّا دیکھیا لو — کھڑا بنیا کہتا ہے اب اُن کے دَر پر
سلیمانی تلوار تو لے چکا ہے — لگائی ہے اب تاک شاید سپر پر

---

[1] جوگیا = ایک راگنی جو آخر شب میں گائی جاتی ہے ۱۲

[2] یہ مارواڑی زبان اور لہجہ ہے ۱۲

پڑا ہنہنا تا ہو رن گھاس گھوڑا ہوئے چار فاقے ہیں پیہم نفر پر
پڑھ انشا غزل اور اک تازہ ایسی
کہ ہو آفریں جس کے ہر شعر تر پر

(۱۶۰)

مجھے رونا آتا ہو شمع سحر پر کہ بیچاری اب مستعد ہو سفر پر
چمک اُس پری وش کی مانند ٹ کے پڑی پھرتی ہو اپنے تارِ نظر پر
مرے دودِ دل نے فقیرانہ دھونی لگائی ہو جا عرشِ اعظم کے در پر
اجی کیوں رُلاتے ہو مجھ کو تمھیں کیا نہیں رحم آتا مری چشم تر پر؟
یہی وضع ہو تو مجھے کھوئے گا پڑے پھریے گا ہاتھ رکھے کمر پر
اجی جی میں ہو اب کہیں بیٹھ رہیے بس اک باندھ ٹکیا کسی رہ گذر پر
پھر آئے رہِ کعبہ سے مارے ڈر کے چڑھے زاہدِ مفتخر مفت خر پر[۱]
جنوں سے اگر آشنائی ہوئی تو مطوّل[۲] کو دے مار تو مختصر[۳] پر
کچھ اک صاف صاف ایسے لکھ شعر، انشا
کہ وہ ماریں چشمک صفائے گہر پر

(۱۶۱)

گیا یار، آفت پڑے اِس سحر پر اُداسی برسنے لگی بام و در پر
صبا نے بھری دُوں کو ایک آ ٹھنڈی قیامت ہوئی یاں دلِ نوحہ گر پر
نہ لٹسوے گھلا، دور ہو یاں سے شبنم! نمک کیوں چھڑکتی ہو زخمِ جگر پر
مرے بھاویں گلشن کو آتش لگی ہو نظر کیا پڑے خاک گلہائے تر پر

---

[۱] مفتخر - اور مفت خر میں تجنیس مرکب ہو۔

[۲] [۳] مطول اور مختصر المعانی - علم معانی و بیان کی دو مشہور داخل درس عربی کتابیں ہیں۔

کوئی دیو تھا یا کہ جن تھا یہ کافر ق مجھے غصہ آتا ہے پچھلے پہر پر
پری زاد تھی اک شبِ وصل اُس کو اُڑا لے گیا چٹ بٹھا اپنے پَر پر
مزے خوب لوٹو گے کیوں، شیخ صاحب ملیں گے بہشتِ بریں میں اگر پر
زمرد کی ایک چوبچ ہو گی بڑی سی کہ مارو گے ٹھونگ اُس سے ہر اک ثمر پر[1]
پڑے اُڑتے پھریے گا جوں کاگا کوّا کبھی اِس شجر پر، کبھی اُس شجر پر

دیا نامہ سیّد انشا، تو اُن نے
دو ہتھڑ[2] جڑی اک سرِ نامہ بر پر

(۱۶۲)

یہ جلترنگ نے پھیلا دی آگ پانی پر کہ جل کے گر پڑے خود میگھ راگ پانی پر
بنا ہے اپنی ہوا، خاک، آگ، پانی پر نہیں یہ سہل کھلاڑی کی لاگ پانی پر
سُبک روی سے یقیں ہے کہ سُم نہ ڈوبیں گے جو اپنے لیجے گھوڑے کی باگ پانی پر
یہ لہریں لیتی ہے آئینے میں وہ زلفِ سیاہ کہ لہریں لیوے پڑا جیسے ناگ پانی پر
ہنوز کہتی ہے جمنا سہاگ[3] دکھلا کر کہ خوب کھیلے مہاراج پھاگ[4] پانی پر
یقیں کہ خواجہ خضر تھے بچھا کے جلے نماز جو بیٹھے جاتے تھے ایک بوڑھے گھاگ پانی پر
چلو نہ، تیرے دریا میں بے تکلف ہو کہ ہو دیں خوب سے گہرے سہاگ پانی پر
بھلا وہ دیوے تنک ظرف کس کو جامِ شراب کہ باندھ بیٹھے جو پیاسوں سے لاگ پانی پر
دلا جو چوکی نواڑے[5] کی اُن کی دینی ہے تو بطخوں کی طرح تو بھی جاگ پانی پر
خیال میں ترے بالے کی گندرے جو مچھلی تو موجیں گانے لگیں سب بہاگ پانی پر
سحاب بن کے سرِ کوہ کون رویا ہے جو ہر طرف نظر آتے ہیں جھاگ پانی پر

---

[1] ن: "جو جا کر کے ٹھکے گی ہر ایک ثمر پر۔

[2] دو ہتھڑ = دونوں ہاتھوں سے مارنا۔

[3] سہاگ = زینت۔ آرائش و محبت [4] پھاگ کھیلے: مزے اڑائے۔ [5] نواڑا = کشتی۔

نہ چھینٹے لڑیے عبث مجھ سے خوف ہو کہ مباد — کہیں سہاگ سے ہووے دوبھاگ پانی پر[1]
اِدھر تو گنگا، اُدھر جمنا، بیچ تر بینی — عجب طرح کا ہو تیرتھ پراگ پانی پر
جو روپ تھا وہ کدارے کا بن گیا سارنگ[2] — کہ چاندنی نے لگا دی ہو آگ پانی پر
عجب طرح کی ہو بیڑے کی سیر دریا میں — کہ ہوتا جاتا ہو سب ناچ راگ پانی پر

کنور جی تیرے جو سوتے ہیں ساتھ انشا کے
تو جاگے سوتے کے اور اُس کے بھاگ پانی پر

(۱۶۳)

عجب سر چشمۂ مہتاب سے تھی آگ پانی پر — سنایا چاندنی نے آج دیپک راگ پانی پر
نہ جا دریا نہانے کو بجھی ہو آگ پانی پر — کہ سورج دیوتا گاتے ہیں دیپک راگ پانی پر
سُستی ایک ہو گئی بیراگن آ کر گھاٹ پر تب سے — اُداسا چھا رہا ہو اور سب بیراگ پانی پر
پری کی شکل اک راتوں کو یاں دیتی ہو دکھلائی — پڑی پھرتی ہو اکثر دوڑتی اک آگ پانی پر
مجھے جو پیرتے میں دھیان تیری زلف کا آیا — تو موجیں یوں لگیں لہرانے جیسے ناگ پانی پر[3]
تری رانوں تلے یہ گھوڑا دریائی سُبک رو ہو — کہ مطلق سُم نہ ڈوبیں جو اُٹھالے باگ پانی پر
نہ اُڑیے آپ جوگی جی، اجی ہم بھی جو چاہیں تو — بچھا کر مرگ چھالا بیٹھ لیں بے لاگ پانی پر
نہانے والوں نے دریا متھایاں تک کہ یہ دیکھو — نمش کی طرح اُبھر آئے سراسر جھاگ پانی پر

تصدق کرتے ہیں ہم نعمتِ الواں کو اے انشا
اِسی اِک جَو کی روٹی اور اُبالے ساگ پانی پر

---

[1] مطلب یہ ہو کہ محبت سے نوبت شادی پر نہ آئے - دوبھاگ = دو قسمتوں کا ملنا - مراد ازدواج -

[2] کدارا - اور سارنگ دو راگنیاں ہیں - کدارا چاندنی رات میں اور سارنگ دوپہر کو گاتے ہیں -

[3] یہ شعر مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہو -

ردیف (ڑ)

*

(۱۶۴)

لے اُنھوں نے جو یہ پھولوں کی چھڑی ڈالی توڑ — میں نے بھی آپ کی دو لڑی کی لڑی ڈالی توڑ
پینگیں امریّوں میں جس وقت چڑھاتا ہوں میں — مجھ سے کہتی ہر یہ ساون کی جھڑی ڈالی توڑ
غل مچایا ترے دیوانے نے ایسا ہی کہ جھٹ — اپنی زنجیر کی ہر ایک کڑی ڈالی توڑ
کہہ کر آئے تھے کہ ہم پانچ گھڑی بیٹھیں گے — میں نے اِس ضد کے سے کل اُن کی گھڑی ڈالی توڑ

ساتھ پریوں کے یہ ہم جھولے کہ اِنشا ہم نے
ڈالی جو آم کی تھی سب سے بڑی ڈالی توڑ

†

(۱۶۵)

پیرِ مغاں کسی کو نہ تو تشنہ کام چھوڑ — تحقیقِ خاص و عام برائے عوام چھوڑ
سایے سے اپنے کہتے ہیں نشے کی دُھن میں آپ — اے شیدی[1]، اے مرے حبشی، اے غلام چھوڑ
کالی بلا کی شکل بنا کر چمٹ نہ جا — میں نے کہا نہ دور ہو، مجھ کو نہ تھام چھوڑ
پیک صبا نے آ کے یہ فرہاد سے کہا — لے تیشہ اپنے ہاتھ میں، اپنا نہ کام چھوڑ
شبدیز[2] پر سوار ہو باستانِ خسروی — شیریں نے بیستوں کی طرف دی زمام چھوڑ
سُن کر اسیر باد[3]، بس آغا نے ایک جریب — دی پشتِ برہمن پہ بزورِ تمام چھوڑ
کہنے لگا "چرنجی، چرنجی" تو بولے آپ: — "کردی تو بد دعا م چرا، رام رام چھوڑ"

---

* یہ غزل ق، ق ۲، ق ۳ میں نہیں ہے

+ ق، ق ۲ میں ڑ کی ردیف کی صرف ایک غزل ہے: "او دل سمجھ کے اُس کی تو زلفِ رسا کو چھیڑ"۔

[1] شیدی بکسر شین معجمہ۔ سیدی کا بگڑا ہوا لفظ ہے۔ ہندوستان میں حبشی کو کہتے ہیں

[2] شبدیز خسرو پرویز کے گھوڑے کا نام تھا اب عام طور پر کالے گھوڑے کو کہتے ہیں۔

[3] اسیر باد: دعا۔ یہ تینوں شعر زاہد میں مطلب یہ ہو کہ ایک آغا کو ایک برہمن نے دعا دی اور لفظ "اسیر باد" آشیرواد کہا آغا سمجھا اس نے مجھے بد دعا دی کہ "اسیر باد" (تو قید ہو) اور غصے میں اس کو ایک لکڑی رسید کی۔ برہمن نے کہا "چرنجی چرنجی" (یعنی تم جیو) یعنی تم جیو آغا نے سمجھا یہ کہہ رہا ہے "چرنجی" یعنی تم کیا بیمار ہو یا تمھیں یہ کیوں بُرا معلوم ہوا۔

ایں مردمانِ ہند مرا می کنند اسیر آم بابا، باگ جاویں گے بس این مقام چھوڑ"

انشا غزل اک اور ہی عالم کی تو سُنا
اِس قافیے ردیف کو اب لا کلام چھوڑ

(۱۶۶)

اے آہ، اپنی تو کہیں اب آن بان چھوڑ جاویں کدھر ملائکہ ہفت آسمان چھوڑ
صحرائے لق و دق میں سُلگتا ہوں آپ ہی آپ وہ آگ ہوں گیا ہو جسے کاروان چھوڑ[۱]
اترے تھے جو جہاز سے اُن کی نہ لی خبر بے رحم ناخدا نے دیے بادبان چھوڑ
محمل نشیں نے سُن کے حُدی تیری غش کیا کیا تو نے اُشغلا یہ دیا سارباں، چھوڑ[۲]
مجنوں میں کچھ رہا نہیں بس اے تپِ فراق اب اُس کے سوکھے ساکھے تو چند استخوان چھوڑ
دجّال کا معاینہ صدمہ ہو خلق پر دیو جنوں کا ہاتھ سے میں دوں جو کان چھوڑ
ہاں کس طرح وہ "قصّہ صنوبر بہ گل چہ کرد"[۳] اے قصّہ خوان، ادھوری نہ یہ داستان چھوڑ
انشا تو چل کے وادیِ مجنوں کی سیر دیکھ ق ایک آن تو مُصاحبتِ باغبان چھوڑ

بہرِ طوافِ قیسؔ جو آئی تھیں حورِ یاں
سو جا بجا گئی ہیں وہ اب پھول پان چھوڑ[۴]

(۱۶۷)

میں نے کہا نہ "بس مجھے اے نازنیں نہ چھیڑ میں خوش نہیں، نہیں نہیں ہرگز نہیں، نہ چھیڑ
پہنچے اگرچہ سدرۃ تلک، ہو ادب بھی شرط اے مدِّ آہ شہپرِ روح الامیں، نہ چھیڑ

---

[۱] مقابلہ کرو ؎ آتشے افسردہ از کارواں واماندہ ام + ہمرہاں رفتند و خاکستر نشینم کردہ اند۔

[۲] اُشغلا یا اشغلا چھوڑنا۔ تنگ و نہ چھوڑنا۔ کوئی ایسی بات کہنا جس سے فتنہ برپا ہو۔

[۳] قصۂ گل با صنوبر چہ کرد۔ ایک مشہور قصے کی کتاب ہے۔ ✻ ق ۳ : "قبلہ"

[۴] مشہور ہے کہ پریاں جہاں اترا کرتی ہیں وہاں جاتے وقت پھول پان چھوڑ جاتی ہیں۔

اے اثر دہاے آہِ دلِ شعلہ خیز، بس — راس و ذنب[1] کو بانفسِ آتشیں نہ چھیڑ
چیں بر جبیں ہو، اے بُتِ چیں، تو غزو سے — اگر کلاہِ گوشۂ خاقانِ چیں نہ چھیڑ

کہہ مرثیے میں شاہدِ حَی[2] کے غزل ایک اور
انشا کسی کا تذکرۂ بغض و کیں نہ چھیڑ

(۱۶۸)

اے دل، تو ذکرِ لیلیِ محمل نشیں نہ چھیڑ — ہر یہ تو سخت قصۂ اندوہ گیں، نہ چھیڑ
مجنوں کی مرگِ خواب میں دیکھ اُس نے جان دی — اُس کی حکایتِ نفسِ واپسیں نہ چھیڑ
کی یہ وصیت آہ! کہ جیتا جو قیس ہو — تو کہیو اُس سے بس مجھے طاقت نہیں نہ چھیڑ
دن امتحان کے وہ جو تھے، سو تو ہو چکے — دوری سے اپنی اب مجھے، ہو کر قریں، نہ چھیڑ
دامن سے میرے آ کے لپٹ، ہمکنار ہو — اب بات وہ نہیں کہ "مری آستیں نہ چھیڑ"
دنیا کی شرم مانعِ بوس و کنار تھی — کہنا کسی کو کون ہر زیر زمیں، نہ چھیڑ
مکتب نہیں کہ کوئی کرے گا یہ تجھ کو منع: — اُس کی ذقن نہ چھیڑ، تو اُس کی جبیں نہ چھیڑ
تیرے سوائے دخل ہر آدمیں ملک جو پاس؛ — پھٹکے جو گرد تو کہوں "اے حورِ عیں، نہ چھیڑ"

انشا اب آگے کیا کہے، پہلے ہی کہہ چکا:
"ہر یہ تو سخت قصۂ اندوہ گیں، نہ چھیڑ"

(۱۶۹)

اے دل سمجھ کے اُس کی تو زلفِ رسا کو چھیڑ — کم بخت کیا کرے ہے نہ کالی بلا کو چھیڑ
غنچوں کو روند، گل کو مسل، اور صبا کو چھیڑ — لیکن نہ اُس کے عقدۂ بندِ قبا کو چھیڑ

---

[1] راس و ذنب ستاروں میں ایک صورت سانپ کی سی پیدا ہوتی ہے جس کے ایک سمت کو راس اور دوسری کو ذنب کہتے ہیں۔
"راس": سر۔ ذنب: دُم۔

[2] حَی: قبیلہ۔ شاہدِ حَی یعنی لیلیٰ۔
نسخہ ق، ق ۲، ق ۳: "ایسی بلا"

میں فندقیں[1] جو اُن کی بنانے لگا تو وہ — بولے کہ چل پرے ہو، نہ میری حنا کو چھیڑ
کیا گا رہا ہو اپنی اُپج، اے حُدی سرا؟ — جس سے کہ قیس لوٹ ہوا اُس صدا کو چھیڑ †
نالوں سے میرے بختی جو بلبل، تو بولے آپ — واہ، اے اُجڑ گئی[2]! نہ مرے آشنا کو چھیڑ
شوریدگانِ عشق سے باتوں میں مت اُلجھ — اے بے ادب پرے، نہ گروہِ خدا کو چھیڑ
اے ہمنشیں، یہ موسمِ ہولی ہو اِن دنوں ق — منظور ہو جو سیر تو اُس خوش ادا کو چھیڑ
لیکن کچھ اور سوانگ نہ لا، سر پر اپنے ایک — نیلا قصابہ[3] باندھ کے اُن کی دوا کو چھیڑ
چمکا نہ میرے سامنے، اے مہر، آئنہ — کہتا ہوں بات مان، نہ اہلِ صفا کو چھیڑ
ایک بوالہوس نے ان کی جو اُنا سے کچھ کہا ق — رستے میں اپنے توسنِ حرص و ہوا کو چھیڑ
برقع اُلٹ کے منہ سے وہ کہنے لگی: چچے! — بیٹا کسی جوان سے سازِ وفا کو چھیڑ
دیکھے بھی ہو کسی کو، دِوانا تو کچھ نہیں؟ — میّا کو اپنی چھیڑ، تو اپنی بوا کو چھیڑ
اِنشا جو ہونی ہووے سو ہو دل کہے ہو یوں ق — تا چند ضبط؟ آج تو اُس دلربا کو چھیڑ
لے جا کے چپکے چپکے دوشالے کے نیچے ہاتھ
ناخن گڑو کے چٹکی لے، انگشتِ پا کو چھیڑ

ردیف (ز)

(۱۷۰)

خط ترا نورستہ دیکھ اے یار شوخ و شنگ سبز — زہر کھا اپنا زمرد نے کیا ہو رنگ سبز
اپنی آنکھوں کی جھپڑی بھی کم نہیں برسات سے — فیض سے جس کے ہوئے ہیں کیڑوں مکوڑوں رنگ سبز

---

† ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[1] فُندُق ایک سرخ میوہ۔ یہاں انگلی کا پوٹلا یا اگلی پور مراد ہے۔ فندق بنانا = انگلی کے پوروں پر مہندی لگانا۔

[2] اے اُجڑ گئی (عورتوں کی زبان میں) = اے کم بخت، اے خانہ خراب۔

[3] قصابہ وہ رومال جو عورتیں اپنے سر پر باندھتی ہیں۔

اشک کا قطرہ جو ٹپکا ریزۂ الماس تھا — کیا تعجب گر اثر سے اُس کے ہو ہر سنگ سبز
عشق میں ہونے نہیں پاتے کسی عنوان سے — غیرت و عار و حیا و شرم و نام و ننگ سبز[1]
کیوں نہ ہو سرسبز اِنشاؔ مثلِ سروِ سبز آج
سبزۂ نوخیز ساقی سبز تس پر بنگ سبز

ردیف (س)

(۱۷۱)

باغِ امید میں یوں ہے چمنِ یاس کی باس — جوں بہم ہووے گلاب اور انناس کی باس
اے سحر چاکِ گریباں سے ترے آتی ہے — مجھ کو کچھ حضرتِ عیسیٰ کے سے انفاس کی باس
کیوں نہ پھر کوزے سے کوزے میں مجھے بھاوے شراب — ساقیا اِس میں سے آتی ہے چلی پیاس کی باس
چپکے البتہ زاہد نے کہا بوسے کے وقت — آپ کی ڈاڑھی میں کیا رچ رہی ہے ناس کی باس
بحر و بر[2] سے مجھے آتی ہے مدام اے اِنشاؔ
جامۂ خضر کی اور جُبّۂ الیاس کی باس

(۱۷۲)

پھنس گئی عندلیب ہو بیکس — ہائے تنہائی اور کنجِ قفس
قیس لیلیٰ سے مل گیا شاید — نہیں آتی جو آج بانگِ جرس
اُس کے پرتو کے سب یہ جلوے تھے — موسیٰ نور و نار و طور و قبس
آئے وحشت کے پھر بہار کے دن — ہو چکا ہم سے خیر ضبطِ نفس

---

[1] سبز ہونا = یعنی کامیاب ہونا۔

[2] بحر و بر اور خضر و الیاس میں لف و نشر غیر مرتب ہے۔

※ ق ۳: "جھک کے آئینہ نے زاہد سے کہا۔"

۱۰۵

میں جو شب اُن سے راہ میں لپٹا — بیم حاکم رہا، نہ خوفِ عسس
ہاتھ پائی ہوئی کچھ ایسی کہ پھر — اُن کی انگلی کی چڑھ گئی جھٹ بس
لگے کہنے کہ میرے دامن کو — نہیں اب تک کیا کسی نے مس
مفت جل جائے گا پرے بھی سرک — ارے میں آگ اور تو ہے خس
جب کہ دیکھا کہ چھوڑتا ہی نہیں — تب تو ٹھہری کہ دیں گے بوسے دس
گن کے دس لے گیارہواں وہی — مجھے پیٹے، کرے جو اور ہوس

ایک، دو، تین، چار، پانچ، چھ، سات
آٹھ، نو، دس ہوئے بس، اِنشاؔ بس

(۱۷۳)

بس نہ دنیا کی کر اے صاحبِ ادراک ہوس — خاک ہی خاک ہے سب، خاک کی کیا خاک ہوس
لے گئے اینڈنے کی وہ جو تہِ خاک ہوس — اب نکالیں گے وہ بن کر شجرِ تاک ہوس
تھوڑی سی عمر میں کس شے کی ہوس کیجے کہ کچھ — کرنے دیتی ہی نہیں گردشِ افلاک ہوس
جھانک مکھڑے کو دکھا، تا نہ رہے باقی اور — تیرے بسمل کو کچھ، اے قاتلِ سفاک، ہوس
روحِ مجنوں سے کوئی پوچھے کہ کیا رکھتی ہے — دشت پیمائے بیابانِ خطرناک، ہوس
تک ہم آغوش ہو مجھ سے کہ نکالے تو سہی — کچھ تو اپنی بھی، گریبان کا مرے چاک، ہوس
صید ہونے کی، غزالوں کو نہ آوے کیونکر — لہلہی[1] دیکھ کے دھانی تری پوشاک، ہوس
بھر گئے دامنِ نظارہ میں نرگس کے پھول — اور کیا رکھے ہے، اے دیدۂ نمناک، ہوس
میں نکالوں ہوں تصدق ہی گبولے کی طرح — کوچۂ یار میں باہر خس و خاشاک، ہوس
جب تلک شیشۂ صہبا نہ ہو، اے زاہدِ خشک — یہاں بجھاوے ہے کوئی کاسۂ تریاک، ہوس؟

چل مدینے کی زیارت کو تو اِنشاؔ اللہ
کہ نکالیں گے تری وہاں شہ لولاک ہوس

---

[1] لہلہی = لہلہاتی۔

(۱۷۴)

زلف و چشمِ یار ہیں دامِ گرہ گیر و قفس
تھی اسیری اپنی قسمت میں بزنجیر و قفس

ہیں ترے ابرو و مژگاں و نگاہ و چشم، آہ
طائرِ دل کو کمان و ناوک و تیر و قفس

پار ہونا بحرِ اُلفت سے نہیں ممکن، کہ ہے
موج و گردابِ حوادث مثلِ زنجیر و قفس

شامِ غربت آن پہونچی ہمصفیر و ساتھ مل
پھیر[۱] ہم ہیں اور فریادِ ہم و زیر و قفس

کر رہا صیّاد جلدی سے کہ جاے رحم ہے
دیکھ تو ظالم بھلا یہ صیدِ دلگیر و قفس

بال و پر توڑک ہلاؤ پنجہ و منقار سے
ہمصفیرو، توڑ ڈالو دام کو، چیر و قفس

مرغِ روح اپنا نہ کر جاوے کہیں پرواز، ہاں
کر دو اس سینے کو اے صیّاد کے تیر و قفس

بال و پر اُڑ جائیں گو ہو دام میں مجروح سب
چھوڑ یو ہرگز نہ لیکن سُن لو، نخچیر و! قفس

صیدِ دل کی پھر خبر صیّاد نے اِنشاؔ نہ لی
جُرمِ اُلفت کے عوض میں ہے یہ تعزیر و قفس

(۱۷۵)

پھر تو کہہ بھر کے دمِ سرد "مرے ہونٹ نہ چوس"
ہاں وہ کس طرح کہ "بیدرد! مرے ہونٹ نہ چوس"

قہر ہے لعلِ مسی زیب سے تیرا کہنا
"رنگ یاقوت ہے یاں گرد مرے ہونٹ نہ چوس"

"رہ فضیحت نہ ہو، چلوں تو مجھے چھوڑنے دے
دیکھ یہ جاگہ ہے بے پردہ مرے ہونٹ نہ چوس"

"مجھ کو حیران نہ کر، چھوڑ تری دہشت سے
دیکھ رخسار ہوئے زرد، مرے ہونٹ نہ چوس"

صدقے اِس ناز کے اِنشاؔ سے یہ کہنا "چل بے!
"چوٹ لگتی ہے، ہوا درد، مرے ہونٹ نہ چوس"

---

[۱] "پھیر" پرانا لفظ ہے۔ اب "پھر" بولتے ہیں۔

ردیف (ش)

(۱۷۶)

بہت غنیمت کہ خود بدولت نے یاں جو کی ایک دَم نوازش
کمالِ اَلطاف و مہربانی بڑی توجہ کرم نوازش
غلامِ بے دام جی سے فدوی محبِ صادق رجوع حاضر
غضب ہے اِس پر بھی میرے حق میں جو آپ فرماویں کم نوازش
وہی تفقّد وہی تلطّف جو آپ اگلی طرح سے رکھتے
تو بندہ خانے میں میرے کرتے بھلا یہ کیوں درد و غم نوازش
برہمنانِ کنشت بولے مجھے جو کل راہ میں ملے سب
کبھی تو از بہر سیر کیجے بسوے بیت الصنم نوازش
کسی کے خط میں سلام آگے کبھی جو لکھتے تھے وہ بھی چھوٹا
غرض کہ تم ہم کو ایسے بھولے گئی وہ سب یک قلم نوازش
سبھوں سے خلطہ گریز ہم سے یہی تو ہر بات اپنے ڈھب کی
ستم جو مخصوص ایک پر ہو سمجھ کہ ہے وہ ستم نوازش
تصدّق اپنے خدا کے جاؤں کہ پیار آتا ہے مجھ کو، اِنشا
اِدھر سے ایسے گناہِ پیہم اُدھر سے وہ دمبدم نوازش

(۱۷۷)

ہو جائے اگر جہاں فراموش — کب دل سے ہو دلستاں فراموش
جاتے ہو، تو یاد رکھیو مجھ کو — مت کیجیو، مہرباں، فراموش
صد حیف، کیا بچھڑ کے ہم کو — تم نے، اے قدرداں، فراموش

اِس طرح بھی دوستوں کو اپنے — کرتے ہیں دوستاں فراموش
سبحان اللہ ہے یہ اِنصاف — یہاں یاد ہے اور وہاں فراموش
تو بولے: یہ دخل کیا ہے، ہم تو — کر بیٹھے ہیں خود کو یہاں فراموش

ایسا تجھے ہوگیا یکایک
اِنشا اللہ خاں فراموش

(۱۷۸)

بہار ہو کے مجسم بوضع بادلہ پوش — ہوئی جو آ کے خیاباں میں مجھ سے ہم آغوش
گلے لپٹ کے یہ کہنے لگی ببب کیا ہے — برنگِ بلبلِ تصویر کیوں ہو تم خاموش
نسیم وار کہا میں نے بھر کے ٹھنڈی سانس — کہ یاں فراق میں یاروں کے کچھ نہیں ہے ہوش
رفیق و ہمدم و ہمراز سب گئے لشکر — شگفتگی نہ رہی طبع کو، نہ جوش و خروش
کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ دل کو ہو داشد[1] — ہوائے ہجر اُڑا لے گئی سب اپنے ہوش
سنیں بہار نے القصہ جبکہ یہ باتیں — کہا یہ مصلحتہً مجھ سے ہو کے جلوہ فروش
شتاب جا کے ملو تم وزیرِ اعظم[2] سے — ہلالِ چرخ ہے جس کا غلامِ حلقہ بگوش
کنایہ فہم و لطافت پسند و خوش اخلاق — اُمید گاہِ عزیزانِ عصر و عُذر نیوش
نگاہِ لُطف سے جس کے جہاں ہے مالا مال — نہفتہ لعل میں جس کے زُلال چشمۂ نوش
ہجومِ ماہ وشاں اُس کی بزم میں ہر شب — صدائے بین و دف و چنگ و بانگ نوشانوش
یہ سُن کے لائے ہیں تشریف میر اِنشا بھی — مئے مُغانۂ عشرت سے تا کہ ہوں مدہوش

زمامِ توسنِ اقبال ہاتھ ہو تیرے
خوشی رکاب میں اقبالِ غاشیہ بردوش

---

[1] داشد = شگفتگی

[2] یعنی نواب سعادت علی خاں۔ غالباً یہ غزل نوکر ہونے سے پہلے کی ہے۔

(۱۷۹)

کیوں ساقیا نہ لال ہو اپنا یہ رنگِ فرش — شیشے شرابِ سُرخ کے ہیں جامے سنگِ فرش
جوں آئنہ ہو اُس کی جہاں چاندنی بچھی — واں عرشیوں کے پانوں کا سایہ ہو رنگِ فرش
تم نے پلنگ دور بچھایا تو کیا ہوا — تم جانتے ہو مجھ کو کہ میں ہوں پلنگِ فرش[1]
شیخِ دراز قد نے جو مجلس میں ڈگ دھرے[2] — پھٹتی کہی سبھوں نے کہ آیا کلنگِ فرش
ٹک فربہی کو شیخ کی دیکھو کہ ہر زیاد — دریا کے بھی نہنگ سے کچھ یہ نہنگِ فرش
جو مجھ میں اور اُن میں دھما چوکڑی مچی — فرّاش بولے زور ہوئی یہ تو جنگِ فرش

دھبا پڑا جو پانو سے انشا کے بولے آپ:
کیا سخت بے لحاظ ہے، ہے ہے یہ ننگِ فرش

ردیف (ص)

(۱۸۰)

کیوں نہ دل دوں اُسے، دنیا میں نہیں ایسا شخص — یارو دیکھا بھی ہے دنیا میں کہیں ایسا شخص
موجِ دریائے نزاکت میں نہ ڈوبوں کیونکر — جس گھڑی غصّے میں ہو چین بجبیں ایسا شخص
مقتبس نور سے ہے جس کے حرم کا جلوہ — چڑھ گیا اپنی نظر آج یہیں ایسا شخص
جس کی صورت کی طرف دیکھ بھچک[3] سب رہ جائیں — چاہیے بزم میں ہو صدر نشیں ایسا شخص
کوئی ممکن ہے بھلا جان بچے، دیکھو تو — دوستو، جس سے کہ ہو برسرِ کیں ایسا شخص
کیوں خرابات نہ ہو خانۂ اسلام بھلا — ہو جو بُت خانے میں غارت گرِ دیں ایسا شخص

---

[1] پلنگ فرش یعنی شیرازہ وغیرہ کی تصویر جو قالین یا فرش پر بناتے ہیں۔

[2] ڈگ دھرنا = لمبے قدم رکھنا۔ کلنگ = ایک دراز قد مرغ۔

[3] بھچک = بھونچکا، حیران۔

سب مکانات سے پھر کیوں نہ شرف ہو دل کو
دیکھ تو جس میں ہو، اللہ! کہیں ایسا شخص

ساکنِ کوے صنم خانہ ہوں کب رکھتے ہیں
ہوسِ گلشنِ فردوسِ بریں ایسا شخص

متصل سوجھتے جاتے ہیں ہزاروں مضموں
آج بیٹھا ہے مرے ہو کے قریں ایسا شخص

یارب! اِنشاؔ کو سدا عیش و طرب میں خوش رکھ
حیف ہے جورِ فلک سے ہو حزیں ایسا شخص

ردیف (ض)

(۱۸۱)

لے ہی چکا نہ دل کو تو اے بے وفا، غرض
آوے جو میرے پاس، تجھے اب سو کیا غرض

اپنی گلی میں دیکھ کے کہنے لگا مجھے
ق کیا میرے پاس آنے سے تجھ کو بھلا غرض

کیوں، فائدہ بھی، کس لیے کا ہے کو واسطہ؟ بہ
موجب، سبب، حصول بھی کچھ، مدعا، غرض؟

مطلق نہ آشنائیِ دنیا پہ کر گھمنڈ
ظاہر پرست ہوتے ہیں سب آشنا غرض

اِنشاؔ خیالِ محض ہے اِس پر نہ بھولیو
ہرگز کسی کے ساتھ نہ ڈالے خدا غرض

(۱۸۲)

رہے نسائم[1] فیضانِ مبدءِ فیّاض
نمود جس سے ہوئے سب جواہر و اعراض

مدام ناصیہ سا ہیں حضور میں جس کے
سوادِ چشمِ شبِ و گردنِ سحر کی بیاض[2]

بدیعِ فطرت و خیّاطِ جامۂ تنویر
وہ جس کے ہاتھ گریبانِ صبح کی مقراض

---

[1] نسائم: صبح نسیم کی، خوشگوار ہوائیں۔ نہ ۔ لگے

[2] بیاض: سفیدی۔ سواد: سیاہی۔

بہ ق ۳: "کاہے کے واسطے"۔

حکیم و حاکمِ محکامِ دہر جس سے ہیں
ہمیشہ خلقِ جہاں کو ہزار ہا اَغراض

ریاضی اور طبیعی سے ماحصل یہ ہے
اِلٰہیات سے تافہم کو نہ ہو اِعراض[1]

مجرّدات[2] کو مخلوقِ بے مواد کیا
سیاستِ بدنی سیکھ جاویں تا مُتراض

شفا اُسی نے تصدّق سے اپنے دی مجھ کو
ہزار شکر کہ سب دفع ہو گئے اَمراض

وگرنہ دیکھ کے اِنشاؔ یہ نبض ہوتا تھا
غریقِ بحرِ تحیّر مسیح سا نباض

ردیف (ط)

†

(۱۸۳)

میں بہانے جو لگالے کے مے ناب کی بط
چیخ کر دوڑ پڑی باغ کے تالاب کی بط

سُن کے بے پانوں کی آہٹ بھی کراُٹھے ہے شور
ہے غضب دشمنِ جاں عاشقِ بے خواب کی بط

وارے پار تو آجاوے کسی رات اے کاش
بن کھڑی ہو جو صدائے دلِ سُرخاب کی بط

شغل کے واسطے طاؤس بناؤ تو سہی
پر نہیں بننے کی پاجامۂ کمخاب کی بط

جوش پر دیکھ کے کل چشمۂ مہتاب اِنشاؔ
بن گئی غیب سے اِک طائرِ سیماب کی بط

(۱۸۴)

کیا دخل تیرے غم میں رہے تن میں جاں غلط
حاشا غلط، غلط غلط، اے مہرباں، غلط

دو چار دن جو تم سے نہ بولے تو کیا ہوا
پر چاہیے ہمیشہ سبھے، یہ کہاں، غلط

---

[1] اِعراض = روگردانی۔

[2] مجرّدات = عقول عشرہ۔ مواد جمع مادّہ۔ مُتراض۔ ریاضت کرنے والے۔

† ق، ق۲، ق۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

میں اور ترکِ عشق بھلا کچھ بھی ربط ہے — اے مہرباں، غلط غلط، اے قدرداں، غلط
تصمیمِ عزمِ کعبہ نہ ہو تو بھی، زاہدا! — گو ہم نے کی بھی ہو رہِ کوے بتاں، غلط
اے میرِ حاجؔ، چپ ہو، خدا کا بھی نام لے — مجھ سے ہو ترکِ صحبتِ پیرِ مغاں، غلط
آوارہ دشتِ شوق میں مانندِ گرد باد — بھٹکا پھروں ہوں کرکے رہِ کارواں، غلط

اِنشاؔ سے اب خیال ہے افشائے راز کا
ہے وہ جو کچھ کہ آپ کے خاطر نشاں، غلط

(۱۸۵)

کس طرح سے مجھ سے تم سے ہووے باہم اختلاط — میں تو بے جرأت یہاں تک تم سو یہ کم اختلاط
آپ کی خدمت میں جز عرضِ نیاز و بندگی — ہے مجال اپنی بھلا کچھ کر سکیں ہم اختلاط
منہ سنبھالو گالیاں مت دو بس اب چپکے رہو — اپنی چڑ ہے اس طرح کا، یار، ہر دم اختلاط
نیند سے غنچوں کو چونکاتی ہے چھینٹے منہ پہ دے — کر رہی ہے گلستاں میں زورِ شبنم اختلاط

جو خصوصیت کہ اِنشاؔ کو ہے اوروں کو کہاں
گرچہ رکھتا آپ سے ہے ایک عالم اختلاط .

(۱۸۶)

مجھ سے فسردہ طبع کو کیا سیر باغ شرط — یارو، معاف رکھیو اسے ہے دماغ شرط
گو خاک اُڑاتے پھرتے ہیں مانندِ گرد باد* — لینا ہے اپنے یار کا ہم کو سُراغ شرط
لو ہم میں تم میں یاد فراموش بھی سہی — پھر تازہ آج توڑ کے باندھیں چناغ شرط[۲]

---

[۱] میرِ حاج : حاجیوں کے قافلے کا سردار۔
[۲] یاد فراموش ۔ ایک کھیل ہے جس میں یہ دونوں لفظ یعنی یاد اور فراموش استعمال کئے جاتے ہیں نرکی میں اس کو چناغ جناق کہتے ہیں یعنی شرط باندھنا۔
* ق ب: پھرے ہے یہ"۔ ق ۳: "پھرتے یہ"۔
مطلب : ہم ظاہر میں تو بگولے کے مانند ہیں جس کا خاک اُڑانا ایک لاطائل حرکت ہے مگر ہم جو ایسا کر رہے ہیں اُس کا مقصد بہت اہم ہے یعنی یار کا سراغ لینا۔

گو سینہ داغ داغ ہو خوں ہو جگر، وے جوں لالہ مجھ کو ہاتھ میں لینا ایاغ شرط

اِنشاؔ، دماغِ شعر و سخن اب کہاں رہا
ہے سچ تو یوں کہ چاہیے اِس کو دماغ شرط

ردیف (ظ)

(۱۸۷)

کس کو سُنا کر کہا آپ نے: "او بے لحاظ" مجھ سے نہ اتنے ابھی† ہوتے رہو بے لحاظ
گر یہ کناں دیکھ کر مجھ کو کہا شوخ نے تاڑتے ہیں لوگ سب چپ ہو نہ رو، بے لحاظ
ہونٹھ ہی کل ڈالیے ہے یہ ٹھنی دل میں، خیر اُس کو مجھے ایکے تم کہنے تو دو "بے لحاظ"
پانوں لگا دبنے میں تو وہ غصّے ہو رات کہنے لگا چونک کر چھوڑ یہ خو، بے لحاظ
آج تو جو دل میں ہو یار سے کہہ بیٹھیے ایک گھڑی کے لیے ہو جیے گو بے لحاظ
سیکھ ادب، لاکھ بار ہم نے کہا بات مان ق پھر وہی کرنے لگا، کرتے ہیں جو بے لحاظ

چھوڑے اب اِنشاؔ کوئی آپ کو یہ دخل کیا
اور بھی دو گالیاں، اور کہو "بے لحاظ"

ردیف (ع)

(۱۸۸)

تجھ سے ہے ساقی ایک جامِ طمع اور رکھتا نہیں غلام طمع
مجھ سے پیرِ مغاں نے فرمایا اپنے مشرب میں ہے حرام طمع
تو نے وہ ماجرا سُنا کہ نہیں ق کر کے آئے تھے خاص و عام طمع

---

* ق: "فراغ"۔ † ق ۱، ق ۳: "اتنی رہی"۔

سرِ مینا سے ریش قاضی[1] کھینچ — جو حریفوں نے کی مدام طمع
اُس میں کچھ مے نہ تھی صدا آئی — گوزِ مفلس بریشِ خام طمع"
جتنے ہیں اپنے آشنا و رفیق — اُن سے یاں ہے فقط سلام طمع
دخل کیا ہے اگر کبھی کیجے — دولت و جاہ و احتشام طمع
ہاں مگر اِس قدر کہ ہے مجھ کو — عزو تعظیم و احترام طمع
نہ دکھاوے وہ دن خدائے کریم — کہ رکھوں اُن سے ایک دام طمع
چڑھ ہے القصہ اپنی، اے انشا
ہے زمانے میں جس کا نام طمع

(۱۸۹)

بوقتِ صبح ہو یوں نشۂ شراب طلوع — کہ جیسے شرق سے کرتا ہے آفتاب طلوع
یکایک ابر سے شیشے کے ہو گیا ساقی — دفورِ نور سے خورشید جام ناب طلوع
جو دیکھے اشعۂ لمعات کی جھلک اُس کے — شعاعِ شمس کی ٹک لا سکے نہ تاب طلوع
اُفق سے مشرقِ طفلی کی ناگہاں وہاں تو — بسانِ نیر اعظم ہوا شباب طلوع
شبِ فراق کی ظلمت سے ہے یہ تنگ انشا
خدا کے واسطے، اے مہر، کر شتاب طلوع

(۱۹۰)

سمجھے ہیں قدسیاں جسے شاہِ جہاں مُطاع — سو حال سے فقیر کے رکھتا ہے اِطّلاع
حاشا کہ اِس کو مست سمجھ آوردیہ جو ہے — جوش و خروش و ولولہ و حالت و سماع
یہ سادگی، یہ وضع، بھلا تو ہے کون شخص؟ — جس بات میں کہ دیکھیے، ہے تازہ اِختراع

---

[1] ریش قاضی یہ شراب کی صافی یعنی چھنے کو کہتے ہیں۔ گوزِ مفلس بریشِ خام طمع کو ایک فارسی محاورہ ہے اپنی بیکار کی حرص کرنے والے کو ہمیشہ خفت ہوتی ہے۔ ن۔ حریفاں

ہرگز جہاں پہنچ نہ سکے طائرِ خیال
ہو کاخِ[1] فضل کا ترے یہ عظم وارِ تفاع

رہتا کسی طرح سے نہیں دل کو کیا کروں
تو بیخ و زجر تا بکجا، کب تک اِمتناع

آزردہ تم جو مجھ سے ہوئے کس لیے بھلا!
تقصیر و جرم، واسطہ، کچھ موجبِ نزاع؟

ہو کون جز ائمہ اثنا عشر بخلق
اِنشاؔ امورِ دیں میں کرے جس کی اِتباع

ردیف (غ)

(۱۹۱)

اے آتشِ فراق ترا بل بے سوزِ داغ
جھلکے ہو دل میں دور سے جوں دیر کا چراغ

آنکھوں میں تا کہ نشۂ وحدت کا ہو طلوع
ساقی مے مُغانہ سے بھر دے مرا ایاغ

بیٹھا ہو آج مجلسِ رنداں میں شیخ یوں
طوطی کے ساتھ جیسے کوئی ہم قفس ہو زاغ

پیدا لگاوٹ، آہ، کسی ساتھ کیجیے
لیکن دل و دماغ کہاں، کس کو یہ فراغ؟

پہنچوں میں کس کی کُنہ حقیقت کو؟ آج تک
اِنشاؔ مجھے ملا نہیں اپنا ہی کچھ سُراغ

(۱۹۲)

روشن ہو ملکِ دل میں ہمارے چراغِ داغ
ہفتم فلک سے کیوں نہ پرے ہو دماغِ داغ

ہر دانۂ سرشک تو ہو بار و برگِ[2] یاس
بارے شجر سے آہ کے ٹھہرا ہو باغِ داغ

فصلِ خزاں میں اُڑ جو گئی بلبلِ نشاط
گلشن میں دل کے بیٹھے ہیں آ کر کلاغِ داغ

ہم ہی تمام عشق کی آتش سے پھُنک گئے
اے بے خبر، تو ڈھونڈھے ہو اب تک سُراغِ داغ

---

[1] کاخ = محل۔

[2] بار و برگ = پھل اور پتے یعنی ساز و سامان۔

اپنے لیے تو ہجر میں تھا[+] تیرے واسطے اب وصل بھی ہوا ہے تو باقی ہے داغِ داغ

اِنشا نہ پوچھ ہجر میں ساقی کے حال کچھ
پیتا ہوں خون دل ہی میں بھر بھر ایاغِ داغ

(۱۹۳)

بخشا یہ حق نے اُس لبِ گلفام کو فروغ سایے سے جن کے عکس کے ہے جام کو فروغ

بل بے جھکڑے چاند سے کھڑے کے واچھڑے کچھ اور ہی ہے جس سے لبِ بام کو فروغ

مثلِ گہر چمکتے ہیں پانوؤں کے آبلے کیوں کر نہ ہووے اپنے ہر اک گام کو فروغ

اے میرِ حاج، دیکھیو کعبے کی راہ میں ہے کیا ہی آہ رندِ مے آشام کو فروغ

تو رانی ایک نعرۂ لبیک کھینچ کر بخشا ہے ہم نے جامۂ اِحرام کو فروغ

میں ہوں وہ صیدِ تازہ گرفتار، ہم قفس! جس کے شرارِ اشک سے ہے دام کو فروغ

یارب سریر بخش سلیماں شکوہ کو ق مثلِ نگیں ہو اپنے بھی کچھ نام کو فروغ

تا آفتابِ مہرِ علیؑ کی شعاع سے اُس کے سبب ہو خانۂ اِسلام کو فروغ

دے اُس کے چتر و تاج کو ایسی ہی روشنی گر روم میں ہو وہ تو دے ہے شام کو فروغ

اِنشا، ترا جو داغِ جگر خونچکاں ہو ٹک
باقی رہے نہ کچھ شفقِ شام کو فروغ

ردیف (ف)

(۱۹۴)

ہم جو دل ہوں تو پڑے اپنی نگاہ صاف صاف ذرّہ الٹ پلٹ میں ہے یاں تو گناہ صاف صاف

[+] ق، ق ۳: "اتنے لیے" کا جوڑ درست نہیں معلوم ہوتا۔
ق ۲: "اپنے لیے تو ہجر میں تھا" (یعنی ہمارے لیے تو ہجر میں داغ تھا مگر تیرے واسطے وصل ہو جانے پر داغ کا داغ باقی ہے۔
نوٹ: ق، ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔
لہ [ذرّہ "یہاں ذرا" کے معنوں میں ہے۔ پرانی زبان ہے۔]

ہوتی تھی آگے چھیڑ چھاڑ غیر پہ دھر کے سو کبھی[ق] — اب تو لگے سنانے آپ واہ جی واہ صاف صاف
کیا نہیں باقی اب رہی بوند لہو کی ایک بھی — نکلے ہے دھوئی دھائی سی آرجو آہ صاف صاف
دُور کی دیکھ بھال سے ہو جو نباہ، سو نجیر — تو نظر آئے ہیں بھی صورتِ ماہ صاف صاف
قصہ کیا تھا تم نے جھوٹ موٹ چھیڑ یہ بات ہی[†] — اُس کو کوئیں میں دو ڈھکیل جس کی ہو چاہ صاف صاف
نادرِ ملکِ حُسن ہیں آپ بہ سنِ چار دہ[ق] — چہرہ میں ہے یہ کچھ دمک جیسے ہو ماہ صاف صاف
کھینچ کے تیغ قتلِ عام کیجے جو ہو سامنے — قتل ہے قتل قتل قتل خواہ نخواہ صاف صاف

ایک ہی ڈھب سے انشا آہ آہ نہ کر تو ہر گھڑی
شام کر آہ اٹک اٹک صبح کر آہ صاف صاف

*

(۱۹۵)

لکھ مرے قتل کے محضر پہ تو شنجرف کے حرف — تا وہ سب یاد رہیں لوہو بھرے حرف کے حرف
"یا علی" سوزنِ مژگاں سے بھرا دل پہ تو — بن گئے رشتۂ تارِ نگہِ ژرف کے حرف
"نوشِ جاں" ہو جو نرے، جامِ بلوریں پہ کھُدا — اُس کے گویا کہ تراشیدہ ہیں سب حرف کے حرف
پنجتنِ پاک کے جو نام ہیں سب گرد اگرد — زیب دہ تیری کُلہ کے ہیں وہ ہر طرف کے حرف
قتل یُقتَلُ قتلاً ہی پڑھے ہے قاتل — کبھی دو چار جو سنتا ہو وہ کم ظرف کے حرف

تیس حرفوں ہی میں سب کچھ ہے یہ انشا سچ ہے
بس یہی نحو کے ہیں حرف، یہی صرف کے حرف

(۱۹۶)

عالم میں دوستی کے اور اِس قدر تکلّف — اُٹھ جائے چاہیے سب باہم گر تکلّف

ق ق ۳: "ہوتی تھی آگے چھیڑ چھاڑ غیر کے در پہ سو کبھی" مگر مطبوعہ نسخوں میں "غیر پہ دھر کے" جو بہتر ہے۔
† ق ۳: قصہ کیا تھا۔ اپنی جھوٹ موٹ چھیڑ یہ بات ہے۔ "آپ" سے وزن سے خارج ہوتا ہے۔ غالباً "تم نے" کی جگہ غلطی سے لکھا گیا ہے۔
‡ یہ غزل ق ۳ میں نہیں ہے۔
ق ۱ اِس قطعے میں نادر شاہ کے قتل عام کی تلمیح ہے۔

تعظیم لینی اِتنی[۱] ہر وقت فائدہ کیا ہے ق اب تک ہو ہم سے تم کو مدِ نظر تکلّف
پھر چند روز کو ہم ہو جائیں گے اجنبی یوہیں رہا کرے گا ہم سے اگر تکلّف
اوضاع سب تمھارے دلچسپ خوب تر ہیں یہ التماس سُنیے مشفق، مگر تکلّف
دو چار دن ہوا تو ہووے ولیکن اِنشا
آپس میں کب* نبھے گا یوں عمر بھر تکلّف

(۱۹۷)

میرزا صاحب الطاف نشاں سلمہ بعد اظہار تمنّا یہ تمھیں ہو مکشوف
اتنی مدّت میں کبھی خط بھی[۱] نہ لکھ کر بھیجا سچ کہ[۲] منہ دیکھے کی الفت ہے مثل ہو معروف
سخت یاد آتے ہو واللہ خدا شاہد[۳] ہے تم سے ہو اپنی طبیعت تو[۴] نہایت مالوف
اشتیاق آہ بہت تھا غرض اس باعث سے گلہ آمیز جو خدمت میں لکھے چند حروف
تشنہ ہر حرف میں چھوڑا ہے سمجھ لینا تم[۵] زیرِ ہر سطر عبارات میں لاکھوں محذوف
سر بہ مہر اُس کے لگے ہاتھ میں اِنشا اللہ
واسطے جس کے یہ اِنشائے کیا خط ملفوف

ردیف (ق)

(۱۹۸)

پہنچے فغاں کا جوش جو اپنی بہ گوشِ برق جل جاوے دو میں خرمنِ جوش و خروشِ برق

---

[۱] ق ۲ "نہ اپنی اتنی"، ق ۳ "نہ اپنی ایسی"۔ * ق ۳ "کیوں" (یہ کیوں کر ہے)۔

مطبوعہ نسخوں میں یہ نہیں ہے

[۱] ق ۲ "خط بھی" نہیں ہے۔ [۲] ق ۳ "کی" [۳] ق ۳ "حافظ" [۴] ق ۲، ق ۳ "یہ"
[۵] ق ۲ "سمجھ" [۶] ق "ہیں"۔

گر ابر مثلِ پنبہ نہ ہووے بگوشِ برق — کھودیوے اپنی آہِ شرر بار ہوشِ برق
کم مایہ ہے طپش سے یہ روشن ہو خلق پر — ابرِ بہار ہو نہ اگر عیب پوشِ برق
رکھ اے ہوائے عیش و طرب میرے دوش پر — ہے دوشِ ابر بار اگر بارِ دوشِ برق

اِنشا تری فغانِ دلِ زار ہے ہر آن
خجلت کنندۂ طپش و سوز و جوشِ برق

(۱۹۹)

ٹک قیس کو چھیڑ چھاڑ کر عشق — لپٹا مجھے پنجے جھاڑ کر عشق[1]
خم ٹھونک، مرے ہوا مقابل — فرہاد کو دوں پچھاڑ کر عشق
آیا کج و واکج[2] اس طرف کو — وامق کا گھر اُجاڑ کر عشق
لے فوجِ سرشک و پرچمِ آہ — چھپنا یوں بھیڑ بھاڑ کر عشق
القصہ سبھوں کے ہو مقابل — پہنچا اب مجھ کو تاڑ کر عشق
تا دامنِ کوہ کھینچ لایا — جنگل میں اُنھوں کو گاڑ کر عشق
ہم "عشق اللہ" بولے[3] تو بھی — چنگھاڑ کے آئے پھاڑ کر عشق

ہر ہر، اِنشا ہمارے دل کو
بے طرح گیا لتاڑ کر عشق

(۲۰۰)

ناداں کہاں طرب کا سرانجام اور عشق — کچھ بھی تجھے شعور ہے آرام اور عشق؟

---

[1] ق، ق ۲، ق ۳: "ترا"
[2] پنجے جھاڑ کے پٹا یعنی اس طرح پٹا کہ کبھی پھر نہ چھوٹنے پائے۔
[2] کج و واکج: ٹیڑھا سیدھا گرتا پڑتا۔
[3] ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔
[3] ق، ق ۳: "ہم" — ق ۲: "تم"۔
[3] یعنی ہم نے سلام کیا۔ آزاد لکھتے ہیں کہ "عشق اللہ کہتے تھے اور مخاطب ہمیں کے جواب میں یا مدد اللہ کہتا تھا"۔

لینے نہ دیویں گے مجھے ٹک چین جیتے جی
دشمن یہ دونوں: گردشِ ایام اور عشق

یاں عشق ہیں شوقِ طوف میں، یاراں کعبہ کو
اے نامہ بر، تو کہیو یہ پیغام اور "عشق"[1]

کیا نام لے کے اُس کا پکارا کروں کہ یاں
رکھتا ہے ہر زبان میں اِک نام اور عشق

پوچھا کسی نے قیس سے: تو ہے محمدی؟
بولا وہ بھر کے آہ کہ اسلام اور عشق؟

اسبابِ کائنات سے بس ہو کے بینوا
انشاؔ نے انتخاب کیا جام اور عشق

(۲۰۱)

عشق سچ ہو تو نہ معشوق ہو کیونکر عاشق
جس پہ ہم غش ہیں، اجی، وہ بھی ہے ہم پر عاشق

مجھے دوکھا[2] جو کسی نے تو وہ بولے: اے واہ!
ایک میرا ہے وہ لاکھوں کے برابر عاشق

تیری تصویر کے بدلے تجھے دیتا ہے تمام
شیخ سعدی کی گلستانِ مصوّر، عاشق

حیف دروازے کی کُنڈی نہ کُھلی اور ترا
مرگیا[†] رات کو چوکھٹ سے پٹک سر عاشق

دیکھ تو عشق کے دھڑکے کو شبِ وصل میں، آہ!
گرچہ ہر پاس ترے تو بھی ہے شدر عاشق

آنسو بھر لائے جو ہم دیکھ انھیں، تو یہ کہا
آپ اِس شکل پہ ہیں میرے مقرّر عاشق

دیکھ کل اُن کی طرف شیخ رہا، تو بولے
خوبیِ قسمت کی: ہوا مجھ پہ مجھندر عاشق

سنگ و خاکِ درِ معشوقِ حقیقی کے سوا
خوگرِ فرش نہیں بالش و بستر عاشق

بادشاہت ہے اگر عہدۂ دربانی میں
ہووے معشوق کے دروازے پہ نوکر عاشق

ادب آموز ہو مانندِ ارسطاطالیس
ق تا جبلت پہ تری ہووے سکندر عاشق

سیکھ تقریر تو وہ شستہ و رُفتہ، جس سے
قلزمِ علم کے ہوں تجھ پہ شناور عاشق

فارسی پر ترے آوے شہِ ایران کو غش
عُربی بولے، تو ہو روم میں قیصر* عاشق

---

[1] یہاں "عشق" سے وہی "عشق اللہ" مراد ہے۔
[2] دوکھنا: ٹوکنا، بُرا بھلا کہنا۔
† ق ۳: "مرے ترا" ‡ ق ۳: "رہ گیا" * ق ۳: "در کا قیصر"

نہ کہ صحبت ہو رزالوں سے جو یوں تجھ کو کہیں — دمّوں کی خیر رہے، دولھا بہادر عاشق[1]
شرط تھا عشق کو گر حسن، تو پھر کیوں ہوتی — چھوڑ کر گل کو یہ قمری بہ صنوبر عاشق
دیکھنا تجھ کو نہیں، ہائے، تو کن انکھیوں سے — تک رہے ہو طرفِ غرفۂ منظر عاشق†

کہہ بہ تبدیلِ قوافی غزل اور ایسی ہی گرم‡
جس کے مطلع پہ ہوا انشا! شہ خاور، عاشق

(۲۰۲)

کھولے اس چاند سے مکھڑے کا جو گھونگھٹ عاشق — کیوں نہ پھر لیوے بلائیں تری چٹ چٹ عاشق
نہیں معلوم، اجی، تم نے یہ کیا پڑھ پھونکا — کہ تمھیں دیکھتے ہی ہو گئے ہم چٹ عاشق
میکشی تم کرو غیروں سے بہم، تو اپنے — گھونٹ لو ہو کے پیے کیوں نہ غٹا غٹ عاشق
بھاگتے پھرنے میں کچھ زور اٹھاتا ہو مزا — کھا کے چھڑیاں ترے ہاتھوں کی سٹاسٹ عاشق
گھر سے باہر نکل آ خون سے اپنے سر کے — سُرخ کرتا ہو وگرنہ تری چوکھٹ، عاشق
چھپ کے کیا موندے ہو آنکھیں پرے بس، تو ہو کھول — تاڑ جاتا ہو ترے پانو کی آہٹ عاشق[2]
آئیں شب، سیر کو جو باغِ ارم کی پریاں — سو ہوئیں دیکھ کے تیرا یہ چھپر کھٹ عاشق
اے نسیم سحری اس سے یہ کہیو کہ ترا — رات سے اب تو بدلتا نہیں کروٹ عاشق

ایک غزل اور نئے قافیوں میں کہہ، انشا
جس کے سنتے ہی معشوق بھی جھٹ پٹ عاشق

---

[1] یہ مصرع شہدوں کی زبان میں ہو۔

[2] معشوق نے چپکے سے پیچھے سے آ کے اُن کی آنکھیں بند کر دی ہیں۔ اس سے کہتے ہیں کہ ہم تو تیرے پانو کی آہٹ سے پہچان گئے کہ تو ہو، اب میری آنکھیں کھول دے۔

† ق، ق ۲، ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہو

‡ ق ۲: "جھٹ"

‡ ق ۳: "اور ایسی گرم"

* ق ۲: "چٹ پٹ لا"

(۲۰۳)

بن ترے، دیکھے ہر سب دہر کو اوجڑ عاشق
کیوں نہ سر اپنا بھلا پیٹے دھڑا دھڑ عاشق

گر بُرے حال جیا تیری شبِ فرقت میں
تو اُسی شرم میں بس صبح گیا گڑ عاشق

اجی پھر کو سو اُسی طرح کہ غش ہوتا ہے
آپ کی انگلیوں کی سُن کے یہ کڑکڑ* عاشق

راجہ نل اور دمن کیوں نہ ہوں صدقے دونوں
کھیلے جس بزم میں معشوق سے چوپڑ عاشق

بزم میں شیخ سے† کہتا ہے مؤدّب ہو وہ شوخ
حق کرے مجھ پہ ہو اک آپ سا دہیڑ‡ عاشق

کچھ خلقت کو خیال اپنے میں لاتا کب ہے
ہے یہ ڈنڈ پیل جواں تجھ سی کا دھگڑ عاشق

اور کیا چاہیے ہے بس بہر خدا آ گھر چل
تھک گیا اب تو ترے پانو بھی پڑ پڑ عاشق

آفریں سیدِ انشا تجھے، آ چپکے سے
جڑی ہے تو نے سرِ شیخ پہ چھکڑ، عاشق

ردیف (ک)

(۲۰۴)

گر ہوں افلاک[۱] و عقول[۲] اور نظر بیسوں ایک
مدرکات[۳] اور ہے مقولات[۴] عشر[۵] بیسوں ایک

رعد و مہ، برق و شفق، ژالہ و سرزیدوزر[۶]
چار سمت اور فلق شام و سحر بیسوں ایک

---

*: ق ۳: "سن کے کڑاکڑ"۔

† ق، ق ۲ "زاہد بزم سے"۔ ق ۳: "زاہد بزم سے کہتا ہے ادب ہو ہٹ جا"۔

‡ ق: "ہو ایک ایسا ہی دہیڑ"۔ ق ۲: "ہو اک ایسا دھنتر"۔ ق ۳: "ہو انشا کوئی اکھڑ"۔ دہیڑ۔ ایک چڑیا ہوتی ہے، سیاہ رنگ۔ بدقطع۔ لکھنؤ کے بازاری مذاق میں کسی بدقطع اور بدتوارہ آدمی کے متعلق یہ لفظ بطور پھبتی کے استعمال کرتے ہیں۔

۱؎ یعنی: افلاک: سات آسمان اور عرش ملکر سی + عقول سے عقول عشرہ مراد ہیں یعنی عقل اوّل سے عقل عاشر تک۔ ۳؎ مدرکات: حواس

۶؎ سرزیدوزر (زرکی): آٹھ ستارے جن کا اک جا ہونا منحوس خیال کیا جاتا ہے۔

اُسطقسات و موالید و جواہر خمسہ[1] ہفت اقلیم جہاں، معدنِ زر بیسوں ایک
سبعہ سیارہ ارکین و جہات و ابعاد[2] ہووں گول کے یہ جوں شیر و شکر بیسوں ایک
چودہوں علم و سب اعلال و ذکا و دانش[3] فی المثل ہووں بہم یہ بھی اگر بیسوں ایک
تو بھی حیدر کی ثنا کر نہ سکیں کچھ، گو ہوں بارہوں برج یہ اور آٹھ پہر، بیسوں ایک
جس کے بن اذن یہ نو امزجہ پانچ حواس[4] کب ہوں باستہ لزوم بشر بیسوں ایک
حامل وحی و خضر، چار کتب، بارہوں راس[5] مدح میں اُس کی ہیں باشمس و قمر بیسوں ایک
وہ شفیع آپ خود اور گیارہ امام آٹھ بہشت جس پہ اشفاق کرے ہوں یہ اُدھر بیسوں ایک
سات دن اور شبِ جمعہ مہینے بارہ رکھتے ہیں اُس کی اطاعت کا ہنر بیسوں ایک

پنجتن چودہوں معصوم وحق، انشاء اللہ
رکھیں الطاف کی سب تجھ پہ نظر بیسوں ایک

(۲۰۵)

ہر یادِ خرام اُس کے میں مجھ کو ہوس کبک لٹکا دو مرے تکیہ میں سائیں قفسِ کبک[6]
کھاتا ہر وہ انگارے تری یاد میں اے ماہ کس طرح نہ پھر شعلہ فشاں ہو نفسِ کبک

---

[1] اسطقسات سے ارکان اربعہ یا عناصر اربعہ مراد ہیں (اسطقس یونانی لفظ ہے) موالید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات، حیوانات + جواہر خمسہ سے عقل نفس ناطقہ۔ نفس حیوانی۔ نفس نباتی اور نفس معدنی مراد ہیں۔

[2] ارکین = عناصر اربعہ + جہات اربعہ یعنی شش جہات (مشرق۔ مغرب۔ شمال۔ جنوب تحت۔ فوق) + ابعاد یعنی ابعاد ثلاثہ طول عرض عمق (اُقلیدس کی تحقیقات کے مطابق ایک چوتھا بعد بھی معلوم ہوا ہے جس کو اضافت کہتے ہیں)

[3] چودہ علوم یعنی علم حضوری وغیرہ + اعلال یعنی علتیں جو چار ہیں یعنی علت تامہ۔ علت ناقصہ۔ علت فاعلی۔ علت غائی۔

[4] امزجہ۔ مزاج کی جمع، طب میں نو مانے جاتے ہیں معتدل اور غیر معتدل یعنی حار۔ بارد وغیرہ + پانچ حواس یعنی حواس خمسہ ظاہری

[5] لزوم بشر جن کو ستہ ضروریہ بھی کہتے ہیں یعنی ہوا۔ اکول و مشروب۔ حرکت و سکون۔ نوم و یقظہ۔ احتباس و استفراغ۔ اغراض نفسانیہ۔

[6] حامل وحی۔ جبرائیل۔ چار کتب۔ زبور۔ توریت۔ انجیل۔ قرآن۔ بارہ راس یعنی بارہ برج۔

[7] نیز ق ۳: "پہ ہے کہ قفسِ کبک"۔

[8] کبک۔ چکور ایک قسم کا تیتر جس کی چال مشہور ہے اور آگ کھا جاتا ہے۔

شرمندہ ہو جولانیٔ† رفتار سے تیری — طاؤس بھی روتا ہوا آتا ہو پسِ کبک
جس طرح سے پھرتے ہیں تری آنکھوں کے ڈورے — اُس طرح سے چلتے نہیں دیکھی مجسِ[1] کبک

اِنشا نہیں ہمدم جو کوئی کوہ میں اُس کا
ہر کبک کی فریاد ہی فریاد رسِ کبک

(۲۰۶)

بات کے ساتھ ہی موجود ہو ٹال ایک نہ ایک — ہر خلاف اپنے سدا آپ کی چال ایک نہ ایک
ہم بھی اس واسطے بیٹھے ہیں کہ ہو رہتا ہو — تجھ سہی سرو کے سائے میں نہال[2] ایک نہ ایک
یار ہر پاس پر اب فرطِ تردد کے سبب — آہی رہتا ہو مرے دل کو ملال ایک نہ ایک
دل کو ہر چند بچاتا ہوں ولیکن بیہات — کھُب ہی جاتا ہو ان آنکھوں میں جمال ایک نہ ایک
مجھے کچھ حُسن پرستی سے نہیں کام، ولے — ہو ہی رہتا ہو مرے جی کا وبال ایک نہ ایک
کیا کروں؟ گرچہ ہوں بہلاتا بہت میں لیکن — آہی رہتا ہو ترا مجھ کو خیال ایک نہ ایک

مجلسِ وجد میں پڑھ اپنی غزل اے اِنشا
کر ہی بیٹھے ہو ابھی سنتے ہی حال ایک نہ ایک۔

(۲۰۷)

ایک دن رات کی صحبت میں نہیں ہوتے شریک — ہم کو کیا فائدہ گر آپ بہت ہیں نزدیک
اب تو ٹک ہو کے کھڑے بات ہماری سُن لو — رات ہو کوچہ و بازار پڑے ہیں تاریک
پان جو ہاتھ سے کل غیر کے تو نے کھایا — پی کے لو ہو کو غرض گھونٹ رہے ہم جوں پیک
دور ہو وادیِ مجنوں سے نکل اے وحشت — کس وسیلے سے ملی تجھ کو یہاں کی تملیک

وادیِ عشق میں اِنشا تو سنبھل کر جانا
ہاں خبردار کہ یہ راہ بہت ہو باریک

---

[1] مجسِ نبض دیکھنے کی جگہ۔ یہاں خود نبض سے مراد ہو۔ [2] نہال ہونا۔ کامیاب ہونا۔ † ق، ق ۲: "جولانگہ"

ردیف (گ)

(۲۰۸)

پہونچی جو تا بہ گوش صدائے شکستِ رنگ
ہوش اڑ گئے گلوں کے چہ جائے شکستِ رنگ

واماندہ ہیں جو قافلۂ گل کے اے صبا
بانگِ درا ہو اُن کو صدائے شکستِ رنگ

غصّے سے کیوں نہ چاک گریباں کو گل کرے
ہر بر میں اُس کے تنگ قبائے شکستِ رنگ

اے ہوش ساتھ خوب ہو چل اِس چمن سے ہیں
راہی گلوں کے قافلہ ہائے شکستِ رنگ[1]

رونق گئی ہو چہرۂ ہر گل سے اے بہار
کچھ یہ بھی ہے چمن میں ہوائے شکستِ رنگ

آتے ہو بہرِ سیرِ چمن میں عرق فشاں
ہر تازہ یہ گلوں کی بنائے شکستِ رنگ

اِنشا سمجھ کہ بہرِ مکافاتِ عندلیب
کیا کیا سہی گلوں کی جفائے شکستِ رنگ

(۲۰۹)

جھونک دی عشق نے جب اس دلِ بیتاب میں آگ
غل مچا یہ کہ گری معدنِ سیماب میں آگ

جی یہ چاہے ہو ابھی شیشۂ صہبا کو اُلیٹ
شمع سے دیکھے لگا چادرِ مہتاب میں آگ

جب سے وہ شعلۂ برق آنکھوں میں پھرتا ہو مری
چونک چونک اٹھوں ہوں میں دیکھ اجی خواب میں آگ

تجھ بن اے ماہِ شبِ چار دہم بر لبِ جوے
پھر رہی ہو مرے اِس دیدۂ پُرآب میں آگ

یاد مسجد میں جو آیا خمِ ابرو تیرا
لگی اِنشا کے دمِ گرم سے محراب میں آگ

---

[1] مقابلہ کرو :-
رنگِ گل و بوئے گل دم میں ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہو جو تو بھی چلا چاہیے (میر)

"چہرۂ محفل سبھی اکبار" بجز ق ۳ : "کچھ یہ بھی ہو"

(۲۱۰)

بسکہ تھا تیری شبِ ہجر میں بے نور پلنگ
میں نے لیں کروٹیں یاں تک کہ ہوا چور پلنگ

سیج پھولوں کی پری ایسی پھبن پر ہے کہ بس
صدقے ہوتی ہے ترا دیکھ ہر ایک حور، پلنگ

خوش نگاہوں نے لگا دی ہیں جو آنکھیں اُس کا
دستۂ گلِ نرگس سے ہے مستور، پلنگ

چاندنی میں تو نہ سو کوٹھے پہ ڈر ہے کہ ترا
لے کے ہو جائے پری کوئی نہ کافور، پلنگ

بادلے[1] کے ترے نمگیرے کو جھانکے ہے جو ماہ
دیکھنا ہے اُسے شاید ترا منظور، پلنگ

جس میں پہیے لگے ہیں سو دُوں ہوں اُس پر کہ مرا
تجھ تلک پہنچ رہے اے بُتِ مغرور، پلنگ

چودھویں رات کے چاند، اِس پہ نہ ہونا مغرور ق
کہ تو سو باہر پچھا مجھ سے بہت دور، پلنگ

آج میری بھی لپک دیکھیو جھپکے پر آنکھ
گرچہ ہے جلد لپک جانے میں مشہور[2]، پلنگ

آج پریوں[3] کا اُتارا ہے یہاں، اے انشا
ماہتابی پہ بچھے پھیر بدستور، پلنگ

ردیف (ل)

†

(۲۱۱)

سلطنت بیچتے ہیں دُرد کشاں خاک کے مول
ہے یہاں سایہ ہما کا خسِ خاشاک کے مول

سروِ آزاد کئی حقہ کش افیونی نے
بیچے ایک ادھی کو اور کوئلے لیے ڈھاک کے مول

قصد ہو باغ بنانے کا تو لے لیجے آپ
ساتوں کے سات اِحاطے ہی نہ افلاک کے مول

---

[1] بادلا = زری کا کپڑا جو سنہری روپہلی تاروں سے بنا جاتا ہے۔

[2] پلنگ = شیر مطبوعہ نسخوں میں پہلا مصرع یوں بھی ہے۔ "آج دیکھ اپنی لپک آنکھ جھپکنے دے ذرا"

[3] پریوں کا اُتارا = وہ جگہ جہاں پریاں اتریں۔

† ق ۱، ق ۲، ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

کیوں رہ انجامِ خود غرقِ عرق ہو نہ کہ یہاں
خنجر اب بکنے لگے تو سنِ چالاک کے مول
سر بازارِ خریداری ہر اب کے یہاں تک
کہ لگی بکنے گزی[1] شاہوں کی پوشاک کے مول
تم جو صد برگ کے تختوں میں پڑے پھرتے ہو
لیتے ہو پھول کسی سینۂ صد چاک کے مول
تاک[2] باندھے ہوئے جو اینڈتے ہیں مست انشا
کب وہ طوبیٰ کو بھلا لیں شجرِ تاک کے مول

(۲۱۲)

حال، درویش یہاں بیچتے ہیں قال کے مول
وجد کرتا ہوں یہ کچھ ہونے لگے حال کے مول
سر منڈاتے[3] ہی صفائی پہ پڑے یہ اولے
کہ کلاہِ نمدی بکنے لگی شال کے مول

(۲۱۳)

حواس و ہوش تھے اپنے بچنگِ نکہتِ گل
ہوا کے ساتھ گئے اڑ برنگِ نکہتِ گل
مزاج دیکھ یہ نازک کہ بیٹھ جاتا ہو
ہمارے آ سُنہ دل پہ رنگِ نکہتِ گل
یہ گرم اپنے ہو گلگونِ فکر کا تگ و تاز
نہ پہنچے گرد کو جس کی شتلنگ[4] نکہتِ گل
جنوں سے اپنے تعجب ہو اے صبا کیونکر
سما گیا یہ در آغوشِ تنگِ نکہتِ گل
سپر سے جامِ صبوحی کی روک اے انشا
اگر نسیم لگاوے خدنگِ نکہتِ گل

(۲۱۴)

آئینے میں فلک کے یہ عکس چراغِ دل
خورشید ہو نمود ہوا بُل بے داغِ دل

---

* ن ۔ "چھری اب بکنے لگی"۔

[1] موٹا کپڑا۔ ایک قسم کا گاڑھا۔ [2] تاک باندھنے اور شجر۔ تاک میں ضلع ہو۔ [3] سر منڈاتے ہی اولے پڑنا۔ کسی کام کے شروع کرتے ہی نقصان ہونا محاورہ ہو مطلب یہ ہو کہ سر منڈاتے ہی کلاہ نمدی کی ضرورت ہوئی جو بدیکسی سے شال کے مول بکنے لگی۔
[4] جست، اس کی ہندی چھلانگ ہو۔

آئی جو یاد لغزشِ مستانہ یار کی — لبریز ہو، چھلک ہی پڑا یاں ایاغِ دل
آتے نظر ہیں اِس میں تماشے ہزارہا — کیجے ٹک آنکھ موند کے گر سیرِ باغِ دل
آزادگی کے ساتھ گیا، سو گیا ہی بس — معلوم کچھ ہوا نہ ہمیں پھر سُراغِ دل
غیرازنسیمِ وصل نہ ہرگز شگفتہ ہو — فیضِ دمِ مسیح سے اپنا دماغِ دل

انشا بڑھا کے بحرِ غزل ایک اور کہہ*
حاصل ہو اِس گھڑی تجھے عیش و فراغِ دل

(۲۱۵)

سیرِ بہارِ لالہ زاراں کو اِدھر یہ داغِ دل — اور ہی کچھ ہو اے نسیم، اِس گھڑی اب دماغِ دل
اوجِ شفق کے بھی پرے گذرے ہو موجِ لالہ دیکھ — کشتیِ بادہ ساقیا لا کے یہ بھر ایاغِ دل
دیر و حرم میں مقتبس، نور سے داغِ عشق کے — ہو یہ ترا فروغ، اے روشنیِ چراغِ دل
گردشِ دہر کس کو چین دیوے ہو اے صبائیاں — جان اسے تو مغتنم، ہو کوئی دم فراغِ دل

بحرِ جدید میں غزل، اور بھی انشا ایک کہہ
دیکھ گلوں کی تازگی، ہو یہ شگفتہ باغِ دل ۔

(۲۱۶)

مجھے حاصل ہو جو ٹک بھی فراغِ دل[1] — تو رہے کیوں طپش و درد و داغِ دل
تجھے لازم ہو تغافل یہ ساقیا — مے عشرت سے تہی ہو ایاغِ دل
نہ بجھے بادِ مخالف سے تو کبھی — یہ مرا، بارِ خدا، یا چراغِ دل
کہیں اے مرغِ چمن چپ ہو یہاں قفس — متحمل نہیں اپنا دماغِ دل

---

* ب: ق، ق ۲: "لکھ"

† ق: "دوں کو"

[1] اس بحر کا وزن فعلاتن فعلاتن مفاعلن ہو۔

غزل اب اور بھی بحروں میں کہہ کے پڑھ
نہ ملا اِس میں بھی اِنشاؔ سراغِ دل

(۲۱۷)

تجھے میں کہا نہیں* اے جنوں کہ نہ کھینچ پنبۂ داغِ دل
مرے چھیڑنے سے حصول کیا نہ مزاج خوش نہ فراغِ دل

سر و کارِ نکہتِ گل سے کیا تجھے اے نسیمِ بہار چل
نہ طبیعت اپنی ہے حاضر اب نہ شگفتہ ہے یہ دماغِ دل

پڑے اے نسیمِ سحر پرے نہ دلیل ہو کہ صبا ابھی
بہت اِن تلیوں سے بجھا رہی نہ بجھا دے یہ چراغِ دل

خمِ زلفِ یار میں ڈھونڈیے ہمیں آ چھپا ہو مگر کہیں
طپش و تحیر و بیخودی سے تو کچھ ملا نہ سراغِ دل

گلِ داغ و خندۂ زخم سے پڑے اور سینکڑوں آبلے
مجھے باغ سبز† دکھا دے ہے الم فراق میں باغِ دل

رہوں ہوں مدام نشے میں مَیں مجھے جب سے ساقیِ عشق نے
خمِ معرفت کے فروغ سے سبھی بھر دیا‡ ہے ایاغِ دل

بدل بے دلیفہ کو اک غزل کہو اِنشاؔ بحر کوئی بڑھا
کہ پرے ہے عرشِ عظیم سے بھی کچھ اِس گھڑی یہ دماغِ دل

(۲۱۸)

یاں دل میں اور ہاتھ میں ہیں لاکھ داغ و گل
آہ، اے بہار کس کو تمنائے باغ و گل

تھے چند تارِ سوختہ، کچھ اور شمع کا
پایا صبا نے صبح نہ مطلق سُراغ و گل

ساقی شراب لا، کہ خوش آوے مجھے یہ سب
گلگشتِ باغ و سیر و سرود و فراغ و گل

ہیں نازکی میں* ایک سے باہم: بہار کا
رنگِ پریدہ اور تمھارا دماغ و گل

کل آپ کو قبیب سیہ فام ساتھ دیکھ
پھبتی کہی سبھوں نے کہ ہے ربطِ زاغ و گل

---

* ق ۳: "تجھے کیا کہا نہیں"۔

† ق ۲: "مجھے سبز باغ"۔

‡ ق، ق ۲: "فروغ میں سے یہ بھر دیا"۔

* ق، ق ۲: "تازگی میں"۔

پاؤں اگر مراد، تو چالیس دن تلک　　بھیجوں مزارِ قیس پہ ہر شب چراغ و گل

اِنشا چمن میں مست پھرے کیوں نہ ساقیا!
ہم رنگ عکسِ مے سے ہیں ہر ایاغ و گل

(۲۱۹)

فروغِ مے سے نہ کیونکے ہووے ایاغ روشن مراد حاصل　　مثل مئے شور ہے جہاں میں چراغ روشن مراد حاصل[۱]

ہمارے پانوؤں میں آبلے ہیں بیانِ گوہر کچھ اپنے خساں　　کہ جس کے پرتو کے عکس سے ہے سُراغ روشن مراد حاصل

چراغ روشن مراد حاصل مزار پر دل جلوں کے مت کہ　　یہاں یہ لازم ہے تجھ کو کہنا کہ داغ روشن مراد حاصل

خوشی سے گت کیوں بھرے نہ صوفی کہ دیکھتا ہے وہ جھک سوا[۲]　　بجے ہے ڈھولک اِدھر اُدھر ہے اُجاغ روشن مراد حاصل

نشا ہے اِنشا کو آج ایسا طلوع ہے جس کے ساقیا ہے
سرور بیحد، مزاج حاضر، دماغ روشن، مراد حاصل

(۲۲۰)

کیا ہوا در پہ ترے گرچہ‡ ہے ابجد کا قفل[۳]　　کھول دیتے ہیں سکندر کے بھی یاں سد کا قفل

کنجِ عزلت میں وہی لوگ ہیں مشغول بہ حق　　جو درِ دل پہ لگا بیٹھے ہیں ابجد کا قفل

درِ فردوس پہ کہتے ہیں ملائک کہ یہ جھٹ　　کھل پڑے، لیجے اگر نام محمدؐ کا قفل

خلق خالق نے زمیں پر بھی کئے ہیں وہ لوگ　　توڑتے ہیں جو درِ چرخِ مشعبد[۴] کا قفل

+ ق ۳: "چراغ"۔

‡ ق ۳: "کیا ہوا گرچہ ترے منہ پہ"

۱ "چراغ روشن مراد حاصل"۔ آزاد فقیروں کی اصطلاح میں کلمۂ دعائیہ ہے۔

۲ گت بھرنا۔ رقص کرنا۔ جھک ہوا سے جھوک کا ٹوٹا ہوا فاقہ کش

۳ قفل ابجد۔ وہ قفل جو حروف کی ایک خاص ترتیب سے کھلتا اور بند ہوتا ہے۔

۴ مشعبد یعنی شعبدہ باز۔

قصرِ نیلم میں لگا دیتے ہیں دروازۂ لعل اور الماس کی کنڈی میں زبرجد[1] کا قفل
کنجی اِس آہِ حزیں کی جو نہ ہوتی اِنشا
تو نہ کھلتا درِ خُرّم[2] خانۂ سرمد کا قفل

۲۲۱

جس زمیں پر ہوں ترے کشتۂ دیدار کے پھول کیوں نہ پھر واں سے اُگیں نرگسِ بیمار کے پھول
کشتۂ تیغِ جفا کا جو ہو تیجا[3] منظور تو بھلا فائدہ کچھ، توڑ نے گلزار کے پھول
خاک آغشتہ بخوں چاہیے ہوا رگجہ[4] وار پھول درکار ہوں تو ہوں سپرِ یار[5] کے پھول
اے کلیم، اُس کو اگر دیکھے کبھی شجرۂ طور، تو نچھاور کرے سب لمعۂ انوار کے پھول
کیوں نہ اِنشا کرے تعویذ پھر ایسے خط کو
جس میں ملفوف ہوں اُس طرّۂ دستار کے پھول

۲۲۲

پھیلی ڈلک سے ساعدِ نازک بدن کی بیل چنپا کلی[6] سے آن بھڑی نورتن کی بیل
کل تجھ کو دیکھتے ہی لجا[7] لو کی طرح سے یکبارگی سمٹ گئی اُس انجمن کی بیل
یہ آہ پرشرارہ چلی داغِ دل سے یوں سورج سے جیسے پھوٹ کے نکلے کرن کی بیل
راس و ذنب کی شکل یہ چوٹی ہے، اے پری پھبتی ہے، اِس کو کہیے جو سورج گہن کی بیل

---

[1] زبرجد = زمرد
[2] خرّم خانۂ سرمد = خرّم خانۂ ابدی مراد جنت یا خود ذات خداوندی سے ہے۔
[3] موت کا تیسرا دن جس کو سیوم اور لکھنؤ کی زبان میں پھول بھی کہتے ہیں۔
[4] ارگجا = ایک قسم کی مرکب خوشبو۔
[5] سپر کے پھول = نقش و نگار جو ڈھال پر بنے ہوتے ہیں۔
[6] [چنپا کلی گلے کا زیور ہے۔ نورتن بازو پر باندھا جاتا ہے دونوں گویا ایک سلسلے میں ہیں۔]
[7] لجالو = چھوئی موئی۔
نوٹ ق، ق ۲، ق ۳ میں یہ غزل نہیں ہے۔

"شادی مبارک" آ کے لگی گانے عندلیب ق لہرا گئی خوشی سے ہر ایک اِس چمن کی بیل
بول اُٹھیں، بن کے ڈومنیاں، ساری قمریاں صاحب ہمیں دلائیے دولھا دلھن کی بیل[1]
اِنشا، یہ نوعروسِ غزل ہاتھ کیا لگی
گویا کہ اب منڈھے چڑھی اپنے سخن کی بیل[2]

ردیف (م)

(۲۲۳)

چتون کہے دیتی ہے مفصّل خبرِ چشم تو اے نگہِ فاش نہ ہو پردہ درِ چشم
یہ اور غضب، دیکھ نکل آتے ہیں آنسو سُن جنبشِ مژگان کی دستک بہ درِ چشم
کیا قہر ہے افسوس کہ یوں خاک میں مل جائیں تھے طفلِ سرشک اپنے جو لختِ جگرِ چشم
گرما گئی گرمیِ طبیعت، تو کسی وقت اے ابر دکھا دیں گے ہم اپنا ہُنرِ چشم
کیوں جنبشِ ابرو سے تری خوف نہ آوے بے ڈھب نظر آتی ہے یہ تیغ و سپرِ چشم
پرتو سے ترے نور کے، اے چشمۂ خورشید جوں شیشۂ آتش ہے یہ اپنی نظرِ چشم
مہتاب کی چادر میں ابھی آگ لگ اُٹھے ہے اشک سے یاں دست و گریباں شررِ چشم
شادی ہوئی آنے سے ترے دفعتاً ایسی اے راحتِ جاں و دل و نورِ بصرِ چشم
مژگاں میں گنتھے ہیں قطرات اشکِ خوشی کے کیا آج بندھن وار[3] بندھے ہیں بہ درِ چشم
اے طائرِ نظارہ، کہاں طاقتِ پرواز ہے عجز پہ مشعرِ نگہِ بے اثرِ چشم
ہر ایک مژہ غرق بہ خوں ناب جگر ہے بھیگے ہوئے آتے ہیں نظر بال و پرِ چشم

---

[1] جب ڈومنیاں دولھا دلھن کے سامنے گاتی ہیں تو دولھا دلھن کے عزیز کچھ روپیہ اُن دونوں پر سے نچھاور کر کے ڈومنیوں کو دیتے ہیں۔ یہ بیل کہلاتی ہے۔

[2] بیل منڈھے چڑھنا = یعنی بیل کسی بلند مقام پر پھیلنا۔ مراد کامیابی سے ہے۔

[3] بندھن وار = شادی کے موقعے پر جو پھل پھول اپنے مکان کے دروازوں پر بیل کی شکل میں باندھے جاتے ہیں۔
(ق، ق ۲، ق ۳: "بندھن ہار"۔)

خوناب، رگِ جانِ تمنّا سے بہاوے — دزدیدہ نگہ ہر وہ بلا نیشترِ چشم
ڈرتا ہوں نظر تجھ کو نہ لگ جائے کسی کی — لوگوں کا مجھے آٹھ پہر ہے خطرِ چشم
مکتوب لکھا انشا تو اُسے لختِ جگر پر
جلدی کہیں، لے اشک ہُوا نامہ برِ چشم

۲۲۴

سادگی کا تری یا جلوہ گری کا عالم — کیا بیاں کیجیے، بس خیر، پری کا عالم
تالبِ بامِ قفس اُڑ نہ سکے ہم صیّاد — اب تو پہونچا ہے یہ بے بال و پری کا عالم
جام پھر منہ سے لگائے کہ عجب ہوتا ہے — مے کو گلرنگ شے تجھ لب پہ تری کا عالم
ربط کر بوے گل و بادِ سحر سے پیدا — آخر، اے ہوش، یہ ہے ہمسفری کا عالم
رات کی بے ادبی کیجے معاف، آپ کہ تھا — نشۂ مے سے مجھے بے خبری کا عالم
والہِ زلف و رُخ و خال و خط و حُسن و نمک — مست ہو، اے دل کہ یہ ہے سب گذری[1] کا عالم
آج صد چند ہوا جوشِ جنوں، اے انشا
دیکھ بوے گل و بادِ سحری کا عالم

۲۲۵

بس دیکھو لگاوٹ سے نہ تم ہو کے اِدھر گرم — جن ساتھ یہ خُلط ہے رہو اُن سے ہی سرگرم
ہم حسرتِ آغوش میں اُس رشکِ پری کے — پہلو کو کیا کرتے ہیں رکھ بالشِ[2] پُر گرم
گرمی کی اگر ایسی ہی تابش ہے تو صاحب — ٹھنڈک ہو جہاں جائیے ہر بندے کا گھر گرم
کہتا ہے کہ نامے کو ترے آگ پہ رکھّا — قاصد نے تو، لو اور سنائی یہ خبر گرم

بجز ق، ق ۲: "کی"۔ ق ۳: "کا"۔

[1] (گذری = بازار)

[2] (بالشِ پُر = تکیہ جس میں پر بھرے گئے ہوں۔)

رونا تو کہاں سینہ جو سوزش سے رُندے[1] ہے ہر — آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں دو چار شرر گرم
گلشن میں مگر پھول پڑا[2] اُس گلِ رو سے — کیوں ورنہ چلی آتی ہے یوں بادِ سحر گرم
کیا کوئی بھرے وادیِ مجنوں میں دمِ سرد — اِس دشت میں رہتی ہے ہوا آٹھ پہر گرم
مینہ برسے ہے، جاڑا ہے، ہوا سرد چلے ہے — ٹک آ نہ لپٹ کر مرے سینے کو تو کر گرم
فرمایئے کس شغل میں تھے رات کہاں تھے — حد، آپ مجھے آتے ہیں کچھ آج نظر، گرم

اِنشا جو غزل طرح ہوئی ہے سو وہ پڑھ کر
اب روپ کو مجلس کے ٹک اک اور بھی کر گرم

(۲۲۶)

سج گرم، نگہ گرم ہنسی گرم، ادا گرم — وہ، نام خدا، سر سے ہیں تا ناخنِ پا گرم
گل کھانے کو کل میں نے جو چھلّے کو کیا گرم — بولے کہ چہ خوش، واچھڑے ہیں آپ بھی کیا گرم
کیا پھونک دیا غیر نے جا کان میں اُس کے — کچھ وہ جو مجھے دیکھ کے حد آج ہوا گرم
آوارہ پڑے پھرتے ہیں کیوں دھوپ میں صاحب — تہ خانے میں سو رہیے نہ، چلتی ہے ہوا گرم
ٹک شیخ سیہ رو کے تبسّم کو تو دیکھو — معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہنستا ہے تو اگرم[3]
صد شکرِ خدا، جذبِ محبّت کی بدولت — کچھ آج وہ خلطے میں بہت مجھ سے رہا گرم
گرمی نے مرے دل کی کیا ہے اثر آخر — کب کاہ کو کھینچے جو نہ ہو کاہ رُبا گرم
گر زمزمہ پردازیِ گلشن مجھے سونپیں — پھر بولے نہ بلبل کبھی، اے بادِ صبا گرم[4]
جاتے ہوئے کل راہ میں چھیڑا جو کسی نے — لوگوں کے دکھانے کو ہوئی اُن کی دوا گرم[5]
پرچی میں جو ریجھی تو لگی ہنسنے یہ کہنے — اے صدقے کروں اِس کو یہ کتنا ہے موا، گرم[6]

---

[1] رُندنا = پامال ہونا۔

[2] پھول پڑا یعنی چنگاری اُڑ کر پڑی اور آگ لگ گئی۔

[3] توے کا ہنسنا توے کے اندر والے رخ پر سیاہی کے جم جانے سے ایک موئی تہ بن جاتی ہے بعض وقت گرمی پا کر اُس سے چنگاریاں سی نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں اس کو توے کا ہنسنا کہتے ہیں۔ عورتیں اِس کو شگون نیک سمجھتی ہیں۔

[4] گرم بولنا یعنی تفاخر کے لہجے میں خوش الحانی کرنا۔ [5] گرم = بدتمیز۔

اُف کر کے چراغ اُس نے شبِ وصل میں ٹھنڈا
یہ اور کلیجے پہ مرے داغ دیا، گرم
اِنشا نے جو زاہد کو بنایا تو وہ بولے
کیونکر نہ بھلا ہنسیے ہر کمبخت بلا گرم[1]

(۲۲۷)

ترک کر اپنے ننگ و نام کو ہم
جاتے ہیں واں فقط سلام کو ہم
خُم کے خُم تو لنڈھائے یوں ساقی
اور یوں ترسیں ایک جام کو ہم
میں کہا: میں غلام ہوں بولا:
جانیں ہیں خوب اِس غلام کو ہم
دیر و کعبہ کے بیچ ہنستے ہیں
خلق کے دیکھ اژدھام کو ہم
متکلّم ہیں خاص لوگوں سے
کب مخاطب کریں ہیں عام کو ہم
کلمۂ نام ہی ترا بس ہر
جانتے ہیں اِسی کلام کو ہم
روٹھنے میں بھی لطف ہر اِنشا
صبح کو روٹھے وہ، تو شام کو ہم

(۲۲۸)

چاہتا ہوں تجھے نبیؐ کی قسم
حضرتِ مرتضیٰ علیؑ کی قسم
مجھے غمگین نہ چھوڑ روتا، آج
تجھے اپنی ہنسی خوشی کی قسم
صاف کہہ بیٹھیے نہ جی میں جو ہو
آپ کو اپنی سادگی کی قسم
میں دلائی قسم تو کہنے لگے
ہم نہیں مانتے کسی کی قسم
صدقے ہوتا ہوں جس گھڑی اِنشا
یاد آتی ہر اُس پری کی قسم*
ہائے، کہہ ڈالنا وہ چپکے سے:
"تجھے، اِنشا ہمارے جی کی قسم"

---

[1] بلاگرم = غضب کا ہنسوڑ۔ * ق ۲ میں یہ شعر اور ق ۳ میں اگلا شعر نہیں ہے۔

(۲۲۹)

مل مجھ سے، اے پری، تجھے قرآن کی قسم
دیتا ہوں تجھ کو تختِ سلیمان کی قسم

کرّوبیوں کی تجھ کو قسم اور عرش کی
جبریل کی قسم، تجھے رضوان کی قسم

طوبیٰ کی سلسبیل کی کوثر کے جام کی
حور و قصور و جنت و غلمان کی قسم

روح القدس کی تجھ کو قسم اور مسیح کی
مریم کی تجھ کو عفتِ دامان کی قسم

توریت کی قسم، قسم انجیل کی تجھے
تجھ کو قسم زبور کی، فرقان کی قسم

تجھ کو محمدِ عربی کی قسم ہے اور
مولیٰ علیؑ کی، شاہِ خراسان کی قسم

ملّت میں جس کی ہو تو اُسی کی قسم تجھے
اور اپنے دین و مذہب و ایمان کی قسم

دامن کو میرے ہاتھ سے اِس بات مت جھٹک
تجھ کو سحر کے چاکِ گریبان کی قسم

مدّت سے تیرے چاہِ ذقن میں غریق ہوں
باللہ مجھ کو یوسفِ کنعان کی قسم

قیدی ہوں میں ترا بخداوندیِ خدا
اور اُس عزیزِ مصر کے زندان کی قسم

موسیٰ کی ہو قسم تجھے، اور کوہِ طور کی
نورِ فروغِ جلوۂ لمعان کی قسم

سوگند اب ہنسی کی تجھے کچھ دلائیے
سُن، تجھ کو اپنے ناز کی اور آن کی قسم

نرگس کی آنکھ کی قسم، اور گل کے کان کی
تجھ کو سرِ عزیزِ گلستان کی قسم

تجھ کو قسم ہو غنچۂ زنبق[1] کی ناک کی
اور شورِ عندلیبِ غزل خوان کی قسم

سونے[2] کی گائے کی قسم، اور رودِ نیل کی
فرعون کی قسم، تجھے ہامان کی قسم

بسترِ مراہو خارِ مغیلاں بسانِ قیس
لیلیٰ ہی کی تجھے صفِ مژگان کی قسم

ایسی بڑی قسم بھی نہ مانے تو ہو تجھے
جنّوں کے قبلہ گاہ، ابوالجان کی قسم

کونے میں باغ کے وہ جو رہتا ہو اک خبیث
تجھ کو اُسی کی شوکتِ ذی شان کی قسم

دیوِ سفید کی قسم اور کوہِ قاف کی
باغِ ارم کی اور پرستان کی قسم

---

[1] زنبق ایک سفید پھول جو نرگس کی قسم کا لمبوتری قطع کا ہوتا ہے۔ شاعر اس کو معشوق کی ناک سے تشبیہ دیتے ہیں۔

[2] سونے کی گائے جس کو قدیم مصری پوجتے تھے۔

لونا چماری کی قسم اور کلوا بیر[1] کی — کالی بلا کی غول بیابان کی قسم
قسمیں تو ساری ہو چکیں، باقی رہی عراب — پیپل تلے کے بھتنے کی شیطان کی قسم
ہاں پھر تو کہیو: ہائے وہ کس طرح "ہو غضب!
انشا، نہ چھیڑ، تجھ کو مری جان کی قسم"

(۲۳۰)

دل کی بہڑا بیچ نہیں ہو ترکتازی کا مقام — ہو یہاں پر حضرتِ مسعودِ غازی کا مقام
طاق ابروے بتاں کو قبلۂ عالم سمجھ — حضرتِ دل یہ نہیں کچھ لہو و بازی کا مقام
سینکڑوں کٹوا دیے عشاق اپنی راہ میں — اے صنم، اللہ رے تیری بے نیازی کا مقام
بندۂ درگاہ کی ہو اِک ترانی ہی نماز — عرش سے بھی کچھ پرے ہو اس نمازی کا مقام
قنطرہ[2] ہو اُس حقیقت کا جو سب سے ہو پرے — مت درے ہرگز سمجھ عشقِ مجازی کا مقام
نالہ اپنا ہو بہ مولانا جلال الدین روم — پوچھنا اِس کو نہیں کچھ فخرِ رازی کا مقام[3]
ہو خدا ہی سے توقع اب ترے بیمار کی — ورنہ کیا باقی رہا ہو چارہ سازی کا مقام
سیّد انشا کو نہایت اِن دنوں تشویش ہو
بندہ پرور، ہو یہاں بندہ نوازی کا مقام

(۲۳۱)

وہ دیکھا خواب، قاصر جس سے ہو اپنی زباں اور ہم — کہ گویا ایک جا ہو، اُس میں ہو وہ نوجواں اور ہم

---

[1] لونا چماری اور کلوا بیر — فرضی اشخاص ہیں جن کو ادنیٰ درجے کے لوگ جادو ٹونے وغیرہ کرنے میں مانتے ہیں۔

[2] قنطرہ = عربی میں پُل کو کہتے ہیں۔

[3] [سب نسخوں میں "اِس کا" ہو مگر صحیح "اس کو" ہی ہو سکتا ہو (یعنی میرے نالے کو) مولانا روم کے اس شعر کی طرف تلمیح ہو:
"گر بہ استدلال کارِ دیں بُدے ۔۔ فخرِ رازی راز دارِ دیں بُدے" یہاں مراد ہیں امام فخر الدین محمد رازی جن کی "تفسیرِ کبیر" بہت مشہور ہو اور مختلف علوم میں متعدد تصانیف۔]

وہ رہ رہ مجھ سے کہتا ہے: خدا کی باتیں ہیں ورنہ — بھلا تک دل میں اپنے غور کر تو یہ مکاں اور ہم
جو پوچھا قیس سے لیلیٰ نے جنگل میں اکیلے ہو — تو بولا: اے نہیں وحشت ہرا و آہ و فغاں اور ہم
اجی گڈمڈ رہتی ہے عقل اپنی سب فرشتوں سے — پڑے پھرتے ہیں باہم سیر کرتے قدسیاں اور ہم
نشا ہے، عالم مستی ہے، بے قیدی ہے، رندی ہے — کہاں اب زہد و تقویٰ ہے خرابات مغاں اور ہم
نیابت ہم کو رضواں کی ملی مولا کے صدقے سے — وگرنہ عہدۂ دربانیِ باغِ جناں اور ہم!

عجب رنگینیاں باتوں میں کچھ ہوتی ہیں اے انشا
بہم ہو بیٹھتے ہیں جب سعادت یار خاں اور ہم

(۲۳۲)

اُنھیں میں نے تو چھیڑا چھُوا ہی نہیں، مجھے اپنے رسولِ خدا کی قسم
مجھے ان کے ہی بند قبا کی قسم، مجھے دامنِ پاک صبا کی قسم
ہوئے باندھ کے تکیہ جو گوشہ گزیں، وہی ہیں گے زمانے میں اہلِ یقیں
کوئی سلطنت اُس کو پہنچتی نہیں، سر و سایۂ بالِ ہُما کی قسم
کسی سائس کی پھانس سے کر تو حذر، نہیں میرے تو حال کی کچھ بھی خبر
مجھے اس سے بھی تنگ زیادہ نہ کر، تجھے اپنے ہی ناز و ادا کی قسم
مرے دل سے نکال یہ درد و الم، بہ وفورِ محامدِ سقفِ حرم[1]
تجھے کعبۂ اہل صفا کی قسم، تجھے زمزم و سوق و منا کی قسم
تری زلف کو سونگھ لیا ہی نہیں، کبھی میں نے توشا نہ کیا ہی نہیں
لبِ زخمِ جگر کو سیا ہی نہیں، شبِ تیرۂ آہِ رسا کی قسم
کبھی خضرِ جنوں سے مقابلہ تھا کبھی عشق کے ساتھ معاملہ تھا
کبھی آپ ہی رہبرِ قافلہ تھا، سرِ طائرِ قبلہ نما کی قسم

نوٹ: ق: "گئی مر رہی"۔ ق ۲: "کر پڑ رہی"۔ ق ۳ "کچھ کم نہیں"۔

[1] سقفِ حرم سے مراد خانۂ کعبہ ہو اور زمزم و سوق و منا یہ سب کعبہ ہی کے مشہور مقامات ہیں جہاں حجاج ارکانِ حج بجا لاتے ہیں۔

سنبھل، ایسے غرور میں ہر یہ خلل کہ گرے نہ اُلجھ کہیں منہ کے ہی بَل
بس اب اِس سے بھی آگے تو بڑھ کے نہ چل، تجھے رفعتِ عرشِ عُلا کی قسم
تری لینے بلائیں ہیں خوب ہی ہم نہ کر اپنے تو خلطے کو ہم سے تو کم
تجھے خواجۂ ہر دوسرا کی قسم، تجھے اُلفتِ آلِ عبا کی قسم
یہ جو رات اندھیری ہر تاروں بھری، یہی شاہدی اپنی بھرے گی ابھی
نہیں اِس سے تو دزدی بوسہ ہوئی، مجھے تیری ہی دزدِ حنا کی قسم
تری صدقے خدائی کے میرے خدا، بتصدقِ رتبۂ اہلِ ہُدا
نہ کر اپنے عیال سے مجھ کو جدا، تجھے نیتِ صدق و صفا کی قسم
ہوئی، اِنشا، اِس آس کی کھیتی ہری، نظر اُن کی جو چاہِ ذقن سے لڑی
مجھے زندگی ایک دوبارہ ہوئی سرِ چشمۂ آبِ بقا کی قسم[1]

ردیف (ن)

(۲۳۳)

بھر رہے ہیں یوں پھپھولے اِس دلِ صد چاک میں — آ رہے ہوں خوشۂ انگور جیسے تاک میں

(۲۳۴)

بادل آئے بجلی چمکی ہیں مینہ کے دَڑیڑے پڑتے ہیں — پھولوں کے مُنہ پر بادِ صبا کے آج تھپیڑے پڑتے ہیں
برج میں جا کر کھیلو ہولی جھک موئے تم ہو ناصح جو — گیند کی جاگہ واں تو تڑاتڑ مٹھوں کے پیڑے پڑتے ہیں
نیچ جو صاحب ہیں جو نہاتے مشک سے بیٹھے چوکی پر — مونڈی مانڈی چندیا پر کیا خوب تڑیڑے پڑتے ہیں
ایسے میں چلیے کیجے تماشا، اکثر پریاں آئی ہیں — ندی کے اندر خواجہ خضر کی نذر کے بیڑے[2] پڑتے ہیں

---

[1] یہ دو شعر اس زمانے کی یاد دلاتے ہیں جبکہ انشا سخت بیمار تھے جس کا حوالہ جا بجا دیوان میں ہے۔
نوٹ: یہ شعر اور اس کے آگے کے دو غزلیں قلمی نسخوں میں نہیں ہیں۔

[2] خواجہ خضر کے بیڑے: بانسوں کی ایک چھوٹی سی کشتی نما چیز جس پر خواجہ خضر کے نام سے چراغ پھول اور مٹھائی وغیرہ رکھکر دریا میں بہا دیتے ہیں۔

انشا اللہ خاں کو صاحب آپ نہ چھیڑیں محلس میں
ان باتوں ہی میں بیٹھے بٹھائے لاکھ بکھیڑے پڑتے ہیں

(۲۳۵)

ہیں یہ مژگاں اس نمط دام ہوس کی ٹٹیاں
جس طرح گرمی میں چھڑکی جائیں خس کی ٹٹیاں

تھے پڑے وہ جو جھروکے اُن کے آگے لگ گئیں
مویہائے ریش دربان و عسس[1] کی ٹٹیاں

ہم صفیروں نے یہ گرما گرم کل نعرے بھرے
جن کے دولت پھنک گئیں کنج قفس کی ٹٹیاں

باس خس خانے میں خس کی کیا بھلا باقی رہے
جبکہ روگرداں[2] ہوں پھر اگلے برس کی ٹٹیاں

خاک دیکھے من و سلویٰ جن کے آگے چھا گئیں
برگہائے سبز و خاشاکِ عدس[3] کی ٹٹیاں

بسکہ ٹھنڈک پا کے یہ بیٹھی ہی رہتی ہیں، تو دیکھ
بن گئیں گویا کہ پرہائے مگس کی ٹٹیاں

ٹک نسا جال[4] ان رگوں کا دیکھ تو انشا بھلا
کس کے کیا باندھی ہیں اس صانع نے نس کی ٹٹیاں

(۲۳۶)

کچھ نگاہیں تری، ایسے ہی ہنر سے لڑیاں
کہ جھڑیں نور کی جوں قرصِ قمر سے لڑیاں

یہ جو چلون سے کوئی شخص اُدھر جھانکے ہے
پھرتیاں اُس کی مرے دیدۂ تر سے لڑیاں

جمع حوریں تھیں کیس اسطے، اے شبنم رات
چتونیں جن کی مرے تارِ نظر سے لڑیاں

کس کا یہ بیاہ تھا جو مونیوں کے سہرے کی
اب تلک جھڑتی ہیں دامانِ سحر سے لڑیاں

آنکھیں انشا کی لڑیں شوخیوں سے برق کی، یا
فوجیں پریوں کی بہم اُڑتی ہیں فر سے، لڑیاں

---

[1] عسس = کوتوال۔
[2] روگرداں ہونا = یعنی اُلٹ کے بنایا جانا۔
[3] عدس = مسور۔
[4] نسا جال = نسوں کا جال یعنی انسان کے رگ پٹھے جو ایک بال کی صورت میں بندھے ہوئے ہیں۔
بزق، ق ۲: "شب" † ق ۳: "آہ .... لڑی"۔

(۲۳۷)

دھوم اتنی ترے دیوانے مچا سکتے ہیں
کہ ابھی عرش کو چاہیں تو ہلا سکتے ہیں

مجھ سے اغیار کوئی آنکھ ملا سکتے ہیں
منہ تو دیکھو وہ مرے سامنے آ سکتے ہیں

یاں وہ آتش نفساں ہیں کہ بھر آہ تو جھٹ
آگ دامانِ شفق کو بھی لگا سکتے ہیں

سوچیے تو سہی ہٹ دھرمی نہ کیجے صاحب
چٹکیوں میں مجھے کب آپ اڑا سکتے ہیں

حضرتِ دل تو بگاڑ آئے ہیں اُس سے لیکن
اب بھی ہم چاہیں تو پھر بات بنا سکتے ہیں

شیخی اتنی نہ کر اے شیخ، کہ رندانِ جہاں ق
اُنگلیوں پر تجھے چاہیں تو نچا سکتے ہیں

تو گروہِ فقرا کو نہ سمجھ بے جبروت
ذاتِ مولیٰ میں یہی لوگ سما سکتے ہیں

دم ذرا سادھ کے لیتے ہیں پھریری تو ابھی
سُون کھینچے ہوئے لاہوت کو جا سکتے ہیں

گرچہ ہیں مونس و غمخوار تگ و دو میں سبھی
پر تری طبع کو کب راہ پہ لا سکتے ہیں

چارہ ساز اپنے تو مصروف بہ دل ہیں لیکن
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں

ہو محبت جو تری دل میں، وہ اک طور پہ ہو
ہم گھٹا سکتے ہیں اُس کو، نہ بڑھا سکتے ہیں

کر کے جھوٹا نہ دیا جام، اگر تو نے تو چل
مارے غیرت کے ہم افیون تو کھا سکتے ہیں

ہمنشیں تو جو یہ کہتا ہو کہ قدغن ہو بہت ق
اب وہ آواز بھی کب تجھ کو سُنا سکتے ہیں

اے نہ آواز سناویں مجھے در تک آ کر
اپنے پانوؤں کے کڑوں کو تو بجا سکتے ہیں

یوں نہیں ہنسنے کے ہم آپ کے ہنسنے کے لیے ق
اور اگر سوانگ نہیں کوئی بنا سکتے ہیں

کالے کاغذ کی ابھی ایک کتر کر بیچا[1]
زاہدِ بزم کے مُنہ پر تو لگا سکتے ہیں

گھر سے باہر تمھیں آنا ہو اگر منع، تو آپ
اپنے کوٹھے پہ کبوتر تو اڑا سکتے ہیں

جھولتے ہیں یہ جو جھولے میں سو کہتے ہیں مجھے:
ایک وعدے پہ تجھے برسوں جھلا سکتے ہیں

اپنے ڈھب کے جو قوافی ہیں ہمارے ہاں میں
اک غزل اور بھی چاہیں تو سُنا سکتے ہیں

---

[1] سخت ممانعت۔ کاغذ کے بنے ہوئے مضحکہ جسے کو بیچا کہتے ہیں جس کو بچے ہنسانے اور ڈرانے کے لئے منہ پر لگا سکتے ہیں۔
نوٹ: [اس زمین میں مرزا سلیمان شکوہ کی بھی ایک غزل ہے۔ دیکھو مصحفی کا تذکرہ ہندی گویاں ص ۱۲۲]

(۲۳۸)

آپ سو روپ سے، گو روپ بدل سکتے ہیں
پر کوئی دخل ہو، اِس بندہ سے چل سکتے ہیں؟[1]

غیر سرگرمِ سخن تم سے ہو، کیا کیجے بھلا
ہم نہ رہ سکتے ہیں اِس وقت، نہ ٹل سکتے ہیں

اپنے ختکے سے، جو سبزہ نہ ملا۔ ہم آزاد
ٹوٹی چملی میں بھلا پوست تو مل سکتے ہیں

گرم رو گرچہ رہِ کعبہ میں ہم ہیں، اے شیخ
لیکن اِس پر بھی جو مچلیں تو مچل سکتے ہیں[2]

کہہ تو اے چرخ، بھلا تجھ سے کسی طرح کبھی
دل کے ارمان ہمارے بھی نکل سکتے ہیں؟

گرچہ کچھ اپنے بگڑنے میں رہا کیا باقی
آپ پر اب بھی سنبھالیں، تو سنبھل سکتے ہیں[3]

ہیں جو یہ سادہ و پرکار سے بیٹھے سو مجھے
قوں کا چھلا اگر دیویں تو چھل سکتے ہیں[4]

قافیے اور رتے سوجھے ہیں مجھ کو، اِنشا
جن میں اشعار کئی رنگ کے ڈھل سکتے ہیں

(۲۳۹)

یوں بگڑنے کو فرشتے سے بگڑ سکتے ہیں
پر کوئی دخل ہو، ہم تم سے اکڑ سکتے ہیں؟

آپ کے سر کی قسم۔ رستم دستاں کیا ہے
اڑ کھڑے ہو دیں، تو ہم زال سے اڑ سکتے ہیں

ساتھ صاحب کے جو پھرتے ہیں یہ سِفلے دو چار
غور تو کیجے، بھلا مجھ سے جھگڑ سکتے ہیں؟

ٹک بھی پُرچک[4] ہو اگر آپ کی جانب سے تو پھر
ابھی خم ٹھونک کے یاں دیو سے لڑ سکتے ہیں

اجی کیوں روٹھے ہو، ہم پاس نہیں گو زر و زور
عذر خواہی میں بھلا پانو تو پڑ سکتے ہیں

مجھ میں اور آپ میں رہتے ہیں جو رگڑے جھگڑے
آپ ہی اُن کو نبیڑیں تو نبڑ سکتے ہیں

---

[1] چل سکنا - پیش پانا - بڑھ جانا۔

[2] مچلنا یہاں اصلی معنوں میں استعمال ہوا ہے یعنی ایک راہ کو چھوڑ کر دوسری راہ پر چلنا۔

نوٹ: ق، ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے

[3] چھلنا = فریب دینا - دھوکا دینا۔

[4] پُرچک = حمایت طرف داری - شہ (دینا)۔

جن درختوں کے رگ و ریشہ ہیں اِس باغ میں بند — وہ کوئی، بادِ خزاں، تجھ سے اُکھڑ سکتے ہیں
پاسِ خاطر ہمیں جراح کی* ہر ورنہ ابھی — ایک خمیازے میں سو ٹانکے اُدھڑ سکتے ہیں
دور اِتنا تو نہ کھینچ آپ کو اے دامنِ کوہ — اب کوئی اہلِ جنوں تجھ سے بچھڑ سکتے ہیں؟
آفریں، آتشِ گل تجھ کو نوا سنجوں کے — آشیانے اِسی صورت سے اُجڑ سکتے ہیں؟
پانو پر سے جو مرے سر کو اُٹھاتے ہیں† آپ — تو بھلا کھینچ کے ایک تیغ تو جڑ[1] سکتے ہیں

دوڑے ہر کو سوں، جو آجائے ہر وحشت کی دھن
اجی، اِنشا کو کوئی آپ پکڑ سکتے ہیں؟

۲۴۰

کھینچ لے کاش وہ پری اپنے، مجھے لحاف میں — یا کہ بلا سے پھینک دے دامنِ کوہِ قاف میں
ہو نہ وہ ماہرو، تو جھٹ شیشۂ مے اُلینڈکر — شمع سے آگ دوں لگا چادرِ نور باف میں
شیخ جی، یہ بیان کرو ہم بھی تو بارے کچھ سنیں — آپ کے ہاتھ کیا لگا خلوتِ اِعتکاف میں
چیز ہے کیا رقیب تو، خوب سے جھٹکے دیجیے — ریش دو شاخ[2] لے کے آئے رستم اگر مصاف میں
تکیہ ترے سرہانے کا سونگھ کے غش نہ کیوں ہوں ہم — آتی ہے واہ زور باس سُتھرے سے اُس غلاف میں
کتّے کو اپنے چاہ میں پھینک نہیں دیا، تو پھر — خال ہوا ہے لال سا آپ کی کیوں یہ ناف میں‡
سایۂ سدرہ میں تو اینڈ عشق میں مثلِ جبرئیل — قصۂ کفر و دیں کے بس نہ پھنس اختلاف میں
بکرے کی بولی مت بُلا رسم کے کھیل[3] میں اُسے — داڑھی ہلا کہے ہے شیخ "ہو مجھے اب معاف "میں"

---

* سب نسخوں میں "کی" ہے مگر صحیح "کا" ہے
† مطبوعہ نسخے "نہیں"

[1] جڑنا یعنی لگانا۔ زور سے ہاتھ مارنا۔

[2] ریش دو شاخ: بیچ سے چری اور چڑھی ہوئی داڑھی جو علامتِ تکبر کی ہے۔ مصاف: جنگ لڑائی۔

‡ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[3] بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں جس میں ایسے الفاظ بولے جاتے ہیں جن میں ر۔ س۔ م۔ نہ آوے اس کو رسم کا کھیل کہتے ہیں اگر غلطی سے کوئی ایسا لفظ بولے جس میں "ر" آجاوے تو اُس سے بکرے کی بولی بلواتے ہیں یعنی "میں"

جا دیں جو کعبے انشا ہم، تو ہو حصول کیا ہیں
راس سے تو خوب ہو ہیں دل ہی کہ ہم طواف میں

(۲۴۱)

شرابِ مینہ کے ہیں بادل گرج رہے ہیں — نقارے سے فلک پر کچھ آج بج رہے ہیں
چلتے تو دیر کو ہم اے برہمن، ولیکن — دو چار اور باقی ایام حج رہے ہیں
کاٹے ہیں ہم نے یونہیں ایام زندگی کے — سیدھے سے سیدھے سادے اور کج سے کج رہے ہیں
گر ماگئی طبیعت باہم جو مطربوں کی — تو الجھی سلجھی تانیں کیا کیا اُپج رہے ہیں

جو باندھنو بندھے[1] ہیں انشا پہ وہ تو سینے
کیا آپ اپنی بیٹھے دستار سج رہے ہیں

(۲۴۲)

یا وصل میں رکھیے مجھے یا اپنی ہوس میں — جو چاہیے سو کیجیے ہوں آپ کے بس میں
یہ جائے ترحم ہے اگر سمجھے تو، صیاد! — میں اور پھنسوں اس طرح اس کنج قفس میں
آتی ہے نظر اُس کی تجلّی ہمیں، زاہد! — ہر چیز میں، ہر سنگ میں، ہر خار میں، خس میں
ہر رات مچاتے پھریں ہیں شوق سے دھومیں — یہ مست مے عشق ہیں کب خوفِ عسس میں
کیا پوچھتے ہو عمر کٹی کس طرح اپنی — جز درد نہ دیکھا کبھو اس تیس برس میں
ہر بات میں یہ جلدی ہے، ہر نکتے میں اصرار — دنیا سے نرالی ہیں غرض تیری تو رسمیں
دشمن کو ترے گاڑوں میں اے جانِ جہاں بس — تو مجھ کو دلایا نہ کر اس طور کی قسمیں

انشا ترے گر گوش اصم[2] ہوں نہ تو آوے
آواز ترے یار کی ہر بانگ جرس میں

---

[1] باندھنو = وہ دوپٹا وغیرہ جسپر رنگریز مختلف رنگوں کے واسطے ڈورے باندھ دیا کرتے ہیں اُس کو چندری بھی کہتے ہیں باندھنو بندھنا تہہ لگنا۔
[2] اصم = بہرا۔

(۲۴۳)

کیا ملا ہم کو تری یاری میں
رہے اب تک اُمیدواری میں

ہاتھ گہرا لگا کوئی قاتل
زور لذّت ہے زخم کاری میں

دل جو بے خود ہوا صبا لائی
کس کی بو نکہتِ بہاری میں

ٹک ادھر دیکھ تو بھلا، اے چشم
فائدہ ایسی اشکباری میں؟

چٹ[1] لگا دیتے ہیں مرے آنسو
سلکِ گوہر کی آبداری میں

روٹھ کر اس سے میں جو کل بھاگا
ناگہاں دل کی بے قراری میں

آلیا اُس نے دوڑ کر مجھ کو
تاک کے اوجھل ایک کیاری میں

یوں لگا کہنے بس دِوانا نہ بن
پانو رکھ اپنا ہوشیاری میں

کب تلک میں بھلا رہوں شب و روز
تیری ایسی مزاجداری میں

ہے سمایا ہوا جو لڑکا پن
آپ کی وضع پیاری پیاری میں

اپنے بکرے کا مُنہ چڑاتے وقت
کیا خوش آتی ہے یہ تمھاری "میں"

بندۂ بوتراب ہے انشا
شک نہیں اُس کی خاکساری میں

(۲۴۴)

یہ کس کا ہے غبارِ خاطرِ مایوس شیشے میں
کہ ہر ساعت ہے اس کو رجعتِ معکوس شیشے میں[2]

نمودِ آہِ سوزاں پیرہن سے اپنے اب یوں ہے
نظر جس طرح آوے صورتِ فانوس شیشے میں

لیا کر[3] میری جاسوسی بھلا تو دیکھ لینا، میں
اُتاروں ہوں بھجے کس ڈھب سے اے جاسوس شیشے میں[4]

---

[1] چٹ لگانا = جتکر کرنا ۔ چٹ = دھبا ۔ داغ ۔

[2] شیشے میں یہاں مراد "شیشۂ ساعت" سے ہے جسے "ریت گھڑی" بھی کہتے ہیں ۔

[3] جاسوسی لینا = سُن گن لینا، کسی کی جاسوسی کرنا ۔

[4] شیشے میں اُتارنا = یعنی قابو میں لانا ۔

سُعالِ[1] مُزمن قلقل بھلا ہو دفع کس ڈھب سے — سپنتاں ہو نہ زوفا ہو نہ اصلُ السُوس شیشے میں
ہر اک قطرہ چمٹ جاوے گا بن کر صخرۂ جنّی — ارے ظالم بھری ہے فوج بکتا نوس[2] شیشے میں
کسی کے ہجر میں اپنے ہزاروں داغ ہیں دل پر — عوض مے کے بھریں گے ہم پرِطاؤس شیشے میں
مری آنکھوں کی پتلی میں سما جا اور تماشا کر — کہ ہوتی ہو پری کس طور سے محبوس شیشے میں
بندھا ہو سکہ زد بر ہفت کشور کا یہاں نقشا — ق دماغِ بادہ ہو جوں دُختِ کیکاؤس[3] شیشے میں
مری جاں ایک عروسِ ناز پرور دُختِ رز ہے — کیا جس نے جلوس میمنت مانوس شیشے میں

لڑی جو آنکھ اُس خورشید رو سے تو مجھے انشا
ہوئی اِک آسمانی آگ سی محسوس شیشے میں

(۲۴۵)

اُتار اُس چاند کو اے رندِ عالی ظرف شیشے میں — کہ دار و موتیا کی سرد ہو جوں برف شیشے میں
بھرا منصور کے لوہو سے اہلِ شرع نے تو بھی — انا الحق کے اُبھر آئے وہی پھر حرف شیشے میں
اچنبھا ہے گوارا باد[4] کا لکھنا بھلا سوچو — بھرے کس طرح ہوں گے خامۂ شنجرف[+] شیشے میں
بہر نحو اس کی بخشش ہو رہی ہے تو نہ کر ساقی — معانی "لا یحبُّ المُسرفین" کے صرف شیشے میں

ہوائے ابر و باراں میں جو کچھ لہر آگئی انشا
تو ساقی نے بھر انخونِ نگاہِ ترّرف شیشے میں

---

[1] سُعال مُزمن = پرانی کھانسی + دوسرے مصرع میں کھانسی کی مجرب دوائیں بتائی ہیں۔

[2] بکتانوس = ایک بڑے موکل کا نام جو حاضرات میں بلایا جاتا ہے۔ صخرۂ جنّی = وہ بدصورت جن جو حضرت سلیمان کی انگوٹھی لے گیا تھا۔

[3] ان دو شعروں میں شراب کو ایک شاہزادی اور شیشے کو ایک تخت مقرر کیا ہے اور شراب کا شیشے میں ہونا گویا اسکی تخت نشینی ہے۔ اس رعایت سے "سکہ زد بر ہفت کشور" کہا ہے۔

ق = ق، ق ۲ میں یہ غزل اور اس کے بعد کی غزل نہیں ہے

[4] گوارا باد = فقرۂ دعائیہ جو شراب کی خاص بوتلوں پر لکھا ہوتا تھا۔ نگاہِ ترّرف = گہری نگاہ

+ ق ۳: "بھری کس طرح ہوگی"

(۲۴۶)

نرگستاں کی بھی تک دیکھو پھبن آئینے میں[1]
باغ مت جاؤ کہ ہر امن و خمن آئینے میں

لہریں لیتا ہر پڑا مچھی بھون آئینے میں
چوم لے تو ہی بھلا اپنا دہن آئینے میں

راجہ نل کا جو پڑا عکسِ دہن آئینہ میں
تو نظر آئی اُسے شکلِ دمن آئینے میں

کیونکے میں جیسے کو تیسا ہی نہ پھر آؤں نظر
یعنی کیا معنی نہ ہو آئینہ پن آئینے میں

مدھ[2] پہ جوبن کے چڑھے ایسے ہی تھے وہ تو کہ بس
آ گئے نشے میں، دیکھ اپنی پھبن آئینے میں

تیور ایسے ہی ہلا کو ہیں، جو کچھ بس ہو تو وہ
عکسِ آدم کو کریں گور و کفن آئینے میں

شغلِ آئینہ سے لذت یہ اُٹھائی ہر کہ بس
ہم فقیروں نے کیا اپنا وطن آئینے میں

شعلے آہوں کے بدن اپنے سے ہیں یونہی نمود
منعکس جیسے ہو سورج کی کرن آئینے میں

حوضِ آئینہ سے فوارہ نزاکت کا چھٹے
رونق افزا جو ہو وہ چاہِ ذقن آئینے میں

واہ اِس طفلی و اِس شکلِ جوانی کے بدل
سامنے ہو دیں گے اِک مرد کہن آئینے میں

دیکھ کر اپنی بہار اُس نے یہ انشا سے کہا
باغ میں کب ہے چمن جو ہے چمن آئینے میں

(۲۴۷)

کیسی ہی کیوں نہ ہم میں تم میں لڑائیاں ہوں
جب کھلکھلا کے ہنس دو باہم صفائیاں ہوں

کیونکر نہ گدگداہٹ ہاتھوں میں اُس کے اُٹھے
وہ گوری گوری رانیں جس نے دبائیاں ہوں

جی چاہتا ہے بولیں پر بولتے نہیں ہیں
ہو دیں اگر تو باہم ایسی رکھائیاں ہوں

ممکن ہے کوئی ہم سے افشائے راز ہووے؟
سو بار ٹھنڈی سانسیں گو لب تک آئیاں ہوں

کیونکر جنوں مجسم ہو کر نہ دے دکھائی
جب شورشوں نے دل کی دھومیں مچائیاں ہوں

---

[1] یہ غزل ذو بحرین ہے ایک رمل ثمن محذوف (فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن) اور دوسری رمل مثمن مقطوع (فاعلاتن فعلاتن فعلاتن فعلن)

[2] مدھ پہ جوبن کے یعنی جوبن کے عروج پر۔

نازو کرشمہ ایسا* سج دھج غضب یہ جس میں ق اور یہ نمک یہ گرمی یہ خوش ادائیاں ہوں
چتون میں وہ لگاوٹ سرمہ کی وہ گھلاوٹ پھر قہر یہ سجاوٹ یہ اچپلائیاں[1] ہوں
مرجائیے نہ کیوں کر ایسے ہوئے یہ ظالم+ جس میں اکٹھی اتنی باتیں سمائیاں ہوں

پڑھ اور بھی غزل ایک انشا اسی طرح سے
تا شاعروں کے آگے تیری بڑائیاں ہوں

(۲۴۸)

جس سے کہ چپکے چپکے لاگیں لگائیاں ہوں لازم ہے یہ کہ منہ پر اُس سے رُکھائیاں ہوں
اے پاک ذات صمدے تیری خدائی کے میں اب تو نہ میرے اُس کے ہرگز جدائیاں ہوں
کیا سیر اُس گھڑی ہو پھرتا ہو وہ منوّش اور ہم نے اُس کی کچھ کچھ چیزیں چرائیاں ہوں
ابر تنک کا آنا کیا چاند پر خوش آوے جس کی نظر میں اُس کے مکھڑے کی جھائیاں* ہوں
فتنے کے عطر کی بو کیونکر نہ اُن سے آوے جن انگلیوں نے بغلیں وہ گدگدائیاں ہوں
کیا قہر ہے یہ دیکھو برسوں جنھوں کی خاطر ق درگاہوں بیچ جاجا راتیں جگائیاں ہوں
مانی ہوں منتیں بھی سو سو کروڑ ڈھب کی دھو دھو روپے اشرفی نذریں[2] اٹھائیاں ہوں
ہووے ملاپ اُن سے گاہے تو شام ہی سے آنکھوں میں اُن کی جھک جھک نیندڑیاں[3] آئیاں ہوں
آئی نظر جو تربت مجنوں کی اک مسافر بے اختیار بولا: ایسی کمائیاں ہوں
پردے میں قتل کرنا کیا چیز اُس کے آگے چلمن کی اوٹ جس نے آنکھیں لڑائیاں ہوں

تبدیل قافیے سے لکھ وہ غزل اب، انشا
جس میں کہ اپنے ڈھب کی باتیں+ بنائیاں ہوں

---

* ق ۳: "ویسا"۔

[1] چپلائی: اچپلاہٹ یعنی شوخی، تیزی، طراری۔

† ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ ق ۳: "ایسے پہ ہو کے عاشق"۔ ق ۴: "اکٹھی اتنی باتیں"۔ ق ۳: "اکٹھی باتیں اتنی"۔

[2] روپیہ یا کوئی دوسرا سکہ صاف پانی سے دھوکر ایک جگہ رکھ دیتے ہیں جب منت پوری ہو جاتی ہے تو تقدیر لاکر اس کی مٹھائی تقسیم کر دی جاتی ہے۔

[3] نیندڑیاں: عورتوں کی زبان میں نیند۔

* ق ۲: "چھائیاں"۔ + مطبوعہ نسخے: "جتیں"۔

(۲۴۹)

گر آپ روپ[1] ہم سے باتوں میں ٹک کڑے ہوں
سو رگڑے جھگڑے قضیے حجت اُٹھ کھڑے ہوں

مت کیجے رکھی پھیکی ہم سے اُچاٹ باتیں
دھیان آپ اُن کا رکھیے تیو رجدھر لڑے ہوں

مُنہ بھر کے نام کیا لیں ساقی، وہ مے کشی کا!
دو ہی پیالیوں میں جو لوگ غش پڑے ہوں

اچھی سے اچھی ستھری خاصی کرسی دھواں سی
کوئی شراب ہو تو دو چار تو گھڑے ہوں

کیونکر نہ چونکے فتنہ پانوؤں میں جب تمھارے
یہ قہر جھنجھناتے سونے کے دو کڑے ہوں ‡

نرگس کے پھول وہاں سے نکلیں پھر آنکھ ملتے
کیف نگہ[2] کے مارے جس خاک میں گڑے ہوں

پٹکا پڑے ہو جوبن اُس روے آتشیں پر
قطرے عرق کے یوں ہیں جس طرح رنگ جڑے ہوں

ہو ظلم اُس پری پر ہم غش نہ ہوویں جس کے
یہ جھمکے بندے بالے توڑے کڑے چھڑے ہوں *

ایک اور ڈھب کی اِنشا، اِس بحر میں غزل لکھ
الفاظ جس کے باہم موقع سے آپڑے ہوں

(۲۵۰)

جاڑے میں کیا مزا ہو وہ تو سمٹ رہے ہوں
اور کھول کر رضائی ہم بھی لپٹ رہے ہوں

اب آپ کے دموں میں ہم آ چکے، ہٹو بھی
خوش آوے پیار کس کو جب دل ہی کھٹ رہے ہوں[3]

کیوں کر زبان سے ان کی اپنا بچاؤ ہووے
ذات و صفات سب کے جب دو کٹ[4] رہے ہوں

آتے تھے ساتھ میرے۔ دیکھو تو کیا ہوے وہ
ایسا نہ ہو کہ پیچھے رستے میں کٹ رہے ہوں

تب سیر دیکھے کوئی ! ہم لڑائیوں کی
کھینچے ہوں وہ تو تیغا اور ہم بھی ڈٹ رہے ہوں

---

[1] [آپ روپ : خود بدولت]

‡ ق ۲ میں یہ اور اگلا شعر نہیں ہے ۔ [2] ق : "کیفی نگہ" یعنی مست نگاہ

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

[3] دل کھٹ رہے ہوں ۔ ایک دوسرے میں مخالفت ہو۔

[4] اکٹنا : صاف صاف بیان کرنا ۔

کیا کر سکیں دوا سے حالِ دلِ پریشاں — زلفوں کے بال اُن کے جب آپ لٹ رہے ہوں[1]
آپس میں روٹھنے کا انداز ہو تو یہ ہو — وہ ہم سے ہٹ رہے ہوں ہم اُن سے ہٹ رہے ہوں
جی چاہتا ہے اے دل اک ایسی رات آوے — مطلع ہو صاف ستھرا بادل بھی پھٹ رہے ہوں
سوتے ہوں چاندنی میں وہ منہ لپیٹے اور ہم — شبنم کا وہ دوپٹا منہ سے اُلٹ رہے ہوں

پنجم غزل اب، اِنشا انداز کی سُنا دے
آغوش میں معانی جس کے لپٹ رہے ہوں

(۲۵۱)

خلوت میں، فائدہ کچھ اغیار سب ہم ہوں — سب کو ہوا بتا دو[2] بس تم ہو اور ہم ہوں
اِس وقت تو جو ہم کو دے ڈالے ایک بوسہ — فدوی، غلام، بندے بے دام و بے درم ہوں
اُترے شراب تجھ بن کیوں کر گلے سے اُس کے — جس ناتواں کے حق میں پانی کے گھونٹ سم ہوں
اُس کی لپیٹ میں ہم کیوں کر بھلا نہ آ دیں — ہر بات میں جب سو سو کر ڈوم ہوں
مرضی میں تیری کیا ہے اے وحشت آہ[*] سچ کہہ — جاویں کلیسیا کو یا زائرِ حرم ہوں
آیا جو ذکر میرا بولے کہ پوچھنا کیا — ایسے بھی لوگ شائد دنیا کے بیچ کم ہوں
ٹک اس طرف تو دیکھو آنکھیں ملا کے صاحب — ہم سے قدیمی بندے شایستۂ ستم ہوں!
اتیرے[2] گھر میں تیتر سبحان، تیری قدرت — جو بیچ و پوچ ہوں سو ایسے محترم ہوں
کیا دخل لکھ کے بھیجوں شعر اپنے اس کو خط میں! — مصرع رقم کروں تو چٹ انگلیاں قلم ہوں

یہ قافیہ ردیف اب تا چند میر اِنشا
اشعار معرفت کے اس بحر میں رقم ہوں[+]

---

[1] لٹ رہنا = بالوں کا بکھرنا۔ پریشاں ہونا۔ [2] ہوا بتانا = نکال دینا۔

[*] ۳: "مرضی تری سو کیا ہے۔ اے وحشت آج"۔ + ق ۲: "اس کے خط میں"۔ ق ۳ اور مطبوعہ نسخوں میں یہ شعر مقطع ہے۔

[2] اتیر کے گھر میں تیتر "یعنی اترانے والا شیخی خورہ جب کسی شیخی خورہ کو کوئی معمولی چیز بھی مل جاتی ہے تو وہ بہت اترا تا ہے۔

‡ ق، ق ۲ میں مقطع یہ ہے جس کی رو سے اگلی غزل کی بحر بھی یہی ہونی چاہئے اور مضمون عارفانہ اور اس مطلبے کو یہ غزل پورا کرتی ہے (دس عقل دس مقولے دس مدرکات تیسوں انچ) لیکن تمام نسخوں میں اگلی غزل کوئی اور ہی ہے اکثر نسخوں میں ردیف عددی سلسلے کو مدنظر رکھا ہے جس کی بنا پر "مدرکات تیسوں" والی غزل اپنی اصلی جگہ سے ہٹ گئی تھی۔

(۲۵۲)

دس عقل، دس مقولے دس مدرکات تیسوں — تیرے ہی ذکر میں ہیں اے پاک ذات تیسوں
نہ آسمان، خور و مہ، سانوں طبق زمیں کے — روح و حواس خمسہ اور شش جہات تیسوں
بارہ بروج، چودہ معصوم، چار عنصر — ظاہر کریں ہیں تیری لاکھوں صفات تیسوں
سی پارہائے دل کو رکھیو محافظت سے — اے میری جاں! ہیں تیرے حفظِ حیات تیسوں

ماہِ گذشتہ کا حال، اِنشا، کہوں سو کیونکر
مر مر بسر کیے ہیں دن اور رات تیسوں

(۲۵۳)

چشم و ادا و غمزہ، شوخی و ناز، پانچوں — دشمن ہیں میرے جی کے، بندہ نواز! پانچوں
کیا رنگِ زرد دگرگوں، کیا ضعف و درد و اتعاں — اِفشا کریں ہیں مل کر میرا یہ راز، پانچوں
نارِ فراق سے ہے، جوں شمع، دل کو ہر شب — اِحراق و داغ و گریہ، سوز و گداز، پانچوں
دیکھا ہے جب سے تجھ کو، چھوڑا ہے زاہدوں نے — تقویٰ و ذکر و زہد و صوم و نماز، پانچوں*
آرام و صبر و طاقت ہوش و حیا کہاں پھر — لے ساتھ دل کے یہ بھی، اے عشوہ ساز! پانچوں
فرہاد و قیس و وامق، محمود و ماہ رو بھی + ق — رکھ بار مجھ پہ سو دیں، ہو پا دراز، پانچوں
ہیں تیرے در پہ آکر ہر ایک سر بسجدہ — لیلیٰ و مہر و عذرا، شیریں، ایاز، پانچوں[1]

مت پوچھ کار اِنشا ہجر و وصال میں کچھ
صبر و جنون و وحشت عجز و نیاز پانچوں

---

* ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

+ ق، ق ۲: "محمود و ماہ، کیوں نہ" ق ۳: "محمود و ماہ کیواں نہ"

[1] اس قطعے کے پہلے شعر میں پانچ مشہور عاشقوں کے نام اور دوسرے شعر میں انھیں کے معشوقوں کے نام لیے گئے ہیں۔

(۲۵۴)

سر، چشم، صبر، دل، دیں، تن، مال، جان آنکھوں — صدقے کیے ہیں تم پر، لو مہربان آنکھوں
سج، دھج، نگہ، اکڑ، چھب، حسن و ادا و شوخی — نام خدا ہیں تجھ میں، اے نوجوان آنکھوں
مردنگ و چنگ و نے، دف، بین و رباب سُرنا[1] — ہم ساز و ہم نوا ہیں، لینے میں تان آنکھوں
ساتوں سُروں میں مطرب گت بھی یہ گھٹ رہی ہے — ہیں سم پہ آ کھٹکتے بیجا نہ ان آنکھوں

رُخ، خال، زلف، خط، لب، دنداں، ذقن، زنخداں
اُس کے ہیں اپنے دشمن، انشا، ہر آن آنکھوں

(۲۵۵)

پھبن، اکڑ، چھب، نگاہ، سج، دھج، جمال، طرزِ خرام، آنکھوں[2]
نہ ہو دیں اُس بُت کے گر پجاری، تو کیوں ہو میلے کا نام آنکھوں[3]
ذقن، زنخداں، لب و دہان و رُخ و جبین و نمک تبسم
سکھاتے ہیں اُس پری کو کافر یہ مل کے سب قتل عام آنکھوں
ادا و ناز و حجاب و غمزہ، کرشمہ، شوخی، حیا، تغافل
تمھاری چتون کے آگے آگے یہ کرتے ہیں اہتمام آنکھوں
جھجک، لگاوٹ، چمک، جھمکڑا، ملال، غصہ، کرم، رُکاوٹ
کسی کی باتوں پہ کرتے ہیں یاں کسی کا جی ہی تمام آنکھوں

---

[1] سُرنا (سورنائے کا مخفف) = شہنائی جو خوشی کی تقریبوں میں بجاتے ہیں۔

[2] پھبن = وہ خوبصورتی یا زیبائش جو کسی دوسری چیز مثلاً خط و خال وزیور کی مدد سے آدمی میں پیدا ہوتی ہے۔
چھب = خوبصورتی جو اعضا کے تناسب سے پیدا ہو۔ سج = سجاوٹ۔ دھج = جو حسن کسی خاص وضع قطع یا روش سے پیدا ہوتا ہے۔

[3] آنکھوں کا میلا = لکھنؤ میں ٹکیٹ رائے کے تالاب پر ہولی کے آٹھویں دن ہوتا ہے۔ مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ انشا کو میلوں ٹھیلوں میں جانے کا بہت شوق تھا ایک دن نواب سے انھوں نے اسی میلے میں جانے کی اجازت طلب کی نواب برہم ہوئے۔ اجازت تو دے دی مگر اسی وجہ سے مزاج میں کچھ برہمی پیدا ہو گئی

شکیب و صبر و قرار و طاقت، نشاط و آرام و عیش و راحت
تمہاری اُلفت میں کھوئے بیٹھا ہوں میں تو یہ لاکلام آٹھوں
سریر و چتر و قشون[1] و مُلک و شکوہ و تاج و کمال و صحت
مرے سلیماں کو دے خدایا! یہ جلد با اجتشام آٹھوں
نہ پوچھ مجھ سے تو سیّد انشا کہ نام عاشق کے کیا ہیں وحشی
ذلیل و رسوا خراب و خستہ غریب بندہ غلام آٹھوں

(۲۵۶)

تمہارے ہاتھوں کی اُنگلیوں کی یہ دیکھو پوریں غلام تیسوں
غرض کہ غش ہو اگر نہ مانو تو جھٹ اُٹھا لے کلام تیسوں
امام بارہ، بروج بارہ عناصر و جسم و روح اے دل
یہی تو سرکار حق تعالیٰ کے ہیں مدار المہام تیسوں
نہیں عجائب کچھ آنکھ ہی میں رطوبتیں[2] تین، سات پردے
عقول دس، مدرکات دس ہیں سو کرتے رہتے ہیں کام تیسوں
علوم چودہ، مقولے دس اور جہات ستہ بنائے اُس نے
اُمورِ دنیا کو تاکہ پہنچائیں خوب سارا نصرام تیسوں
بلائیں کالی ہیں اُس پری بن یہ تیسوں راتیں کچھ ایسی انشا
کہ ہر مہینے کے دن بھی جن کو کریں ہیں جھک کر سلام تیسوں

(۲۵۷)

کمر باندھے ہوئے چلنے پہ یاں سب یار بیٹھے ہیں[3] بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں

---

[1] قشون = فوج (ترکی لفظ ہے) [2] سلیمان یعنی شاہزادہ سلیمان شکوہ۔
[3] آنکھ کی تین رطوبتیں یہ ہیں۔ رطوبت زجاجیہ۔ رطوبت جلیدیہ۔ رطوبت بیضیہ۔ رطوبت جلیدیہ اور سات پردے یہ ہیں۔ ملتحمہ۔ قرنیہ۔ عنبیہ۔ عنکبوتیہ۔ شبکیہ۔ مشیمیہ۔ صلبیہ (یہ سب طبی اصطلاحیں ہیں)۔
[4] مولانا آزاد نے آبِ حیات میں بروایت سیاں رنگین اس غزل کی یہ شان نزول بیان کی ہے اس میں انشا کی ایک سفری خجلی کی سی تصویر ہے کہ ہر جوخدا کو معلوم طاقتہ کہاں تک صحیح ہے۔

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

خیال اِن کا پرے ہے عرش اعظم سے کہیں ساقی
غرض کچھ زور دھن میں اِس گھڑی میخوار بیٹھے ہیں

بسانِ نقش پائے رہروانِ کوے تمنا میں
نہیں اُٹھنے کی طاقت کیا کریں لاچار بیٹھے ہیں

یہ اپنی چال ہے اُفتادگی سے اُن دنوں ہمدم
نظر آیا جہاں پر سایۂ دیوار بیٹھے ہیں

کہیں ہیں صبر کس کو آہ ننگ و نام ہے کیا شے؟
غرض رو پیٹ کر ان سب کو ہم یک بار بیٹھے ہیں

کہیں بوسے کی مت جرأت دلا! کر بیٹھیو اُن سے
ابھی اس حد کو وہ کیفی نہیں ہشیار بیٹھے ہیں

عجیبوں کا عجب کچھ حال ہے اِس دور میں یارو
جسے پوچھو یہی کہتے ہیں ہم بیکار بیٹھے ہیں

نئی یہ وضع شرمانے کی سیکھی آج ہے تم نے
ہمارے پاس صاحب ورنہ یوں سو بار بیٹھے ہیں

کہاں گردش فلک کی چین دیتی ہے سُنا انشا؟
غنیمت ہے کہ ہم صورت یہاں دو چار بیٹھے ہیں

(۲۵۸)

کہتے ہو تم تو دم لے پرے ہٹ ابھی نہیں
اور آ نہ جاوے کوئی مرے جی میں جی نہیں

ہاں ہاں" ہے سب سے اور ہمیں سے "نہیں" سو کیوں
کیونکر "نہیں نہیں نہیں" کیوں ایسے جی نہیں

گر یار مے پلاوے تو کیوں کر نہ پیجیے
زاہد نہیں میں شیخ نہیں کچھ ولی نہیں

خلوت میں یوں جو چاہیے کہہ لیجیے مجھے
لوگوں میں لیکن آپ کے میرے ہنسی نہیں

دیتے ہو گالیاں مجھے انصاف تو کرو
لائق تو ایسی باتوں کے بندے کی زی[1] نہیں

کچھ دخل ہے کہ رات کو تم آؤ میرے پاس
اِس بات کا شعور مرا مقتضی نہیں

غصہ میں جو کہا کہ ترا ترک عشق خیر
کچھ مت خیال کیجو ہرگز اجی نہیں

کیوں پاس میرے آ کے نہیں بیٹھتے اگر
غیروں کے ساتھ رات کو مے تم نے پی نہیں

میں نے کہا کہ آئے گا میرے پاس کب
بولے نہیں نہیں نہیں ہرگز کبھی نہیں

اُس منہ سے ہاں سنی نہ کبھی میں نے کیا کروں
مارے ہی ڈالتی ہے غرض آپ کی "نہیں"

---

[1] زی = حیثیت، مرتبہ۔ (عربی میں زی کے معنے ہیں: وضع قطع۔ لباس)

میں نے کہا: کبھی تھے ہمارے بھی کوئی تم
بولے: کبھی نہیں، مرے تم کوئی بھی نہیں
ذرّہ سی بات پر رہے انشا سے یوں خفا:
کیا جانے کیا بلا ہے؟ تو کچھ آدمی نہیں"

(۲۵۹)

حیف ایّام جوانی کے چلے جاتے ہیں
ہر گھڑی دن کی طرح ہم تو ڈھلے جاتے ہیں
سامنے آنکھوں کے اگتا ہے چمن نرگس کا
کہہ کے آتا ہوں ابھی آپ بھلے جاتے ہیں
ہاتھ کیا پھیرو ہو عارض پہ ابھی کیا ہے وہاں
خط کا کچھ دخل نہیں گال ملے جاتے ہیں
یاد میں اُس خطِ نوخیز کے یہاں دانہ نمط
اشک سبز آنکھوں سے ہر وقت چلے جاتے ہیں
آسیا[1] آب کی ہے چشم تر اپنی جس سے
روز چھاتی پہ مری مونگ دلے جاتے ہیں
گرم ہو آپ جو ٹک انشا سے ملتے ہیں کبھی
آتشِ رشک میں اغیار جلے جاتے ہیں

(۲۶۰)

جب تک[2] کہ خوب واقفِ رازِ نہاں نہ ہوں
میں تو سخن میں عشق کے بولوں نہ "ہاں" نہ "ہوں"
خلوت میں تیری بار نہ جلوت میں مجھ کو ہائے!
باتیں جو دل میں بھر رہی ہیں سو کہاں کہوں
گاہے جو اُس کی یاد سے غافل ہوا ایک دم
مجھ کو دہن میں اپنے لگے ہے زباں زبوں
شطِ[3] عمیقِ عشق کو یہ چاہتا ہوں میں
ابرِ مژہ سے رو کے اُسے بیکراں کروں

بجز ق: "ذرہ سی" ۔ ق ۲: "ذرّہ سی" ۔

[1] آسیا آب کی = پانی کی چکّی ۔ چھاتی پہ مونگ دلنا ۔ جبر کے ساتھ تکلیفیں پہنچانا ۔

† ق: "ہو"

[2] اس غزل کی ردیف و قافیہ میں ایک قسم کی تجنیس ہے ۔

[3] شطِ عمیق = گہرا سمندر ۔

طوفانِ نوح آنکھ نہ ہم سے ملا سکے — آتی نظر ہیں چشم سے، ہر پل* عیاں عیوں
ناصح خیال خام ہے کیا اس سے فائدہ — کب میرے دل سے ہو ہوسِ دلبراں، بروں
یہ اختلاط کیجیے موقوف، ناصحا — معقول یعنی دل اُسے اے قدرداں نہ دوں
اِنشا کروں جو پیروی شیخ و برہمن — میں بھی انھوں کی طرح سے جوں گمرہاں ہوں

خلوت سرائے دل ہی میں ہو کر کے معتکف
بیٹھا ہوں کیا غرض کہیں اے جاہلاں، ہلوں

(۲۶۱)

جھمک ہے یہ کچھ اُس اودے دوپٹے کی کناری میں — نظر جوں برق آوے دامنِ ابر بہاری میں
تری چتون کی اٹکیلی پری کے بھیس میں آکر — مجھے شب لے گئی چپکے سے اک نرگس کی کیاری میں
بہت سے عاجز آئے ہیں بھلا صاحب نہیں تب تک — مزاجِ عالیِ سرکار کی ہم پاسداری میں
مجھے کہنے لگے وہ پیار میں آکر: اگر بس ہو — تو تجھ کو موند رکھوں ایک ننھی سی پٹاری میں
کرا ہا رات زخمی اس کے غمزے کا تو وہ بولا: — کوئی ہے، لال مرچیں بھر دے اس کے زخم کاری میں
ہمارے ساتھ تیرے چاند سے مکھڑے کے بن دیکھے — رہا کل ماہِ تاباں رات بھر اختر شماری میں
جو کہتا ہوں بھلا جاگا کروں اتوں کو میں یک تک — تو کہتا ہے: رہا کر او بھی امیدواری میں
وہ جو سردار تھے اگلے زمانے کے بڑے رستم — یہ اُن کا حال ہے اب عالمِ بے روزگاری میں
پڑے سونا کھرچتے ہیں کسی ٹوٹے سے چاکو سے — کہیں جو رہ گیا ہے پاؤ کوڑی بھر کٹاری میں
جو دو پیسے کی ڈولی پر کہیں جاتے ہیں چڑھ کر تو — پرانی شال دیتے ہیں کہاروں کو کماری میں
میاں قدوس اُن کے پوپلے سے اک جو نوکر ہیں — پرے ہیں موتیوں سے اُن کی باتیں آبداری میں

---

* ق نسخے: "ہر دم"۔

لہ عیون جمع عین۔ حقیقت اشیا

† ق نسخے: "یارو"۔

‡ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہزاروں محبتیں، تکرار لاکھوں یاد ہیں اُن کو
حکایت بھننے کی اُن کے ہو خدمت گذاری میں

بعینہٖ اُس نفر کی سی ہو، وہ جو اپنے آقا سے
یہ کہتا تھا بہت سا کھینچ خود کو بُرد باری میں

نہ ناداں اس قدر بننے سمجھتے بوجھے دل میں
قدم حضرت سلامت آپ رکھیے ہوشیاری میں

ہر پسے[1] کے بدل نمدے کا ٹکڑا اگر نہ ہو صاحب
تو کیا کمخواب کا ٹکڑا ہو دھیلے کی نہاری میں

کوئی مینڈھا کوئی دنبا کوئی بکرا کوئی مرغا
مرید دل کی یہ صورت ہو تمھاری پسداری میں

غضب کچھ چھو کا منتر پھونکا تم نے شیخ جی صاحب
کہو اب فرق کیا ہو تم میں اور لونا چماری میں

پڑی پھرتی ہو کھڑ گنجی[2] سی اک لونڈی جو واعظ کی
بُز اخفش[3] بنا کے اپنی صورت خاکساری میں

سو اُس کی اب یہ حالت ہو کہ گاہو گر ہنسی سے بھی
لگایا ہاتھ اُس کے کان کو اور وہ پکاری میں

کفالت رزق کی کس سے کسی کی ہو سکے اِنشاؔ
صفت مخصوص ہر یہ تو فقط اُس ذاتِ باری میں

(۲۶۲)

گاہے گاہے جو اِدھر آپ کرم کرتے ہیں
وہ وہیں اُٹھ جاتے ہیں یہ اور ستم کرتے ہیں

جی نہ لگ جائے کہیں تجھ سے اِسی واسطے بس
رفتہ رفتہ ترے ہم ملنے کو کم کرتے ہیں

واقعی، یوں تو ذرا دیکھیو، سبحان اللہ
تیرے دکھلانے کو ہم چشم یہ نم کرتے ہیں

عشق میں شرم کہاں، ناصح مشفق، یہ بجا
آپ کو کیا ہو جو اِس بات کا نم کرتے ہیں

گالیاں کھائے کوئی اُس شوخ سے ملتی ہیں یہاں
کوئی کرتا نہیں جو کام سو ہم کرتے ہیں

---

[1] ہر پسہ ۔ مثل نہاری کے ایک قسم کا تیار کیا ہوا گوشت جو بہت گھل جاتا ہو اس لطیفے میں اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ کسی نے اپنے نوکر سے بازار سے نہاری منگوائی اور اس میں نمدے کا ایک ٹکڑا نکلا۔ مالک نے نوکر کو ڈانٹا نوکر نے جواب دیا کہ وہ پیسے کی نہاری میں نمدہ نہیں تو کیا کمخواب نکلے گا؟

[2] کھڑ گنجی ۔ بدشکل و بدقطع۔

[3] بُز اخفش ۔ اخفش کی بکری ۔مشہور ہو کہ مشہور عرب نحوی اخفش کے پاس ایک بکری تھی جس کے سامنے وہ سبق یاد کیا کرتا تھا جب وہ گردن ہلاتی تو یہ خیال کرتا کہ سبق یاد ہو گیا اور موقوف کر دیتا۔

+ ق نسخوں میں: "گاہو گاہے"۔

♦ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہیں طلبگارِ محبت کے، میاں، جو اشخاص — وے بھلا کب طلبِ دام و درم کرتے ہیں

عینِ ہستی* میں ہمیں دیدِ فنا ہے، اِنشاؔ
آنکھ جب موندتے ہیں سیرِ عدم کرتے ہیں

(۲۶۳)

یہ نگہ، یہ مُنہ، یہ رنگت، یہ مسی، یہ لعلِ خنداں[1] — غضب اور تس پہ لینا یہ زباں بزیرِ دنداں

ستم اور ناز خوش ہر صنما، ولے نہ چنداں — کہ پرے فلک سے گذرے یہ صدائے دردمنداں

یہ نمک[2] یہ چھب، یہ سج دھج، یہ ادا کو دیکھ تیری — تبلا طمِ تحیّر ہوئے غرق ہوشمنداں

وہ لطیفہ گوئی اُس کی، وہ فصاحت اور بلاغت — نہیں اِس قدر کہ بولے کوئی شاعر و سخنداں

فلک البروج[3] پر سے کہیں سب ملائک "آمیں" — نہ اثر ہو کس طرح سے یہ دعائے مستمنداں

یہ نصیب اپنے دیکھو کہ بجھ کے صیدِ لاغر — اِدھر آن بھی نہ پھنکی کبھی آ و صیدِ بنداں[4]

بُتِ سنگدل، خدا کا تجھے ترس ہو جو کچھ بھی — تو شکستہ دل کو مت کر کہ یہ شیشہ ہے نہ سنداں[5]

بکمالِ فضل و دانش یہ بعید ہے کہ اِنشاؔ
غلطی پہ تو مُصر ہو بمثالِ خود پسنداں

(۲۶۴)

بنگ کی جلوہ گری پر غش ہوں — یعنی اُس سبز پری پر غش ہوں

گرچہ دنیا کے ہنر ہیں، لیکن — اپنی میں بے ہنری پر غش ہوں

---

* ق ۲، ق ۳: "مستی"۔

[1] اس زمین میں میر کی غزل بھی دیکھو۔ تو گل میں اس کی جا آ، ولے اے صبا نہ چنداں

[2] ن: "یہ اکڑ"

[3] فلک البروج = وہ فلک جس پر بارہ برج ہیں + مستمند = حاجتمند۔

[4] صیدبند = شکاری۔ آن پھنکنا = یعنی اتفاق سے آجانا۔

[5] سندان = لہائی۔ جس پر ہتوڑا مارتے ہیں۔

برق کی طرح نہ تڑپوں کیونکر　　تیری پوشاک زری پر غش ہوں
اس کی پشواز کی سی لائی باس　　اُس کی میں گودھ[1] بھری پر غش ہوں
غش نسیم سحری ہو مجھ پر　　میں نسیم سحری پر غش ہوں
اِس سے کچھ ہو نہ سکا اِنشا میں
آہ کی بے اثری پر غش ہوں

(۲۶۵)

اے دودِ جگر بن کے سرافیل[2] کی گردن　　توڑ ابر سیہ کے تو زراہیل کی گردن
گردن کی صفا دیکھو تو اُس رشک پری کی　　تھی ایسی بھلا یوسفِ راحیل[3] کی گردن؟
لٹکا نہ سرِ عاشقِ جاں سوز کو اُلٹا　　ٹوٹے گی ابھی عرش کی قندیل کی گردن
مت بھول دلا ربطِ مواخاتِ[4] جہاں پر　　قابیل نے توڑی ہو نہ ہابیل کی گردن؟
جب سدرہ کے سائے سے گذرتی ہو مری آہ　　بے ساختہ ہل جاتی ہو جبریلؑ[5] کی گردن
زاہد کے تئیں اعضا کی طرف کر کے نگہ دیکھ　　سر بھتنے کا منہ جن کا، عزازیل کی گردن
اِنشا جبروت اور قوانی کے دِکھاوہ
سُن جس کو ہلے صاحبِ انجیل کی گردن

(۲۶۶)

عنقا ہو، اجی، طائرِ افسوس کی گردن　　پر یوں وہ نہیں جیسے ہو طاؤس کی گردن

---

[1] گودھ بھری (اب گود بھرائی بولتے ہیں) ایام شادی اور زمانہ وضع حمل کے وقت دلہن کے ساتھ ایک رسم ادا کی جاتی ہو جس میں اس کو سرخ رو پٹا پہنا کر کچھ سبز ترکاریاں کوزہ قند اور ناریل اس کی گود میں ڈالتے ہیں +
پشواز: ایک قسم کا جامہ یا گھیر دار پوشاک جو عورتیں اور خاص کر ہندوؤں کی عورتیں پہنتی ہیں۔

[2] سرافیل (= اسرافیل) مشہور فرشتہ جو صور منہ میں صور لیے ہو۔

[3] یوسفِ راحیل یعنی یوسف ابن راحیل۔ راحیل حضرت یوسف کی ماں کا نام ہو

[4] ربطِ مواخات۔ بھائی چارے کا تعلق + ہابیل و قابیل حضرت آدم کے بیٹے قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔

[5] گردن ہل جاتی ہو یعنی تعریف میں۔

یہ خوش خبری سنیے کہ کل رات سے صاحب
ہو بے حرکت آپ کے مایوش[1] کی گردن

تا چند سہے طوق و سلاسل کے شدائد
کر تن سے جدا اپنے تو محبوس کی گردن

جب تخت کیانی پہ نظر داغِ دل آوے
کیوں خم نہ ہو کیخسرو و کاؤس کی گردن

چوری جو کسی رات کی پکڑی، تو وہ بولے
کٹ جائے الٰہی ترے جاسوس کی گردن

جوں گاؤسر[2] رستم دستاں ہو مرا مُک
بازو وہ قوی رکھوں ہوں جوں لوش[3] کی گردن

پڑھ ریختہ اور ایسے توانی میں تو، اِنشا
جس پر کہ ہو خم مالکِ قاموس[4] کی گردن

(۲۶۷)

توڑوں[5] گا خُمِ بادۂ انگور کی گردن
رکھ دوں گا وہاں کاٹ کے اِک حور کی گردن

خود دار کی بن مشکل الفاظ "انا الحق"
نت چاہتے ہیں اِک نئے منصور کی گردن

کیوں ساقیِ خورشید جبیں کیا ہی نشے ہوں
سب یوں ہی چڑھا جاؤں ترے نور کی گردن

اُچھلی ہوئی ورزش سے ترے ڈنڈ کی مچھلی
ہے نام خدا جیسے سقنقور[6] کی گردن

تھا شخص جو گردن زدنی اس سے یہ بولے
اب دیکھیے ہو دینی جو منظور کی گردن

آئینے کی گر سیر کرے شیخ، تو دیکھے:
سرخرس کا منہ خوک کا، لنگور کی گردن

یوں پنجۂ مژگاں میں پڑا ہو یہ مرا دل
جوں چنگلِ شہباز میں عصفور[7] کی گردن

تب عالمِ مستی کا مزا ہو کہ پڑی ہو
گردن پہ مری اُس بُتِ مخمور کی گردن

---

[1] ن "مانوس"۔

[2] گاؤسر: گرز۔ ایک چھوٹا نیزہ طوس سپہ کیکاؤس کا ایک پہلوان جو رستم کا معاصر تھا۔

[3] عربی لغت کی ایک مشہور کتاب۔

[4] اشارہ ردیف دتوانی میں ان کے حریف مصحفی سے ان کی چوٹیں چلی ہیں چنانچہ ان کے ایک شاگرد نے انشا پر پھبتی یہ مصرع کہا ؎ باندھی دم لنگور میں لنگور کی گردن۔ کیونکہ انشا اپنی پگڑی کا سرا بطور تحت الحنک گردن میں لپیٹے رہتے تھے

[5] سقنقور: ایک قسم کی مچھلی۔

[6] عصفور: گنجشک خانگی۔

بیٹھا ہو جہاں، پاس سلیمان کے آصف — واں کیوں نہ جھکے قیصر و فغفور کی گردن
کھینچے ہو بغل اپنی میں اِس زور سے جو عشق — تو توڑنے پر ہو کسی مجبور کی گردن
اے مست یہ کیا قہر ہے خشتِ سرِ خم سے — کیوں تو نے صراحی کی بھلا چور کی گردن
محفل میں تری شمع بنی موم کی مریم[1] — پگھلی پڑی ہے اُس کی وہ کافور کی گردن
اے دیوِ سفیدِ سحری، کاش تو توڑے — ایک گھُٹنے سے خور کے شبِ دیجور کی گردن
جب کشتۂ اُلفت کو اُٹھایا تو الم سے — بس بل گئی اُس قاتلِ مغرور کی گردن[2]
بے ساختہ بولا کہ ارے، ہاتھ تو ٹک دو — ڈھلکے نہ مرے عاشقِ مغفور کی گردن

حاسد تو ہو کیا چیز؟ کرے قصدِ جو انشا
تو توڑ دے جھٹ بلعمِ باعور[3] کی گردن

(۲۶۸)

یہ آپ حُسن پہ اپنے گھمنڈ کرتے ہیں — کہ اپنے شیش محل میں ہی ڈنڈ کرتے ہیں
نہیں یہ توسنِ بادِ بہار کے جھونکے — پڑے اول، بچھڑے اکنڈ[4] کرتے ہیں
نہ مطربوں کی کسی نے سُنی، تو وہ ناچار — شروع دھوبیوں کی طرح کھنڈ[5] کرتے ہیں
جو باڑھ دینے پہ آجائیں کاٹ ہی کے جڑیں — تو ہم بھی سنگ دلوں کو کرنڈ[6] کرتے ہیں
اذیت اور نہیں کچھ، پر آتش افروزی — جگر کے پھوڑوں کی اب تک کھرنڈ کرتے ہیں
یہ سایہ دار درختوں کی دیکھیے قسمت — کہ یاں برابری اُن سے ارنڈ کرتے ہیں

---

[1] موم کی مریم = کپڑے یا کسی دوسری ملائم چیز کی گڑیا جو اِدھر اُدھر گھمائی اور توڑی مروڑی جا سکتی ہو۔ لکھنؤ میں موم کی مریم اس کمزور، نخیف المجثہ عورت کو کہتے ہیں جو بوجہ لاغری اور کمزوری کے ہر کام میں نازکی کا عذر پیش کر دیتی ہو۔ اس کو موسا چوسنا بھی کہتے ہیں۔

[2] گردن بل گئی یعنی افسوس کیا۔

[3] بلعم باعور: حضرت موسیٰ کے زمانے میں ایک اسرائیلی عالم تھا۔ مشہور ہو کہ اُس نے حضرت موسیٰ کو بد دعا دی تھی جس کی وجہ سے وہ چالیس برس تک بیابان تیہ میں سرگرداں رہے۔ یہ بھی مشہور ہو کہ یہ بہت طویل العمر آدمی تھا۔

[4] اول = خوش فعلیاں۔ اکنڈ بچھڑے۔ وہ جن پر سواری نہ ہوئی ہو

[5] کھنڈ = دھوبیوں کے گیت۔

[6] کرنڈ = وہ پتھر جس پر سان رکھتے ہیں۔

کھلا کے مال پُوے، تر تراتے موہن بھوگ — گروجی چیلوں کو اپنے بھُسنڈ[1] کرتے ہیں
نکلتی دل سے ہر ایک آہ بن کے جھاڑ پہاڑ — جو تجھ کو یاد ہم، اے جھاڑکھنڈ[2] کرتے ہیں
شراب اُن کو کہیں مت پلائیو، اِنشا
کہ وہ تو مست ہو، مجلس کو بھنڈ کرتے ہیں

(۲۶۹)

وہ جو شخص اپنی ہو تاڑ[3] میں سو چھپا ہو دل ہی کی آڑ میں
نہ وہ بستی میں نہ اُجاڑ میں نہ وہ جھاڑ میں نہ پہاڑ میں
مجھے کام تجھ سے ہو، اے جنوں نہ کہوں کسی سے نہ کچھ سنوں
نہ کسی کی ردّ و قدح میں ہوں، نہ اکھاڑ میں نہ پچھاڑ میں
یہ صبا نے قیس سے آکہا کہ سُنا کچھ اور بھی ماجرا
ترے پاس سے جو چلا گیا، تو کھڑا ہو ناقہ اُجاڑ میں
ارے آہ، تو نے غضب کیا مرے دل کو مجھ سے توڑا لیا
مرے جی کو لے کے جلا دیا۔ پڑے اختلاط یہ بھاڑ میں
خفگی بھی طرفہ ہر ایک شے پڑے قصّے ہوتے ہیں لاکھوں طے
وہ کہاں ملاپ میں لُطف ہو جو مزہ ہو اُن کے بگاڑ میں
مژہ پر جو پارۂ دل تھنبا وہ مثل ہوئی ہو اب، اے خدا
کہ درخت سے جو کبھی گرا تو وہ اٹکا آن کے جھاڑ میں
کہیں کھڑکیوں کی طرف بندھی مری ٹکٹکی تو اے لو، ابھی
گل نرگس آکے لگا گئی وہ پری ہر ایک دڑاڑ میں

---

[1] بھُسنڈ = موٹا تازہ۔

[2] جھاڑکھنڈ = جنگل، وہ جگہ جہاں جھاڑیاں بہت ہوں۔

[3] تاڑ (تاڑنا) سے بمعنی نظر۔ اپنی تاڑ میں = ہماری نظر میں۔ وہ میری تاڑ میں ہو = وہ میری تلاش میں ہو۔

مرے دل میں نشّے کا ہر مکاں مجھے سوجھتی ہیں وہ مستیاں
کہ کھجوری چوٹیوں والیاں پڑی پھرتی ہیں مری تاڑ میں
بڑی ڈاڑھیوں پہ بجا دلا، یہ سب آہوؤں کے ہیں مبتلا
یہ شکار کھیلیں ہیں برملا انھیں ٹیٹوں کی تو آڑ میں
کھڑی جھانکتی تھی وہی پری، نہیں شبہہ اِس میں تو واقعی
وہ جو عطرِ فتنہ کی باس تھی، سورچی ہوئی ہر کواڑ میں
نہ کر اپنی جان کو مضمحل، ارے انشا، اُن سے لگا نہ دل
تو دگر نہ ہووے گا منفعل کہیں آگیا جو لتاڑ میں

(۲۷۰)

کل وہ بولا[۱] مجھ سے ہنس کر چاہ ارے کچھ کھیل نہیں — میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں
زلف کو اُس کی میں نے جو سونگھا حال یہ بولے مونٹوں کے — دیکھتے کیا ہیں آپ اِدھر کو یاں تو تلوں میں تیل نہیں[۲]
موجِ نسیم اب سر پر اپنے خاک اُڑاتی پھرتی ہے — ہر ہر بندی والوں کے تیرے آتے نظر کوں خیل نہیں[۳]
حسرت و حرماں یاس و تمنا دردِ فراق و رنج و تعب — اپنے سر پر اتنی بلائیں ناحق اے دل جمیل نہیں

اُس کی نگہ کا زخم اُٹھا کر، انشا، تو کیوں لوٹے ہے
خنجر، ناوک، تیر نہیں کچھ برچھی، بلم، سیل[۴] نہیں

(۲۷۱)

نرگس[۵] نے پھر نہ دیکھا جو آنکھ اُٹھا چمن میں — کیا جانے کس نے کس سے کیا کر لیا چمن میں

---

[۱] ن: "رات وہ بولے ..... میاں کچھ کھیل نہیں۔ ہنسوڑ مذاق کرنے والا۔ مقطع: ترشی ہوئی داڑھی والا۔ سنجیدہ، متین مہذب بزرگ۔

[۲] تلوں میں تیل نہ ہونا۔ محاورہ کچھ گنجائش نہ ہونا۔ محض بے مروت ہونا۔

[۳] بندی والے = قیدی = خیل = گروہ، مجمعے۔

[۴] سیل چھوٹا نیزہ۔

[۵] مقابلہ کرو۔ [جب دیکھتا ہوں تجھ کو تنہا بھن چمن میں + کس کس طرح کی باتیں آتی ہیں میرے من میں] میر

چڑھ بیٹھا، یاسمن کی گردن پہ عشق پیچا — آیا کدھر سے کافر یہ تسمہ[1] پا چمن میں
نالے پہ میرے نالے کرنے لگی ہر اب تو — بلبل نے یہ نکالا نخرا نیا چمن میں
تکلیفِ سیرِ گلشن، اے ہمصفیر، مت دے — اُس گل بغیر میرا کب دل لگا چمن میں
ہر کیوڑے کی مادہ کیا چیز کیتکی جو — اِس بو کو تیری پہنچے وہ بوغما[2] چمن میں
کچھ اوس سی گلوں پر کیوں پڑ گئی یکایک — دیکھو تو کن نے کھولے بندِ قبا چمن میں
داؤدی[3] آج پہنے عیسیٰ کا پیرہن ہر — ٹک سیر کیجے عالم مہتاب کا چمن میں
مجھ کو دکھا جو اُن نے کاجل دیا، تو اس کے — معنی یہ تھے کہ شب کو نرگس کے آ چمن میں
ایسی ہوا چلے ہر، تو بھی نہ پوچھے کوئی — کوئل کا جاوے کوا گر منہ چڑا، چمن میں
بجلی نہیں چمکتی، نے ابر ہر یہ تجھ بن — پھرتی ہر آگ اڑاتی کالی بلا چمن میں
ہر ہر پھریری لے لے، تیرا یہ کہتے جانا: — چلتی ہر ٹھنڈی ٹھنڈی کیا ہی ہوا چمن میں
ایک اہلِ خطہ مجھ سے ہو کر خفا یہ بولا — میں نے جو اُس کو کانا کچو[4] دیا چمن میں
چاہیے[5] اوقف پکڑنا تو بے عقل شعر نیست — مجھ کو اندر خندا تو کیا لے کیا چمن میں

میں صدقے اُس کے اِنشا مجھ کو جو کر اشارہ
مہندی کی ٹہنیوں کی اوجھل چھپا چمن میں

(۲۷۲)

تھا نہاں لطف و کرم چین جبیں کی تہ میں — "ہاں" ڈھپی صاف ہر ایک اُن کے "نہیں" کی تہ میں
قافلہ نجد سے گذرا تو لگا اُٹھنے وہیں — درد سا ایک دلِ ناقہ نشیں کی تہ میں

---

[1] تسمہ پا۔ ایک قسم کے وحشی جن کے پانوں لتسے کے سے ہوتے ہیں۔ انھیں دوال پا بھی کہتے ہیں۔

[2] بوغما: بہ تشکل بھدی چیز۔ لکھنؤ میں بلا بوغما ملا کر بولتے ہیں۔

[3] داؤدی سے یہاں گل داؤدی مراد ہر۔

[4] کچو۔ اردی۔

[5] یہ شعر کشمیری زبان میں ہر صحیح طور پر نہیں پڑھا جا سکا۔ مطابق اصل نقل کیا گیا۔

شدرِ آہ کی پیچک کو ہماری ملکوت
چاہتے ہیں کہ رکھیں† عرشِ بریں کی تہ میں

آج کشتے کو ترے قبر میں رکھتے ہیں لوگ
دفن اک زلزلہ ہوتا ہو زمیں کی تہ میں

عشق کا داغ مرے دل پہ ہویدا ہو یوں
جوں کلف ہو جگرِ ماہِ جبیں کی تہ میں‡

اُس کے کوچے سے صبا آئی تو یاں اُٹھنے لگی
ایک پھریری سی رگِ جانِ حزیں کی تہ میں

سیدِ انشا کے دمِ سرد سے اُٹھتی ہو ایک
گدگدی شہرِ جبریل امیں کی تہ میں

۲۷۳

آج وہ جلوہ فروز اپنے جو منظر میں نہیں
تو چمک ذرہ بھی اِس خسرو خاور میں نہیں

تابِ فرقت کی مرے جسمِ محقر میں نہیں
صبر کا دخل کہیں اِس دلِ مضطر میں نہیں

کوئی اس ترکِ جفا پیشہ سے پوچھے تو سہی
کیا مگر رسمِ وفا آپ کے کشور میں نہیں

دل کے رُک جانے کی حالت کو بھلا کیا کیجے
روک ٹوک ایسی تو کچھ سدِ سکندر میں نہیں

زورِ بازو سے کماتے ہیں سو یہ کہتے ہیں
خشک روٹی میں مزا ہے سو مُزعفر میں نہیں

ذکرِ مجنوں میں یہ کہنے لگی لیلیٰ اب تو
لہو کی چھینٹ بھی اُس کے تنِ لاغر میں نہیں

پھونک دے کان میں شہزادۂ گل کے کوئی
کہ ارے بوے وفا جسمِ صنوبر میں نہیں

آپ کے پاس تو ہیں سینکڑوں چیزیں موجود
لیکن اُن چیزوں سے کچھ اپنے مقدر میں نہیں

طائرِ ذہن کو مولا نے جو طاقت بخشی
تاب پرواز وہ جبریل کے شہپر میں نہیں

گھر کیاں جو مغل تازہ ولایت کو ہیں یاد
غور کیجے تو وہ اصلا کسی بندر میں نہیں

دین و دنیا کے تماشے سبھی یاں ہیں حاضر
ہے وہ کیا شے کہ فقیروں کے جو بستر میں نہیں

معنی آیۂ لا اسئلکم سیدنا
جو نہ سمجھے تو وہ اسلام کے لشکر میں نہیں

لہ گدگدی اُٹھنا - وجہ محرک پیدا ہونا - ۲ یہ غزلیں ق نسخوں میں نہیں ہیں :- ۲۷۳، ۲۷۹- ۲۸۱- ۲۸۲-

* ق، ق ۲، ق۳: "دھرتے"

† ق، ق ۲: "کہتے ہیں رہ گئی اِس"

‡ یہ شعر ق ۳ اور م نسخوں میں نہیں ہے۔

قصرِ جنت ہو اگر بدرۂ زر پر تو وہاں
کوئی بھی بدرہ زر دست اباذر میں نہیں

آج کچھ کام میں ہوں کوئی جو پوچھے مجھ کو
تو یہ باہر ہی سے کہہ دیجو کہ وہ گھر میں نہیں

لکھنے پڑھنے سے معاف آپ مجھے رکھیے گا
طاقتِ نامہ بری میرے کبوتر میں نہیں

میری اُمید بر آتی ہو اب انشاءاللہ
کون سی چیز ہر اللہ کے جو گھر میں نہیں

دل کو لے بھاگے کدھر ہاتھ سے تیرے انشاؔ
کوئی کھڑکی بھی تو اِس گنبدِ بے در میں نہیں

(۲۷۴)

ہو ادا کون سی جو اِس تری اُن اُن میں نہیں
لطف ہر یاں جو پھبن کا سو وہ یوسف میں نہیں

کچھ عجب لیلیٰ و مجنوں کی کہانی گذری
کون سا شخص ہر جو اُن کے تاسُّف میں نہیں

بات ہونی ہو سو فی الفور ہی ہونی اچھی
خوب اگر سوچیے کچھ حُسن توقف میں نہیں

بادشاہت پہ اُنھیں لوگوں کی غش ہوں میں تو
گانو اوجڑ بھی کوئی جن کے تصرّف میں نہیں

بے تکلّف پڑے پھرتے ہیں مزے میں انشاؔ
سو وہ بے شبہہ کہ اقسامِ تکلّف میں نہیں

(۲۷۵)

لیلیٰ و مجنوں کی لاکھوں گرچہ تصویریں کھنچیں
مل گئیں سب خاک میں جس وقت زنجیریں کھنچیں

کھینچ رہیں انشاؔ سے جو پریاں تو اُن کا کیا گناہ[1]
وہ تو اُس کے سر پہ ثابت کر کے تقصیریں کھنچیں

(۲۷۶)

جب ہوئیں پریاں ہوا کھانے کو کھڑیاں[2] باغ میں
خود بخود بجنے لگیں غنچوں کی گھڑیاں باغ میں

---

[1] ن: "کا دوش کیا"۔ [2] ہوئیں کھڑیاں اب متروک ہے۔ اب کھڑی ہوئیں بولتے ہیں۔

نوعروسانِ چمن کا دیکھیے کا اختلاط — چل رہی ہیں خوب سی پھولوں کی چھڑیاں باغ میں
قمری و بلبل سے بچتے، مات کر ڈالا اُنھیں — جھیل ڈالیں آج ہم نے سخت کڑیاں باغ میں
ٹوٹے دیوانے ترے تو جا بجا رہ گئیں — ٹوٹ ٹوٹ اُن کی وہ زنجیروں کی کڑیاں باغ میں
خوب سے ہم تم گلے مل مل کے باہم روئے جب — تو عجائب لگ گئیں کچھ مینہ کی جھڑیاں باغ میں
چھا رہی ہیں آپ بن کالی بلائیں زیر تاک — جھنجھنیں آتی نظر ہیں لیٹی پڑیاں باغ میں
شبنم و باد صبا و بوے گل سب ہیں خفا — رُک گئیں ساری کی ساری چھوٹی بڑیاں باغ میں
مفت میں کل کھا کے تیما آپ ناحق لڑ پڑے — نرگستاں سے جو میری آنکھیں لڑیاں باغ میں
دیکھ کر سوسن کی رنگت دھیان اپنے چڑھ گئیں — اِن پری زادوں کی وہ مستی کی دھڑیاں باغ میں

اب تو اِنشا اس غزل کا قافیہ تنگ آگیا
تو لُٹا دے اور ہی موتی کی لڑیاں باغ میں

۲۷۷

دیکھ کر اک دو جنوں کی رنگ رلیاں باغ میں — کھلکھلا کر ہنس پڑیں پھولوں کی کلیاں باغ میں
تھک گئیں لے لے بلائیں قمریاں اور بلبلیں — تم نے دیں اپنے جو مُنہ کی مجھ کو ڈلیاں باغ میں
کیا ہوا جو بند دروازہ کیا، اے باغباں — کھل رہی ہیں ہر رگِ گل کی تو کلیاں باغ میں
نرگستاں پر جو عالم خواب کا سا چھا گیا — لے جمائی اپنی آنکھیں کن نے ملیاں باغ میں
ہر روش پر لگ گئے مقیش کے تاروں کے ڈھیر — کچھ پری زادیں جو اپنے ساتھ چلیاں باغ میں

پھل کسی ڈھب کا نہ توڑا انشا کسی کو دُکھ نہ دے
تا دعا تجھ کو کریں سب پھول پھلیاں باغ میں

۲۷۸

کیوں نہ ہوں ہر گل کے جوڑے آج افشاں باغ میں
مل کے ہولی کھیلتی ہیں آج پریاں باغ میں

آج شاید عرسِ بلبل کا ہوا ہو، اے نسیم
آتشِ گل نے کیا ہو جو چراغاں باغ میں

۲۷۹

تفضلات نہیں، لطف کی نگاہ نہیں — معاملہ ابھی مطلق وہ رو براہ نہیں
غلط ہر آہ، کہ ہر دل کو دل سے راہ نہیں — کہ تیری چاہ مجھے، تجھ کو میری چاہ نہیں
غلام ہم تو ہیں ایسے مزاج والوں کے — کسی کے ساتھ کسی ڈھب کی جن کو راہ نہیں
ہماری چوری جو ثابت ہوئی، دلیل بھی کچھ؟ — مُقر نہیں، کوئی شاہد نہیں، گواہ نہیں
تواضع آپ کی ہم کیا کریں بھلا صاحب — بقول شخصے اِس اپنے جگر میں آہ نہیں
دکھائیاں جو یہی ہیں تو اِس طرح اپنا — نہیں نہیں نہیں، ہرگز نہیں، نباہ نہیں
حرم سے دیر میں یاں آب و دانہ لے آیا — بربِ کعبہ مرا اس میں کچھ گناہ نہیں
نہ کچھ جہت، نہ سبب، قاہ قاہ ہنستے ہو — تمھاری خوش مجھے آتی ہے قاہ قاہ نہیں

کہوں بقیدِ قسم لا الٰہ الّا اللہ
کہ تاب ہجر بس اب مجھ میں اے الٰہ نہیں

۲۸۰

یاس و امید و شادی و غم نے دھوم اُٹھائی سینے میں — خوب مچی ہے آج دھما دھم مار کٹائی سینے میں
دید کیا جو وادیِ مجنوں ہم نے دمن میں وحشت کی — شکلِ مجسم ہو کے جنوں کی آن سمائی سینے میں
شیخ و برہمن، دیر و حرم میں ڈھونڈھتے کیا ہو لاحاصل — موند کے آنکھیں دیکھو تو ہے ساری خدائی سینے میں
ٹھہر کیا یہ تم نے صاحب آنکھ لڑانا آفت تھا — جھٹ پٹ† دل کو پھوک دیا اور آگ لگائی سینے میں

حضرتِ دل تو کب کے سدھارے خوب جو ڈھونڈا انشا نے
ایک دھواں سا آہ کا اٹھا۔ خاک نہ پائی سینے میں

بنجہ: یہ غزل ق ۳ میں نہیں ہے۔ † ق: "چٹ پٹ"۔

(۲۸۱)

بس ہو چکے آغشتہ بخوں دست و گریباں
ہو مجھ سے نہ اے دیوجنوں دست و گریباں

مارے ہوئے ایک زلف کے ہیں خیر ہمارا
تم چھوڑ دو اے اہل فسوں دست و گریباں

احیاناً اگر نام ترا بے ادبی سے
لے کوئی تو اُس کا ابھی ہوں دست و گریباں

لاکھوں کے ہیں اِس بادہ گلگوں کی بدولت
تر دامن و آغشتہ بخوں دست و گریباں

یوں چاہیے آپس میں نہ ایک آن جدا ہوں
اے ولولۂ شور جنوں، دست و گریباں

بے شغل رہیں دست و گریباں تو، دلا، میں
حاشا کہ پھر اُن کو نہ کہوں دست و گریباں

ہر قوت ایجادیِ اذہان بھی، اِنشا
یا معرکۂ کُن فَیَکون دست و گریباں

(۲۸۲)

زمیں پر رکھتے یہ تسبیح والے کچھ کُدھب ڈگ[1] ہیں
ہر اک پھانسی میں سو سو ہیں بڑے قزاق ہر ٹھگ ہیں

چھپے کیا اُن حکیموں سے حقیقت نبضِ آدم کی
نظر کرتے ہی وہ جو تاڑ لیتے کل کی رگ رگ ہیں

گلے لگ لگ کے سو ناوہ جو اُن کا یاد پڑتا ہے
تو اپنے سامنے کچھ غیب سے آجاتے لگ لگ[2] ہیں

مجھے دے جام مے، ساقی گرجتے ہیں اُدھر بادل
اِدھر کوٹھوں کے پرنالے بھی کرتے شور گگ گگ ہیں

عوام النّاس سے مت رکھ توقع آدمیت کی
کہ اکثر گرگ روباہ و شغال و گربہ و سگ ہیں

شبِ ہجراں میں سانپوں کے چمکتے ہیں یہ من، اِنشا
نہ یہ جگنو نہ یہ تارے، نہ یہ الماس کے نگ ہیں

(۲۸۳)

غم و درد و تاسّف و یاس و الم سے دلا! مجھے آہ فراغ کہاں
مری جانے بلا خبر اب یہ کسے: خُم بادہ کدھر ہے، ایاغ کہاں

---

[1] ڈگ = لبادہ۔ کدھب ڈگ رکھنا: نئی چال چلنا۔ [2] لگ لگ = ایق ایق = ایک خوبصورت سارس کی طرح کا پرند۔

اِدھر آن کے دیکھو تو، برہمناں! مرے داغِ جگر کے فروغ کو ٹک
تمھیں اپنے بتوں کی قسم ہو بھلا یہ کنشت کے بیچ چراغ کہاں

مجھے جانبِ باغ نہ لے چلو، کہ فسردہ ہو طبع یہاں ایسی[ب]
جسے نکہت گل یہ خوش آوے، بھلا وہ مزاج کدھر وہ دماغ کہاں

ہوئی بستی اُجاڑ فراق کی اب، جو حصول وصالِ نگار ہوا
تپش اپنے تو سینے سے چل ہی بسی، گئی آہ جگر کی۔ وہ داغ کہاں

بُنِ غار میں، قُلّۂ قاف میں اور حریمِ حرم میں تو اِنشا پھرا
جسے ڈھونڈتے تھے وہ تو دل ہی میں تھا، ہمیں دیکھ ملا یہ سراغ کہاں

ردیف (و)

+

(۲۸۴)

جس پر کہ ترا سایۂ دامانِ قبا ہو — کیوں اُس کے تصدّق نہ بھلا بادِ صبا ہو
اُس گل کے اگر پاس تری بوے قبا ہو — دنیا ہو غرض اور تو، اے بادِ صبا[ا] ہو
اِن آپ کے لوگوں سے بگڑ ہم نہیں سکتے — کیا کیجے جو پتھر کے تلے ہاتھ دبا ہو
"نی خمسۂ اُطفی"[ج] کی دعا کا ہو جہاں ورد — کیا معنی کہ اُس ملک میں کچھ دخل وبا ہو
صد حیف کہ اِفلاس کے عالم سے ہو پامال — وہ شخص جو سرکردۂ قوم نجبا ہو
لازم ہر اُسے جس کو خدا بخشے اِمارت — یک[د] چشم ترحم تو لبوے غربا ہو

ب: ق ۲: "چلو ہر سیر فسردہ ہی طبع کو یہاں"۔ "ایسی" کی جگہ "اپنی" پڑھنا بہتر ہوگا۔ ق میں یہ غزل نہیں ہے۔

+ یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

ا پتھر کے تلے ہاتھ دبنا = مجبور اور بے بس ہونا۔

ج یعنی "نی خمسۃ اطفی" بہا حرّ الوباء الحاطمۃ۔ المصطفیٰ والمرتضیٰ وابناہما والفاطمۃ۔ یہ ایک دعا ہے جو دفع وبا کے لیے مؤثر سمجھی جاتی ہے

د یک چشم ترحم = تھوڑا سا رحم۔

باندھ اور قوافی بھی کچھ ایک لیے ہی انشا
جس سے کہ بپا غلغلۂ واعجباؔ ہو

(۲۸۵)

کہہ بیٹھیے صاف اُس سے یہ دل جس سے نہ وا ہو
رے واو زبر رو ہو، اُڑ نچھو ہو، ہوا ہو

حاضر یہ کتابیں ہیں انھیں دیکھیے ہر گز
دل کا جو ستانا کسی ملّت میں روا ہو

سیمرغ و ہُما رقص کناں ہیں مرے آگے
اُس پر چڑھے کیا دھیان جو اِتنا سا لوا[۲] ہو

لکھ میں نے دیا خطِّ غلامی اُنھیں کر مُہر
لو دستخط اس پر کرو تم اپنے، گوا ہو!

واشد مرے تب دل کو ہو اے ابرِ بہاری
جب زمزمہ پردازِ چمن گرمِ نوا ہو

اُس شیخ سیہ چہرہ کو ہنگامِ تبسّم
دیکھا تو کہا میں نے یہ ہنستا نہ تو وا ہو

حاجت نہ معاند کی روا مجھ سے ہو ہرگز
ہر چند وہ چکّی میں پڑے پس کے رَوا ہو

گاہے بہ دمے یادِ رمے یا قلمے، کچھ
کردہ کہ کسی شخص کی حاجت تو رَوا ہو

انشا کو بھی دے ڈال نہ اے عیسیِ مریم
گر کچھ مرضِ عشق کی تجھ پاس دوا ہو

(۲۸۶)

رکھتا ہوں، دیکھ برسرِ جبر[+] اپنے یار کو
مَیں تھام تھام اِس دلِ بے اختیار کو

فرہاد کو جنوں نے ٹھکانے لگا دیا
اب جا کے ہم بسائیں مگر کوہسار کو

کل میں نے چھیڑ چھاڑ جو معقول اُن سے کی
غصّہ ہو بولے: آگ لگے تیرے پیار کو

---

[۱] واعجبا : کلمۂ تعجب یعنی سبحان اللہ - واہ واہ -

[۲] لوا : ایک چھوٹی چڑیا -

※ یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے -

[+] ق ۲ : "نہیل"، م ۳ : "خیر" -

بے طرح لگ چلے ہو خبر شرط ہے، اجی — پھر رُک کہیں نہ جائیو تم اپنی بار کو
مرن بعد مرگ ہے یہ وصیت تجھے نسیم — ق لانا بجا کہ چین ہو مجھ بے قرار کو
لے جائیو برائے زیارت نجف تلک — رکھیو نہ خاک ہند میں اِس خاکسار کو
جا کر بلا میں روضۂ اقدس کے سامنے — دیجو فشار اِس مری مشتِ غبار کو
ساقی ہوائے ابر ہے جلدی سے جام لے — چمکے ہے برق، توڑ نشے کے خمار کو

انشا تو اینڈتے ہیں پڑے میکدے کے بیچ
کہیو سلام زاہدِ شب زندہ دار کو

(۲۸۷)

لہرا دیا صبا نے جو کل سبزہ زار کو — ق وہیں گھٹا نے گھیر لیا چشمہ سار کو
جوش و خروش رعد نے یہ دھوم دھام کی — ہرگز کوئی کسی کی نہ پہنچا پکار کو
بجلی تڑپ تڑپ کے دکھانے لگی چمک — رونق ہوئی دوچند ہر ایک برگ بار کو*
کچھ لکّہ ہائے ابرِ سفید و سیاہ پھر — مستانہ جھوم جھوم چلے کوہسار کو
شادابی ہوا نے یہ چاہا کہ کیجیے — محبوس، کوچۂ رگِ گل میں بہار کو
اُڑنے لگیں ملار کی تانیں فلک تلک — سازندے چھیڑنے لگے بین و ستار کو
گویا ترانہ سنجیِ مطرب سے حال تھا — اشجارِ گلستاں کے ہر ایک شاخسار کو
ہم مشرب اپنے چند جواں تھے، سو نہر پر — تشریف لے گئے بطمے کے شکار کو
ساقی نے جامِ بادۂ گلفام دے مجھے — کہنے لگا "ہوا ہو" نشے کے خمار کو
القصہ پھر تو بیچ میں لا کر ملا دیا — زور آور بہار نے انشا سے یار کو

بولی یہ عندلیب کہ باقی نہ چھوڑیو
ایسے سمیں میں خواہشِ بوس و کنار کو

---

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

(۲۸۸)

چھیڑنے کا تو مزا تب ہو کہو اور سنو
بات میں تم تو خفا ہو گئے۔ لو اور سنو

تم کہو گے جسے کچھ، کیوں نہ کہے گا تم کو
چھوڑ دے گا وہ بھلا، دیکھیے تو اور سنو

یہ بھی انصاف ہے کچھ سوچو تو اپنے دل میں
تم تو سو کہہ لو مری کچھ نہ سنو۔ اور سنو

اب تو کچھ اتنے خفا ہو کہ کہو ہو مجھ سے
ہے قسم تم کو مرا نام نہ لو۔ اور سنو

غرض احوال مرا سن کے جھڑک کر بولے
جاؤ، رے واہ زبردست ہو، چلو اور سنو

چل کے دو ایک قدم دیکھتے پھر ہو یوں کو
گالیاں سن تو چکے۔ چاہتے ہو اور سنو؟

آپ ہی آپ مجھے چھیڑو، رُکو پھر آپ ہی
آپ ہی بات میں پھر روٹھ رہو۔ اور سنو

آفریں، ایں نہ بہی چاہیے۔ شاباش تمھیں
دیکھ روتا مجھے یوں ہنسنے لگو۔ اور سنو

بات میری جو نہیں سنتے اکیلے مل کے
ایسے ہی ڈھب سے سناؤں کہ سنو اور سنو[1]

شکوہ سنج آپ سے انشا ہو، سو اس کا کیا فعل
تم نہ مانو تو کہیں چپکے چھپو اور سنو

(۲۸۹)

اپنی پھر کہیو ہماری پہلے مک سن لو، رہو[2]
کر رکھو اپنا کسی کو یا کسی کے ہو رہو

صاحبو میری سفارش اُس سے مت کوئی کرو
دیکھو تو ہوتا ہے کیا آخر کو چپکے تو رہو

میرے ہی سر کی قسم ہے نام جانے کا نہ لو
مجھ کو پیٹو[3] آج اگر تم اپنے گھر جاؤ، رہو

اب جواں، فضلِ الٰہی، ہو چکے کیا ڈر تمھیں
آؤ بیٹھو کھیلو کودو، لوٹو پوٹو، سو رہو

دوستو انشا کے رونے کو نہ دیکھو آنکھ کھول
پھوٹ بہنے دو کہیں دل کے پھپھولے کو، رہو

---

[1] سنو اور سنو: مزید سنو۔
[2] پیٹو: رودو۔ بطور واسطہ یا قسم دلانے کے لئے
بجز ق ۳: "سن تو رہو"۔

۲۹۰

کام فرمائیے کس طرح سے دانائی کو
لگ گئی آگ ہی یاں† صبر و شکیبائی کو

عشق کہتا ہو یہ وحشت سے جنوں کے حق میں
چھیڑ مت بختوں جلے[۵۱] میرے بڑے بھائی کو

کیا خدائی[۵۲] ہو منڈانے لگے اب خط کو وے لوگ
دیکھ کر ڈیوڑھی میں چھپ رہتے تھے جو نائی کو

وعدہ* کرتا ہو غزالانِ حرم کے آگے
کس نے یہ بات سکھائی ترے سودائی کو

گرچہ ہیں آبلہ پا دشتِ جنوں کے اے خضر
تو بھی تیار ہیں ہم مرحلہ پیمائی کو

اِک بگولا جو پھرانا قۂ لیلےٰ کے گرد
یاد کر رونے لگی اپنے وہ صحرائی کو

مست جا روب کشی کرتے ہیں یاں پلکوں سے
کعبہ کب پہنچے ہو میخانے کی ستھرائی کو

جی میں کیا آگئی انشاؔ کے یہ بیٹھے بیٹھے
کہ پسند اُس نے کیا عالمِ تنہائی کو

۲۹۱

جوششِ قلزمِ احد دیکھو
دیکھو دیکھو یہ جزر و مد دیکھو

جملہ اشیائے کائنات کے بیچ
ہر طرف جلوۂ صمد دیکھو

آیۂ "اَینَما تُوَلُّوا" کا
ماحصل، خوب کر کے کد دیکھو

پڑھو آگے "فَثَمَّ وَجہُ اللہ"
یعنی اِس قول کی سند دیکھو

کہہ اُٹھا قیس جھٹ "اَنا لیلےٰ"
جذبۂ عشق کی مدد دیکھو

مثلِ آئینہ ہیں جو یہ فقرا ق
اِن کا مستِ خرقۂ نمد دیکھو

---

† ق ۳ : "آگ یہاں"

۵۱ بختوں جلا = بدنصیب۔

۵۲ کیا خدائی ہو = کیا خدا کی شان ہو۔

* م = "وعدہ"۔

بس "یدُ اللہ فوقَ اَیدیھم" چپکے سے پڑھ لو اِن کو جد دیکھو
"لیس فی جُبَّتی سِوَی اللہ" کا پرتو اِن میں جد نہ تد دیکھو
حلقۂ نور گرد ہر ان کے تک یہ لمع جبین و خد دیکھو
وقت کے بادشاہ ہیں درویش اِن کا چھوٹا سا یہ نہ قد دیکھو
ہے قلمرو جو اِن کا ملکِ جنوں لمحات اس کے لاتُعَدّ[1] دیکھو
اِن کی شاہی میں کچھ جو شک ہووے تو بھلا مجھ سے شرط بد دیکھو
آنسوؤں کا جو اِن کے لشکر ہے اُس کو تم بیشمار و حد دیکھو
دودِ دل کا بندھا جو لگّہ ابر سو وہ تخت اب بہ شد و مد دیکھو
گر نہ مانو تو سر پہ ان کے یہ آہ کا صاف جزر و مد دیکھو

اِن میں اِنشا خود آپ ہیں، ورنہ
عشق دیکھو اور اُن کا قد دیکھو

(۲۹۲)

مرتا ہوں۔ اجی، زباں سے بولو بولو مجھ ناتواں سے بولو
بس حضرتِ دل نہ روٹھو اُس سے اپنے تم دلستاں سے بولو
صاحب کا نہ چاہتا ہو گر دل تو خاطرِ دوستاں سے بولو
بن بولے نہ رہ سکو گے ہرگز اُس مشفق و مہرباں سے بولو
میں تو غش ہوں کہاں تلک ناز ہر ہر مجھ نیم جاں سے بولو
کعبے میں نہ ڈھونڈ میرے دل کو اِس کی کوے بتاں سے بُولو[2]

---

[1] یہ قول حضرت بایزید بسطامی کا ہے جس کے معنی ہیں میرے جُبّے میں سوائے اللہ کے اور کچھ نہیں ہے۔

[2] لاتُعَد = بے شمار۔ بے گنتی۔

[3] بُولو = بُو۔ لو۔ بولینا = تلاش کرنا۔

* ق میں یہ غزل نہیں ہے۔

بس ہم سے نہ بولو جاؤ، اپنے
اِنشا اللہ خاں سے بولو

(۲۹۳)

ضعف آتا ہے دل کو تھام تو لو — بولیو مت بھلا سلام تو لو
کون کہتا ہے بولو، مت بولو — ہاتھ سے میرے ایک جام تو لو
ہمصفیر و چھٹو گے، مت تڑپو — دم ابھی آ کے زیرِ دام تو لو
انھیں باتوں پہ لوٹتا ہوں میں — گالی پھر دے کے میرا نام تو لو

اِک نگہ پر بکے ہے اِنشا آج
مفت میں ہے یہ اک غلام تو لو

(۲۹۴)

دے ایک شب کو اپنی مجھے زرد شال تو — ہے مجھ کو سو نگھنے کی ہوس، سو نکال تو
پہونچے مہک نہ اِس کی پرستان میں کہیں — سوندھا[1] لگا کے کھول نہ یوں سر کے بال تو
دیکھ آئینے میں عکس کو کہنے لگا وہ شوخ — ٹک میرے گال سے تو ملا اپنا گال تو
صدقے میں اس گھڑی کے نشے میں وہ جب کہے — چلتا ہوں پانوؤں پر مرے باز و سنبھال تو
یہ راگ[2] اور لائے نیا وہ کہ کہتے ہیں — پٹا[3] تو مجھ سے سن لے ولی کا خیال تو
مت پنجے جھاڑ کر کے چمٹ چل پرے سرک — بس اے جنوں نہ ہو مرے جی کا وبال[4] تو
اے شیخ مجھ کو کچھ نہیں طوبیٰ کی آرزو — سائے میں اُس کے بیٹھ کے ہو جو نہال تو
میں جو کہا کبھی تو بھلا او کے چوکے مل[5] — باتوں ہی باتوں میں مجھے اِتنا نہ ٹال تو

---

[1] سوندھا: ایک قسم کی خوشبودار مٹی یا کوئی مرکب خوشبودار چیز جو نہاتے وقت عورتیں سر میں لگاتی ہیں۔
[2] راگ لانا: (محاورہ) ضد اور ہٹ کرنا۔ ایک نئی فرمائش کرنا + پٹا اور خیال راگ کی دو قسمیں ہیں۔
[3] او کے چوکے: بھولے سے۔ کبھی کبھی۔
[4] ق ۲: "زوال"

ہنس کر لگا یہ کہنے کہ اے بجا کو آفریں — رکھتا ہو میرے ساتھ یہ اچھا سوال تو
میں اور تجھ سے بات کیوں منھ تو دیکھیو — یہ بھی میں کر رہا ہو خیالِ محال تو
اِتنا بھی تو گلے نہ پڑ، اِفشا، اب اِس سے بس
کہتا ہوں سوچ کھیل ذرا دیکھ بھال تو

(۲۹۵)

ہو یہ دھڑکا نہ کہیں دیدۂ حیراں تر ہو ● عرقِ شرم سے شاید رُخِ جاناں تر ہو
اب مرے اشک سے یارب، نہ یہ داماں تر ہو — آستیں اُن کی بھی بھر جائے گریباں تر ہو
اُس کی مژگاں سے تصوّر کو لڑاؤں تو وہیں — آبِ نشتر سے رگِ ابرِ بہاراں تر ہو
ایسے کیا وصل سے کچھ دل کو تسلّی ہو وے — وصل جو خواب پریشاں سے پریشاں تر ہو
آٹھ آٹھ آنسوؤں سے شاہدِ مٰی† روتی ہو — چاہیے آج گریانِ مُحَمّدی خواں تر ہو
باب پنجم کی مجھے سیر سے رقت آئی
کہیں ایسا نہ ہو سعدی کہ گلستاں تر ہو

(۲۹۶)*

جو ہر گھڑی مجھے کہتا ہو: تم تو واہی ہو — وہ بُت جو رام ہو اپنا، تو اب خدا ہی ہو
گناہ کا جو کیا ذکر میں نے تو بولے — نباہوں تب، جو کسی سے کبھی نباہی ہو
گئے وہ دن اُمرا زادگی کے، اے یارو — اُٹھا لو تیغ و سپر، اور اب سپاہی ہو
دعا ہمیشہ یہی مانگتا ہوں بعدِ نماز — کہ میرے صاحبِ عالم کو بادشاہی ہو
جو خانہ زادِ سلیماں شکوہ ہو دل سے — اِلٰہی اُس کو مراتب ہو اور ماہی ہو

لہ دیکھ بھال کے کھیلنا = سوچ سمجھ کے کام کرنا۔ کام میں جلدی نہ کرنا۔

● یہ غزل صرف ق ۳ میں ہو۔

† ق ۳ میں یوں ہی ہو۔ غالباً شاہدِ مٰی (= شاہدِ قبیلہ) مقصود ہو یعنی لیلیٰ۔

* یہ غزل صرف ق اور ق ۲ میں ہو۔

بروحِ حضرتِ مشکل کشا علی جلدی جو خواہش اُس کی ہو سو جلد یا الٰہی ہو
خدا نکردہ اُلٹ جائے گر زمانہ بھی
اور اُس کے ساتھ ہو انشا تو آشنا ہی ہو

(۲۹۷)

کوئی اس دامِ محبت میں گرفتار نہ ہو اے خدا یہ تو کسی بندے کو آزار نہ ہو؟
کیجے اقرار کچھ ایسا کہ پھر انکار نہ ہو یعنی آپس میں کسی ڈول کی تکرار نہ ہو
غیر کو صحبتِ دلدار میں کیوں بار نہ ہو یعنی کیا معنی جہاں گل ہو وہاں خار نہ ہو
دیکھ آئینے میں منہ اپنا، خریدار نہ ہو ناک چوٹی میں بس اتنا بھی گرفتار نہ ہو
اُس کے ملنے سے گرانی ہی پھر آجاتی ہے نکہتِ گل کی طرح سے جو سُبکبار نہ ہو
کیا خوش آیا یہ مقطع ہو کل اُن کا کہنا: آدمی کیا کہ جسے بوجھ نہ ہو بھار نہ ہو
سیر تو ایک طرف لاکھ غنیمت کہ یہاں سانس لینے میں کوئی شخص گنہ گار نہ ہو
چاہیے کیجے خریداری اُسی جنس کی اب جس کی مطلق کہیں کچھ گرمیِ بازار نہ ہو
جام، اے ساقیِ گلفام، وہ کس کام بھلا آدمی پی کے جسے خوب ہی سرشار نہ ہو
سطرِ منصور کے لوہو سے ہوئی یہ تحریر یعنی سردار نہیں وہ جو سرِ دار نہ ہو
اُس سے ناداں ہو بھلا کون جو اِس راہ کے بیچ مستعد باندھ کر چلنے پہ تیار نہ ہو
نالۂ مرغِ چمن نے اُسے بد خواب کیا مجھے ڈر ہے کہ خفا مجھ سے وہ دلدار نہ ہو
ہے تو یہ قصد کہ چھیڑوں اُسے لیکن کیونکر میں جو چھیڑوں، تو بھلا مجھ سے وہ بیزار نہ ہو؟
ہر طرف میں ترے دیدار کے بھوکے لاکھوں پیٹ بھر کر کوئی ایسا بھی طرحدار نہ ہو
جس طرح پھول کی باس، ایسی ملاقات اچھی جس سے خاطر کو کسی شخص کے کچھ بار نہ ہو
اپنے پڑ رہنے کو مسجد تو خدا نے دی ہے اب بلا سے مری جو خانۂ خمّار نہ ہو

---

† دونوں نسخوں میں: "آشنائی"

§ یہ اور اس کے بعد کی غزلیں ردیف واؤ کے آخر تک صرف مطبوعہ نسخوں میں ہیں۔

کیوں مرے چاک گریباں سے بھلا اُلجھا تھا ق اب تو بخشا[1] تجھے پھر آگے یہ زنہار نہ ہو
کھولے دیتا ہوں ترے کان ابھی سے اے گل ایسی تقصیر کبھی پھر یہ خبردار نہ ہو
آج ہر دھوم اسیران قفس میں کچھ اور جا کے دیکھو تو کوئی تازہ گرفتار نہ ہو
جھڑ لگا دی ہر ان آنکھوں نے تری یاد میں یاں صدقے صدقے مرے کیوں ابر گہربار نہ ہو
بختِ بیدار اگر خواب میں تجھ کو پاوے تو وہ پھر تا بہ قیامت کبھی بیدار نہ ہو
فارغ البال ہوا سونگھ کے زلف اُن کی رات لیکن اے دل یہ کہیں بات نمودار نہ ہو

کہہ غزل اور دعائیہ بھی انشاؔ شاید
کوئی اِس یوسفِ مصری کا خریدار نہ ہو

(۲۹۸)

بیکلی سے تری کچھ دل کو سروکار نہ ہو تیری نرگس بھی، الٰہی! کبھی بیمار نہ ہو
گدگدی[2] پھول کی پنکھڑی سے مجھے چٹتی ہر سو سوچ کچھ تیرے گلے کی تو کبھی ہار نہ ہو
نہ چلے ایسی ہوا بھی جو بری تجھ کو لگے پھول ایسا نہ کھلے جو تجھے درکار نہ ہو
ہووے رے داؤ زبردست جو رکاوٹ لکھے کیوں وہ دنیا میں رہے جس سے تجھے پیار نہ ہو
گرم ہو کر تری مجلس میں نہ آوے جو شخص یارب اُس کی تو کہیں گرمیِ بازار نہ ہو
تیری زلفوں کے نہ اُلجھیڑے میں جو کوئی پھنسے وہ جہاں جائے کسی طرح نمودار نہ ہو
آدمی ملنے کو اگر باغِ اِرم کی پریاں بن کہے اُن کو بھی مجلس میں تری بار نہ ہو
تیرے دل پر نہ کسی ڈھب کی گرانی آوے تیرے دشمن کے بھی دشمن کو کچھ آزار نہ ہو
تجھ کو دھوکا جو کسی کام میں دیوے آکر تو وہ جو کام کرے اُس کو سزاوار نہ ہو
سامنے تیرے جو یوسف کو بھی لیویں آکر تو زلیخا بھی کبھی اُس کی خریدار نہ ہو
مانگتا ہوں یہ دعا اپنے خدا سے کہ کبھی بات جو تیرے مخالف ہو، سو زنہار نہ ہو

---

[1] تجھے بخشا = تجھے معاف کیا۔

[2] گدگدی چھوٹنا = شوق پیدا ہونا۔ امنگ پیدا ہونا۔

نت ہنسی اور خوشی ہی رہے اِنشاءاللہ
میرے والی! وہ کسی چیز سے لاچار نہ ہو

(۲۹۹)

حق تعالیٰ کی طرف سے جسے امداد نہ ہو — تو وہ گھر تا بہ قیامت کبھی آباد نہ ہو
حیف جو صحبتِ دیرینہ تمھیں یاد نہ ہو — سب سے غُلطے رہیں اور کچھ ہمیں ارشاد نہ ہو
اب کے قدغن[1] یہ ہوا ہر کہ خبردار کہیں: — شورشِ زمزمۂ مرغِ چمن زاد نہ ہو
باؤ کے جھوکے سے بھاگے۔ انھیں دھڑکا یہ تھا — کچھیا اس میں کہیں کوئی پری زاد نہ ہو
ہر یہ انصاف بھلا خوش رہے بس تو ہی فقط — چھُٹ[2] ترے اِک متنفس کبھی دل شاد نہ ہو
خانہ آباد جو اُجڑے ہوئے ہوں اُن کو بسا — نہ کہ یہ قصد کہ کوئی کہیں آباد نہ ہو
مٹ گیا جب کہ حباب آہ! تب آئی یہ صدا — زندگانی ہی نہیں جس کی یہ بنیاد نہ ہو
دادِ بیداد ہو تم، کیوں نہ کروں میں فریاد — کس طرح مجھ سے بھلا نالہ و فریاد نہ ہو
بیستوں[3] پر جو کِھلا لالہ تو شیریں نے کہا — مجھے ڈر ہے کہ یہ خونِ سرِ فرہاد نہ ہو
شور اتنا نہ کر اے مرغِ نواسنج خموش! — یاں کوئی دام لگائے کہیں صیاد نہ ہو
کلیات ایک طرف، تجھ سے کسی ڈھب سے کبھی — اِک جزئی میں بھی کچھ بندے کی امداد نہ ہو
تو بھلا سوچ تو کچھ، گوشۂ دل میں کیونکر — تیرے شکوے کی جگہ اے ستم ایجاد! نہ ہو

ہو جو اِنشا کو اجازت، تو بھرے وہ نالہ
کبھی بلبل کے فرشتوں کو بھی ہو یاد نہ ہو

(۳۰۰)

لو فقیروں کی دعا ہر طرح آباد رہو — خوش رہو، موجیں[4] کرو، تازے رہو شاد رہو

---

[1] قدغن = تاکید۔ تقیّد۔ روک ٹوک۔
[2] چھُٹ ترے یعنی تیرے سوا۔ تیرے علاوہ۔
[3] بیستوں۔ وہ پہاڑ جسے فرہاد نے کھودا تھا۔ اور اس سے جوے شیر نکال رہا تھا [4] موجیں کرنا = عیش کرنا۔

ایرے[1] غیرے وہ جو ہوں شوق سے چٹ کر لوٹھیں
پر خدا والوں کی کرتے ہوئے امداد رہو

قمری باغِ بہشت اب جو یہ بی فاختہ ہیں
انھیں بھی کہہ دو کہ تم سرو سے آزاد رہو

دید اُس کی ہی کرو جس نے بنایا سب کچھ
نہ کہ ہر لحظہ خدائے گل و شمشاد رہو

دام میں سے جو چھٹے ہیں انھیں یہ حکم ہوا
کہ بس اب گرد درِ خانۂ صیاد رہو

جا کے اوروں سے بدو یاد فراموش کرائے[2]
خود فراموشوں کو، مولا مرے! تم یاد رہو

صورت آوے جو نظر، کھینچ لو اُس کی تصویر
اپنے اِس وقت کے تم مانی و بہزاد رہو

چمنِ امن و اماں کی تمھیں ہو سیر نصیب
سائیں اللہ[3] سدا بر سرِ ارشاد رہو

عیش و عشرت کرو ہر وقت تم اِنشاء اللہ
حُسن چمکائے پھرو، سب میں پری زاد رہو

(۳۰۱)

فائدہ دل سے تڑپ چھٹ جس سے کچھ حاصل نہ ہو
کاش سانوں دو نہیں پہلو میں ہوں، پر دل نہ ہو

کیوں بھلا ہو جمالِ صاحبِ محمل نہ ہو
کیا کرے مجنوں جو اُس کے بس میں اپنا دل نہ ہو

فی المثل آئینہ ساں شفاف جس کا دل نہ ہو
دیکھنے والوں کو تسکین اُس سے کچھ حاصل نہ ہو

تا قتیلِ زخمِ تیغِ غمزۂ قاتل نہ ہو
دل کے بدلے کاش اک اخگر ہو لیکن دل نہ ہو

تو خفا مجھ سے عبث، اے ناصحِ عاقل نہ ہو
چین تب لوں، جو ٹھوکے مجھ کو دیتا دل نہ ہو

ایک تو غش ہووے، اعلا دوسرے کا دل نہ ہو
اے خدا، کافر کو دوزخ سے بھی یہ منزل نہ ہو

مائلِ جور و جفا وہ کیوں بھلا قاتل نہ ہو
جس کے پھرے پر مروّت کا کہیں اک تل نہ ہو

---

[1] ایسے ویسے۔ معمولی۔ غیر لوگ۔

[2] یادِ فراموش ایک قسم کی بازی اور شرط جو ہمعمر لڑکوں میں کچھ دن کے واسطے بدی جاتی ہے جس کا دستور یہ ہے کہ آپس میں عہد و پیمان کر لیتے ہیں کہ اگر ہم تم کو کوئی چیز اس وقت کا عمد بھلا کر دیدیں اور ساتھ ہی فراموش بھی کہہ دیں اور تم کو اللہ فلاں چیز دینی ہوگی اور جو تم نے کہہ دیا کہ یاد ہے تو تم جیتو گے۔ ہر ایک سے دیکھوں نہ بدلے یادِ فراموش ۔ دل ہاتھ کی یادِ فراموش میں آئے (ظفر)

[3] فقیروں کا طرزِ خطاب۔

نورِ حق اَفرادِ انسانی میں گر شامل نہ ہو
ہستیِ موہوم کا نقشہ ہی پھر باطل نہ ہو

بندہ خانے میں اگر تشریف لاویں آپ تو
واہ وا کیا بات ہو مطلب ہی پھر حاصل نہ ہو

رادھکا[1] کو جین کیا آوے کنہیا جی بغیر
واقعی کافور اُڑ جائے اگر ظفل نہ ہو

ہو یہی جہلِ مرکب[2] مرحبا اے رندِ مست
حضرتِ قاضی کو تو بکنے دے پر قائل نہ ہو

اِک اُداسی کارواں پر چھا گئی اے سارباں
ٹک خبر کیجو کہیں لیلیٰ کی یہ منزل نہ ہو

لاکھ پردوں میں اگر بیٹھے نہیں پردہ نشیں
جس کی کچھ آنکھوں میں پردہ شرم کا حائل نہ ہو

کیا کرے بیچارہ ایسا جستجو والا بھلا
راہبر جس کا کہ کوئی مرشدِ کامل نہ ہو

عشق کا دریا وہ دریا ہو کہ عمرِ خضر بھی
حرف گر ہو جائے تو پیدا کہیں ساحل نہ ہو

گر سبک روحی بہم پہونچے تو مانندِ نسیم
کوچۂ تنگِ رگِ گل سے گذر مشکل نہ ہو

ہو یہی نقصانِ ذاتی موجبِ فخرِ کمال
گر نہ ہونا ناقص تو قدرِ مرشدِ کامل نہ ہو

ورد ہو مشکل کشا کے نام کا، اِنشاؔ، جسے
کیوں بھلا دونوں جہاں کی اُس کی حل مشکل نہ ہو

ردیف (ہ)

(۳۰۲)

اُس شعلہ رو کو ہووے جب آہنگِ آئنہ
سیماب وار اُڑنے لگے رنگِ آئنہ

تم نے کیا جو صبح کو آہنگِ آئنہ
دروازۂ بہشت ہوا چنگِ آئنہ

محوِ نظارہ تو نہ ہو اپنے جمال کا
ہو مثلِ شہرِ سبز یہ نیرنگِ آئنہ

مجرم ہوں اِس قدر کہ کہے ہو مری[3] مثال
کیا دیکھتا ہو آئینہ اے ننگِ آئنہ

---

[1] رادھکا۔ کرشن جی کی ایک نہایت چہیتی گوپی کا نام۔ [2] ظفل یعنی گول مربع جسکو ساتھ رکھنے میں کافور نہیں اُڑتا۔

[3] جہل مرکب = نہ جاننا اور یہ نہ جاننا کہ ہم نہیں جانتے۔

[4] مری مثال۔ یعنی میرا عکس۔ * یہ غزل قلمی نسخوں میں نہیں ہے۔

ہرگز پلنگ نہ گرد معاصی کپے اے عزیز　　اپنی صفائے قلب سے کھو زنگِ آئنہ
اِنشا پھر آج طوطیِ خوش لہجہ کی مثال
دریش اُن لبوں سے ہوئی جنگِ آئنہ

+

(۳۰۳)

اے دودِ آہ رات نہ بیٹھے وہ بند باندھ　　جا کر گلوے مرغِ سحر میں کمند باندھ
دکھتی اگر ہے آنکھ تو تعویذ "اَن یَکاد"　　ق　بازو پہ اپنے تو پئے رفعِ گزند باندھ
سونے کا چھلا مور کا پر ہی[1] فقط نہیں　　اِک زرد پوٹلی میں بھی تھوڑا سپند باندھ
اے نالۂ چھوٹے چھوٹے پہاڑوں سے مت اُلجھ　　یک بار قصدِ قلعۂ چرخِ بلند باندھ
پَردوں کے چھوڑنے کی نہیں احتیاج کچھ　　دے چلونوں پر اپنے یہ گلگوں پرند باندھ
بے حکم میں پلنگ پر اُن کے گیا جو بیٹھ　　ہاتھوں سے میرے اُن نے دیے سیج بند[2] باندھ
گل میخیں ہوں ستاروں کی اور ہوں ہلال چار　　گلگوں کے اُس کے نعل تب اے نعل بند باندھ
سوتا ہر شیخ ایسے میں تو اُس کی مو چھ سے　　چوہا پکڑ کے ایک پئے ریشخند[3] باندھ

اِنشا غزل اک اور بھی پڑھ اور اس میں تو*
مضموں چمک کے چاند سے بھی کچھ دو چند باندھ

#

(۳۰۴)

اے آہِ قیس، پردۂ محمل کے بند باندھ　　گرد اُس کے نوشتار کی زرّیں کمند باندھ

---

[1] سونے کا چھلا اور مور کا پر دفعِ چشم بد کے لیے باندھنے کا دستور ہے۔
[2] سیج بند = پلنگ کسنے کی ڈوری۔
[3] ریشخند = تمسخر۔ مذاق اڑانا۔
* ق ۳: "پڑھ اُس زمین میں"۔
# یہ غزل ق ۱ اور ق ۲ میں نہیں ہے۔

سالارِ قافلے کے! تو اِس قافلے کے ساتھ — جائے جرس کسی کا دلِ دردمند باندھ
اُس شعلہ رو کو دیکھے تو بس جائے مشتِ زر — مٹھی میں اپنی خنجہ کبھی لا دے سپند باندھ
ہو موجِ لالہ جوش پہ امسال، باغباں! — تو اِک مچان بر سرِ شاخِ بلند باندھ
شیریں نے خوب رو کے یہ شیرویہ[1] سے کہا — مت رہم تو مخالفِ دستاور زند[2] باندھ
بولے وہ یوں رقیب سے: آنکھوں میں تیری خاک — تو ٹکٹکی نہ میری طرف، اے لوند[3]، باندھ

اِنشا بدل کے قافیہ اشعارِ تازہ کہ
اور اُس میں تو معانیِ عاشق پسند باندھ

(۳۰۵)

ڈالے جب آہ نے مری جھاڑ اور پہاڑ باندھ[4] — یکبار گالیوں کا دیا اُن نے جھاڑ باندھ[4]
تشبیہ قدِّ یار سے دیویں جو سرو کو — اُن کے گلے سے دیجیے دو چار تاڑ باندھ
پردے کی ہم سے ٹھیری تو چلون کی اوٹ کیا — چلون پر اور دیجے دوپٹے کی آڑ باندھ
سعی و تلاش کب تلک، اے دل، حصول کیا — تکیہ[5] اُسی کے در پہ تو سب چھوڑ چھاڑ باندھ
بدکیف یاں تلک ہے کہ اُس کی گلی کے بیچ — گاہے صدا سنی نہ بجز مار، دھاڑ باندھ
حق میں صبا کے حکم یہ ہے پاسبان کو — جانے نہ پاوے۔ ہاں، اِسے لے کر پچھاڑ باندھ

اِنشا ہنسی کے واسطے کہہ اور اِک غزل
اور اُس غزل میں صرف تو اُن کا بگاڑ باندھ

---

[1] شیرویہ: خسرو پرویز کا بیٹا جو اپنی سوتیلی ماں شیریں پر عاشق ہو گیا تھا۔

[2] دستاور یعنی اوستا یا استا اور زند۔ قدیم ایرانیوں (پارسیوں) کی مقدس کتابیں ہیں

[3] لوند = رند

[4] جھاڑ باندھنا = لگاتار کوئی کام کرنا۔

[5] خفیرانہ گھر بنانا۔

* ق ۳: "زوبر"

(۳۰۶)

بولے: تو اپنے سرو خراماں کو تاڑ باندھ
گر قصد بوسہ ہووے تو گرد اُس کے پاڑ باندھ

چونی کسی پری کی جو چڑھ جاوے† دھیان میں
مضمونِ شعر میں اُسے کالا پہاڑ باندھ

لیلیٰ دشوں کی گر مژہ یاد آویں، تو اُنھیں
تو قیس بن کے خار مغیلاں کا جھاڑ باندھ

لے، حلقہ ہائے چشم کی زنجیر کر درست
پلکوں میں کھول موند ہر اُن کی کواڑ باندھ

تمثال سے جو آئنہ آباد ہو، تو کیا
اُس کو فقط صفا کے سبب تو اُجاڑ باندھ

جو دانہائے انجم گردوں کو ڈالے بھون
اُس آہِ شعلہ خیز کو، اِنشا، تو بھاڑ باندھ

(۳۰۷)

نیند مستوں کو کہاں اور کدھر کا تکیہ
خشتِ خُمخانہ ہے یاں اپنے تو سر کا تکیہ

لخت دل آکے مسافر سے ٹھہرتے ہیں یہاں
چشم ہے ہم سے گداؤں کی گذر کا تکیہ

جس طرف آنکھ اُٹھا دیکھیے ہو جائے اثر
ہم تو رکھتے ہیں فقط اپنی نظر کا تکیہ

چین ہرگز نہیں‡ مخمل کے اُسے تکیے پر
اُس پری کے لیے ہو حور کے پر کا تکیہ

ہاتھ اپنے کے سوا اور تو کیا ہو، ہیہات
والہ و دربدر و خاک بسر کا تکیہ

سر تو چاہے ہے مرا: ہووے مُیسّر تیرے
ق ہاتھ کا، بازو کا، زانو کا، کمر کا تکیہ

یہ تو حاصل ہے کہاں؟ بھیجدے لیکن مجھ کو
جس میں بالوں کی ہو بو، تیرے ہو سر کا تکیہ

تکیے پن کے ترے قربان§ اکڑ کے صدقے
کیا ہی بیٹھا ہے لگا کر کے سپر کا تکیہ

ق: یہ غزل ق اور ق ۲ میں نہیں ہے۔

† ق ۳: "پھر جاوے"۔

‡ ق: "ہرگز نہ ہو"۔

§ ق ۲: "بانکے پن ....."۔ ق ۳: "تیکھے پن کے ترے صدقے اور اکڑ کے قرباں"۔

گرچہ ہم سخت گنہ گار ہیں لیکن واللہ
دل میں جو ڈر ہے ہمیں ہے اُسی ڈر کا تکیہ

گریہ و آہ و فغاں، نالہ و یارب، فریاد
سب کو ہر شب و روز اپنے اثر کا تکیہ

رند و آزاد ہوئے، چھوڑ علاقہ سب کا
ڈھونڈتے کب ہیں پدر اور پسر کا تکیہ

گر بھروسا ہے ہمیں اب تو بھروسا تیرا
اور تکیہ ہے اگر تیرے ہی در کا تکیہ*

شوق سے سوئیے سر رکھ کے مرے زانو پر ق
اِس کو مت سمجھیے کچھ خوف و خطر کا تکیہ

جب تلک آپ نہ جاگیں گے رہے گا یوں ہی
سر کے گاتب ہی کہ جب کہیے گا: سر کا تکیہ

لطفِ ایزد ہی سے اُمید ہے اِنشاؔ اللہ
کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم فضل و ہنر کا تکیہ

(۳۰۸)

پرچھائیں اپنی چال کی ٹک مُنہ کو موڑ دیکھ
گردن کی یہ لچک یہ کمر کی مڑوڑ[1] دیکھ

پیکانِ تیر آہ ہے آلودہ زہر سے
باور نہ ہو تجھے تو مرے دل کو توڑ دیکھ

میں نے کہا کہ عشق کو اب چھوڑتا ہوں خیر
بولا: کسے سُنا دے ہے؟ اچھا، نہ چھوڑ دیکھ

چوکھٹ پر اُس کی میں نے جو ٹپکایا سر کہا
دروازہ کھولتا ہوں سر اپنا نہ پھوڑ دیکھ

جوڑی جو اُن نے تجھ سے، تو توڑی رقیب سے
اِنشاؔ، تو اپنے یار کے یہ توڑ جوڑ دیکھ

(۳۰۹)

تو مجھ سے لگا کہنے کہ چل ہٹ کے پرے بیٹھ
یوں مجھ سے لگا شان جتانے نہ، ارے بیٹھ

کب تک تو ڈراتا پھرے گا ہاتھ میں لے تیغ
غصّہ کہیں جانے بھی دے بس، خیر، ارے بیٹھ

تو دوڑ کے آتا ہے مجھے چھیڑنے سب میں
نادان بھلا کون ہے سوجھے تو نہ رے بیٹھ†

---

[1] کمر کی مڑوڑ۔ کمر کی لچک۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ † م: "ہے یہ بھی کوئی طور ظرافت کا، نہ رے بیٹھ"۔

کیسا ہی ملا کیوں نہ وہ بیٹھا ہو مرے پاس　　کہتا ہوں یہی اُس سے کہ ٹک اور ورے بیٹھ

اِنشا کہیں ہنس بول، مزاجی تو کڑھا مت
مت ہاتھ کو اِس طرح سے تو سر پہ دھرے بیٹھ

(۳۱۰)

ہر مجھ کو ربط بسکہ غزالانِ رم کے ساتھ　　چونکوں ہوں دیکھ سایے کو اپنے قدم کے ساتھ
ہر ذاتِ حق جواہر و اعراض سے بری　　تشبیہ کیا ہے اُس کو وجود و عدم کے ساتھ
کیا اَین و ملک و وضع و اضافت کا دخل واں　　ہر انفعال و فعل متیٰ کیف و کم[1] کے ساتھ
دیکھا میں ساتھ ڈھول کے سولی پر اُن کا سر[2]　　مخبر یہ وہ جو پھرتے تھے طبل و علم کے ساتھ
دیکھی یہ چاہ اُن کی اندھیرے کوئیں کے بیچ　　پھینکا لپیٹ کشتہ کو اپنے گلم[3] کے ساتھ
کوے بتاں سے طوفِ حرم کو چلے تو ہم　　لیکن کمالِ حسرت و حرمان و غم کے ساتھ
تھیں اپنی آنکھیں حلقۂ زنجیر کی نمط،　　پیوستہ ہل رہی، درِ بیت الصنم کے ساتھ
کہتے ہو: دُوں سے ہو کے اِدھر آؤ، وہ جلیں　　کیا خوب کیوں نہ دوڑ پڑوں ایسے دم[4] کے ساتھ
تم اور بات مانو، اجی سب نظر میں ہر　　دانتوں تلے زبان دبانی قسم[5] کے ساتھ

اب چھیڑ چھاڑ کی غزل، اِنشا، اِک اور لکھ
ہیں لاکھ شوخیاں تری نوکِ قلم کے ساتھ

(۳۱۱)

کیا کام ہم کو سجدۂ دیر و حرم کے ساتھ　　مستوں کا سر جھکے ہے صراحی کے خم کے ساتھ

---

[1] یہی نو اعراض ہیں جن کا ذکر سابق شعر میں ہے۔
[2] قدیم زمانے میں دستور تھا کہ جب کسی مجرم کو سولی پر لٹکانے کے لیے لے جاتے تھے تو اس کی تشہیر ڈھول بجا کر کرتے تھے۔
[3] گلم، یعنی گلیم یعنی کمبل۔
[4] دم یعنی چکمہ، فقرہ۔
[5] یعنی تمھاری قسم بناوٹی اور جھوٹی ہے۔

اوجانے والے مُڑکے ذرا[*] دیکھیو اِدھر — مانندِ سایہ ہم بھی ہیں تیرے قدم کے ساتھ
اے رہروانِ ملکِ فنا مستعد رہو — تیار ہو رہے ہیں بہت سے عدم کے ساتھ[۱]
اِک روپ میں پری کے مجسم ہو اُس کی باس — اُڑتی پھرے ہے شب کو نسیمِ اِرم کے ساتھ
وحشی تری نگہ کا بیابانِ کعبہ دیکھ — بھرنے لگا شلنگ[۲] غزالِ حرم کے ساتھ
گوبرگنیش[۳] تو ند ہی ایسی ہے شیخ کی — نسبت نہ ہووے بھینس کو جس کے شکم کے ساتھ
ہے تب مزہ کہ آنکھ مچولی کے کھیل میں — ق ہمسن کئی ہوں لڑکے پری اُس صنم کے ساتھ
دالان میں ہر ایک کو دوڑاوے اور مجھے — چپکے سے یوں کہے تو لپٹ رہیو تھم کے ساتھ
پھر "چور، چور" کہہ کے پکڑے جو میرا ہاتھ — دے منہ سے منہ ملا وہیں لطف و کرم کے ساتھ
کم قوت ایسے ہم نہیں اوقات اپنی یار — پنجہ ہی کرتے گذری ہے شیرِ اجم[۴] کے ساتھ

تبدیلِ قافیہ سے دھواں دھار اِک غزل
اِنشاؔ سنا دے اور بھی سُلفے کے دم کے ساتھ

(۳۱۲)

منہ دیکھو حور ہووے جو ایسی پھبن کے ساتھ — اُس میں کہاں اکڑ تکڑ[۵] اِس بانکپن کے ساتھ
ہے قہر اے پری تری اِس زرد شال میں — کافر ٹکا ہوا یہ مُسلسل[۶] کرن کے ساتھ
سایے میں تیری زلف کے میں آگیا کہ تھی — واں جا گرفتہ ایک پری ہر شکن کے ساتھ

---

[*] ق، ق۲: "زرا"۔

[۱] "ساتھ"، یہاں ساتھی کے معنی پر ہے۔

[۲] شلنگ بھرنا۔ چھلانگ مارنا [یہ شعر ق۲، ق۳ میں نہیں ہے]

[۳] گوبرگنیش = بھدی بدقطع چیز کو کہتے ہیں۔ [یہ شعر ق۲ میں نہیں ہے]

[۴] شیرِ اجم = جنگل کا شیر۔

[۵] اکڑ تکڑ = غرور و نخوت کی ادائیں۔

[۶] مسلسل ایک قسم کا نازک کپڑا ہے کرن = وہ سنہری روپہلی تار جو آنچلوں میں لگائے جاتے ہیں۔

شوہر ہزار لولیِ گیتی[1] نے چٹ کیے
عقدِ نکاح باندھ نہ اِس بیوہ زن کے ساتھ

اے نوبہار سوچ میں ہوں میں کہ کیا کہوں
ق
کس گل کو دوں مشابہت اُس کے بدن کے ساتھ

کیا چیز ہے گلاب، کلی اُس کی جو پلشت[2]
کر بیٹھے ٹک مقابلہ اُس کے دہن کے ساتھ

نرگس میں کیتکی میں، نہ رابیل میں کہیں
جو باس ہر رچی ہوئی اُس پیرہن کے ساتھ

چنپا میں موگرے میں* مدن بان میں کہاں
ہر نازکی کی تہ سی جو ایک اُس کے تن کے ساتھ

لونڈی بنے کے روپ سے خالی ہو کون پھول
یہ نام ملتے جلتے ہیں سب یاسمن کے ساتھ

ایسی تو سینکڑوں ہیں کنیزانِ ماہرو
آپا چنبیلی اور دو اگل چمن کے ساتھ

بِن دیکھے ہیں جو عاشقِ نورِ محمدی
اُن کو مناسبت ہے اُویس قرنی[3] کے ساتھ

مِن جانبِ الیمن کا سرا پڑھ تو کس طرح
ہم کو بھلا نہ اُنس ہو، بادِ یمن کے ساتھ

اِنشاؔ حسینؑ[4] کے جو غلاموں میں ہووے شخص
پیش آوے کیوں نہ ہم سے وہ خلقِ حسن کے ساتھ

†

(۳۱۳)

داغوں سے ہو یوں یہ دلِ بیتاب شگفتہ
پھولوں سے ہو جوں گلشنِ سیراب شگفتہ

بیتابیِ دل اپنی کو کیا سمجھے مُوَسوس
اِس نسخے سے ہم کرتے ہیں سیماب[5] شگفتہ

اِس غنچۂ دل کو مرے، اے ابرِ بہاری
کرتی ہے فقط بوئے مئے ناب شگفتہ

---

[1] لولیِ گیتی یعنی دنیا

[2] پلشت = حقیر۔ ذلیل۔

* ق: "مونگرا میں" ق۳: "موگرا میں"

† ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

[3] اویس قرنی = عاشق نورِ محمدی تھے لیکن بدنصیبی سے اُن کو آنحضرتؐ کی زیارت نصیب نہ ہوئی تھی

[4] حسین اور حسن میں صنعت ایہام تناسب ہے۔

[5] سیماب شگفتہ یعنی قائم النار۔ پارا جو کیمیاگری میں بڑے کام کی چیز ہے + مہوس = کیمیاگر۔

آسودہ[1] ترے کشتۂ نظارہ جہاں ہیں — کیونکر نہ ہو واں خاطرِ احباب، شگفتہ
کوسوں تلک اُس دشت میں قدرت سے خدا کی — ہر پیشِ نظر نرگسِ شاداب، شگفتہ
اُن کی قلمِ آہ[2] زمیں پھوڑ‡ کے نکلی — ہر شاخ پہ ہے دیدۂ بیخواب، شگفتہ

پھولوں سے مری آہِ شرر بار کے، اِنشا
ہے باغچۂ چادرِ مہتاب، شگفتہ

(۳۱۴)

برق کو چھیڑ، قدم معدنِ سیماب پہ رکھ — ہاتھ لیکن نہ کسی کے دلِ بیتاب پہ رکھ
نہ اُڑا[3] جائے کہیں ابرِ بہار، اے ساقی — سنگ فرشِ لبِ جوئے چادرِ مہتاب پہ رکھ
بس کہا قتل ہی کر ڈال بلا سے، تو کہا — ہاتھ تو میری تو شمشیر کی ٹک آب پہ رکھ
قصہ خواں نیند جو تھوڑی سی بھی آجائے تو دوں — جوڑی سونے کے کڑوں کی تجھے کمخواب پہ رکھ[4]

سب مطالب ترے حاصل ہوئے[5] انشاءاللہ
ہر گھڑی اپنی نظر حضرتِ وہّاب پہ رکھ

(۳۱۵)

رکھتے تھے جو فقرا اپنے یقین پر تکیہ — باندھ بیٹھے وہ درِ عرشِ بریں پر تکیہ
مل گدایانِ فلک رتبہ سے، اے دل، تو نہ کر — خدمتِ بادشہِ روے زمیں پر تکیہ
بے خبر آپ پڑے سوتے تھے ایسے ہی کہ رات — آرہا تھا وہ سرہانے سے جبیں پر تکیہ

---

[1] آسودہ یہیں یعنی دفن ہیں۔

[2] قلم: وہ شاخ جو ایک درخت سے کاٹ کر دوسرے درخت یا زمین میں لگاتے ہیں اور اُس سے ایک نیا درخت تیار ہو جاتا ہے۔

[3] اُڑا جائے۔ اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں (ایک اُڑا لے جائے۔ دوسرے عرف کر ڈالے۔ پی جائے) + سنگ فرش: وہ پتھر جو فرش کے کونوں پر رکھ دیتے ہیں تاکہ فرش اُڑ نہ سکے۔ اس کو "میر فرش" بھی کہتے ہیں۔ ‡ ق ۳: "پھوٹے"

[4] جب کسی کو خلعت یا انعام دیتے تھے تو زیور وغیرہ کو کسی کپڑے کے تھان پر رکھ کر دیتے تھے۔

نسخہ ن: "ہوئیں"

مست خواب مے عشرت وہ پری سیرت شوخ پھینک مارے ہو رُخِ شیخ حزیں[1] پر تکیہ
آہ جب اپنی مَلَکِ بَن کے اُڑے ہو اِنشا
تب وہ دے بیٹھے ہو[2] جبریل امیں پر تکیہ

(۳۱۶)

کیوں نہ پھر شاہ پہ غالب ہو گدا کا سایہ یاں قدم بوس کو جھکتا ہو ہُما کا سایہ
لے گئی جان اُڑا ایک پری کی کاکل پڑ گیا مجھ پہ غرض طُرفہ بلا کا سایہ
عرش سے پھرتے، تلے سدرہ کے جبریل کے پاس تھم رہا+ ہو مری اِس آہ رسا کا سایہ
سب پہ روشن ہو یقیناً کہ بہر صورت ہو مُنجلی آئنے سے اہل صفا کا سایہ
یونہیں نکلے ہو صدا عرش کے دروازے سے ق جبکہ پڑتا ہو گروہ فقرا کا سایہ
کچھ تو یاروں سے بھی واحد[3] ہو کہ تا روزِ قیام‡ کیوں نہ میزان عرش رہے تجھ پہ خدا کا سایہ
یا الٰہی، سرِ اِنشا پہ رہے حشر کے دن
اُس کے آقا ہی کے دامانِ قبا کا سایہ

(۳۱۷)

اے عشق کیا مہیب ہو سرکار کی شبیہ اللہ جیسے حضرتِ تہار کی شبیہ
آہ اپنی، خامۂ پرِ جبریل سے مدام کھینچے ہو اُڑ کے جعفر طیار[4] کی شبیہ

---

[1] شیخ حزیں۔ یعنی غمگین زاہد۔

[2] دے بیٹھنا : مار بیٹھنا۔

+ ق، ق ۲ : "رہے"۔

[3] یاروں سے بھی واحد ہو (آزاد فقیروں کی اصطلاح) یعنی ہم لوگوں کو بھی کچھ دے ڈالو۔

‡ ق، ق ۲، ق ۳ : "واحد ہو بہر صورت میں"۔ نیز ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

[4] روایت ہے کہ ایک جہاد میں حضرت جعفر طیار کے بازو کٹ گئے تھے تو ان کو خدا نے جواہرات کے پر عطا کئے تھے۔

لوحِ جبینِ وجد پہ میں دیکھتا ہوں ایک — لکھی ہوئی غضنفرِ[1] خونخوار کی شبیہ
اے حضرتِ جنوں اِدھر آؤ، کہ آپ میں — سوجھے ہے مجھ کو داورِ داوار کی شبیہ
رتبہ کھلے جو تجھ پہ فنا فی الرّسول کا — تو سب میں سوجھے احمدِ مختار کی شبیہ
اے نقش بندِ کُن فیکون[2] ایک کھینچ دے — بندے کے دل پہ حیدرِ کرّار کی شبیہ
داتا ہمارے کھینچتے ہیں دودِ داغ سے — یاں لوحِ دل پہ ابرِ گہر بار کی شبیہ
صدقے میں اُس مصوّرِ قدرت کے اے خیال — کھینچی ہے جس نے گردشِ دوّار کی شبیہ
ہوتا گر اختیار تو انسان کھینچتا — آنکھوں پر اپنی صورتِ جبّار کی شبیہ
کہتے ہیں قرصِ مہ جسے، سو آفتاب نے — لکھی ہے چرخ پر ترے رخسار کی شبیہ
ہر دم یہ موچھ آپ کی اے شیخ تکّہ ریش[3] — دکھلاتی ہے مجھے ذَنَبُ الفار کی شبیہ
واہ، اے میاں محمد عاشق[4] شبیہ کش — کھینچی ہے تم نے کیوں مرے دلدار کی شبیہ

اِنشا تو آگے اور قوافی میں لکھ دکھا
اب اور بھی معانیِ اشعار کی شبیہ

(۳۱۸)

دکھلا نہ مجھ کو یوسفِ[5] یعقوب کی شبیہ — طالب ہوں دے مجھے مرے مطلوب کی شبیہ
ساقی اِس ابرِ شیشہ میں تصویرِ برق بَن — آتی نظر ہے بارشِ مقلوب[6] کی شبیہ
مانی کا منہ چڑھا کے وہ کہتا ہے واہ رے — تحریر میری آپ نے کیا خوب کی شبیہ

---

[1] غضنفر = شیر۔ داورِ دادار = خدائے تعالیٰ۔

[2] نقش بند کن فیکون یعنی خدا۔

[3] تکّہ ریش = نکیلی ڈاڑھی والا۔ ذَنَبُ الفار = چوہے کی دم۔

[4] میاں محمد عاشق اس وقت کے کوئی مصوّر ہوں گے (مطبوعہ نسخوں میں "محمدی" قلمی میں "محمد" ہے۔)

[5] یوسف یعقوب = یعنی یوسف ابن یعقوب۔

[6] بارشِ مقلوب، یعنی شراب + لفظ بارش کو اگر اُلٹ دیں تو شراب ہو جاتا ہے۔

محبوب اُنھیں کہا تو مُرقّع سے ڈھونڈ ڈھانڈ
دی آپ نے مجھے میاں محبوب کی شبیہ

آئے ہیں یاد حضرتِ یوسف کے قبلہ گاہ
اے صبر رکھ دے ہاتھ سے ایوب کی شبیہ

ہو جی میں اپنے دیکھیے جا اُن کے ہاتھ میں
کھینچ اک ورق پہ راغبؔ مرغوب کی شبیہ

پڑھ اور قافیوں میں اب انشاؔ تو وہ غزل
گویا ہو جس سے شاہدِ محبوب کی شبیہ

(۳۱۹)

لکھے وہ میرے اس دلِ بیتاب کی شبیہ
کھینچی ہو جس نے طائرِ سیماب کی شبیہ

عاشق کو گر غریق کیا چاہے، تو اُسے
کھنچوا دے اپنی ناف کے گرداب کی شبیہ

ہونٹوں کی تیری یاد میں آہیں جو کھینچیے
تو وہ دکھاویں دوہ[1] عناب کی شبیہ

تارے نہیں، یہ چرخ پہ نقّاشِ صنع نے
لکھی ہر تیری مسندِ کمخاب کی شبیہ

گر آزر زمانہ ہے تو گھڑ دے، اے خیال
اُس بت کی مجھ کو نقرۂ مہتاب کی شبیہ

دیکھے جو جنگِ عشق میں عاشق کو سو کہے
رستم کی ہر یہ شکل یہ سُہراب کی شبیہ

ہر زور طاقِ ابرو ے جاناں یہ جوں ہلال
اور اُس کے ساتھ کعبے کی محراب کی شبیہ

انشاؔ، بہار اور قوافی کی اب دکھا
کھنچ جائے جس سے گلشنِ سیراب کی شبیہ

(۳۲۰)

رو دھو، مٹا مُرقّع ناسوت کی شبیہ
تا سوجھ جائے عالمِ لاہوت کی شبیہ

باریکیِ قلم پر اب اُس کی تو کر نگاہ
تار نظر کی کھینچی ہو جوں سوت کی شبیہ

گر اپنے لعلِ لب تو دکھا دے، تو میں ابھی
چولھے میں جھونک دوں میاں یاقوت[2] کی شبیہ

---

[1] دَوحہ = بڑا درخت

[2] یاقوت ایک مشہور خطّاط اور مصوّر تھا۔

میں کانپتا ہوں دیکھ کے تصویرِ عشق، واے!
یہ دیو کی شبیہ تھی یا بھوت کی شبیہ*
سر جھاڑ، منہ پہاڑ لیے اپنے ہاتھ میں
عاشق کے شامیانۂ تابوت کی شبیہ

اِنشا بٹھا اب اور قوافی کہ جس کو سُن
بول اُٹھے واہ عاشقِ مبہوت کی شبیہ

(۳۲۱)

کھینچوا کے داغِ سینۂ مایوس کی شبیہ
کہتا ہوں لو بہشت کے طاؤس کی شبیہ
لے کھینچ لوحِ دل پہ مری اپنے اُے صنم
بت خانہ و برہمن و ناقوس کی شبیہ
مت جان اِسے سحاب، یہ کھینچی فلک نے ہے
اس دل کے ابرِ حسرت و افسوس کی شبیہ
غش ہو کے گر پڑے فقرا، جب کہ پھر گئی
آنکھوں میں اُن کی آپ کے محبوس کی شبیہ*
لکھ دوں گا تجھ پر، اے حجرِ الاسود آن کر
میں اِک صنم کے مائلِ پابوس کی شبیہ
ہوں مشہدِ مقدس آقا کے دھیان میں
میں کیا کروں گا بادشہِ طوس کی شبیہ

اِنشا، لغات اور قوافی میں اب وہ بول
لامع ہو جس سے صاحبِ قاموس کی شبیہ۔

(۳۲۲)

پڑھ آئے میں عاشق مُرتاض† کی شبیہ
بولے کہ میں ہوں مبدءِ فیاض کی شبیہ
ہے علمِ حق کے صفحۂ تنزیہ پر رقم
سب جوں کی توں عباد کے اغراض کی شبیہ
کھینچے ہے لاے نہی جو ہے "لا اِلٰہ" میں
یاں غیرِ حق کے واسطے مقراض کی شبیہ
میں ہاتھ چوم لوں ترے، اگر اے شبیہ کش
دے کھینچ مجھ کو اُن کے تو اِغماض کی شبیہ

---

* ق ۲ میں یہ اور اِس کے بعد کا شعر نہیں ہے۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

† ق ۱، ق ۲: "شاعرِ مرتاض"۔

آتی نظر ہو، اے مرضِ عشق کے طبیب، آنکھوں میں تیری عیسیِ نبّاض کی شبیہ
انشا، جنھیں کہ دیدہ ہو یاں دے بقیدِ جسم
ہیں دیکھتے جواہر و اعراض کی شبیہ

(۳۲۳)

کسی سے اُٹھ سکے کیا مجھ جلاوطن کا بوجھ — کہ عشق ہو مرے کاندھے پہ لاکھ من کا بوجھ
نظر کر اپنے قوارے پہ، اے جنوں کے دیو، — جو عوج ہوں، تو اٹھالوں ترے بدن کا بوجھ
ہلا کے قاف کو ہر چند ہوں اُٹھا سکتا — پر اپنے سے نہیں اُٹھتا کڑے سخن کا بوجھ
سما دارض سے اُٹھا نہ جب، تب انساں پر — پڑا امانتِ خلّاقِ ذوالمنن کا بوجھ
سحر صبا نے بھی میرے ہی دوش پر پٹکا — نہ تھم سکا جو تری بوے پیرہن کا بوجھ
اگرچہ بیاہ کے دن گود میں تو لے آیا — نہ راجہ نل سے پھر آخر اٹھا دمن کا بوجھ*
سوائے حضرتِ اورنگ زیبِ عالمگیر — سنبھال کون سکے لشکرِ دکن کا بوجھ

بڑا غضب ہو کہ تجھ سے جوان سے، انشا
جو اُٹھ سکے نہ خمِ بادۂ کہن کا بوجھ

(۳۲۴)

دوشالہ[ع] کیا ہم نے کس گل کا دستہ — کہ غش کھا گرا فوجِ بلبل کا دستہ
کیا اُن نے قینچوں اُسے پیرہن کا — نہ ٹھہرا قبا میں جو کاکل کا دستہ
تکبّر سے آقا کے دستِ متانت — ہوا پیشِ قبضِ تأمل کا دستہ
ٹٹکے کاش چپکن میں ابریشمیں کی — اِنھیں شیشہائے پُرازمُل کا دستہ

ل قوارہ = بے ڈول بھدا جسم۔ عوج (بن عنق) ایک بہت ہی لمبا آدمی تھا۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ † ق، ق ۲ میں یہ غزل اور اگلی دو غزل نہیں ہیں۔

ع اس غزل میں دستہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

جو خالی کروں ترکشِ آہِ حزیں کا — تو بھاگے کماندارِ زابُل کا دستہ
اگر سر دُکھے شیخ کا تو سُنگھا دوں — کہس سے بنالکے ہلہل[1] کا دستہ
بھرا ایک صوفی نے ایسا ہی لغرہ — کہ لٹ پٹ[2] ہوا مجلسِ قُل کا دستہ
یہ دل بادل[3] اشکوں کے ہیں یا کہ نکلا — غلامانِ سلطانِ کابُل کا دستہ
ثوابت سے الخاق[4] چرخ پر ہے — یہ ٹانکا ہوا خالقِ کُل کا دستہ
جوافیوں کھرچنے کا پلڑا ہو اُس پر — لگا رکھیے اب ایک سُنبل کا دستہ

نکالا ہے اُن کی نگاہوں نے، اِنشاؔ
غضب تیرہائے تغافل کا دستہ

(۳۲۵)

ہیں آپ جیسے یوسفِ کنعاں بعینہٖ — چھب، آنکھ، ناک، مُنہ لب و دنداں بعینہٖ
ہے جلوہ گر پری کی طرح تیری چال ڈھال — مکھڑا، وہ گات، سیبِ زنخداں بعینہٖ
کوچے کو تیرے کیوں نہ کہوں راہِ کعبہ میں — ریگِ روان و دشتِ مغیلاں بعینہٖ
کھاوے تلاش اپنی سے جو لقمۂ حلال — ہے وہ تو آج حضرتِ لقماں بعینہٖ
آزادگی سے کیوں نہ سرو کار ہو ہمیں — ہے قدِّ یار سروِ خراماں بعینہٖ
کچھ شکل ظاہری پہ نہیں منحصر، کہ ہے — یہ بروج[5] بھی تو صورتِ انساں بعینہٖ
مجنوں، سیاہ خیمۂ لیلیٰ کے دھیان میں — ہے تیری صبح، شامِ غریباں بعینہٖ

---

[1] ہلہل = ایک نہایت ہی بدبو دار درخت۔

[2] لٹ پٹ ہوا = درہم برہم ہوگیا۔

[3] دل بادل = بہت ہی قد دار ہاتھی کو کہتے ہیں۔

[4] الخاق = ایک روئی دار لباس کا نام جس کے سینہ اور آستینوں کے چاک کھلے ہوتے ہیں۔ ستاروں سے جو آسمان پر مختلف شکلیں بنی ہوتی ہیں اُن کو دستہ کہا ہے۔

[5] بروج = مردم گیا ایک قسم کی لمبی گھاس جس کی صورت ایسی ہوتی ہے کہ ایک مرد اور عورت چمٹے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ہو حسنِ خُلق ناظمِ ملکِ جہانیاں[1] — بے شبہہ جیسے فصلِ بہاراں بعینہٖ
محفوظ رنجِ قحط سے رکھے جو خلق کو — لاریب ہو وہ یوسفِ کنعاں بعینہٖ
عالم میں جس کو ایسی سعادت علیؑ نے دی — مانندِ ابر ہو وہ دُر افشاں بعینہٖ

اِنشاؔ رہے وہ تا صد و سی سال جس سے ہو
ہندوستاں مقابلِ ایراں بعینہٖ

(۳۲۶)

جگر میں ہو گئے کھا کر تری سنانِ نگاہ — بسانِ پردۂ بادام سب نشانِ نگاہ
نگاہِ[2] لطف نہ کیجے مدام ہم پہ اگر، — تو حذفِ نوں سے سہی ہو جو درمیانِ نگاہ
ستم بس اتنے بھی مت کیجیے کہ عاشق کی — لباسِ آہ پہن بیٹھے نیم جانِ نگاہ
زمانہ زیر و زبر ہو گیا برائے خدا — نہ قتلِ عام کر، اے نادرِ جہانِ نگاہ
ملائی آنکھ جو تم نے تو لوگ سب بولے — کہ جان لینے کو پہنچے فرشتہ خانِ نگاہ
قشونِ صبر و تحمل کو لوٹ لیتی ہے — غضب ہے آپ کی یہ چین قلیچ خانِ[3] نگاہ
جہاں کو فیض ہے عشاق کی نگاہوں سے — بجا ہے ان کو اگر کہیے خواجگانِ[4] نگاہ
چلا جو وادیِ مجنوں سے ناقۂ لیلےٰ — تو اُس کے ساتھ ہوا ایک ساربانِ نگاہ
خیالِ نرگسِ ساقی میں کیا عجب کہ مجھے — بقیدِ جسم نظر آئیں آہوانِ نگاہ
لڑیں جو چاہ کی آنکھیں تو یہ ہوا معلوم — کہ نخلِ آہ کبھی ہے سرو بوستانِ نگاہ
ہوا نہال زمانہ جنابِ عالی کا — برس پڑا وہ جدھر ابرِ دُرفشانِ نگاہ
تِل ایک حورِ بہشتی کی آنکھ کا ملجائے — کریں تب اُس کو پریزادِ شیشہ دانِ نگاہ

---

[1] ناظمِ ملکِ جہانیاں یعنی سعادت علی خاں جن کا نام آگے ہے۔

[2] مطلب یہ ہے کہ نگاہ حذفِ نون کے ساتھ یعنی گاہ گاہ کیجیے۔

[3] چین قلیچ خاں = زمانہ سلطنت مغلیہ میں ایک مشہور سردار تھے۔

[4] چند مشہور باکمال صوفیۂ کرام گزرے ہیں جن کا ختم ہونا ہے جس کو ختم خواجگان کہتے ہیں۔

بہارِ نرگسِ ساقی ہر اب زمانے میں گلِ سرِ سبد[1] باغ دلستانِ نگاہ
شمیمِ نرگسِ شہلا یہ بولی اے اِنشا
حضور آپ کی بھلا رے عظم وشانِ نگاہ

ردیف (ی)

(۳۲۷)

کی جو شرما کے اوٹ تکیے کی ق لگ گئی اُن کو چوٹ تکیے کی
آنسو بھر لا کے سب فرنگی تور[2] پھر تو ڈالی کھسوٹ تکیے کی
اُس کی زلفوں کی بُو سے ہر اپنی باس پر، جان لوٹ، تکیے کی
بن گئے ہم پلنگ پر اُس کے شکل شب[*] لوٹ پوٹ تکیے کی
سیج پھولوں کی یاد ہے اِنشا
اور ظالم وہ گوٹ تکیے کی

(۳۲۸)

لگا کر گلے رفع دل کی طپش کی بڑی آپ نے آج یہ پرورش کی
کہا میں نے سیرِ چمن کو چلو ٹک لگے کہنے مت بات کر اِس روش کی
یہی پانوں جانیں ہیں اے دشتِ غربت کہ اِن ساتھ خاروں نے کیا سرزنش کی
طبیعت کو وحشت نے گھبرا لیا ہے جنوں نے غرض پھیر[3] ہم سے خلش کی
اُسے دوپہر رات کو کھینچ لایا
تڑپنے نے اِنشا کے ایسی کشش کی

---

[1] گل سرسبد = پھولوں کی لڑکی جو سب سے بڑا پھول ہو۔

[2] فرنگی تور = ولایتی لیس۔ [*] ق، ق ۲، ق ۳: سب۔ [3] پھیر = (پہاڑی زبان) = پھر۔

۳۲۹

چوٹی وہ بلا قہر کہ جو مانگ کے جی لے
لٹ پر یہ غضب اور چھٹے پیچ بھی ڈھیلے

گر ہاتھ لگاؤں خطِ جان مجھے ہے
کھیلے وہ تری زلف سے جو کالے کو کیلے[1]

شبنم شبِ یلدا پہ پڑی ٹوٹ، یہ جانا
دیکھے جو نہانے میں ترے بال یہ گیلے

مینائے مے سرخ یہ ساقی سے کہے ہے
اک قاشقِ خون[2] رکھتے ہیں جو چاہے سو پی لے

گالی سے رکا اس کی جو شب میں تو یہ بولا:
معلوم ہوا آج کہ تم سخت ہو بیلے[3]

اللہ ری رنگت، تری بھلّہ ری نزاکت
بوسے کے تو ہم نے کیے ہونٹ یہ نیلے

مقصود جو دولت ہو تجھے دونوں جہاں کی
انشاؔ، تو ابھی آن کے دامانِ علیؑ لے

۳۳۰

کل بادِ بہاری نے سو ٹکڑے گلابی کی
اس پردے میں آ پھٹکی[4] روح ایک شرابی کی

جوں موج ہوا اپنا تھا ہوش بھی اڑنے پر
اے نکہتِ گل تو نے کیوں اتنی شتابی کی

مطرب بخیال اس کے تا پیچ میں لے دل کو
تارِ رگِ جاں کھینچے ہر دھن یہ ربابی کی

بجلی کے پڑے دل سے کیوں شغلے نکلتے ہیں
چاہے کہ کناری ہو تجھ جامۂ آبی کی

انداز و ادا یکسو پر قتل ہی کرتی ہے
اک پیچے[5] کی دھج تیری دستارِ گلابی کی

تقصیر نہ اس دل کی لے جرمِ محبت کچھ
تیری ہی لگاوٹ نے سب خانہ خرابی کی

ڈاڑھی کے منڈانے کو اندر سے جو فرمایا
زاہد نے کہا: اچھا جس میں ہو رضا[6] بی کی

---

[1] کیلنا = سانپ کو اپنے منتر سے بے اثر کر کے قابو میں لے آنا

[2] قاشقِ خون = چمچہ بھر خون۔ [3] بیلا۔ ڈھیلا۔ زنخہ۔ کمزور۔

[4] آ پھٹکنا = اتفاق سے آ نکلنا۔ [5] اک پیچے = ایک قسم کی پگڑی

[6] بی یعنی بیوی۔ نیز ق ۳: "جو کچھ ہو"

بو باس نکلتی ہر کچھ شعر میں انشا کے
جامی کی، نظامی کی، سعدی کی، سحابی[1] کی

(۳۳۱)

شب خانۂ رقیب میں تا صبح سو چکے — اب فائدہ مکرنے سے؟ ہم دیکھ تو چکے
سرگرمِ اختلاط رقیبوں سے ہو چکے — ناموس و ننگ و نام، غرض آپ کھو چکے
کہتے ہو جس دل کو ہماری بغل میں دیکھ — بولو نہ، بیچتے ہو تو قیمت کہو، چکے
قیمت ہر ایک بوسہ دمِ نقد ایسے جی، — تم چاہتے ہو مفت میں کچھ لو نہ دو، چکے
رونا ہی تھا یہ موجبِ افشائے رازِ عشق — یہ مردمانِ چشم مجھے تو ڈبو چکے†
تابِ تحمل شبِ ہجراں نہیں مجھے — تم مشفق، ایک بار بھلا دیکھ تو چکے
پھر جان بوجھ کہتے ہو جاتا ہوں، جائیے — تشریف لے سدھاریے ہم دل کو رو چکے
جس دن سے تم سے آنکھ لڑی اشکِ چشم سے — ہاتھ اپنے ہم تو دیدہ و دانستہ دھو چکے
واللہ میں بھی تنگ ہوں اب کاش، اے صنم — جو کچھ نصیب میں ہو کہیں جلد ہو چکے
میں جانتا ہوں آپ کو، ہرگز نہ مول لیں — قیمت جو دل کی ایک ہی بوسہ پہ گو چکے
غیروں سے بات چیت ہر میرے ہی سامنے — یہ حال ہے، تو خیر، مجھے آپ کھو چکے

خوابِ عدم سے شورِ جنوں نے جگا دیا
انشا، بس اور نیند کہاں، خوب سو چکے

(۳۳۲)

چند مدت کو فراقِ صنم و دیر تو ہے — چلیے پھر کعبے بھی ہو آویں بھلا سیر تو ہے
کس سبب، کس لیے کیا فائدہ، چھیڑ وہو مجھے — جرم و تقصیر و گنہ واسطہ، کچھ خیر تو ہے

---

[1] سحابی استرآبادی مشہور رباعی گو

† ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہر سنا میں نے بہت خوب بھلا سمجھوں گا
تیری صحبت میں لگا بیٹھنے آ غیر تو ہے
تیرنے میں ترے دریا کے عجب لطف تغافل
پھر وہی سیر ہیں آج جو پھر تیر تو ہے
دل نہ اُڑ جائے کہیں دام سے تیرے صیاد
گرچہ پژمردہ ہے یہ صید وے طیر تو ہے

دوستی کا جو گماں تم سے ہوا اس کا کیا دخل
ہاں یہ سچ، واقعی اِلتفات سے تمھیں بیر تو ہے

(۳۳۳)

غیر کے ایک اشارے پر اُٹھ گئے میرے پاس سے
ترس پہ یہ مجھ سے پوچھنا بیٹھے ہو کیوں اداس سے
بوے نگار کی جھکور[1] باد صبا جو لے گئی
نکہتِ گل کے، اے بہار، اُڑ گئے کچھ حواس سے
ساتھ کے جتنے ہمسفر اپنے تھے سب نے رو دیا
اِک دم سرد جو بھرا میں نے کمالِ یاس سے
کون کہے ہے روک کے آپ کے ساتھ میں چلوں
موڑنے کا تو منہ نہیں بندہ بھی سو پچاس سے
پٹخے ہے حلق، ساقیا، چھالے زباں میں پڑ گئے
ہو گئے ہونٹ خشک دیکھ حال ہوا یہ پاس سے
رخت برنگ غنچہ کیوں چاک کروں نہ یہ قبا
کھینچے ہے تجھ کو بر میں تنگ دیکھ تو کس لباس سے
آپ کی اس جناب کو مہر و وفا سے ربط کیا
بندہ نواز ہے بعید اپنے تو یہ قیاس سے
اُٹھتے ہیں خفتگانِ خاک خوابِ عدم سے چونک چونک
موجِ نسیم کو سے یار آج تو تیری باس سے

آپ نے نام لے مرا بزم میں دیں جو گالیاں
تاڑ لیا سبھوں نے کچھ ہم بھی ہیں روشناس سے

(۳۳۴)

سچ یہ آفت تری، یہ دھج، یہ خوش اندامی ہے
کہ نظر بھر کے تجھے دیکھیں تو بدنامی ہے
روح تو اُڑ چلی تھی، لیک ترے دیکھنے کو
ایک دم اور بزور آنکھوں میں ٹک تھامی ہے
کام مطلب سے کسی کے نہیں رکھتے صاحب
تم کو منظور فقط اپنی جو خود کامی ہے

---

[1] جھکور = جھونکا۔

جامِ مے پینے پہ دیتا ہو یہ سب کو فتویٰ
اِس گھڑی پیرِ مُغاں مولویِ جامی ہو
جذبۂ عشق ہی گر لاوے تو لاوے بھُگتو کو
ورنہ یاں اِس کے سوا کون مراحامی ہو
شیخ صاحب کی ذرا سیج کی طرف کیجو نگاہ
کڑبڑی[1] ڈاڑھی نہیں سوسیِ گنگا می ہو

گر نہ کیجے جو لوازم ہیں جنوں کے، اِنشا
پختہ مغزانِ محبّت میں بڑی خامی ہو

(۳۳۵)

غیر کے مونڈھے پہ تم ہاتھ جو دھر بیٹھ گئے
ساتھ والوں کو نہ پوچھا کہ کدھر بیٹھ گئے
کچھ صفِ صدر و نعال اپنی تو خاطر میں نہیں
مستِ مدہوش ہیں ہم بیٹھے جدھر بیٹھ گئے
آہ جوں شعلہ نہ بالیدہ ہوے اخگرِ دل
کچھ چمک اپنی دکھا مثلِ شرر بیٹھ گئے
ضعف اِس حد کو ہمیں ہو کہ کہیں گر آیا
سایۂ تکیۂ دیوار، نظر بیٹھ گئے
طاقتِ طیِ مسافت نہیں، اب ہم تو یہاں
تھک کے، اے قافلہ سالارِ سفر، بیٹھ گئے
میں یہ تعظیم سمجھتا ہوں، سُنا بندہ نواز؟
آپ اُٹھتے تھے مجھے دیکھ کے پر بیٹھ گئے
اپنی مجلس میں مجھے دیکھ کے غیروں سے کہا
دیکھیے گا اِنھیں کیا ہو کے نِڈر بیٹھ گئے
اٹھ کے دلدار کو رخصت تو کیا، پر دوں ہی
رکھ کے ہم دستِ تاسّف کو بہ سر بیٹھ گئے

سُن کے یہ تیری غزل بزم میں، اِنشا، شب کو
مستعد اُٹھنے پہ تھے اہلِ ہنر بیٹھ گئے[2]

(۳۳۶)

کل بھی محفل سے تری ہم نہ ٹلے، بیٹھ گئے
بولے "اُٹھ اُٹھ" سبھی یاں تک کہ گلے بیٹھ گئے
رشک کرتی ہیں سدا اُن سے اِرم کی حوریں
تیری دیوار کے جو سایے تلے بیٹھ گئے

---

[1] کڑبڑی ڈاڑھی = کھچڑی ڈاڑھی + سوسی ایک قسم کا موٹا کم قیمت کپڑا جس میں ایک سے زاید رنگ ہوتے ہیں۔

[2] ق، ق ۲، ق ۳: "پڑھ" بہ تبدیل قوافی غزل، انشا، ایک اور + ... اہلِ نظر ....."

روٹھ کر اُٹھے گلی سے تری، لیکن سَو بار
ہو کے ہم رو بقفا[1] تک جو چلے، بیٹھ گئے

ہے تو وہ شعلۂ برق، آہ! کہ لاکھوں تجھ سے
خرمنِ صبر کے انبار جلے، بیٹھ گئے

چال اپنی تو یہ ہے رات کو اُٹھ سو سو بار
ہونٹ اپنے ترے تلووں سے ملے، بیٹھ گئے

آج اِنشاؔ کی بڑی خیر ہوئی غصّے میں آپ
لے کے تلوار تو اُٹھے تھے ولے بیٹھ گئے

کہہ، دلا، اور بہ تبدیلِ ردیف ایک غزل
قافیے اُس کے بھی دلچسپ اِلے[2] بیٹھ گئے

(۳۳۷)

طپشِ دل ہی سے ہم، مل کے گلے، بیٹھے ہیں +
چھیڑ مت، شعلۂ گل، لبکہ جلے بیٹھے ہیں

آہ کی دھونی لگا در پہ ترے خاک نشیں
راکھ جوگی کی طرح مُنہ کو ملے بیٹھے ہیں

سردی و گرمی و برسات جو ہو، یا قسمت!
تیری دیوار کے ہم سایے تلے بیٹھے ہیں

پاسبانوں نے بہت آ کے اُٹھایا ہم کو
اپنے ہم دل کے بٹھائے سے دلے بیٹھے ہیں

آپ جو چاہیے فرمائیے ہم تو چپکے،
کیا کریں خیر جو کچھ بس نہ چلے بیٹھے ہیں

درِ دولت سے ترے بندۂ درگاہ بھی آج
ٹالنے سے تو کسی کے نہ ٹلے بیٹھے ہیں

سیرِ گلشن کی نہ تکلیف ہمیں دے، اِنشاؔ
کنجِ عزلت ہی میں ہم اپنے بھلے بیٹھے ہیں

(۳۳۸)

برقِ شعلہ زن چکی، ابر بھی خروشاں ہے
گرم اِس گھڑی، ساقی، بزمِ دُرد نوشاں ہے

اس قدر تشکر رنجی ہے ہم کہ کچھ ہم تم
بولتے نہیں مطلق، محفلِ خموشاں ہے

---

[1] روبقفا ہونا = مڑ کے دیکھنا۔

[2] "اِلے" یعنی "اے لے"۔ ن: "دلچسپ ہیں۔ لے بیٹھ گئے"۔ + ق ۲: "بیٹھ گئے" ردیف ہے۔

نیز: ق ۲: "دل کی ڈھٹائی"

۳۳۸ یہ غزل بحرِ ہزج اشتر میں ہے وزن۔ فاعلن۔ مفاعیلن فاعلن مفاعیلن۔

یاں کسی کی کوئی بھی بات ٹک نہیں سُنتا
غور کر جدھر دیکھو، دَورِ خود فروشاں ہے

نکہتِ بہار آئی۔ اب جنوں کی ہے شورش
عشق شیشۂ دل میں مثلِ بادہ جوشاں ہے

نغمۂ رباب و چنگ، ساز کر تو اے مطرب
عرش سے پرے یاں اب فکرِ تیز ہوشاں ہے

شیخ جی شغال آسا تم، سو نا صحور و باہ
شکل قاضی و واعظ چوں درازگوشاں ہے[1]

کم نہیں خیانت سے ہتکِ سِتر[2] اے اِنشا
بات سُن کے پی جانا، کارِ عیب پوشاں ہے

(۳۳۹)

سبزہ کیا خاکِ شہیداں سے تری خاک اُگے
جائے گل چاہیے واں سے دلِ صد چاک اُگے

جس جگہ پھوٹ بہے زخمِ جگر کا انگور
سیکڑوں کوس تلک واں شجرِ تاک اُگے

کیا تعجب کہ جہاں منتظر اُس کے رو دیں
جائے نرگس جو وہاں دیدۂ ادراک اُگے

دامنِ زیں سے ترے صید جہاں چھوٹ پڑے
سبزہ اُس بادیے کا صورتِ فتراک اُگے

سایۂ قامتِ لیلیٰ نہ پڑے اور افسوس
تُربتِ قیس کی تہ سے خس و خاشاک اُگے

آ کے پینک میں جہاں اونگھ رہے افیونی
پھول اُس باغ کا جوں کاسۂ تریاک اُگے

آہ نکلے دلِ پُر داغ سے اِنشا، تو وہیں
تختۂ لالہ تہِ گنبدِ افلاک اُگے

(۳۴۰)

کب چاہوں ہوں میں صرف ملاقات کی ٹھہرے
تب خوش ہو مرا دل کہ جب اُس بات کی ٹھہرے

دو باتیں کروں عرض میں خدمت میں تمھاری
صحبت مری اور آپ کی گر رات کی ٹھہرے

---

[1] درازگوش = بڑے کان والا۔ خرگوش

[2] ہتکِ ستر = بھید کا کھول دینا۔

نوٹ: ق، ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہے۔

یہ تو مری چڑھ ہو کہ کن انکھیوں سے میں دیکھوں
اور، اوروں سے یوں تم سے اشارات کی ٹھہرے

ہیں ہم بھی بھلے آدمی۔ آئے ہیں ترے پاس
آنکھیں نہ چرا، کچھ تو مدارات کی ٹھہرے

بوسہ ہی تڑاتے کا، مزے کی کوئی گالی
جھڑکی ہی تبسم ہی، غرض گھات کی ٹھہرے

آتا ہی یہی جی میں کہ دستار گرو رکھ
پھر آج زر اسیر خرابات کی ٹھہرے

جوں شعلۂ برق آہ نکلتی ہو جگر سے
اے ابر مزہ دیکھیں تو برسات کی ٹھہرے

نیند اڑ گئی آنکھوں سے کچھ اس رات تو الفشا
اُس شوخ ستمگر کی حکایات کی ٹھہرے

(۳۴۱)

پے تعظیم اشک اس طرح آہ سرد اٹھتی ہو
کہ جیسے قطرہ افشانی سے بوے گرد اٹھتی ہو

گرہ حسرت کی ہر تار نفس میں پڑ گئی جب سے
یہ کیسی ہوک ہر دم اے دل پُر درد اٹھتی ہو

سیہ بختوں کو ساتھ اپنے اٹھایا داغ غم نے یوں
لپٹ کر گھر سے کاغذ کی جیسے فرد اٹھتی ہو

ہوئی امید حاصل شکر جائے گر یہ ہو لیکن
کہ رخصت کے لیے اب یاس غم پرور اٹھتی ہو

ظہور مہدیِ دیں کا سنیں گے آج کل مژدہ
خدا کے فضل سے اب یہ صف نامرد اٹھتی ہو

نشے میں لے ہی اڑتی ہو نکل پردے سے مینا کے
عروس شرم کو، گر دخت رز بے پرد اٹھتی ہو

خموش، اے دل، صدائے دل خراش نغمۂ بلبل
بگلبانگ شگفت غنچہ ہائے ورد[1] اٹھتی ہو

طپش خاکستر عشاق سے جوں شعلۂ آتش
زمستاں میں بہنگام شدید البرد[2] اٹھتی ہو

مسیحا کا گر اعجاز ہو پانسوں میں چوپڑ کے
کہ مرجاتی ہو پھر[3] زندہ ہر یک نرد اٹھتی ہو

تک الفشا، وادی مجنوں میں جا شور[+] آج تک واں سے
صدائے نعرۂ ہوے بیابان گرد اٹھتی ہو

ق: ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہو۔

[1] ورد = گلاب۔

[2] ہنگام شدید البرد = سخت سردی کے دنوں میں۔

[3] چوسر میں جب کوئی گوٹ پٹ کے پھر کھڑی ہو جاتی ہو تو اس گوٹ کا کھڑا ہونا کہتے ہیں۔

[+] ق ۳: "بھلا تک وادی مجنوں میں جا بس"۔

ہنوز اُس دشت غربت بیچ اُس کی خاک آندھی ہو
برنگِ سُرخ و سبز و نیلگوں و زرد اُٹھتی ہو

(۳۴۲)

آنے اٹک اٹک کے لگی سانس رات سے
ہو اب اُمید صرف خدا ہی کی ذات سے

ساقی، ہوائے ابر کو تو سرسری نہ جان
کیفیت اِس کی پوچھ بناتِ[1] نبات سے

اپنا صنم وہ قہر ہو، اے برہمن، کہ گر
دیکھے منات[2] کو تو گرا دیوے لات سے

کل سے تو اختلاط میں تازہ ہو اختراع
رکنے لگے ہیں آپ مری بات بات سے

پیش آئیے بہ شفقت و لطف اِس سے شیخ جی
بنت العنب[3] کو جانیے اپنی بنات سے

حاصل کیا جو ہم نے قدمبوسِ پیرِ دَیر
آئی صدائے عشق درِ سومنات سے

ہیں واجب الوجود کے انوار، عشق میں
اِس کے صفات ذات نہیں ممکنات سے

اشعارِ طبع زاد مرے سُن کے شوخ وہ
کہنے لگا کہ فائدہ اِس مُہملات سے؟

مطلق ملا کے آنکھ اِدھر دیکھتے نہیں
آتے نظر ہو آج بھی کم اِلتفات سے

اِلتفات نے آ لگا ہی لیا تم کو بات میں
ظالم وہ چوکتا ہو کوئی اپنی گھات سے؟

(۳۴۳)

کنایہ اور ڈھب کا اِس بھری مجلس میں کم کیجے
اجی سب تاڑ جاویں گے نہ ایسا تو ستم کیجے

تمھارے واسطے صحرا نشیں ہوں ایک مدت سے
بسانِ آہوے وحشی نہ مجھ سے آپ رم کیجے

ہمارا جوں کے راجا، اے جنوں، ڈنڈوت ہم تم کو
یہی اب دل میں آتا ہو کوئی پوتھی رقم کیجے

---

[1] بنات (واحد: بنت = بیٹی) بنات نبات = نیا اگا ہوا سبزہ۔

[2] لات اور منات، قدیم عربوں کے دو بُت تھے یہاں لات اور اُزّیٰ لفظ لات میں ایہام ہو۔

[3] بنت العنب = انگور کی بیٹی یعنی شراب بجز ق: "بچھ کو"۔

گلے میں ڈال کر زنّار، قشقہ کھینچ ماتھے پر، برہمن بنیے اور طوفِ دیر بیت الصّنم کیجے ✓
کہیں دل کی لگاوٹ کو جو یوں سوچھی کہ ٹک جاکر ق قدیمی یار سے اپنے بھی غلط کوئی دم کیجے
تو انگلی کاٹ دانتوں سے پھلا نتھنے نڑ ہانڈا ہو لگا کہنے بس اب میرے بڑھاپے پر کرم کیجے
پھر اکتا آج بھی ہم کو نہ پرسوں کی طرح رکھیے خدا کے واسطے کچھ یاد وہ کل کی قسم کیجے
ملنگ آپس میں کہتے تھے کہ زاہد کچھ جو بولے، تو اشارا اُس کو جھٹ سوے زنا گشتِ شکم کیجے

کبھی خط بھی نہ لکھ بھیجا۔ پڑھایا آپ کو کس نے
کہ الفت دوستی انشا سے ایسی یک قلم کیجے

(۳۴۴)

فقیروں ساتھ یہ تعظیم لمبے خرچ کم کیجے نہ اُٹھیے مرشد اللہ بیٹھیے داتا، کرم کیجے
جنوں اے میرے مرشد! ہو اگر مرضی تو یا موتی دیر بیت الصّنم کے پاس وقفہ کوئی دم کیجے
زیارت کعبۂ دل کی اگر منظور خاطر ہو تو آنکھیں موند، یا معبود! ٹک گردن کو خم کیجے
فنا فی اللہ کے رتبے سے بابا ہو جو آگاہی تو کچھ جینے سے خوش ہوجے نہ کچھ مرنے کا غم کیجے ✓
وجود وحدت باری میں اِن افرادِ کثرت کو قیاسِ موج و گرداب و حبابِ آبِ یم کیجے ✓
یہ وہ وادی ہے جس میں ڈھیر ہے مجنوں سے مرشد کا گذر بے یاں سے یا سائیں تو سجدہ ہر قدم کیجے
گدایانِ خرابات مُغاں کا زور عالم ہے جو سبز اگھونٹے اِن کا، تو سیر جام جم کیجے +
نہیں اِس شہر میں کوئی جو آزادوں کا طالب ہو اُودا سا گیے اے وحشت بس اس نگری سے رم کیجے
ذرا اب تختِ ربّ العالمیں کو دیکھیے چل کر پھر آگے بڑھیے واں سے سیر گلزارِ اِرم کیجے
کلیسا میں بہت کی بُت پرستی۔ بالکو اُٹھو چلو ٹک بسترِ اکاندھے پہ کس طوفِ حرم کیجے

۱؎ رانڈا ہو: رنڈوی صورت بنا کر۔ ۲؎ ملنگ آزاد فقیروں کی ایک جماعت۔

۳؎ دوستی الفت کرنا۔ یعنی دوستی چھوڑ دینا۔ + ق: یعنی، ق ۲: دینی، ق ۳، م: یعنی ملاحظہ ہو

۴؎ یہ غزل آزاد فقیروں کے لہجے میں ہے

تعظیم یعنی اتنی ہر وقت فائدہ کیا
اب تک ہے تم کو ہم سے مدِ نظر تکلف
(انشا)

نوٹ: ق ۲: "ہوا جا ہو"۔ + ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

(مخزن فوائد از نکہت شاہجہان آبادی)

غزل تو وہ کہی، اِنشاؔ، اب اپنے پیر و مرشد کی
دعا میں اِک مخمس منقبت کا بھی رقم کیجے

(۳۴۵)

جہاں میں مثلِ تیمور اور بابر محتشم کیجے [1] مُسخّر جلد قبضے میں عرب سے تا عجم کیجے
درود و سورۂ اِنّا فتحنا پڑھ کے دم کیجے سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

کیا دو ٹکڑے جس قوت سے تم نے چیر کر اژدر ہوا مفتوح جس حملے سے شاہا قلعۂ خیبر
اُسی ڈھب سے غرض اِک نعرۂ اللہ اکبر کر* سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

تمھارے آسرے چھُٹ کچھ نہیں یاں سو جھتی مطلق کہیں تشریف فرما ہو کہ تا جلدی سے ہو رونق
دلا دو کافروں سے چھین کر فی الحال اُس کا حق سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

رسول اللہ او رتم ہو بہم یک رُوح دو قالب مطالب کیوں نہ ہوں اُس کے جو ہووے آپ کا طالب
خدا کے واسطے ٹک آ کے یا لیثِ بنی غالب [2] سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

کہاں تک وہ رہے یاں ہر کس و ناکس کے اب طعنے کمک کو اس غلام اپنے کی اِتنی دیر، کیا معنے؟
تماشا ٹک یداللّٰہی کا دکھلا دیجیے یعنے سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

---

[1] یہ دعائیہ مخمس شاہزادۂ سلیماں شکوہ کی مدح میں ہے۔ [ق، ن، ن۲ میں یہ مخمس نہیں ہے]

* ن: "بھر"

[2] لیثِ بنی غالب = بنی غالب کا شیر یعنی حضرت علیؓ۔

شکوہ و حشمت و تاج و تخت فوج و ملک اور دولت　　نشاط و جشن و عیش و طولِ عمر و سرخوشی صحت
یہ سب اُس کو عطا فرمائیے للہ، یا حضرت　　سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

دعا کرنے کا ہو اب تو یہی حسبُ المُراد اُس کا　　کہ ہو وہ بادشہ اور میر بخشی خانہ زاد اُس کا
عنایت ایسی ہی کیجے کہ دل ہو شاد شاد اُس کا　　سلیماں کی مدد کو ذوالفقار اپنی علم کیجے
امیر المومنیں، اب اے مرے مولا کرم کیجے

(۳۴۶)

آتی تھی ایک حور مجھے دیکھ ہٹ گئی　　دانتوں کے بیچ[*] داب زباں چٹ پلٹ گئی
آہٹ کو میری تاڑ کے چوکھٹ سے چٹ اُچٹ[+]　　جھٹ پٹ وہ ہٹ کواڑ کے پٹ سے چمٹ گئی
آئی نسیم صبح جو کل کوے یار سے　　ہمراہ فوج ہوش کی لے غٹ[۱] کی غٹ گئی
تھی سلسلاہٹ[۲] اس کی یہ کچھ نرم گات میں　　جب واں نگہ کا دھیان پڑا چٹ رپٹ گئی
شب میں نے جوہیں ہاتھ لگایا تو وہ پری　　بے اختیار شرم کے مارے سمٹ گئی
ہم دو گھڑی بھی ساتھ ترے سو رہے نہ ہائے!　　باتوں میں یوں ہی چار پہر رات کٹ گئی
دو چار گرم گرم جو تانوں کی لی اتیج　　بلبل کو ہم نے ایسا ہی چھیڑا کہ کٹ[۳] گئی
مجھ سے لپٹ کے آخرِ شب یار نے کہا　　ق　　کیا جانے اِن دنوں کی یہ کیوں رات گھٹ گئی
کم بخت آہوا خلل انداز خواب میں　　ہر ہر خروسِ صبح کی چھاتی نہ پھٹ گئی

اِنشا کی گفتگو وہ دھواں دھار[#] ہو کہ آج
آکر بہار اُس کے گلے سے لپٹ گئی

---

* ق، ق۳: "بیچے"۔　+ ق: "چٹ اچک" ق۳: "جھٹ اچک"۔
۱ غٹ کی غٹ = غول کے غول یعنی کثرت سے۔
۲ سلسلاہٹ = نرماہٹ۔ چکناہٹ۔
۳ کٹ گئی = شرمندہ ہوگئی۔
ق، ق۳۔ دھواں گرم۔

(۳۴۷)

نگہ ہر اُس پری کی سحر، چتون ایک آفت ہر — معاذ اللہ، دیکھیے جو اُدھر کس کی یہ طاقت ہر
چمن ہر، جام صہبا ہر گھٹا ہر، جائے خلوت ہر — اگر ایسے میں آجاؤ تو صاحب وقت غرصت ہر
رگڑنے دو مجھے تلووں سے اپنے تک تو آنکھیں تم — تصدق میں تمہارے جاؤں مجھ کو اس میں راحت ہر
مبادا جھاڑ کر پنجے چمٹ جاوے کہیں وحشت — بُرے تیور نظر آتے ہیں مجھ کو اس سے دہشت ہر
بھلا کیونکر نہ غش ہوں ہم کہ وڑوں وضع کی کس میں — لطافت ہر، ملاحت ہر، صباحت ہر، نزاکت ہر
مجھے کیوں گالیاں دیتے ہو بے کے ناحق کو ق — ارے مکتب کے لڑکو، ایں بھلا یہ کیا شرارت ہر
ابھی سے مت نکالو لام کاف اپنی زباں سے تم — الف بے یاد تو کر لو، بھلا یہ کون بابت ہر
بھلا آخون جی صاحب کو آنے دو کہیں گا میں — کہ اے حضرت سلامت آپ سنیے یہ حقیقت ہر
دیا ہر پانو شوخی میں یہ شاگردوں نے صاحب کے — جہاں چھٹی ملی ان کو تو اِک برپا قیامت ہر
کسی کا مُنہ چڑھا جانا، کسی کو بے تبے کہنا — سدھارے آپ جب مسجد کو یہاں ہوتی قباحت ہر*
کتابوں پر پڑی ڈکڑ بجے ہر ساتھ پٹوں کے[1] — اگر چھپ کر نظر کیجے تو یاں کچھ طرفہ صحبت ہر
مراتب غوث کا ملتا ہر اجزائے گلستاں کو[2] — بچارے شیخ سعدی کی یہاں ہوتی فضیحت ہر†
اے لو آتے ہیں نیلا کھیس اوڑھے سامنے سے وہ — غرض تم صاحبوں کی خوب اب ہوتی ضیافت ہر
نہیں تو کچھ مجھے دینے کہو سب مل کے آپس میں — مزے سے کھیلو کودو لوٹو پوٹو پھر فراغت ہر

بدل کر قافیہ انشا غزل اب اور کوئی پڑھ
خدا کے فضل سے تجھ کو فصاحت ہر بلاغت ہر

---

*: ق ۳ : "قیامت ہر"۔ ۵ لام کاف مت نکالو یعنی گالیاں مت بکیو۔

[1] ڈکڑ بجانا۔ کتابوں کو پیٹنا۔ مطلب یہ ہر کہ ایک لڑکا کتابوں پر طبلہ بجاتا ہر اور دوسرا پٹے گاتا ہر۔

[2] غوث، صوفیۂ کرام میں ایک بہت ممتاز طبقہ جس کی نسبت مشہور ہر کہ بحالت خواب اِن کے اعضا ایک دوسرے سے جدا پڑے رہتے ہیں مطلب یہ ہر کہ اجزائے گلستاں اِدھر اُدھر منتشر مارے پھرتے ہیں۔

† ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہر۔

(۳۴۸)

بھبھوکا روپ، سج دھج قہر، آفت چلبلاہٹ ہے — جھمکڑا نور کا مکھڑا، غضب اُس کی سجاوٹ ہے
خبر لیجو یہ کس کے پانو کی اٹکھیل آہٹ ہے — کہ ہر ٹھوکر پہ جس کی دل میں اُٹھتی گدگداہٹ ہے
پھسل کیونکر نہ جاوے دل بھلا ایسے پہ، اے یارو — کہ واں ٹپکا پڑے ہے جوبن ایسی گدگداہٹ ہے
ارے ظالم، یہ کیوں آیا نہیں معلوم کچھ مجھ کو — بلائیں جس کی دل لینا پڑا سینے میں چٹ چٹ ہے
اجی کہتا ہوں دروازے کی کنڈی کھول دو چپکے — نہیں تو میر اسر ہے آج اور صاحب کی چوکھٹ ہے
بلائیں میں جو لیتا ہوں تو یوں کہتا ہے وہ ظالم — تجھے میں خوب سمجھا ہوں ارے تو ایک نٹ کھٹ ہے
کھسل جاتا ہے جب مخمل کا تکیہ اپنے پہلو سے — تو یاد آتی ہے کسی کی وہ مزے کی مجھ کو کروٹ ہے
چلی آتی ہے بو نرگس کی اِن لاہی کے پردوں سے — کسی کی یاد میں کچھ کلبلاتا سا چھپر کھٹ ہے
چکا چوندی نہ لگ جاوے بھلا کس طرح آنکھوں کو — بسانِ برق بیتابا نہ اُس کی اچپلاہٹ ہے
کہا میں نے اجی ٹک منہ سے بولو ہائے! مرتا ہوں — تو لیا کہتے ہیں چل جھوٹے ارے یہ سب بناوٹ ہے
خفا سا دیکھ کر مجھ کو لگے لوگوں سے فرمانے — خدا کے واسطے سوچو انھیں مجھ سے رکاوٹ ہے

بچاوے کس طرح اِنشا، سراپا سے ترے دل کو
کہ لاکھوں وضع کی ہر ایک موقع پر لگاوٹ ہے

(۳۴۹)

ہر اور کوئی ایسا جس میں یہ پھبن نکلے — سج دھج اِسے کہتے ہیں بیساختہ پن نکلے
ایسے میں کہیں اُڑ لاگ[1]، اے طائرِ دل تو بھی — ہیں کسبِ ہوا کو سب مرغانِ چمن نکلے
سوزش سے مرے دل کو وحشت کی جو بو آئی — سب وادیِ مجنوں سے ہوست ہرن نکلے
اے عشق، تجھے ہم تو آسان سمجھتے تھے — اطوار ترے بھائی! پر سخت کٹھن نکلے

---

[1] اُڑ لاگ یعنی اُڑنے لگ۔

ب: ق ۳: "سیر"۔

یوں تن وہ نمایاں ہر پیراہنِ آبی میں † جوں دھوپ کواڑوں سے آئینے کے چھن نکلے
مجلس میں جو ہولی کی کل شیخ جی آئے تھے رندوں نے انھیں چھیڑا ایسا ہی کہ بن نکلے
ہے یوں دُرِ گوش اُس کا اُس زلف کے حلقے میں مہتاب میں کالے کا جس طرح کہ من نکلے
شبنم میں جو تک رکھ دوں میں اُس کے دوپٹے کو مہتاب کی چادر سے خوشبوئے سمن نکلے
آنسو میں گتھے شعلے ہر داغِ دلِ تل کے ق کچھ ایسے جھمکڑے سے سلگا کے بدن نکلے
دریا سے نہا دھو کر جوں آخرِ شب کافر ہاتھوں میں لیے چومکھ[1] پوجا کو من نکلے
افشاں کا وہ عالم ہے اُس چاند سے مکھڑے پر
جوں وقتِ سحر، اِلشّا، سورج کی کرن نکلے

۳۵۰

نکلے ہے خون ٹھہر ٹھہر دل کی ہر اک خراش سے چیرہ دو اِس کو دوستو تیز قلم تراش سے
کس کی نگاہِ برق وش ٹوٹ پڑی کہ مثلِ ابر نکلے ہے اب تلک دھواں لختِ جگر کی لاش سے
کل جو رہے ہم اس کو گھور، کہنے لگا وہ خانہ جنگ آتی ہے بوئے خوں مجھے تیری نگاہ فاش سے
ہم کو مصاحبوں سے ہے آپ کے کیا برابری ہم ہیں کمینے اِک غلام فرقۂ خواجہ تاش[2] سے
موسمِ گل ہے دوستو جاوے وہ سیر باغ کو اُٹھنے کی تاب جس کو ہو تکیہ گہِ فراش سے
ساقیِ شوخ چشم، اگر ہو نہ گرگ، تو بہر شغل کیجے تنقل اب شروع میرے جگر کی قاش سے
بن لیے بوسے پانچ سات ایسے جی کوئی چھوڑوں ہوں چڑھ گئے ہو تم اپنے ہاتھ آج بڑی تلاش سے
حضرتِ عشق، دیر میں رہتے ہو یا حرم میں تم؟ مجھ کو نہیں کچھ اِطّلاع آپ کی بود و باش سے
اِن دنوں شاید اور بھی تجھ کو مزا پڑا ہے کچھ آتی ہے کینکی کی باس تیرے گلاب پاش سے
ہے یہ دو روزہ زندگی ہم کو وبالِ گردن آہ اے وہ خوشا جو چھٹ گئے دغدغۂ معاش سے

---

† ق ۳: "سے"

[1] چومکھ = وہ چراغ جس میں دو بتیوں کے چار وں سرے روشن کیے جاتے ہیں۔ اب چونک بالفتح بولتے ہیں۔

[2] خواجہ تاش: ایک ہی مالک کے متعدد غلام۔

لرزہ فگن خروش یہ کب تلک اے دل، آہ! چپ — کانپے ہی تھر تھر آفتاب تیرے اس ارتعاش سے
غیر سے کھیل باشہ[1] چنگ کرتے ہیں میرے دل کو شوخ — بات بعید سی ہر یہ آپ کی اس قماش سے

قافیہ اب بدل کے انشا غزل اور پڑھیے آپ
طبع کو تا سرور ہو قلب کے اِنتعاش[2] سے

(۳۵۱)

شہر سے دل اُچاٹ ہی اُنس نہیں اُجاڑ سے — سر کو پٹکیے اے جنوں کون سے اب پہاڑ سے
بیٹھیے باندھ ٹکٹکی کیوں نہ بھلا کواڑ سے — نکلے ہی جھانک تاک کی باس کچھ اس دراڑ سے
بے خبر آگیا جو میں جھٹ سے شب اُس کے سامنے — مُنہ کو چھپا لیا تمام ہاتھ کی اپنے آڑ سے
رایتِ آہ پیش رو، فوج سرشک در جلو — حضرتِ عشق آئے تو زور ہی بھیڑ بھاڑ سے*
صبح جو اُٹھ کے آئے ہم دل میں یہی خیال تھا — رُک نہ رہے ہوں شاید آپ رات کی چھیڑ چھاڑ سے
پانوؤں پر اُس کے گر پڑا میں، تو لگا وہ کہنے شوخ — سر کو اُٹھاؤ جاؤ بھی۔ لپٹے ہو تم تو جھاڑ[3] سے
قد کی ترے شباہت سرو کے ساتھ ایسی ہی — سرو کو جوں شباہت دیجیے لمبے تاڑ سے*
لپٹے جو ہم تو اُن نے شب سر پہ زمین لی اُٹھا — دھوم سے غُل سے چیخ سے شور سے تو پہاڑ سے

آمد و شد رہی نہ جو انشا گلی میں اُس کی اب
خوب ہوا کہ بیچ گئے روز کی ہم لتاڑ سے

(۳۵۲)

بستی تجھ بن اُجاڑ سی ہر — کم بخت یہ شب پہاڑ سی ہر

---

[1] باشہ چنگ (یعنی بادشاہ چنگ) = گنجفے کا کھیل، جس میں آٹھ بازیاں ہوتی ہیں، بھلا ان کے ایک قماش بھی ہر۔ اور کچھ پتے ایک ساتھ نہ پھینکے جائیں تو وہ پھر نہیں کھیلے جا سکتے اس کو اُن کا سوخت ہونا کہتے ہیں۔

[2] انتعاش = بڑھ جانا۔ تیز ہونا۔

[3] جھاڑ سے لپٹنا یا جھاڑ کی طرح لپٹنا۔ کبھی علٰحدہ نہ ہونا۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہر۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہر۔

شاید کہ ہوئی سرایتِ عشق — کچھ سینے میں چیر پھاڑ سی ہے
ہر چند کہ بولتے نہیں وہ — باہم پر چھیڑ چھاڑ سی ہے
سوتے ہیں ایک ساتھ لیکن — تلوار کی بیچ آڑ سی ہے
اِنشاؔ اللہ شاید آیا
اُس کوچے میں بھیڑ بھاڑ سی ہے

(۳۵۳)

دیکھ کر مجھ کو کھنکارا اور دیا دُشنام بھی — جب میں جھنجھلایا، تو بولا "واہ تیرا نام بھی"؟
قاصد آیا اور لایا وصل کا پیغام بھی — دل، مبارک ہو تجھے اب چین بھی، آرام بھی
میں کہا: "بس تک چلیے میرے گھر" کہا: باعث سنوں — کس سبب، کس واسطے، کاہے کو، کیوں، کچھ کام بھی؟
ولولے میں تیرے چھوڑا ہم نے سُن اے خود پسند — تُنکدہ بھی، صومعہ بھی، کفر بھی، اسلام بھی
وصل ہی میں تیرے ہم سے چھٹ گیا تھا ننگ و نام — اب بدولت ہجر کے، لو یہ چلا آرام بھی
بن ترے ہم یہ بھیانک[1] ہیں کہ اپنی چڑھ ہمیں — ساقی و مطرب بھی، خنیا نہ بھی، خم بھی، جام بھی
چُہل بھاتی تجھ تلک تھی۔ گر کسی سے اِن دنوں — ہو گئی، تو رو کے کہنا: چپ ہو منہ کو تھام بھی
میں کہا: شب خوب آئے۔ بولے: تو گھر میں نہ تھا — ایک تو وعدہ خلافی تس پہ اور اِلزام بھی
بندگی ہے ہر کسی سے مہرباں ہیں اپنے سب — شیعہ و سنی و صوفی رند دُرد آشام بھی
کچھ تہیدستی ہی تنہا دشمنِ اِنشاؔ نہیں
عشق و ہجر و نوجوانی، گردشِ ایام بھی

(۳۵۴)

جنوں کے رہ نوردوں کا کوئی لگتا کہیں دل ہے — بسانِ گرد باد اُن کو سدا قطعِ منازل ہے

---

[1] "واہ تیرا نام بھی یعنی واہ میں نے تیرا کہیں نام بھی لیا۔
+ ق ۲ میں شعر نہیں ہے۔
[1] بھیانک = متوحش۔ متحیر۔ گھبرایا ہوا۔ متنفر۔

نگاہ ناز سے جس کی، جہاں سب نیم بسمل ہے
یہ وہ کافر، یہ وہ ظالم، یہ وہ خونخوار قاتل ہے

فقط بھر کر نظر دوں دیکھنا بھی ایک مشکل ہے
معاذ اللہ، دیکھو تو کدھر آیا مرا دل ہے

محیطِ عشق کے امواج طوفاں خیز ہیں جس پر
کہے ہے ناخدایاں سے ہزاروں کوس ساحل ہے

فغانِ دل کو سن مجنوں، درائے کارواں سمجھا
چلا کہتا ہوا رو رو کے لیلیٰ کا وہ محمل ہے

تمہارے ہاتھ کیا آتا ہے بندے کے گڑھانے سے
بھلا حضرت سلامت آپ کو کیا اس سے حاصل ہے

گلستانِ جہاں میں جیسے ہم اردی بہشت[1] آئے
برنگِ بوئے گل ہم کو سدا ملنی مراحل ہے

وہ آنکھیں جادوئے جمشید، سحر سامری چتون
خطِ نورستہ شہر سبز، غبغب چاہِ بابل ہے

مرکب چار عنصر سے نہ سمجھو عشق کو ہرگز
نہ اس میں ذرہ آب و ہوا، نے آتش و گل ہے

یہی صانع یہی فعال خلقِ جزو و کل اس سے
یہی موجد، یہی مبدع، یہی خود آپ عامل ہے

خیالِ ہستیِ موہوم دل سے دور کر انشا
سفر درپیش ہے تجھ کو، تو اس پر آہ غافل ہے

(۳۵۵)

قسم نہ کھائیو ظالم تو مے کے پینے سے
وگرنہ ہوں گے ہم آزردہ اپنے جینے سے

اگر میں پاؤں اکیلا کہیں تجھے، ہے ہے
تو کس مزے سے لگا رکھوں اپنے سینے سے

چمکتے چاند کے ہیں گرد جس طرح تارے
عجب مزا ہے ترے مکھڑے پر پسینے سے

وہ سن کے عرض کو انشا کی اس طرح بولا
کسے غرض ہے عبث منہ لگے کمینے سے

(۳۵۶)

دیکھ کر وہ لہلہے گرد اس دہن کے رونگٹے
اٹھ کھڑے ہوتے ہیں سب اپنے بدن کے رونگٹے

ملک صفائی اس شکم کی تو نظر پھیلا کے دیکھ
سبز مخمل پر نہ ہوں گے اس پھپن کے رونگٹے

---

[1] اردی بہشت = ایک عجمی مہینے کا نام ہے جس سے بہار شروع ہوتی ہے۔

بھیگتی اپنی مسوں[1] پر دم بہ دم پھیرے ہر ہاتھ — ہیں یہی دو چار موجب بانکپن کے رونگٹے
دیکھ سبزے میں چمکتے گالوں کی اُس کے تو کہے — یہ بنائے حق نے ہیں سورج کرن کے رونگٹے
کاش مستوں کو نہ ملتی داڑھی اُگتے اُس کی جا — پنبۂ مینائے صہبائے کہن کے رونگٹے
یوں ہیں اے پیرِ مغاں یہ آپ کی موچھوں کے بال — جس طرح ہوں نافۂ مشکِ ختن کے رونگٹے

غور کر ٹک بنگ کے صافے پر انشا اس کے ہیں
جوں عذارِ یوسفِ گل پیرہن کے رونگٹے

۳۵۷

کھب گئی آنکھوں میں کل جلوہ نمائی تیری — مجھ کو کیا جانے کہ کیا بات خوش آئی تیری
اے نسیمِ سحری کیجو مرا عرضِ نیاز — گلشنِ یار میں گر ہووے رسائی تیری
شعلۂ برقِ شرر بار کو بھی دیوے پھونک — ہو فلک سیر اگر اے آہ ہوائی تیری
مُنہ لگاتے ہی مرے سخت خفا ہوتا ہے — شیخ کیوں دخترِ رز کو نہ ہو جائی[2] تیری
ہائے کیا قہر ہے اُٹھتے ہیں بھبو کے دل سے — مارے ڈالے ہے یہ سینے کی صفائی تیری
اب خدا کے لیے جانے بھی دے پنجہ تو نہ کر — کہیں ایسا نہ ہو مڑ جائے کلائی تیری
اے دلِ زار پھنسا اُس کے سرِ زلف میں گر — ممکن عقل نہیں پھر تو رہائی تیری
کیا ہوا غصہ نہ ہو شدتِ سرما میں اگر — آ گئے ہم بھی جو ٹک کھول رضائی تیری

طالبِ حسن نہ ہو چھوڑ یہ باتیں انشا
دیکھ کہتا ہوں میں اس میں ہے بھلائی تیری

۳۵۸

۱ مے پیے قشقہ دیے کعبے میں ناقوس لیے — اے دل آئے ہیں ہم اب فائدہ افسوس کیے؟

---

[1] مسیں بھیگنا = سبزہ آغاز ہونا۔

[2] جائی = سگی (عزیز)۔

آتے ہی میکدۂ عشق میں مَیں چند قدح
پے دفعِ خرد و رخصتِ ناموس پیے
دلِ صد چاک کسو کا نہ رفو تجھ سے ہوا
ناصحا، اگرچہ بہت خرقۂ سالوس[1] سیے
داغہائے دلِ عشاق کے جلوے جو کبھی
دیکھنے پاوے، تو حسرت سے نہ طاؤس جیے*

محفلِ تن میں فروزندہ ہر انشاؔ وہ شمع
جس کے شعلے نے جلا سینکڑوں فانوس دیے

(۳۵۹)

ہم نے ساقی کے کہیں ہونٹ جو تک چوس لیے
خوش ہو سب اہلِ خرابات نے پابوس کیے
دلِ صد چاک کو فریاد سے وہ منع کرے
اے برہمن، جو وہاں دلبِ ناقوس سیے+
طبعِ خام کو اپنی میں کروڑوں دشنام
جب ہوا تیری ملاقات سے پابوس دیے
گر غبطا ہر نہ ہوا جاہ و حشم، نہ ہوا
کیا قیامت ہوئی گر بے دُہل و کوس[2] جیے
زخمہائے نگہِ ترکِ جفا کار اگر
ہوں کسی طرح سے جراح کو محسوس، سیے

ذوقِ نظارہ سے ہو مست ہزاروں آنسو
اپنی آنکھوں ہی میں انشاؔ نے تو افسوس پیے

(۳۶۰)

دو چار سُن کے تیرے سخن ہم کڑے کڑے
اُٹھتے ہیں کوئی در پہ ترے جو اڑے اڑے
مخصوصِ دیر و کعبہ نہیں یہ فتادگی
مخمور ہیں نشے میں جہاں گر پڑے پڑے
ٹک یوں تو آپ دیکھیے، سچ ہے یہ واقعی
کیا بولنے کے ہم سے نہیں جب لڑے لڑے

---

[1] سالوس = مکر و فریب۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

+ اس شعر کے بعد ق ۲ میں ایک ورق نائب ہے۔

[2] دہل و کوس = ڈھول اور نقارہ۔ بے دہل و کوس جینا یعنی فقیر کی زندگی بسر کرنا۔

جاتا ہوں آج تو میں عرضِ مدعا — اِس میں جو تیغ کھینچ وہ مجھ کو جڑے جڑے
اِس جاں سے آہ! جوانانِ باغِ دہر — اوراقِ منتشر کی طرح جو جھڑے، جھڑے
تم نے غرور سے، نہ اِشارہ کیا کہ بیٹھ — اور اپنے پانو دکھنے لگے یاں کھڑے کھڑے

اِنشاؔ، ورائے عرش کا رتبہ ہر اِس طرف
ہیں اب خیال اور بھی ہم کو بڑے بڑے

(۳۶۱)

سودا زدہ دل ہر تو یہ تدبیر کریں گے — اُس زلفِ گرہ گیر کی زنجیر کریں گے
غصّے میں ترے ہم نے بڑا لُطف اُٹھایا — اب تو عَمداً اور بھی تقصیر کریں گے
دیکھیں گے جب آتے مجھے آپ ایک ادا سے — ہو چین بجبیں تکیہ بہ شمشیر[1] کریں گے
یہ نالۂ جانکاہ پُر از حسرت و درد، آہ — تا چند ترے دل میں نہ تاثیر کریں گے
چمکا ہر ترا رنگ جو نظارے سے اپنے — پوچھ اہلِ نظر سے کہ وہ تقریر[2] کریں گے
چندے جو بسر یوں ہوئے اوقات تو ہم یار — مکھڑے کو ترے عالم تصویر کریں گے

دل شاد رکھ، اِنشاؔ، متفکّر نہ ہو ہرگز
عقدے ترے حل حضرتِ شبّیر کریں گے

(۳۶۲)

آزردہ ہم سے تو ہی جواب، اے میاں رہے — جی سے گئے جہاں سے گئے ہم کہاں رہے
اِس دل جلے کو ہجر میں اے آتشِ فراق — ایسا ہی پھونکیو کہ نہ باقی نشاں رہے
راہِ جنوں کے طے کی نہیں تاب، ہمرہو — ہو جس کے جی میں جاؤ چلے، ہم تو یہاں رہے
یک جرعۂ شراب سے لب تشنہ ہم چلے — آباد، ساقیا، یہ ترا خان و ماں رہے

---

[1] تکیہ بہ شمشیر = تلوار پر ہاتھ ڈالنا۔

[2] تقریر کریں گے = مفصل بتائیں گے

کہتا ہو، تو یہ مجھ سے کہ چاہے ہر اور کو　　صد حیف مجھ سے، اور تجھے یہ گماں رہے
خوکردہ گالیوں کے جو ہیں، اُن کو دیجیے
اِنشا سے ایسی بات نہ، اے مہرباں، رہے

(۳۶۳)

مجھ سے فرمانے لگے اب قدر جانی آپ کی　　بندہ کس قابل ہو، صاحب، مہربانی آپ کی
یوں کو دیکھا بھی نہیں اور اختلاط اوروں سے تھا　　ہوگئی معلوم اِس میں قدر دانی آپ کی
سنتے ہی احوال میرا ہنس کے یوں بولا کہ بس　　خوش نہیں آتی ہو مجھ کو یہ کہانی آپ کی*
اب جہاں چاہو سدھارو کچھ نہیں ہو غم یہاں　　داغِ دل رکھتا ہوں سینے میں نشانی آپ کی
سیّد اِنشا صاحب آثار رحم ہو مجھ کو کہ ہائے!
کٹتی ہو کس درد و غم میں نوجوانی آپ کی

(۳۶۴)

تڑپے ہو نبض کس قدر انگشت کے تلے　　ق　دیکھو اے طبیب، اپنی ہر انگشت کے تلے
گاہے عظیم و شاہق و گاہے سریع ہو[1]　　جنبش سے اِس کی رکھ خبر انگشت کے تلے
ہر تارِ چنگ ہو رگِ جانِ سماع و وجد　　اے مطرب، اپنی کر نظر، انگشت کے تلے
مَل مَل جگر کو فکر نے یوں خون کر دیا　　حل جس طرح ہو آپ زر انگشت کے تلے
مُلّا نے فالنامہ دکھا کر کہا مجھے　　ق　اِن میں سے ایک نقش دھر انگشت کے تلے
رکھتے ہی اُس کے حرف پہ یک بار ہوگیا　　نقشِ مراد، جلوہ گر انگشت کے تلے
ہر حرفِ سطرِ نامہ جانا نہ، اپنے ہو†　　سینے پہ، سر پہ، آنکھ پر، انگشت کے تلے

---

* ق ۲ کا ورق اس شعر سے شروع ہوتا ہو۔

[1] شاہق: اصطلاح طب میں ایسی نبض جو بلند ہو عظیم جو طول کے عرض اور عمق زیادہ رکھتی ہو۔ سریع وہ جو تیزی سے چل رہی ہو۔

† یہ شعر ق میں نہیں ہو۔ ق ۲: "اپنے ہیں" ۔ ق ۳: "اتنے میں" مگر "اپنے ہو" صحیح معلوم ہوتا ہو۔

مُہرِ لفافہ، خانۂ شطرنج کی طرح، پہروں رکھوں ہوں سوچ کر انگشت کے تلے
اِنشاؔ، گھمنڈ زورِ یدُاللہ سے یہ ہے
مل ڈالوں کوہِ قاف نہ انگشت کے تلے

(۳۶۵)

خُمِ بغل بیچ نہاں، ہاتھ میں ہے جام لیے — ساقی آتا ہے چلا زور سرا[1] انجام لیے
سیر کی اُن نے عجب جس نے کہ آتے ہی چڑھا — میکدے میں دو سہ قُرطِ[2] گلفام لیے
گالیاں سیکڑوں دیں، پانو جو دابے ہم نے — مختیں خوب سی کیں، خوب سے اِنعام لیے
ہمصفیرانِ چمن دیکھیے کیا ہوتا ہے — آج صیّاد پھر آیا قفس و دام لیے
بوسہ ہائے رُخ و زلفِ صنمِ مہر جبیں — سیکڑوں ہم نے تو کل صبح سے تا شام لیے
لے خبر جلد ٹک، اے قافلہ سالارِ حرم، — کہ حریفوں نے وہ سب جامۂ احرام لیے
پختگی آج بھی اُس بات کی، اِنشاؔ، نہ ہوئی
گھر کو ہم آئے چلے پھر طمعِ خام لیے

(۳۶۶)

دیکھ انگیا میں اُن کی گوٹ لگی — دل کو پھر تازہ ایک چوٹ لگی
آہ نسیمِ سحر، گلے میرے — کل خیاباں میں لوٹ پوٹ لگی
میں پکارا "تو تُھوٹ[3]" کہہ بیٹھے — مجھ کو کیا پیاری اُن کی پھوٹ لگی
دیکھ اِنشاؔ کہ ایک حور نژاد
ہر گھڑی دُوں کو چتی کی اوٹ لگی

---

[1] زور سرا انجام لیے: بڑے ساز و سامان کے ساتھ۔

[2] قُرط = پانی کے حلق سے اُترنے کی آواز (مراد: گھونٹ)

[3] پھوٹ (دونوں مصرعوں میں مہمل داد سے) = تُف، تھو تھی۔ لعنت۔

(۳۶۷)

رہتے ہیں بہ رنگِ بو کوچے میں رگِ گل کے
ٹوٹیں ہیں بہاریں ہم، یوں سامنے بلبل کے

کس کس سے میں اب بحثوں ہیں میرے تو نالے پر
یوں چھپے بلبل کے، دوں قہقہے قلقل کے

آئینۂ عالم میں تمثالِ جمالِ حق
آدم ہُوا نظر آیا، کہتے ہیں یہ ہم کھل کے ✓

یاں جام و صراحی سے اب دورِ تسلسل ہے
منکر حکما سب ہیں گو دور و تسلسل کے ✓

والہ نہ فقط ہم ہیں صورت ہی کے بس تیری
شوخی کے، تغافل کے، خال و خط و کاکل کے

جو تم نے کہا تھا شب سو صبح کو سب بھولے
بس اور تو کیا کہیے، صدقے میں تغافل کے

جمعیتِ[1] اجزا کا "کل" نام ہے اے انشا
ہر چند کہ جُز ہیں پر موجود ہیں کُل کے

(۳۶۸)

کل وہ نگہ اچٹتی ہوئی یوں جو پڑ گئی
بے اختیار اُس سے مری آنکھ لڑ گئی

کس کس ادا سے ناک چڑھاتا ہے، دیکھیو
بے کل ہو ٹک جو نیند میں گردن اکڑ گئی

اُس شعلہ خو کی، برق نے دیکھی جو یہ چمک
کھا کر پچھاڑ گر کے، زمیں بیچ گڑ گئی

اٹھتی نہیں جو دل سے صدا آج کیا ہوا*
اِس ساعتِ فرنگ کی کیا کل بگڑ گئی؟

تابِ غمِ فراق کسے، صبر اُڑ گیا
بس اے ہجوم یاس، کہ طاقت نبڑ گئی

کیا حرف[2] ایک بات گر انشا سے سچ کہو
کچھ جھوٹ بولنے کی تمھیں خو ہی پڑ گئی†

---

[1] اس شعر میں عجیب فلسفیانہ نکتہ بیان کیا ہے مطلب یہ ہے کہ کل صرف جمعیت اجزا کا نام ہے اور ہم افراد اجزا ہیں لہٰذا ہمارے ہی اجتماع نے "کل" کو پیدا کیا۔

بر: ق، ق ۲: "آدم ہی" * ق ۲، ق ۳: "آہ کیا ہوا"۔

[2] کیا حرف = کیا مضایقہ۔

† ق، ق ۲: "خوی"۔

(۳۶۹)

ایک چھوڑا نہ زندہ جاں تو نے — ٹھور[1] رکھا سبھوں کو، ہاں، تو نے
کیا کیا، آہِ ناتواں، تو نے — آگ سی پھونک دی یہاں تو نے
بھلّہ رے یہ دماغ! سمجھا ہے — آپ کو شاخِ[2] زعفراں تو نے؛
آہ! اے برقِ عشق، پھونک دیا — صبر کا میرے خان و ماں تو نے
اے طپش، ننگ و نام کا چھوڑا — نام کو بھی نہ کچھ نشاں تو نے
آفریں تجھ کو، اے دلِ بے صبر — آپھنسایا مجھے کہاں تو نے
ہائے! اے سیلِ گریہ، ڈھا دیا — صبر کا میرے خان و ماں تو نے[+]
ضعفِ پیری مجھے دیا کن نے؟ — اے جواں تو نے، اے جواں تو نے
مہربانی یہ کن نے فرمائی؟ — تو نے، اے میرے مہرباں، تو نے
بات کے پوچھتے ہی دیں مجھ کو — سیکڑوں آج گالیاں تو نے

قُرب کن نے دیا یہ اِنشا کو
اے مرے یارِ قدر داں، تو نے

(۳۷۰)

گالی سہی، ادا سہی، چینِ جبیں سہی — یہ سب سہی، پر ایک نہیں کی نہیں سہی
مرنا مرا جو چاہے، تو لگ جا گلے سے تُک — اٹکا ہے دم مرا یہ دمِ واپسیں سہی
گر نازمیں کے کہنے سے مانا بُرا ہو کچھ — میری طرف کو دیکھیے[⊛] میں نازنیں سہی

---

[1] ٹھور رکھنا - جانے نہ دینا - جان سے مار ڈالنا - قتل کر دینا -

[2] شاخِ زعفران : کوئی انوکھی (نادر) چیز -

[+] ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے - ق ۲ : "ڈھاہ دیا"

[⊛] ن : "دیکھیو" -

کچھ پڑ گیا ہر آنکھ میں، رونا کہے ہر تو — کیوں میں عبث کو بحثوں؟ یہی دلنشیں سہی
آگے بڑھے جو جاتے ہو کیوں کون ہر یہاں؟ — جو بات ہم کو کہنی ہر تم سے یہیں سہی

منظور دوستی جو تمھیں ہر ہر ایک سے
اچھا تو کیا مضایقۂ انشا سے کیں سہی

(۳۷۱)

بندگی اپنے تو جی سے ہم نے ٹھانی آپ کی — بندہ پرور، خیر آگے قدر دانی آپ کی
تھی جو وہ لاہی کی ٹوپی زعفرانی آپ کی — سو ہمارے پاس ہر اب تک نشانی آپ کی *
دمبدم کہہ بیٹھنا "بس جاؤ اپنے اُن کے پاس" — کیوں نہیں جاتی یہ اب تک بدگمانی آپ کی
کیا کہوں مارے خوشی کے حال میرا کیا ہوا — آمد آمد جوں ہوئی کل ناگہانی آپ کی
ہر کسی سے آج وعدہ کچھ، اجی خالی نہیں — یہ دھڑی مسّی کی ہونٹوں پر جمانی آپ کی
ہم نے سوراتیں جگائیں تب ہوا یہ اتفاق — سو اسی دن کو دھری تھی نیند آنی آپ کی
میرے حق میں اب جو یہ ارشاد فرمایا کہ ہو — ق خوب یاں منقوشِ خاطر جانفشانی آپ کی
لے گئے میں اوڑھوں بچھاؤں یا لپیٹوں کیا کروں — روکھی پھیکی ایسی سوکھی مہربانی آپ کی
کیوں نہ عشق اللہ بولوں حضرتِ دل آپ کو؟ — پیشواؤں نے بھی اپنے آن مانی آپ کی
دید کر ڈالا بس اُس نے عالمِ لاہوت سب — جس نے لگدی[1] بنگ کی صافی میں چھانی آپ کی
اپنی آنکھوں میں پڑی پھرتی ہر اب تک روز و شب — عرش پر داتا دہی صورت دکھانی آپ کی
اے جنوں اُستاد جی، خم ٹھونک کر آجائیے — ہاں خلیفہ ہم بھی دیکھیں پہلوانی آپ کی
صدقے صدقے کیوں نہ ہو جاؤں بھلا غش کھا کے میں * — دیکھ گدرائی ہوئی اٹھتی جوانی آپ کی

ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہر۔

* ق ۲: "تھی جو ..... کرتی ..... + اب تلک ہر پاس بندے کے نشانی آپ کی"

[1] لگدی یا لہدی = کسی گیلی یا پسی ہوئی چیز کی گولی۔ یہاں بھنگ چھاننے کے بعد جو بھنگ صافی میں بچ رہی تھی۔

* ق، ق ۳: "غش ہو کے میں"۔

سبزہ آغازی سو یہ کچھ تس پہ آفت سادگی — قہر پھر اُس بات پر گردن ہلانی آپ کی
اپنی آنکھوں میں طراوت آگئی یک بارگی — دیکھ کر یہ لہلہی[1] پوشاک دھانی آپ کی
کیوں نہ لڑکے سب کہیں ہوا تھیا اے شیخ جیو — ہر جھمورے[2] کی سی صورت ہی ڈرانی آپ کی
گول پگڑی، نیلی لنگی، مونچھ منڈی، تکہ ریش — پھر وہ رومال اور وہ اَخ تھو ناسانی آپ کی

دو گلابی لا کے ساقی نے کہا انشا سے رات
زعفرانی میرا حصہ ارغوانی آپ کی

۳۷۲

زلفِ پیچاں نے تری کھو دی ہر رونق سانپ کی — مرہٹوں نے توڑ ڈالی اپنی بیرق[3] سانپ کی
بالِ اُس زلفِ بریدہ کے گرے یوں وقت قطع — تیغ سے اُڑ جائے جوں گردن معلق سانپ کی
پیچ نیچے کے ترے حقے پہ بولیں ہیں یہی — گر سُنے کوئی عجوبہ ہر یہ حق حق سانپ کی
مار آتشبازی اپنا دودِ دل ہے جس کے ساتھ — اہرسی اک جائے ہے تا چرخ ازرق[4] سانپ کی
جا چہ سیماب پر کس نے بجائی جوگیا[5] — نکلی جو صورت پکڑ کر موجِ زیبق[6] سانپ کی
مے کشوں کو مارِ دوزخ[†] سے ڈرامت، واعظا — خود ہے شعلے کی صورت ہر جہنق[7] سانپ کی
مدرسے میں اہل صرف اس نحو سے کہتے تھے کل — زے دلام دفے سے ہر ترکیب مشتق سانپ کی
پیچ میں موذی کے سر آ، اک ذرا بچ کھیل[8] تو — آشنائی پر نہ جا اے مرد احمق سانپ کی

---

[1] لہلہی = شوخ رنگ۔

[2] ن: "کہیں خوامخواہ تھیں"۔ جھمورا = بھورا بدقطع ریچھ۔ [ق، ق ۲، ق ۳: جھمو جی" ق ۲: "یہ ڈرانی" ق ۳: بھی ڈرانی"۔

[3] بیرق = جھنڈا۔ مرہٹوں کے جھنڈے پر سانپ کی صورت بنی ہوتی تھی۔

[4] ازرق = نیلا۔

[5] جوگیا۔ ایک راگنی ہے † زیبق۔ پارا۔

[6] جہنق یا ہونق = ڈراونی بدقطع صورت۔

[†] ق، ق ۳: "بد نام دوزخ"

[7] بچ کھیلنا = علیحدہ رہنا

دب گئی چوٹی جو اُس کی میرے بازو کے تلے ق کُلبلاہٹ سی میں پاکر زیرِ مرفق[1] سانپ کی
اِس قدر اُچھلا کہ وہ کافر بھی گھبرا کر دوہیں بول اُٹھا کنڈلی سی کچھ یاں تھی تو الحق سانپ کی
اُس کی کاکل کے تصوّر نے مدد کی وقتِ فکر
ورنہ انشا یہ غزل تھی سخت مغلق سانپ کی

(۳۷۳)

لب پہ آئی ہوئی یہ جان پھرے یار گر اِس طرف کو آن پھرے
چین کیا ہو ہمیں جب آٹھ پہر اپنی آنکھوں میں وہ جوان پھرے
خونِ عاشق چٹا کہ ہے لازم تیری تلوار پر یہ سان پھرے
ساقیا آج جامِ صہبا پر ق کیوں نہ لہراتی اپنی جان پھرے
ہچکیاں لے ہے اِس طرح بطِ مے جس طرح گٹکری میں تان پھرے
یا تو وہ عہد تھے کہ ہم ہرگز ق نہ پھریں گے اگر جہان پھرے
اِتنے اب روکھے ہو، معاذاللہ! آپ سے شخص کی زبان پھرے!
روٹھ کر اُٹھ چلے تھے اِنشا سے
بارے پھر ہو کے مہربان پھرے

(۳۷۴)

دو گھڑی دِن سے کہا میں نے کہ کیا ارشاد ہے سُن کے بولے اب ہوا کھا، بات تیری یاد ہے
آج تو کپڑے نہ بدلو، تم کو میری ہی قسم آپ کا میلا کچیلا پن بھی کچھ بیداد ہے
جام پر اُنگلی[2] بجائی میں، تو ساقی نے کہا خود فراموشی سے اپنی بات آگے یاد ہے

---

[1] مرفق = کہنی۔

[2] جام پر اُنگلی بجانا = انگشت بر لبِ جام زدن" کا ترجمہ ہے یعنی شراب انگنا [ق: "خود فراموشوں کو اپنی یاد"، ق ۲: "خود فراموشوں سے اپنی یاد"]

میں جو اک کمخاب کی لایا نہائی[*] بولے آپ
تجھ سے کیا لیجے، ارے تیری بھی کچھ بنیاد ہے؟

خاک پر مت پھینک اے ساقی یہ دُرِ دہ لیٹیں
چاٹ جاویں گے حریف اس کو یہ موکی گاد[1] ہے

خالِ پشتِ چشم پر اپنے وہ طفلِ انگشت رکھ
پوچھے ہے: آخون جی، یہ صاد ہے یا ضاد ہے؟

ہادی اللہ[2] مشربِ وملت سے کچھ مت پوچھیے
قید سے دونوں جہاں کی یہ فقیر آزاد ہے

بیچے دیکھ کر کہنے لگا اک رند مست
الحذر اس سے کہ یہ شیطان کی اولاد ہے

قتلِ عالم کر چکا غمزہ، تو فرمانے لگے
کیا کیا تو نے ارے اے خانماں برباد، ہے

وہ ہنٹے[3] رات کے دکھلا مجھے لوہو لہان
صبح وہ بولے ارے تو بھی بڑا اہلاد ہے

سُن کے اب اشعار میرے کہتے ہیں یہ اہلِ تیک
کوئی اِس کو کیا کرے یہ تو خدا کی داد ہے

میں کہے دیتا ہوں اِنشا سے ذرا بچ کھیلیو
وہ بلا ہے، قہر ہے، آفت ہے، اِک اُستاد ہے

(۳۷۵)

کیا چھیڑ ہے کہ پہلے دل صاف توڑ بیٹھے
پھر آپ ہو مؤدب ہاتھوں کو جوڑ بیٹھے

آواز سُن ہماری گھر سے جو تم نہ نکلے
دروازے سے تمھارے ہم سر کو پھوڑ بیٹھے

رہ جائے آبرو کیا اے ابر، یار، تیری
کوئی بھلا جو عاشق دامن نچوڑ بیٹھے

کی میں نے شب جو سہواً تعریف چاندنی کی
میری طرف سے اپنے وہ مُنہ کو موڑ بیٹھے[+]

آزادگی خوش آئی اِنشا کو جب سے، یارو
وہ سب کو چھوڑ بیٹھا، سب اُس کو چھوڑ بیٹھے

---

[1] گاد = تہ نشین چیز۔ تلچھٹ۔

[2] ہادی اللہ = آزاد فقیروں کی ایک اصطلاح

[3] ہنٹے = نشان جو ناخون مارنے سے بن جائیں۔ [ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے]

[*] ق ۲: "لایا نہائی" (کذا)، ق ۳: "لایا نہالین" ۔م: لایا تھاوپی"

[+] ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

(۳۷۶)

دن ہجر کے اب اپنی تو طاقت نہیں بھرتی
کہتی ہو کہ میں یہ تو مصیبت نہیں بھرتی

وہ کون سا دن ہو کہ ترے حُسن کے آگے *
آب آئینۂ نور کی حیرت نہیں بھرتی

وعدہ تو کیا تم نے اجی مہر و وفا کا
پر دل کی طپش اِس کی شہادت نہیں بھرتی

ناخوش کوئی ہوتے ہیں ہم اُس آئینہ رو سے
تا خوب سی اِس دل میں کدورت نہیں بھرتی

ساقی نہ ہو جب تک کہ فزایندۂ رونق
اے بادہ کشاں، مجلسِ عشرت نہیں بھرتی

مجنوں تو چلا نجد کو اور حیف کہ لیلیٰ
اِک سانس بھی ٹھنڈی دمِ رخصت نہیں بھرتی

جب تک نہ غلامانِ علی کا ہو گذارا
رضوان پکارے ہو کہ جنت نہیں بھرتی

دو بوسوں پہ راضی نہ ہوا میں، تو وہ بولے
تیری تو کسی طرح سے نیت نہیں بھرتی *

اِس تازہ زمیں میں دمِ اُستادی اب اِنشا
واللہ کسی شخص کی ہمت نہیں، بھرتی

(۳۷۷)

تر و تازہ دیکھ کے آپ کو یہ گلوں پہ اُوس سی پڑ گئی
کہ نہ بخیہ آج تو مجھ سے بھی وہ چمن میں بلبل اُجڑ گئی

نظر اپنی اُس سے جو لڑ گئی تو وہ چتون آنکھوں میں گڑ گئی
مزہ دل میں ایسی ہی اڑ گئی کہ جو بات تھی سو بسر گئی

دم صبح سیرِ چمن میں جا جو صبا نے نام ترا لیا
تو بہار بھیس میں گل کے آ دو میں کان اپنے پکڑ گئی

چلے آہ اگلوں کے قافلے، رہے اب جنوں کے ہم اتلے
پڑے اپنے پانوں میں آبلے تو بھلا ہوا کہ ربڑ گئی †

جو کہا کہ مرتے ہیں غش میں ہم، تو وہ دیں ہیں ایسی طرح سے دم
کہ نہ جھوٹ بول، نہ کھا قسم، تری سانس تک نہ اُکھڑ گئی۔

---

* ق: "دن تھا کہ"۔

* ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔ † ق، ق ۲: "اللہ"

† [ق: "آرتلے"۔ ق ۲: "اڑتلے"، ق ۳: "ارتلی" (کذا) - ارتلا = مربّی، محافظ - اڑتلا = حفاظت، پناہ]

ربڑ گئی = بیکار کی دوڑ دھوپ سے پنجے۔ † [ق ۲: "غش میں ہیں ہم"، ق ۳: "عشق میں تو"۔]

گئے ہم جو اُن کے گلے لپٹ تو چمٹ کے سینے سے بولے جھٹ — کروں صدقے ایسی چمٹ کو ہٹ مری چھاتی جس سے اُدھڑ[1] گئی
مرے زانو پر رہے ٹک سو تو یہ بولے چونک کے دور ہو — کروں صدقے ایسے میں تکیے کو مری گردن اس سے اکڑ گئی

یہ جو شب کو پھرتے ہو چور ہو[2] کوئی انشا تم بھی تو زور ہو
ابھی اُس گلی میں جو شور ہو تو یہ جانیے کہ پکڑ گئی

۳۷۸

اگر یہ ڈھب نہیں ملتا کہ اُس رخسار کو مَلیے — تو کیا کیجے کفِ افسوس ہی ناچار کو مَلیے
بہانہ نیند کا مت کیجے صاحب بس چلا بندہ — جمھائی لے نہ اپنی نرگسِ سرشار کو مَلیے
کرے افشائے رازِ عشق تو جھٹ پٹ نکلوا کر — ابھی تلووں تلے اِس دیدۂ خونبار کو مَلیے
ہمیں جب دیکھ کچھ وہ بڑبڑاتا ہو تو کہتے ہیں — جو ہاتھ آوے تو کیا اِس لعلِ خوش گفتار کو مَلیے
شبِ اُس کے جو گلے کا ہار تھا گر ہاتھ آجاوے — تو کس حسرت سے چھاتی سے اجی اُس ہار کو مَلیے
اگر وہ سونپ دے[3] اپنے دوپٹے کا الٹنا تو — مزہ سے چپکے چپکے کیا کف دلدار کو مَلیے†
نہ میرے سامنے خم ٹھوک کر وحشی کیا کرے‡ — کہ یاں ڈھے پڑیے تو چھاتی تلے دو چار کو مَلیے
چھٹی کا دودھ[4] مُنہ سے ایک چلّو بھر نکل آوے — ابھی جو ٹک بھی تیرے لعلِ شکر بار کو مَلیے

بس اب اے حضرتِ عشق آپ دستِ ظلم سے ہر ہر
نہ ساری رات انشا کے دلِ بیمار کو مَلیے

---

[1] اُدھڑ گئی = کھال زخمی ہو گئی۔

[2] چور ہو یعنی چوروں کی طرح + زور ہو = بڑے غضب کے آدمی ہو + پکڑ گئی = یعنی چوری پکڑی گئی

[3] دوپٹے کا الٹنا = یعنی دوپٹہ چننا۔

[4] چھٹی کا دودھ منہ سے نکلنا۔ بچپن اور نوعمری مراد ہے۔

بج سب نسخوں میں: "اوس"۔

+ قلمی نسخوں میں اس شعر کا متن درست نہیں۔

‡ ق ۳ میں اس طرح ہے۔ ق، ق ۲: ورزش گیر گر ہو تو"۔ م: "ورجس گیر گر ہو تو"

۳۷۹

غیر کی لی جو زبان میں چٹکی
تم نے لی میری جان میں چٹکی

گالیاں سُن کے جی میں آتا ہے
لیجے تیری زبان میں چٹکی

جس جگہ لینے سے تو چونک پڑے
لیجے ایسے مکان میں چٹکی

بات سُن" کہہ کے اُس کی اٹکھیلی
لیتی ہے گُل کے کان میں چٹکی

لے نہ اے عشق ہر دمِ انشاؔ کے
اِس دلِ ناتواں میں چٹکی

۳۸۰

گلی سے تیری جو ٹک ہو کے آدمی نکلے
تو اُس کے سایے سے جھٹ بن کے اک پری نکلے

خیال میں ترے چہرے کے مر گیا ہو جو شخص
تو اس کی خاک سے سونے کی آرسی نکلے

بعید شان سے عاشق کی آہ بھرنی تھی
ولے وہ کیا کرے جب اُس کی جان ہی نکلے*

کسی کے ہوش کو کہہ دو اگر چلا چاہے
تو اپنے گھر سے کمر باندھ کر ابھی نکلے

نشانِ آہ لیے چھاپہ چھاپہ تاروں کی
چلے گی فوج سرشک آج چاندنی نکلے

کجی طبیعت کج فہم سے ہو تب منفک
کسی دوا سے دُمِ سگ کی گر کجی نکلے

ہزار شکر کہ انشاؔ کسی کی محفل میں
خفا سے آئے تھے پر ہو ہنسی خوشی نکلے

۳۸۱

اُن کے دوجھ سے کبوتر کے جو جوڑے اُڑ گئے
تو یہ بولے کیا کیا ہو ہو ہُر نگوڑے اُڑ گئے

نیلے ڈورے[1] توڑ بھی ڈال اپنے دونوں پانوں کے
کیا بھلا موئے کڑے سونے کے توڑے اُڑ گئے

---

[1] نیلے ڈورے دفع نظر بد کے لیے ڈالے جاتے ہیں۔ یا پانوں خالی نہ رہنے کے واسطے بھی باندھتے ہیں [ق ۳ : "کیا ہوا" اور سب نسخوں میں: "کیا بلا"] * ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

یہ بگولا وادیِ مجنوں سے آیا تھا مگر
جوں خس و خاشاک جس سے جی کے روڑے اُڑ گئے

پا پیادہ کب سواروں ساتھ پہونچے گا، دلا
باتیں کرتے تھے ہوا سے[1] اُن کے گھوڑے اُڑ گئے

کوئی اِتنا بھی نہیں پھبتی کہے جو آپ پر
کیوں مقطع شیخ جی کیا سب سنہوڑے اُڑ گئے

مُنہ بنائے آج کیوں بیٹھے ہو لڑکو صم و بکم[2]
کیا لڑائے کو جو پھر سے لعل چھوڑے اُڑ گئے

اپنے ہاتھوں سے کچھ اُنھوں دی جو مل دی اُن نے رات
تو مرے سینے کے اِنشا سب دودھ توڑے اُڑ گئے

۳۸۲

ساقیا آئے ہیں بادل یہ بڑے پانی کے
جلد بھر مے سے جو خالی ہیں گھڑے پانی کے

نام اشکوں کا مرے لے جو کہیں سیل ہو بند
کہ بہانے کو یہ طوفاں ہیں اڑے پانی کے

غور کر دیکھو، تو شبنم کو بروے سبزہ
کس نے موتی یہ بنا اُس پہ جڑے پانی کے

شعلہ خو کون نہایا کہ نظر آئے حباب
کچھ پھپھولے سے وہ چھاتی پہ پڑے پانی کے

غش ہوا دیکھ کے میں تجھ کو کل ایسا ہی کہ لیں
چھینٹے لوگوں نے مرے مُنہ پہ جڑے پانی کے

ہم کوئی کائی بھرے پانی سے کرتے ہیں وضو؟
شیخ گاہک ہو تمھیں ایسے سڑے پانی کے

چھٹتے ہی پانوؤں سے تیرے نہ ملے دریا میں
ایسے مشتاق تھے گویا کہ کڑے، پانی کے

ہائے کس ڈول سے اُف اس نے نہانے میں کیا
کہیں کنکر وہ جو تلوے میں گڑے پانی کے

صبح کس روپ سے لی اُس نے پھریری اِنشا
کچھ درختوں میں سے قطرے جو جھڑے پانی کے

---

[1] ہوا سے باتیں کرنا = بہت تیز جانا۔

[2] صم بکم بیٹھنا: یعنی چپکے بیٹھنا، کہا جاتا ہے کہ لعل جب بولتا ہے تو گویا صم بکم پڑھتا ہے۔ اسی وجہ سے لعل اور صم بکم میں ضلع ہے۔

بذ ق ۲، ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

(۳۸۳)

کب تک کرے دود آہ کا تاثیر کی بھرتی
ہر سب سمندِ ابر میں خوگیر* کی بھرتی

روتے ترے دیوانے تو سو نعرۂ ہوحق
ہر اک کڑی خانۂ زنجیر کی بھرتی

چڑھ بیٹھتے دل پر جو کسی سوختہ جاں کے
تو راکھ میں دھار آپ کی شمشیر کی بھرتی

خاکِ قدمِ خضر جنوں رکھتی تو اُلفت
مشکیں وہ کئی آج تک اکسیر کی بھرتی

نقّاشِ خیال اپنے مرقع میں کیے جا
اُس شاہدِ اعلیٰ کی تصاویر کی بھرتی†

لوہو میں مرے، گو ترا پیکان تو ڈوبا
پر کاشکے پرگیری[1] بھی کچھ تیر کی بھرتی

وحشت جو ہوئی معتقدِ انشا کی، تو ہرگز
چوکی نہیں مجنوں[2] سے بڑے پیر کی بھرتی

(۳۸۴)

کیوں دعا اپنی نہ ہو بابِ ظفر کی کنجی
گر یہ ہو قفلِ درِ گنجِ اثر کی کنجی

عرش کے کیوں نہ کواڑ آہ سے اپنی کھل جائیں
کہ یہ بے شبہہ اِجابت کے ہر در کی کنجی

قفلِ درہائے فلک کھولنے کو مجھ کو دی
عشق نے حضرتِ جبریل کے پَر کی کنجی

قفلِ دروازہ پر اپنے تو نہ بھول اے عیّار
ہو مری جیب میں زنبیلِ عمرو کی کنجی

یہ بھی قسمت، نہ کھلا قفلِ در اور بہتیری
اس نے شب دیر تلک زیر و زبر کی کنجی

مُنہ لگاتے ہی کھلا قفلِ دربستۂ دل
تھی زباں تیری بھی کچھ زور ہنر کی کنجی

بندِ شلوار ہی اک قہر تھا تیرا، تس پر
اُف بے چھوٹی سی لٹکتی ہوئی زر کی کنجی

طول سے اشک کے کیوں یہ نہ چلیں لختِ جگر
قصرِ یاقوت کو لازم ہے گہر کی کنجی

---

[1] پرگیری = تیر کا نیچے کا حصّہ، پیکان کے مقابلے میں۔

[2] "مجنوں سے بڑے پیر" = مجنوں کے ایسے کامل۔ "چوکی بھرنا" = اظہارِ عقیدت کے لیے نیاز دلوانا۔

† سب نسخوں میں: "اُس شاہدِ اصلی"۔ خوگیر (یا سمندِ زیر) وہ گدی جو گھوڑے کی پیٹھ پر پسینہ جذب کرنے کے لیے رکھی جاتی ہے۔ خوگیر کی بھرتی = نکمی اور بیکار چیز۔

قفلِ ابجد ہو ترے شیش محل میں جو لگا — اُس کو درکار ہو بس میری نظر کی کنجی
کیوں نہ ہر مصرعِ پُر درد رُلاوے کہ شرار — اُس سے گرتے ہیں، سو گویا کہ ہیں زر کی کنجی
کج و وا کج جو بہم حرفوں میں گندھ آتے ہیں — بنتے ہیں قفلِ درِ دیدۂ تر کی کنجی

کھول انشا کے لیے قفلِ درِ بستۂ عیش
یا علی ہاتھ میں لے تیغِ دوسر کی کنجی

(۳۸۵)

واقف جو ہم نہیں ہیں اِس بزم میں کسی سے — ہیں کیا غریب بیٹھے چپ چاپ اجنبی سے
کہتے "ہو نیند آئی" "ہاں کیوں نہ سونے دوں گا — حد گرم، اے لو، ایسے کیا خوب جی ابھی سے!
مشکل کشا علی کی سوگند کھا نہ جھوٹی — واقف تو کیا ہے حضرت مشکل کشا علی سے
کیا مُنہ بنا رہے ہو اللہ ری رکاوٹ! — ق گویا کہ آشنائی گاہے نہ تھی، ہنسی سے
لو ہاتھ جوڑتا ہوں بس کیجے جرم بخشی — تقصیر بھی تو، یعنی، ہوتی ہے آدمی سے
دل کی بھڑک نے مجھ کو گھبرا دیا، عزیزو — اس کو نکال ڈالو اک تیز سی چھری سے
کیوں کر جھڑیں نہ موتی دامن سے بادلوں کے — باندھا نہیں ہے† محکم بجلی کی اوڑھنی سے
تجھ بن ہو کس کو واشد اِس باغ اُجڑ گئے میں — ہیں سب درخت پیٹے گوتاش اور زری سے
یوں آہ سے ہوئی یاں دل کی طپش کی حالت — جیسے کوئی اُڑا دے بارود باتلے* کی سے
اے اُس کے صدقے جاؤں جن نے یہ مجھ کو لکھا — جی* ٹوٹتا ہے، پر ہیں مجبور بے بسی سے

تو زور کچھ ہے انشا، اللہ تجھ کو رکھے
مسرور و شاد و فرحاں ہر دم ہنسی خوشی سے

لہ "جاتگی" پرانے زمانے کی بندوقوں میں اُس پیالی نما جگہ کو کہتے تھے جس میں بارود رکھی جاتی تھی۔

نہ ق : "مدنظر" ۔ ق ۲ میں یہ شعر نہیں ہے۔

† ق ۱، ۲ میں ابیات ۷، ۸، ۹، ۱۰ نہیں ہیں ۔ ق ۳ : "باندھا اوڑھنی سے"۔

* ق ۳ : "جی ٹوٹتا" ۔

(۳۸۶)

کیا قہر آگیا جو ادا بے وفا کہا تو
رُکتے ہیں آپ ناحق کیوں حرف واہی سے

کیا تحط خوبرویاں عالم میں پڑ گیا ہے
گٹھ جاویں گے ابھی ہم اک اور ہی پری سے

حالت ہے اور ہی کچھ مارے مزے کے اس دم
ڈھکا نہ[۱] ہائے اپنے مُنہ کی مجھے ڈلی سے

مہندی کی ٹٹیوں کی ہے آڑ سخت بیلی ق
اور خوں ٹپک رہا ہے لالے کی ہر کلی سے

اُس بات کے لیے ہیں چنپا کے جھاڑ خاصے
سُتھرے مزے مزے کے پاکیزہ اچھے جی سے

پھولوں کی سیج پر تو، واں چاندنی میں سویا
اور رات ہم نے کاٹی یاں سخت بیکلی سے

کیا دخل اور ڈھب سے دیکھے جو تجھ کو انشاؔ
مت رکھ گمانِ فاسد اُس مردِ متقی سے

(۳۸۷)

اُف اِس طپش سے بن مینہ تن کب تلک پسیجے
اے کاش ابر آوے، یارب فلک پسیجے

تو چشمِ گریہ اُس سے اے دودِ آہ مت رکھ
کیا دخل ہے کہیں جو اُس کی پلک پسیجے

اے چشم کر تصدق دُر ہائے اشکِ حسرت
تا دیکھ دل کچھ اُس کا اُن کی ڈلک[۲] پسیجے

جاڑے میں ہم اکیلے کیا ہی سکڑ رہے تھے
پر دیکھی اُس پری کی جوہیں جھلک، پسیجے[۳]

پرواز کر سکے کیا کوئی حضورِ انشاؔ
گر اُس سے اُڑ چلے تو بالِ ملک پسیجے[۴]

---

[۱] ڈھکانا = کوئی چیز دکھانا اور نہ دینا۔ ہر وقت اُمید میں رکھنا۔

[۲] ڈلک = موتی کی آبداری۔

[۳] پسیجے = گرم ہوئے۔ طبیعت میں اُمنگ پیدا ہوئی۔

[۴] یعنی فرشتے کے بازو کو پسینا آجائے اور مقابلہ نہ کر سکے۔

† ق، ق ۲: "ساتھ اوس کے"۔

(۳۸۸)

مجنوں پہنچ شباب کہ آفت میں قوم ہے — لیلیٰ کو آج، کہتے ہیں، حُمّاے یوم* ہے
صدقے تمھارے اے رمضان المبارک آہ — کہتے تھے وہ بھی کل کہ مجھے آج صوم ہے
ہم خواب شیخ جی کی نہ کیوں اُونگتی رہے — جوں موت اخ نوم ہے† یہ اُخت نوم ہے
آغا وہ ہیں جو تازہ ولایت، سورات کو — مطرب کو ڈوم کہتے ہیں، بولے کہ دوم ہے

اِنشاؔ جو گا رہے ہیں ملامت گراں سو واہ
ہم نوم اُس کو سمجھے تھے، سو وہ تو نوم‡ ہے

(۳۸۹)

لے نشہ میں تجھے جب یوں قدح بنگ اُڑے — تو نہ کیوں سبز پری بن کے مرا رنگ اُڑے
نامۂ شوق کے پہونچانے کو چاہے ہے کہ یہ — بن کے اِک شکل کبوتر نفسِ تنگ اُڑے
اپنے کوٹھے پہ یہی شب کو کہوں ہوں ہائے کاش — یوں مری نیند اُڑے ووں کو تری چنگ[1] اُڑے
میں نے کل نعرہ ہو باغ میں ایسا ہی کیا — کہ نہیب اُس کی سے سب مرغِ خوش آہنگ اُڑے
ساقیا بنگ میں افیون ملا، اُس میں شراب — تا کہ نشہ کا مرے نیلہ[2] سرِ جنگ اُڑے
لے گئی مجھ کو جہاں عرش نما[3]، اے جبریلؑ — حضرتِ خضر کے واں ہوش ہو چت بھنگ اُڑے

---

[1] چنگ = ایک قسم کا پتنگ جو اس زمانے کے کنکوے سے مختلف ہوتا تھا اور بخ پر اڑایا جاتا تھا۔ [ق ۳: تیرا خنک اڑے"]

[2] نیلہ = ایک خاص رنگ کا گھوڑا † ق: "اخ نوم موت ہے" ق ۲: "جیوں آج موت نوم ہے" ق ۳: "جوں موت نوم ہے"

‡ ق ۲: "نیک ہو"

* نوم - نزلے کا پہلا بول - [* ق: "حا دم" - ق ۲: "حا ءیوم" - ق ۳: "ہمایہ یوم" - "حُمّی یعنی تپ کو اطبا نے تین بنیادی قسموں پر تقسیم کیا ہے - حُمّاے دق، حماے یوم اور حماے مفن - حُمّاے یوم عرف ایک دن یا دو چار دن رہتی ہے اور اعضا یا اخلاط سے متعلق نہیں اور عموماً غم و غصہ یا خوشی اور فرحت وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔]

[3] عرش نما - یعنی فلک سیر - چت بھنگ - پراگندہ پریشان اور حواس باختہ۔

گر میری کو نہ پہونچے کبھی حاسد، ہر چند
جوگی جے پال[1] بنے سیکڑوں فرسنگ اُڑے

ٹھاہ اور دون[2] میں نالے میں بھروں تو مطرب
ابھی گڑ پنکھ[3] ہو قانون و چنگ اُڑے

کہوں "یا حیّ" جو مخدوم جہاں گشت[4] نمط
تو کبھی سنگ پہ بیٹھا ہوں تو وہ سنگ اُڑے

گرچہ وہ پارے کا گنگا[5] تو نہ تھا جوگی جی رات
پر ٹک اک سادھ کے دم ہم بھی لبِ گنگ اُڑے

شرم اور ننگ کے مارے نہ گیا میں اُس پاس
شرم غارت ہو الٰہی یہ کہیں ننگ اُڑے

"اُڑ گئے دور[6] ہو، چل" کہہ کے مجھے بول اُٹھے
نہ رہے، تو تو نہ اُڑے پر یہ ترا ڈھنگ اُڑے

طرزِ نالیدنِ انشا جو اُڑائی تو وہیں
طائرِ سدرہ بہم کرتے ہوئے جنگ اُڑے

(۳۹۰)

مل خونِ جگر میرا ہاتھوں سے حنا سمجھے
میں اور تو کیا کوسوں پر تم سے خدا سمجھے

سمجھانے کی جو باتیں کیں میں نے دلارامے سے
اے عقل کے دشمن سو تیری تو بلا سمجھے

دل میں مرے چٹکی لی ایسی ہی کہ درد اُٹھا
معقول، چہ خوش، اے واہ آپ اس کو ادا سمجھے

اے بولہبِ[8] نخوت سیّد ہیں اگر سچ مچ
تو آج سے صاحب کو ہم اپنا چچا سمجھے

صاحب نے نہ کی یاری وحشت سی پری سے تو
اے شیخ جنوں، تم کو ہم خواہ سرا سمجھے

ہنگامۂ محشر بھی گر سامنے آیا تو
اُس کو بھی تماشائی اِک سانگ نیا سمجھے

---

[1] جوگی جے پال = ایک فرضی جوگی کا نام جو مشہور ہے کہ ہوا میں اُڑا کرتا تھا۔

[2] ٹھاہ اور دون = موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔ قانون و چنگ دو مختلف باجوں کے نام۔

[3] گڑ پنکھ = ایک فرضی پرند کا نام۔

[4] مخدوم جہانیاں جہاں گشت = ایک بہت بڑے بزرگ تھے جنھوں نے بہت سفر کیا تھا۔

[5] پارے کا گنگا = مشہور ہے کہ جوگی منہ میں پارے کا گنگا لے کر اُڑتے تھے یا نظر سے غائب ہو جاتے تھے۔

[6] اُڑ گئے = عورتوں کا کوسنا۔

[8] بولہب نخوت = مغرور آدمی کو بولہب کہا ہے۔ ابولہب آنحضرت کا چچا تھا اسی کے متعلق سورۃ تبت یدا نازل ہوئی چچا اور بولہب میں مضلع ہے۔

وہ دشت محبت میں رکھے قدم اے انشا
سر اپنے کو آگے ہی جو تن سے جدا سمجھے

۳۹۱

پری وہ جو ٹک ہو خفا رُک گئی — تو چلنے سے ٹھنڈی ہوا رُک گئی
کسی کو جو یاد آئی چوری تو رات — وہ دیکھا اپنی دزدِ حنا رُک گئی
بھری سانس ٹھنڈی یہ کس شخص نے — کہ برق اُس سے کرنے کو تا[1] رُک گئی
تجلی جو وہ طورِ سینا پہ تھی — سو موسیٰ کا لے کر عصا رُک گئی
نسیمِ سحر تھی جو پھیلی ہوئی — سمٹ کر وہ سب جا بجا رُک گئی

ترے وصف کا کل میں انشا نے رات
وہ چھیڑی[2] کہ بادِ صبا رُک گئی

۳۹۲

کیوں نہ وہ پردہ نشیں پھر مجھے سمرن[3] مارے — میں نے تھے پھول کئی جانبِ چلون مارے
یہ غضب ہم نہ بھلا ہم سے کیے جب کچھ بات — آنکھ تب[4] غیر سے تو اے بتِ پُرفن مارے
اِس گھڑی کچھ تو لگاوٹ کی بھی ٹھہرے اے کاش — وہ مرے مُنہ پہ اگر گوشۂ دامن مارے
آتشِ طور کی کل دُھن میں کئی نعرۂ گرم — میں نے کر مُنہ طرفِ وادیِ ایمن مارے
شیر کی کھال بچھا اور ملے تن سے بھبوت — گاہ جوگی کی طرح رہتے ہیں آسن مارے
حبس دم کر کے کبھی ہوتے ہیں اونچے تو بس — چرخِ چارم پہ چلے جاتے ہیں ہم من مارے

---

[1] تا کرنا = چہرہ کسی کو دکھا کر چھپا لینا۔

[2] وہ چھیڑی = ایسی تعریف شروع کی [ق، ق ۲: "یہ چھیڑی....."]

[3] سُمرن = گندھے ہوئے موتی جو ہاتھوں میں پہنے جاتے ہیں۔

[4] آنکھ مارنا = یہاں دھوکا دینے یا بیوقوف بنانے کا اشارہ ہے۔

حال دل کا تری فرقت میں یہ پہونچا ہر آہ
دست و پا جیسے کہ کوئی دمِ مردن مارے

چھیڑ تو دیکھو سمی مانگیے اُس سے تو وہ شوخ
تاک کر ہونٹوں پہ میرے گلِ سوسن مارے

فضل حیدر سے جہاں میں ہوں مَیں وہ رومیں تن ق
کہ کبھی کھینچ کے گر تیغ بھی دشمن مارے

تو مجھے کچھ نہ ہو معلوم مگر اتنا کچھ
چھڑی پھولوں کی کوئی جیسے کہ سمدھن[1] مارے

جس نے کل میری تسلّی کو یہ کہلا بھیجا ق
کیوں نہ اُس شوخ کا پھر مجھ کو لڑکپن مارے

یعنی خط لکھوں تو آپا کہے آتو سے وہ دو
چٹکلے منہ پر مرے مجھ سے ہو بدلن مارے

اور جھانکوں تو کہے دیدہ ہوائی[2] ہر ترا
طعنے اِس ڈول سے پھر دیدۂ روزن مارے

تیری گردن کے جو ڈورے[3] کو اڑا جائے تو پھر
چشمِ خورشید میں عیسیٰ وہیں سوزن مارے

نہ فقط کعبہ میں زاہد کیے اُس نے قتل
میکدے میں بھی تو لاکھوں ہیں برہمن مارے

یہ جو بوڑھا سا ہر دربان تمہارا، اے کاش
کوئی چور آوے اور اُس کی کوئی گردن مارے

کل "لِاِیلٰفِ قُرَیشٍ"[4] وہ لگا کرنے دم
پڑھ کئی ماش جو میں جانب روزن مارے

رشک کی جا ہر خوشا حالِ رہ افتادۂ عشق
جس کو اُس شوخ کے توسن کی وہ روندن مارے

نیلے نیلے ترے ہونٹوں کو کوئی چھوڑے ہر
وہ جو دندانِ طمع برسرِ آہن مارے

کہہ بہ تبدیلِ قوافی غزل انشا اک اور
چھپے سُن کے جسے، بلبلِ گلشن مارے

(۳۹۳)

جس پہ اِک لونگ وہ پڑھ کر بُت کاہن مارے
بھوت ہو، رات لگے، جن ہو اُسے دِن مارے

اپنی تسبیح جسے پھینک وہ کاہن مارے
ایک سو ایک نہ کیوں نعرے وہ گن گن مارے

---

[1] شادی بیاہ میں سمدھنیں ایک دوسرے پر پھولوں کی چھڑیاں مارتی ہیں۔ جن سے کچھ چوٹ نہیں لگتی۔

[2] دیدہ ہوائی ہونا = شوخ چشم و بے حیا ہونا۔

[3] گردن کا ڈورا = گردن کی لچک۔

[4] پڑھے ماش مارنا یعنی جادو کرنا۔ سورۃ لایلاف اس کے دفع کے لیے ہے۔ * یہ شعر ق ۱۳ و مطبوعہ نسخوں میں نہیں ہے۔

مَیں تو چھیڑا نہ چھوا ہاتھ لگایا ہی نہیں — توبہ دھاڑ آپ مچانے ہیں عبث بِن مارے
پانزدہ سالگی اک آفتِ جاں ہو، ظالم — جان عاشق کی بھلا کیوں نہ ترا سن مارے
اس قدر ہٹ نہ کر، اے طفلِ سرشک، او بدبخت — پاؤں شوخی میں نہ دھر ہٹ تجھے ڈائن مارے
مفلسا بیگ جو عاشق ہیں کہاں پاویں زر — زر ہو اُس پاس جو پارے کی رسائن[1] مارے

اور ہی قافیوں میں پڑھ غزل انشا وہ پری[2]
جس کے بس پڑھتے ہی جنگھاڑ بڑا جن[3] مارے

۳۹۴

کیوں نہ پھر اُس کی لگاوٹ کی مجھے دُھن مارے — جس پہ میں ایک ڈلی پھینکوں وہ سو بن[3] مارے
قہر آوے نہ بھلا ہووے جو بے پردہ وہ شوخ — جس کی چلون ہی سے پازیب کی چھن چھن مارے
پھول بکھرا دیے گجرے کے جو شب میں نے توڑ — تو وہ سب اُس نے مرے سینے پہ چن چن مارے
پھر کہا غصے ہو کیا اور تو کوسوں، پہ تجھے — یہی اللہ کرے ہر جو ترا گُن، مارے
اے فلک خوب سمجھتا ہوں تجھے میں، تو نے — کیسے کیسے نہ ارے، اہلِ تفرعن مارے#
سیر کیا خاک نظر آوے جب اُس بِن اپنی — تیر سا آنکھوں میں ہر غنچۂ گلبن مارے

کاش اِس تاش کی دلیماں کے بدے، انشا
وہ پھر آ کر مجھے اِک سنگِ فلاخن مارے

---

[1] پارے کی رسائن: پارے کا کشتہ۔

[2] وہ پری یعنی ایسی خوبصورت [یہاں غزل کی صفت]

[3] بن = داڑھ قمحوہ۔ [ق ۳: "بہن"]

† ق ۱، ق ۳: "کا"۔ ق ۲: "کو"۔ مطبوعہ "کی"

‡ ق ۲: "سینے"۔

§ ق ۳: "میرے سر ہی پہ"

یہ شعر ق ۳ اور مطبوعہ میں نہیں ہے۔

(۳۹۵)

دیکھ اُس کی پڑی خاتمِ یاقوت میں اُنگلی — ہاروت[1] نے کی دیدۂ ماروت میں اُنگلی
ہلتی ہر مُصلّی کی تشہّد[2] میں، سوا حق — ہر وہ دہن عابدِ طاغوت[3] میں اُنگلی
گھستی ہو مری آہ فلک میں تو کہوں ہوں — یوں ڈالتے ہیں بنیۂ مسکوت میں اُنگلی
آلودہ ہوئی نور سے جس وقت کہ ڈوبی — جرّاح کی خونِ دلِ مبہوت میں اُنگلی
کشتے نے ترے تھی جو شہادت کی اُٹھائی — سو دوں ہی کھڑی رہ گئی تابوت میں اُنگلی
ہر یوں تری بِنصر[4] پہ حنا جیسے کہ تر ہو — داؤد کی خونِ سرِ جالوت میں اُنگلی

ناسوت[5] کے عالم میں پئے سیر ہم، اِنشا
کرتے ہیں شگافِ درِ لاہوت میں اُنگلی*

(۳۹۶)

تب سے[6] عاشق ہیں ہم اے طفلِ پریوش تیرے† — جب سے مکتب میں تو کہتا تھا‡ الف بے تے ثے
یاد آتا ہو وہ حرفوں کا اُٹھانا اب تک — جیم کے پیٹ میں اک نقطہ ہو اور خالی حے§

---

[1] ہاروت و ماروت = دو فرشتے جو شہوہ ہو کر چاہ بابل میں قید ہیں۔

[2] تشہد = نماز میں التحیات کا پڑھنا جس میں کلمۂ شہادت پر اُنگلی اُٹھا کر اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہو اور محمد اس کے رسول اور بندے ہیں اُس اُنگلی کو شہادت کی اُنگلی کہتے ہیں

[3] طاغوت = ایک بت کا نام + عابد طاغوت یعنی بے ایمان مکار عابد۔

[4] بِنصر = چھنگلیا کے پاس کی اُنگلی + جالوت۔ ایک کافر بادشاہ جس سے حضرت داؤد سے لڑائی ہوئی تھی اسکو حضرت داؤد نے قتل کیا تھا۔

[5] عالم ناسوت = دنیا، عالم لاہوت = عالم ارواح

* ق ۲ میں یہ غزل نہیں ہو۔

[6] یہ ایک نعتیہ بند غزل ہو جس میں انشا نے پوری الف بے۔ ایک مذاق اور تمسخر کے ساتھ لکھی ہو۔

† ق، ق ۲: "اے طفلِ پریزاد ترے"۔]

‡ ق ۲: "تو پڑھتا تھا"۔] § ق ۲: "نقطہ ہو، خالی ہو مے"۔

حے کی پر شکل حواصل کی سی آتی ہے نظر — نقطہ اُس پر جو لگا خے ہوا، پرواہ بے خے
دال کبڑی سی، وہ اماں کے مری قد کی شبیہ — ہے سو اک بانجھ ہے، بن بیٹے ہے اور بن نقطے#
ذال بھی چھوٹی بہن اُس کی ہے، جوں آتو جی — ایک پر کالا سا بیٹا بھی ہے گھر میں اُس کے
رے بھی خالی ہے اور زے پہ ہے وہ نقطہ ایک — کہ مشابہ ہے جو تل سے مرے رخسارے کے
سین خالی ہے، بڑے شین پہ ہیں نقطے تین — صاد اور ضاد میں بس فرق ہے اک نقطے سے
طوے بن طرہ ہے، اور ظوے پر اک نقطہ ہے پھر — عین بے عیب ہے اور کانے میاں غین ہوئے
فے پہ اک نقطہ ہے اور قاف پہ ہیں دو نقطے — کاف بھی خالی ہے اور لام بھی خالی، یہ لے
یہ بھی یوں ہی ہے اور نون کے اندر نقطہ — مفلسا بیگ ہے یہ واو بھی اور چھوٹی ہے
کیا، خلیفہ جی، یہ "ہے ہے" ہے یہیں* سے نکلی؟ — آگے چھٹی دو، اے لو لام الف، ہمزہ، یے

گالیاں تیری ہی سنتا ہے اب اِنشاؔ ورنہ
کس کی طاقت ہے الف سے جو کہے اُس کو بے

(۳۹۷)

پھبتی ترے مکھڑے پہ مجھے حور کی سوجھی — لا ہاتھ اِدھر دے[۲] کہ بہت دور کی سوجھی
تک دیکھیے گا جُبّہ و عمامۂ زاہد — ہے اس پہ مجھے بلعم باعور[۳] کی سوجھی
کیوں میں دلِ پُر آبلہ پر تاک نہ باندھوں — ہے اِس پہ مجھے خوشۂ انگور کی سوجھی
ہے شیخ سیہ چہرہ جو مجلس میں پھدکتا — یاروں کو ہے یاں روئی کے لنگور کی سوجھی
واعظ جو پڑھا جن[۴] منجتر ہے نہایت — اُس پر مجھے شیطاں کے مہیں پور کی سوجھی

---

[۱] الف سے بے کہنا = بڑے الفاظ منہ سے نکالنا۔

[۲] جب کوئی لطیفے کی بات کہی جاتی ہے جس پر ہنسی ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہاتھ لاؤ۔

[۳] بلعم باعور = دیکھو نوٹ گذشتہ۔

یہ شعر ق، ق ۲ میں ہے۔

* ق: "یہ ہے ہے ہے یہیں"۔ ق ۲: "ہے ہے ہے بھی یہیں"۔ ق ۳ = یہ ہی ہی نہیں۔

[۴] منجتر: یہ مغرور + پُور = بیٹا۔ [مہین پور = سب سے بڑا بیٹا۔]

ہاتھ اپنے سے جب چھٹ گئی اُس ڈنڈ کی مچھلی
تب اُس کے تڑپنے پہ سقنقور کی سوجھی
ہاں، اے شفقِ صبح، تری دیکھ کے رنگت
شنجرف کی سوجھی، مجھے کافور کی سوجھی
جب پھول جھڑے نور کے اس آہ سے میری
اُس پر مجھے اِنشاؔ، شجرِ طور کی سوجھی

۳۹۸

غنچۂ گل کی صبا گود بھری جاتی ہے[1]
اک پری آتی ہے اور ایک پری جاتی ہے
کرلے دو چار قدم لالۂ خود رو کی بہار
ورنہ یہ کوہ سے، اے کبک دری جاتی ہے
مُنہ تو دیکھو تری چوٹی کی جو پاوے بو باس
نکہتِ گل پڑی کانپے ہے، ڈری جاتی ہے
پہونچے بے پر کوئی اُس گل تلک اِنشاؔ کیا دخل
بلبل اِس رشک تمنّا میں مری جاتی ہے
ہاں مگر بھیس میں مالن کے، محل تک اُس کے
کبھی جاتی ہے تو بادِ سحری جاتی ہے

۳۹۹

زمیں سے اُٹھی ہے یا چرخ پر سے اُتری ہے
یہ آگ عشق کی یارب کدھر سے اُتری ہے
اُترتی نجد میں کب تھی سواریِ لیلیٰ
ٹک آہِ قیس کے جذبِ اثر سے اُتری ہے
نہیں نسیمِ بہاری، یہ ہے پری کوئی
اُڑن کھٹولے کو ٹھیرا، جو فر سے اُتری ہے
نہ جان اِس کو شبِ مہ یہ چاندنی خانم
کمندِ نور پئے اوجِ قمر سے اُتری ہے
چلو نہ دیکھیں تو، کہتے† ہیں دشتِ وحشت میں
جنوں کی فوج بڑے کروفر سے اُتری ہے
نہیں یہ عشق، تجلّی ہے حق تعالےٰ کی
جو راہِ زینۂ بامِ نظر سے اُتری ہے

---

[1] دیکھو حاشیہ گذشتہ

* ق ۳: "کمندِ نور سے"۔

† ق، ق ۲، ق ۳: "چلو نہ دیکھیے کہتے"۔

لباسِ آہ میں* لکھنے کے واسطے اِنشا
قلم دوات تجھے عرش پر سے اُتری ہے

(۴۰۰)

یوں چلی مژگاں سے اشکِ خونفشاں کی میدنی — جیسے بہرائچ چلے بائے[۵] میاں کی میدنی
عاشقوں کے باغ دل میں شورشیں نالوں کی ہیں — مجتمع اِس جا پہ ہے آہ و فغاں کی میدنی
لخت دل مسعود غازی نیلی گھوڑی داغ ہے — جلوۂ انوار ہے کردبیاں کی میدنی
عاقبت ہر جزو کو ملنا ہے اپنے کل کے ساتھ — پھر وہیں جاوے گی آخر ہے جہاں کی میدنی
دم مدار[۱] آ پہونچے کمنا دیو ہو حضرت جنوں — کانپ اٹھی جن کے آتے ہی جہاں کی میدنی
اے کمن پور[۲] کی تمنا زور ہی کچھ شان سے — کھیلے ہے دھمال[۳] تیرے عاشقاں کی میدنی
ہاں بدیع الدین[۴] الفت آتے ہیں خضر و مسیح — دیکھنے کو آپ کے دیو انگاں کی میدنی

رستا نہ دیکھ اِنشا کو قشونِ شاہ میں
لوگ کہتے ہیں کہ آئی سیتاں کی میدنی

(۴۰۱)

پکڑی[۵] کسی سے جاوے نسیم اور صبا بندھے — مولا کرے کچھ اپنی بھی اب تو ہوا بندھے

---

* ق ۲: "کے"۔

۵ بائے میاں = مشہور عرف حضرت سالار مسعود غازی جن کا عرس اور میلا ہر سال بہرائچ میں ہوا کرتا ہے۔

۱ دم مدار = بائے میاں کی چھڑ کے ساتھ لوگ بائے میاں دم مدار کہتے جاتے ہیں اتفاق سے اسی دن آندھی بھی آتی ہے مشہور ہے اسی آندھی کے ساتھ کمنا دیو بھی ہوتا ہے بکمنا دیو اور دم مدار میں ضلع ہے۔

۳ دھمال = کود پھاند جیسا کہ قلندر فقیر حالت وجد میں کرتے ہیں۔

۴ بدیع الدین الفت = کوئی شخص ہوں گے جن کے یہاں سے میدنی اٹھتی ہوگی۔

۵ ہوا بندھنا = زور ہونا۔ اثر ہونا۔

عاشق کو بوغ بند[1] میں باندھا شب اُس نے یوں
تہ ہو کے دست بقچہ میں جیسے قبا بندھے

یوں دو دو آہ کا مری گنبد بندھا ہے یاں
چھت جیسے ابر تیرہ کی تحتُ السما بندھے

ٹک عالم اے جنوں تو دکھا وہ کہ جس سے صاف
لاہوت کا سماں مری آنکھوں میں آ بندھے

سُرمہ گھُلا کے آنکھوں میں نکلا نہ کیجے
ایسا نہ ہو کہ آپ پہ کچھ توتیا[2] بندھے

قدرت خدا کی دیکھو کہ چوری تو ہم کریں
اور اُلٹے دستگیر ہو زرِ حنا بندھے

الجھیڑے میں پھنسے تھے تری زلف کے سودا
اُلٹے ٹنگے، اسیر ہوئے بارہا بندھے

اِنشا صد آفریں ترے ذہنِ سلیم کو
مضمون زیادہ اس سے بھلا اور کیا بندھے

(۴۰۲)

کاش ابر کرے چادرِ مہتاب کی چوری
تا مجھ سے بھی ہو جامِ مے ناب کی چوری

ٹک تکیے پہ سر دھر کے رہے سو تو لگائی
صاحب نے ہمیں مسندِ کمخواب کی چوری

سیماب کے آنسو وہ سدا روئے الٰہی
کی جس نے ہو میرے دلِ بیتاب کی چوری

وہ عشق† کہ بیچ آنکھوں سے کاجل کو چُرا لے
کس طرح نہ عاشق کے کرے خواب کی چوری

مجھ کو سرِ بازار گھسٹوا کے پکارے‡
کی اِس نے ہو کچھ خانۂ نواب کی چوری

جس نے کہ مرے چہرے سے آب آہ اُڑا لی
ثابت ہوئی اُس پر دُرِ نایاب کی چوری

شب سینہ جو دی داغ کے اِک چور نے اِنشا
تو ہو گئی سب صبر کے اسباب کی چوری

---

[1] بوغ بند = بستر بند۔ ایک بڑا سا کپڑا جس میں بچھونا اور دیگر متفرق چیزیں باندھی جاویں + دست بقچہ = گٹھری جس میں پہنے کے کپڑے رکھتے ہیں۔

[2] توتیا بندھنا = الزام لگایا جانا [اصل میں لفظ عربی "توتہ" ہے]

* ق ۳: "رہا"۔ † ق ۳: "وہ اشک"۔

‡ ق ۳: "نکالا"

(۴۰۳)

اُٹھتی ہر اپنے دل سے کچھ ایسی ہی ہوک سی
پڑ جاتی جس سے دشت میں ہر ایک کوک سی[1]

تصویریں دیکھ بولی بدیع الجمال یوں[2]
صورت نہیں کوئی مرے سیف الملوک سی

تقصیر ہو معاف بھلا کیا غضب ہوا
گر آدمی سے ہوگئی ایک ادک چوک سی

کالی بلا ہے کوئی نہیں ہے شبِ فراق
صورت حرام رکھتی ہر اک مادہ خوک سی

انشا نے جو شفق کو سراہا تو بولے آپ
کمبخت کیا بلا ہے لہو کے ہلوک[3] سی

(۴۰۴)

اے چرخ نہ لکھ قیصر و خاقان پہ چٹھی
کر دے تو مرے شاہِ خراسان پہ چٹھی[4]

ملکیّت صحرا تو مجھے بخشی ہر اے عشق
لکھ دے نہ تو پھر قیس سے دیوان پہ چٹھی

یہ خط نہیں ہر خواہش بوسہ نے لگادی
خوش ہو کے ترے سیبِ زنخدان پہ چٹھی

تنخواہ مری آپ پہ کچھ حُسن نے کی ہر
سبزہ نہیں ہر روے درخشان پہ چٹھی

چیچک کے نہیں داغ یہ مہریں ہیں یقیناً
ہر سبز پری کی یہی انسان پہ چٹھی

پروانے پہ پروانہ ہر اور عشقے پہ شقہ[5]
فرمان پہ فرمان ہر، فرمان پہ چٹھی

دل بادلوں نے مانگی جو تنخواہ تو پھر برق
کرنے لگی تیرے لبِ خندان* پہ چٹھی

---

[1] کوک = بلند آواز۔

[2] بدیع الجمال اور سیف الملوک کسی قصّے کے ہیرو اور ہیروئن ہیں۔

[3] لہو کے ہلوک = خون کی قے۔

[4] م: "کوئی نہیں"۔

[4] چٹھی کرنا یا چٹھی لکھنا = کسی امیر آدمی سے روپیہ کی دہانید کرانا۔

[5] پروانہ = حکمنامہ + شقہ = وہ تحریر جو کوئی امیر اپنے کسی ماتحت کو لکھے

* ن: "دندان"۔

یوں تو ہیں مرے دل کی ہر اک داغ† کسی کا — قیمت کی لگی جوں ہو کسی تھان پہ چٹھی
لالا مرے دشمن ہیں، اجی، اُن پہ نہ کیجے — کر دیجے کسی مردِ مسلمان پہ چٹھی
حوریں مجھے کیوں کر نہ ملیں حکم علیؑ سے — جبریل نے کر دی مری رضوان پہ چٹھی

اِنشاؔ کو معافی[1] ہوئی ہر باغِ جناں کی
حاضر ہر یہ لیجے شہِ مرداں پہ چٹھی‡

(۴۰۵)

کسی پری کی ہنسی دل پر اپنے کچھ ٹھن جائے — تو پھر یہ ہنسیے کہ دیوارِ قہقہہ[2] بن جائے
یہ پانو چاک نے پھیلائے ہیں کہ دستِ جنوں — قریب ہر کہ گریباں سے تا بدامن جائے
گرے ہر آج تو مہتاب[3] چاند سے چھن کر — ہماری اور تمھاری بھی بات کچھ بن جائے
لپٹ نسیم گئی بوئے گل کی چھاتی سے — اِلٰہی، اپنا بھی روٹھا ہوا کہیں من جائے
کسی کو چاہنے سے اب تو دل دھڑکتا ہر — خدا نخواستہ سرکار کا یہ جوبن جائے
ہزار حیف کہ باغوں میں جا کے اب کے سال — ہم نہ جھول سکیں ہم تم اور ساون جائے
لگائے ماتھے پہ اک داغ تازہ کائی کا — ق گلے میں آہ کے زنارِ اشک کا بن جائے
پڑھے یہ راہ میں سکلامبر دھرم پستک* — کہ ہندو دھرم ہر اک اُن جھکائے گردن جائے

تو سوئے بُت کدہ یوں جائے خواہشِ اِنشاؔ
کہ جاپ تاپ[4] کو جیسے کوئی برہمن جائے

---

[1] معافی یعنی جاگیر ‡ شہ مرداں سے حضرت علی مراد ہیں۔
[2] جب کوئی زور سے ہنستا ہر تو کہتے ہیں کہ کیا تم نے دیوار قہقہہ دیکھی ہر۔
[3] مہتاب = تاب ماہ یعنی چاندنی۔
† ق: "یہ ہر داغ"۔ ق ۲: "ہر یہ"
‡ ق ۳ میں مقطع نہیں ہر۔
* یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہر۔ "سکلامبر" سفید لباس والا۔ یعنی برہمن۔ "دھرم پستک" سے یہاں دشنو کی مذہبی کتاب مراد ہر۔
[4] جاپ تاپ = برہمن کی پوجا۔

(۴۰۶)

یہ کس سے چاندنی میں ہم بزیرِ آسماں لپٹے
کہ باہم عرش پر مارے خوشی کے قدسیاں لپٹے

حُدی خواں، وادیِ مجنوں میں ناقے کو† نہ لے جانا
مبادا اِک بگولا سا بہ پائے ساربان لپٹے

ادب گر حضرتِ جبریل کا مانع نہ ہو مجھ کو
تو شاخِ سدرہ سے میری یہ آہِ ناتواں لپٹے

سکندر اور دارا کیا کروڑوں اور بھی اُن سے
پڑے ہیں گور کے تختے سے زیرِ خاکداں لپٹے

کسی ڈھب سے طبیعت سیر ہوتی ہی نہیں اُن سے‡
ابھی دالان سے لائے بزیرِ سائباں لپٹے

ہنسے بولے رہے مشغول اپنے جس طرح چاہا
اِدھر لپٹے اُدھر سوئے یہاں چمٹے وہاں لپٹے

ولیکن یاس کہتی ہے کہ ہوں گی خواب کی باتیں
تمھیں کچھ خیر ہے صاحب بتاؤ تو جہاں لپٹے

کدھر لوٹے کدھر پوٹے ہنسے بولے کدھر جا کر
کہاں لپٹے کہاں سوئے کہاں چمٹے کہاں لپٹے

غزل مستی میں لکھ اک اور بھی انشا، کہ تا تیری
بلائیں آ کے ساقی لے تجھے پیرِ مغاں لپٹے

(۴۰۷)

کہا لیلیٰ نے کچھ شعلے سے جو اُس کو نہاں لپٹے
یہ خوبی آپ کی سادی جہاں لپٹے وہاں لپٹے**

ہمیشہ ورغلائے جو کہ میرے یار کو مجھ سے
اِلٰہی اُس کو کالا بھوت ہو سارا جہاں لپٹے††

---

* ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

† ن: "لیلیٰ کو"۔

‡ ق ۳: "سیر ہی ہوتی نہیں اُس سے"۔

§ ن: "آئے"۔

ق ۳: "اُدھر لپٹے یہاں چمٹے وہاں لپٹے" (م سے) نسخے میں کہیں نہیں ہے۔

ق ۳: "کدھر لپٹے کدھر بیٹھے ..... + کہاں بیٹھے کہاں سوئے کہاں چمٹے کہاں لپٹے"۔

** ق ۳: "یہ خوبی آپ کی سادی جہاں چاہے وہاں لپٹے۔ شعر کا متن درست نہیں ہے، کچھ مخل ہوا ہے، "لپٹوں" چاہیے جو لپٹ ہو سکتا ہے کہ لیلیٰ نے یہ شعلوں سے ... + یہ خوبی آپ کی سادی جہاں لپٹے ..."۔ †† یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہے۔

کناری سرخ جوڑے میں تمھارے اس طرح پر ہے
کہ دامانِ شفق میں جس طرح برقِ جہاں لپٹے

اگر راتوں کو آؤں تو مجھے سرکار کا گرجی[1]
ادھر سے آن کر چمٹے، اُدھر سے پاسباں لپٹے

کہاں ہم مغز میں طاقت نہ چھیڑ و شیخ جیو صاحب
عبث تم جھاڑ کر پنجے مجھے، اے مہرباں، لپٹے

کروں گا آب رکنا باد پر مجلس تمھاری میں
گلے سے میرے گر آکر وہ طفلِ دلستاں لپٹے

پڑھے ہر اس روش سے اب "وہ منت مرغدے را"[2]
کہ جیسے چھپکوں سے عندلیب گلستاں لپٹے

اُسے چھٹی دلا دو اُس کے تم استاد سے آکر
کہاں تک چھت سے مکتب کی بھلا اکی قماں لپٹے

کوئی صورت ہو ایسی بھی کہ بس جز دانِ اطلس میں*
کہیں اے شیخ سعدی جو تمھاری بوستاں لپٹے

بدل کر بحر کو افشا غزل طرحی بھی اب پڑھ تو†
کہ اہلِ ذوق باہم جس لیے ہیں خوشہ ساں لپٹے

۴۰۸

گلے سے تیرے کدھر کوئی اہلِ دل لپٹے
یہاں تو آٹھ پہر رہتے ہیں مخل لپٹے

اگرچہ ہم سے وہ سو بار متصل لپٹے
پر ایسے ڈھب سے نہ لپٹے کہ دل سے دل لپٹے

یہ جائے رشک ہے اُن کے گلے سے تل لپٹے
اور اپنی آنکھ کی پتلی ہے خونِ دل لپٹے

ہوا تشویشِ ملائک سے غلغلا برپا
بہم جب آتش و آب و ہوا و گل لپٹے

نہ خوف تیشۂ فرہاد ہو تو شیریں کو
یہ دیو بن کے ہر اک بیستوں کی کل لپٹے

معانقے کا کیا قصد میں نے، تو بوے
کبھی ہوا ہے کہ خورشید سا تھ ظل لپٹے

یہ گرد باد بھی اک شے ہے جس کے دامن سے
بہت سے ہیں خس و خاشاک مضمحل لپٹے

کچھ اُن کے ہم تو گلے یوں لپٹ گئے کل رات
کہ جیسے آگ سے خس ہو کے مشتعل لپٹے

---

[1] عربی: گرجستان کا رہنے والا۔ گرجی غلام۔ گھٹیا کو بھی کہتے ہیں اور یہاں یہی مراد ہے۔

[2] گلستان کے شروع کے الفاظ + روش عندلیب۔ گلستان اور منت مرغدے میں ضلع اور صنعت ایہام ہے۔

* ق ۳ و ۵ "کوئی صورت بنی ہو ایسی کہ....."

† ق ۳ اور مطبوعہ نسخوں میں:۔ غزل طرحی کی بھی اب پڑھ۔

کچھ اور ڈھب کے اب اشعار ایسے لکھ اِنشاؔ
کہ جس سے طبعِ سخن سنج مستقل پلٹے

(۴۰۹)

جنوں کے دیو سے کیا عوج[۵۱] مضمحل پلٹے
جو ایسے سے کوئی پلٹے تو اہلِ دل پلٹے

کہیں سُنی جو کہانی میں شرم کی کچھ بات
تو اپنے تکیے سے بس ہو کے وہ خجل پلٹے

اُدھر سے پھاندا وہ کشتی اِدھر سے ہم کودے
نصیب دیکھو بہم ہو کے پایہ گل پلٹے

نہ اُس کو لہر چڑھے[۵۲] کس طرح بھلا جس کو
یہ زلف، مارِ سیہ ہو کے منصل پلٹے

کسی حسین کا اِک مُنہ تو تھا ہی کُلچا[۵۳] سا
رچاوٹ اور ہوئی اب کہ اُس پہ تل پلٹے

یہ دق کی شکل جو دربان کھانستا ہی پڑا
الٰہی اِس کو ابھی، موت ہو کے سل پلٹے

کہہ اور طور سے* اِنشاؔ غزل وہ برجستہ
کہ برق جس کے گلے ہو کے منفعل پلٹے

(۴۱۰)

ضیا میں نور سما جائے ظل سے ظل پلٹے
ذوی العقول میں کیوں کر نہ دل سے دل پلٹے

جو نعرہ کھینچوں تو اوراقِ آب دیدہ نمط
بہم پہاڑ کی ہر ایک سل سے سل پلٹے

نسیمِ نجد نہیں لائی غبارِ شاہدِ حی
برس پڑے ابھی بادل تو گل سے گل پلٹے

کسی کے خالِ ذقن سے اُس آنکھ کے تل کو
ملوں تو زور مزا ہو کہ تل سے تل پلٹے

---

۵۱ عوج ایک بہت لمبے قد کا آدمی جو آدمؑ سے لے کر موسیٰؑ کے زمانے تک زندہ رہا۔ مراد لمبے بے ڈول آدمی سے ہے۔

۵۲ لہر چڑھنا = سانپ کے زہر کا اثر ہونا۔

۵۳ کُلچا سامنہ یعنی گول منہ + رچاوٹ اور ہوئی = اس پر اور اضافہ ہوا + تل پلٹے = چیچک رو ہو گیا۔ پرانے زمانے میں کلچوں پر سیاہ تل لگا دیتے تھے۔

* ق ۳: "کہ" اور طرح کی"۔

‡ ت: "آہ" مگر زیادہ قرینِ قیاس "نالہ"۔

ملے جو قیس سے انشاؔ گئے تو ہم اُس کی
اُسی جراحتِ نامندمل سے مل پلٹے

(۴۱۱)

دامن اگر نچوڑیے جیحوں[1] ٹپک پڑے — دل پر جو دھریے ہاتھ تو بس خوں ٹپک پڑے
مَیں[2] بھر رہا ہوں آپ مجھے بس نہ چھیڑیے — ایسا نہ ہو کہ خاطرِ محزوں ٹپک پڑے
جس دم عرق فشاں وہ ہوئی زلفِ مشک فام — مارِ سیہ کے سیکڑوں افسوں ٹپک پڑے
برآوے[3] اپنے خرچ کے عہدے سے تب کوئی — گردوں سے جب خزانۂ قاروں ٹپک پڑے
ماءالحیات ہو کہ پسینا یہ شیخ جیو — جس جا سے تم کو چھیڑیے اک جوں ٹپک پڑے
گم کی جو راہ ناقے نے، لیلیٰ نے یوں کہا — تم یاں کہاں سے حضرتِ مجنوں[4] ٹپک پڑے

انشاؔ تو اِس غزل کو غزل در غزل ہی لکھ
ہیں ابرِ دل سے سیکڑوں مضموں ٹپک پڑے

(۴۱۲)

ہر مستعد کہ وہ لبِ میگوں ٹپک پڑے — نمک اُن کو یوں جو چھیڑیے تو خوں ٹپک پڑے
گر برگِ گل پہ ڈالیے شبنم کی سمت آنکھ — تو واں سے دانۂ دُرِ مکنوں ٹپک پڑے
ہم تم کو اڑ موند کے بیٹھے تو ہیں، ولے — ایسا نہ ہو کہیں سے وہ ملعوں ٹپک پڑے
گھر کی سوائے اور نہیں بات چیت کچھ — یارب کہاں سے لطفۂ میموں[5] ٹپک پڑے

---

[1] جیحون = ترکستان کے ایک دریا کا نام۔

[2] بھر رہا ہوں = ریخ و غم یا شکوک سے بھرا ہوا ہوں مقابلہ کرو مصحفی کے شیشۂ مے کی طرح اے ساقی + چھیڑو مت کہ بھرے بیٹھے ہیں۔

[3] خرچ کے عہدے سے برآنا یعنی خرچ کا پورا ہونا۔

[4] ن: "کبھی"

[5] لطفۂ میموں = بندر کی اولاد۔

کوہِ جنوں کی سیر سے کھلتا نہیں جو دل — تو یاں کہاں سے آن کے ہاموں[1] ٹپک پڑے
بُندا پہن کے یوں تو نہ پھر زیرِ آسماں — ایسا نہ ہو کہ زُہرہ گردوں ٹپک پڑے

اِنشاؔ یہ سُن غزل ثمرِ پختہ کی نمط
رکھتے تھے جو طبیعتِ موزوں، ٹپک پڑے[2]

(۴۱۳)

صاحب کے ہر زہ پن[3] سے ہر ایک کو گلہ ہے — میں جو نباہتا ہوں میرا ہی حوصلہ ہے†
چودہ[4] یہ خانوادے ہیں چار پیر تن میں — چشتیّہ سب سے اچھے، یہ زور سلسلہ ہے
پھر کچھ گئے ہوؤں کی مطلق خبر نہ پائی — کیا جانیے کدھر کو جاتا یہ قافلہ ہے
بارِ گراں اُٹھانا کس واسطے عزیزو — ہستی سے کچھ عدم تک تھوڑا ہی فاصلہ ہے

دیں گالیاں ہزاروں، مطلع سُن اِس غزل کا
کہنے لگے کہ اِنشاؔ اِس کا یہی صلہ ہے

(۴۱۴)

اشک مژگانِ تر کی پونجی ہے — یہ ثمر اس شجر کی پونجی ہے
آہ کو مت حقیر جان، یہی — دودِ مانِ اثر کی پونجی ہے
جو گھڑی یاد میں تری کٹ جائے — وہ ہی آٹھوں پہر کی پونجی ہے
جلوۂ یار ہے عزیز بہت‡ — یہی اہلِ نظر کی پونجی ہے

---

[1] ہاموں = جنگل۔
[2] ٹپک پڑے = مائل ہوگئے۔ ریجھ گئے۔
[3] ہرزہ پن = سفلہ پن۔
[4] چودہ خانوادے = صوفیوں کے چودہ خانوادے یا سلسلے مشہور ہیں۔
† ق ۳: "یہ میرا حوصلہ ہے"
‡ ق ۳: "ہے عزیز و بہشت"

جلد اچھا ہو یہ تعالے اللہ[1] ن یہی اِنشا کے گھر کی پونجی ہے
تیری بخشی ہوئی، خداوندا! میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
میں ترے صدقے، بس یہی میری
دل وجان وجگر کی پونجی ہے

(۴۱۵)

سانولے پن پر غضب ہے دھج بسنتی شال کی جی میں ہے کہہ بیٹھیے اب "جے کنھیا لال کی"[2]
زندگی اِس تارِ چنگِ آہ نے جنجال کی اڑ رہی ہے اک ہوا پر پوٹلی سی رال کی
بن لگاوٹ رہ نہیں سکتا ہمارا دل کبھی کیا بُری خو پڑ گئی کم بخت بیت المال کی
ہیں وہ جوگی نیہ[3] اگر، ابدھوت جن کے سامنے بالکا، دیو جنوں، وحشت پری ہے بالکی[4]
اپنے گھوڑے پر چڑھا کر، یہ نہیں پھبتی تجھے گرچہ جھالردار ہے پھر پالکی کی پالکی
تو بھی ہے اِک شاہزادہ، چاہیے تیرے لیے مور چھل دو ہوں ہُما کی اور غرقی نالکی[5]
کیوں نہ انگارے اُچھالے پھر وہ اِنشا رات کو
ہے ہماری آہ شاگرد اگنیا بیتال کی[6]

(۴۱۶)

کب وہ آزاد بھلا مورِدِ تحسین ہوئے بھول جو سب کو گئے دین سے بے دین ہوئے
شیشہ خانے میں جو تم موجبِ تزئین ہوئے سامنے اپنے کئی لشکرِ سنگین ہوئے

---

[1] تعالے اللہ = اشارہ ہے اپنے بیٹے تعالی اللہ خاں کی طرف جو بیمار ہو گئے تھے۔

[2] اہل ہنود اس شعر کو کامیابی اور خوشی کے موقع پر بولتے ہیں۔

[3] نیہ = محبت۔ ابدھوت = بہت جوش کے ساتھ بھوتوں کی طرح کام کرنے والا۔ بالکا = چیلا، مرید، شاگرد۔ بالکی اس کی تانیث۔

[4] نالکی = ایک اونچی پالکی کی طرح کی سواری۔

[5] اگنیا بیتال = آگ کا بھوت وہ روشنی جو کسی ویرانے یا جنگل میں جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔

واقعی مجھ سے گناہ ایسے ہی دو تین ہوئے
کہ میرے سامنے وہ لے کے قرابین ہوئے

صبح دم مجھ سے لپٹ کر وہ نشے میں بولے
تم بنے بادِ صبا ہم گلِ نسرین ہوئے

نبھ چکی بندۂ درگاہ سے اور آپ سے خیر
بہم الفت میں اگر ایسے ہی آئین ہوئے

راہرو چونک کہ ہے قافلے میں تیاری
محمل اونٹوں پہ بندھے فوج میں تزئین[1] ہوئے

قمری و بلبل نالاں میں پڑے جو جھگڑے
سو دلِ غمزدہ کے موجبِ تسکین ہوئے

ایسے اُلجھے کہ دوبے پانو میاں بھوپٹ خاں
بین کاندھے یہ دھرے دوسرے رُوئین[†] ہوئے

بچہ رسے زے جو لگا کہنے تو ماں باپ اُس کے
اپنے دندان فرح کھول کے جوں سین ہوئے

اشک آنکھوں سے قدم رکھ نہیں سکتے باہر
دولتِ شرم سے مانند سلاطیں ہوئے

چین بہ ابرو تھیں ہونے نہ دیا ہم نے تو ہم
مردِ شاعر نہ ہوئے بادشہِ چین ہوئے

قصد بنگالہ مناسب ہی نہیں صاحب کو
گرچہ معلوم تجارت کے سب آئین ہوئے

جی ہی اچھا نہ رہا پھر تو عیاذاً باللہ
فائدہ کیا جو شناسائے اراکین ہوئے

تحفگی یہ کہ ملی آپ نے اِنشاؔ مہندی
اور کپڑے سو میرے مفت میں نگین ہوئے

(۴۱۷)

ان انگلیوں میں تول کے چھلّے نظر پڑے
واللہ تم بھی سخت چلّے نظر پڑے

وحشت کی فوج کے جو دھڑے نظر پڑے
فرہاد و قیس دونوں چلّے نظر پڑے

دیکھا پری وشوں کو تو اُن کے سروں پہ آج
کچھ طرفہ رنگ کے شلّے[2] نظر پڑے

بلّی ولایتی تو، اجی، پالی آپ نے
پھر مجھ کو کہیو: تم تو بلّے نظر پڑے

جی سنسنا نسیم کا اے توسنِ بہار
ایسے جنوں کے دشت کے پلّے نظر پڑے

---

[1] زین ہوئے = تیار ہو گئے۔

[2] شلّا: یہاں مراد سُرخ کپڑا یا چیرا۔

† ق ۳: "روئین"۔ م: روبین۔

اُس دیوزاد فوج جنوں کی جو سیر کی
اِنشا تو واں بڑے بڑے کلّے نظر پڑے

(۴۱۸)

جو نسیم صبح لپٹ گئی کسی گل کے دامنِ پاک سے
تو شعاعِ مہر نے اک چھڑی جڑی اُس کو آگ کے شاک سے

کروں کیوں[†] نہ ظرفِ گلی پہ غش کہ بدو رہی خ ہوں حرم کش
مجھے ہو جو دغدغۂ عطش تو اسی کھار کے چاک سے

وہ جو محو دھوپ میں ہیں کھڑے ترے آفتابِ جمال کے
نہ سوائے مہر گیا گئے کبھی اُن کے سبزۂ خاک سے

پڑی نرگس آنکھ نکالے جو گھڑی کان گل بھی ہلائیں تو
ترا سامنا جو چمن کو ہو تو بھلا وہ کون سی ناک سے

کئی زخمی اُن کی نگاہ کے ہوئے دارد آ کے جو راہ کے
تو اثر سے ایسوں کی آ کے گئے پھول منگلوں میں ڈھاک سے

یہ جو آسمان کے تارے ہیں انھیں مت کیوں گنا کریں
کہ بظاہر ان کو مناسبت سی ہے ایک طارمِ تاک سے

مجھے دیکھ منہ کو ڈھانک لے کبھی ٹک اِدھر بھی جھانک لے
مرے چاک دل کی بھی تانک لے اسی امن اپنے کے چاک سے

بندھے تاک آن کے خوب ہی جو نخت فیہ کے شان کی
تو ہزار تاک بھرا پُرا نکل آوے اپنی بھی خاک سے

پرے اوبے عشق کے یوددا ترے آنے کی نہیں مل سند
تجھے کہہ دیا تھا بھلا یہ کہ تو بیٹھ جائے پھپھاک سے

دمِ سرد یاں کوئی بھرے تجھے دیکھ دیکھ تو کیا کرے
مجھے ڈر لگے ہے بہت ارے تری ایسی وضع کی تاک سے

یہ زوالِ نورِ بلاہر بد میں اسی سے تنگ ہوں حد سے حد
کر یا علیؑ ولی مدد اسے اپنے پانو کی خاک سے

تجھے اِنشا آج تو خوش کروں نہیں چاہتا ہے کہ چپ رہوں
غزل اور قافیے کی کہوں ابھی حکم ہو تو جھپاک سے

(۴۱۹)

بھلے آدمی کہیں باز آ ارے اُس پری کے سماگ سے
کہ بنا ہوا ہو جو خاک سے اُسے کیا مناسبت آگ سے

بہت اپنی تاک بلند تھی کوئی بیس گز کی کمند تھی
پر اُچھال پھاندہ بند تھی ترے چوکیداروں کی جاگ سے

بہت آئے مہرے کڑے کڑے وہ جو منڈجی تھے بڑے بڑے
ولے ایسے تو نہ نظر پڑے کہ جو صاف پاک ہوں لاگ سے

---

† ق ۳: "کیوں کہ" (= کیونکہ)

وہ سیاہ بخت جو رات کو ترے دامِ زُلف میں پھنس گیا
اُسے آکے وہم و خیال کے لگے ڈسنے سیکڑوں ناگ سے

بھرا میں نے سندر رابن میں جو ارے کشن ہوپ کا نعرہ تو
ق مہاراج ناچتے کودتے چلے آئے لٹ پٹی پاگ[1] سے

لگے کہنے کھیم کسل[2] اُسے جو علی کے دھیان کے بیچ ہو
تورے دُکھ دلدر اگے بھاگتے گئے بھاگ آپ کے بھاگ سے

ہوئے عاشق اُن کے ہیں مرد و زن یہ انوکھی اُن کی ہے کچھ بھین
کوئی تازہ کئے ہیں برہن یہ جو کاشی اور پراگ سے

تجھے چاہتے نہیں ہم ہی بس ہوا اُنھوں کو بھی تو تری ہوس
وہ جو بھگڑے بیر سے سو برس کے پرانے بیٹھے ہیں گھاگ[3] سے

ائے لو آئے آئے سوائے کچھ نہیں بات دھیاں میں چڑھتی یہاں
کچھ اک اِن فقیروں کی محلسیں بھی تو ملتی جلتی ہیں بھاگ[4] سے

مجھے کام اُن کے جمال سے، نہ تو پیٹے سے، نہ خیال سے
نہ تو وجد سے، نہ تو حال سے، نہ تو ناچ سے، نہ تو راگ سے

یہ سعادت اُس کو علی نے دی جو وزیرِ اعظم ہند ہو
کہ بدولت اُس کی بہان میں، نہیں خوف بکری کو باگ سے

مجھے رحم آتا ہو ایسوں پر جو بسر اپنے کرتے ہیں وقت جو
کسی پھل سے یا کسی پھول سے کسی پات سے کسی ساگ سے

گھٹی اِن سُروں میں جو آگئی مجھے اک عروس کی باس سی
ابھی اِلتجا اپنا ہو بس اگر تو لپٹ ہی جاؤں بہاگ[5] سے

(۴۲۰)

یہ جو مجھ سے اور جنوں سے یاں بڑی جنگ ہوتی ہو دیر سے
سو کچھ ایسے ڈھب سے لڑائی ہو لڑے شیر جیسے کہ شیر سے

بنی شکل لیلیِ نوجواں، مرے داتا کیا کہوں الاماں!
وہ تجلی اک جو ہوئی عیاں کسی رات قیس کے ڈھیر[6] سے

ارے دو مہینے سے ہوں جدا، نہ تو خواب میں بھی نظر پڑا
بھلا اور اندھیر زیادہ کیا کہیں ہوگا ایسے اندھیر سے

مجھے شامیانے تلے سے کیا، مرا دل تو کہتا ہے مجھ سے آ
سرِ راہ کوٹھے پہ بیٹھ جا، یہیں تکیہ دے کے منڈیر سے

---

[1] لٹ پٹی پاگ = لٹ پٹی پگڑی۔
[2] کھیم کسل (ہندی) مبارک ہو، وہ = خوش ہو وہ۔
[3] پھاگ = ہولی کے کھیل تماشے۔ رنگ رلیاں۔
[4] بہاگ = ایک راگنی جو دوپہر رات کو گائی جاتی ہے۔
[5] ڈھیر یعنی = قبر
† ق ۳: "داگ سے"۔

تری بادلے کی یہ اوڑھنی ارے برق کوندی نظر میں تب — کرے یہ گھٹا جو مقابلہ کسی پیشواز کے گھیر سے
نہیں انتظار کے حوصلے مجھے سوجھیں سیکڑوں ارتلے — قسم اُن نے کھائی تو ہو، دے مراجی دُسے ہر اویر[1] سے
بھلا مجھ سے دیو کے سامنے کوئی ٹھونک سکتے ہیں غم بھلا — ارے یہ انگوٹھے سے آدمی نرے پودنے سے بٹیر سے
وہی پی کہاں وہی پی کہاں یہی ایک رٹ سی جو ہر سو ہر — مہاراج چوٹ سی لگتی ہر مجھے اس پپیہے کی ٹیر سے

غزل انشا اور بھی ایک لکھ اسی بحر اور ردیف کی
کہ زبر کے قافیے جس میں ہوں مجھے نفرت آگئی زیر سے

۴۲۱

نہ تو کام رکھیے شکار سے نہ تو دل لگائیے سیر سے — بس اب آگے حضرت عشق جی چلے جائیے گھری کو خیر سے
وہ جو گٹکا پارے کا منہ میں لے پڑے اڑتے پھرتے ہیں جوگی جی — سو تو بھرت پور کو اداس ہو چلے آئے قلعۂ دیر[2] سے
نہیں ہوتے عام کے روبرو ہمیں قبلہ خاص ہر آرزو — کہ خدا کرے پڑے گفتگو کسی پیر و مرشدِ دیر سے
کہو کس وسیلے سے شیخ کے شک و شبہ ہووے کمال میں — کہ جو نعمت آپ کو پہونچی ہر سو میاں غلام زبیر سے
جو خفا ہوے تو ہوے اجی جو لڑے بھڑے تو لڑے سہی — گلہ ہر سو یار عزیز سے نہ کہ شکوہ صورتِ غیر سے
مجھے اک حیات دوبارہ دے اُسی قدرت اپنی سے اے خدا — کہ خطاب فقرۂ کم لبثتم[3] کیا تھا جن نے عزیر سے
وہ جو ہر علیؑ ولی وصی ہر محمدِ عربی اخی — سو تو عبد خاص کریم ہر اُسے دشمنی ہر نصیر[4] سے

یہی چال اپنی ہر انشا اب کبھی تو درختوں سے خلطے ہیں
کبھی ہر صبا سے خطاب کچھ کبھی وحش سے کبھی طیر سے

۴۲۲

مٹک اک اے نسیم سنبھال لے کہ بہار مستِ شراب ہر — وہ جو حسنِ عالم نشہ ہر اُسے ابکی عینِ شباب ہر

---

[1] ارتلے = منصوبے۔ اویر = دیر۔
[2] = بھرت پور کا مشہور قلعہ ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس قلعے کا نام دیر ہر (بالکسر نہ کہ بالفتح جیسا کہ انشا نے لکھا ہے۔)
[3] کم لبثت = اشارہ ہر آیہ کریمہ کی طرف + عزیر ایک پیغمبر کا نام ہر۔
[4] نصیر = فرقہ نصیری جو حضرت علی کو خدا سمجھتے ہیں۔

یہ گھٹائیں چھائیں جو کالیاں جو ہری بھری ہوئیں ڈالیاں
اودھر آئیں پھولوں کی لالیاں تو بجائے آپ شہاب ہے

یہ دو روزہ نشو و نما کو تو یہ سمجھ کہ نقش بر آب ہے
یہ سراب ہے یہ حباب ہے فقط ایک قصۂ خواب ہے

عرق بہار شراب ہے وہ ہی آج چھڑکیں گے آپ پر
نہ تو بید مشک ہے اس گھڑی نہ تو کیوڑا نہ گلاب ہے

انھیں کہنے سننے سے بیر ہے جو خود آئیں سو تو بخیر ہے
یہ غرض کہ زور ہی سیر ہے نہ سوال ہے نہ جواب ہے

کہ پھر آؤں جاؤں کروں سو کیا مرا جی ہی ناک میں آگیا
نہ تو عرضِ حال کی تاب ہے نہ تو صبر خانہ خراب ہے

مجھے وحشت و طیر سے رشک ہے کہ کبھی انھوں کو کسی نمط
نہ سوال ہے نہ جواب ہے نہ عذاب ہے نہ عقاب ہے

مری بات مان سنا، دِلا، نہ تو عرض فرض پہ جی جلا
کوئی اُن کو ٹوکے سو کیا بھلا، کہ وہ عالی[1] نکی جناب ہے

ارے انشا اب تو یہ وہ ہے تری وضع اِن دنوں اور ہے
یہ بھی کوئی زیست کا طور ہے نہ شراب ہے نہ کباب ہے

(۴۲۳)

آج بجلی سے بنے ہفت طبق سونے کے
یوں چمکتے ہیں پڑے جیسے ورق سونے کے

اُس پری زاد کی گر یوں ہی سواری نکلے
ابھی برسانے لگے پھول شفق سونے کے

زلزلہ آہِ شرر بار سے میری یہ ہُوا
کوہ لنکا میں ہوئے سیکڑوں شق سونے کے

نقرئی دُم کو نہ چمکا تو پرے[2] اے جگنو
اُڑتے پھرتے ہیں یہاں راتوں کو بق سونے کے

واہ لس لطف سے رات اُن نے کہا گرمی میں
ہم نہیں ساتھ ترے کر کے عرق، سونے کے

دوارکا کشن کو گر دی تھی عجب کیا انشا!
کہ محل ہم کو میسّر کرے حق سونے کا

(۴۲۴)

ہر جی میں قفلِ خانۂ خمّار توڑیے
یعنی درِ بہشت کو یک بار توڑیے

کیوں قید خم میں دختر رز سی پڑی رہے
یہ مُہر ریسمانِ سر و کار توڑیے

---

[1] جناب = دروازے کے سامنے کا میدان - [2] ق ۳: "پڑی" - بق = مچھر، پشہ

شاگرد امیر حمزہ[1] صاحب قراں کے ہیں ق کیوں کر بھلا نہ قلعۂ اشرار توڑیے
کیجے لقائے باختر بے بقا کو قید تختک کے سر پہ گرزِ گراں بار توڑیے
چوٹی پکڑ کے نرگسِ جادو کی کھینچیے کلے کو اُس کے مار کے للکار توڑیے
رستم سے چھین لیجیے دیوِ سفید کو اور اُس کی وہ مڑوڑ کے تلوار توڑیے
سد سکندری بھی جو چڑھ جائے دھیان تو وہیں طفیلِ حیدرِ کرار توڑیے
آجاویں ہفت خوانِ طلسمات سامنے تو خیر سے اُنھیں بھی بہ تکرار توڑیے
حصنِ زمردینِ عدو کوہ قاف پر ہووے تو اُس کو بھیج کے عیّار توڑیے
زنبیلِ ہر عمرو کی دلِ فکر خیز پر اس کو کسی طرح سے نہ زنہار توڑیے
ہے عزم جزم یہ کہ زبردستی آج تو بندِ قبائے موسمِ گل زار توڑیے
یا چھیڑنے کو ابر کے اک جھٹکا مار کر شلوارِ بندِ برقِ شرر بار توڑیے
جی چاہتا ہووے کے بلائیں تمھاری آج پوریں[2] ان انگلیوں کی لب کے یار توڑیے

اِنشاؔ دکھا کے اور بھی اِک جلوۂ عروس
بندِ نقابِ شاہدِ اسرار توڑیے

(۴۲۵)

ہر یہ تو کیا کہ آپ کی دیوار توڑیے ٹکرائیے تو سیکڑوں کہسار توڑیے
گرخم کے بل سے کیجیے اک حملہ تو وہیں آثارِ کجکبندِ دوّار توڑیے
ہر دُھن کہ دیجے مولویِ روم کو شراب شہ کاسے کے لیے سرِ خنکار[3] توڑیے

---

[1] ان آٹھ اشعار میں داستان امیر حمزہ کے مشہور اشخاص کا نام لیا ہوا۔ انکے کچھ کارنامے بھی بتائے ہیں مثلاً لقائے بے بقا بختک نرگس جادو وغیرہ۔

[2] پوریں توڑنا یا انگلیاں توڑنا۔ جب عورتیں کسی کی بلائیں لیتی ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر سے اتار کے اپنی انگلیاں چٹخاتی ہیں ؎

جو کھل کر اسکا جوڑا بال آئیں سر سے پاؤں تک بلائیں آکے لیں سو سو بلائیں سر سے پاؤں تک (ذوق)

[3] شہ کاسہ = بڑا پیالہ۔ خنکار (= خنکار، خوندکار، خوندگار) = بادشاہ، سردار، مجاز، اعظم، مولوی۔ چونکہ مولوی روم کو شراب دینا منظور ہے اس کے واسطے ایک بہت بڑے پیالے کی ضرورت ہے پس مولوی کے سر سے کس کا سر بڑا ہوگا۔ اسی کے سر کو توڑتے ہیں اور اُس کا کاسہ بناتے ہیں۔ ف۔ غزل۔

صیاد یہ تو رسم نیا ہو کہ یعنی آپ — بازوے مرغ تازہ گرفتار توڑیے
یوں چاہتے ہیں آج بہر کیف موکشاں — یعنے کہ قفل خانۂ خمار توڑیے
اے دل طفیلِ سایۂ نعلینِ مصطفیٰ — خسرو کے سر کو مار کے پیزار توڑیے
سایے میں جس درخت کے آرام پائیے — کیا ظلم ہو کہ اُس کے ہی اثمار توڑیے
تبرید دیجے تو سر بیمار حرص پر — ظرفِ گلی شربتِ دینار توڑیے
اِس تاک پر یہ اپنی اچھل پھاند ہو کہ پھر — دروازۂ مقفل گلزار توڑیے

اِنشا یہ جی میں ہو کہ غزل اور پڑھ کے ایک
بندِ قبائے نخوتِ دل دار توڑیے

(۴۲۶)

یہ کیا کہ اُن کے دل کو نہ زنہار توڑیے — سو بار جا کے جوڑیے سو بار توڑیے
آؤ نہ مل کے بیٹھے ہیں بے شغل ہم سو کیوں — کُٹ کیجے اُن سے یاری اب یار توڑیے
ہاتھ آوے کچھ اگر نہ سرشتہ بگاڑ کا — تو لڑ کے اُن کے موتیوں کا ہار توڑیے
یا چھیڑ چھاڑ کے لیے اِک سنگ فرش سے — دس پانچ اُن کے خانۂ دیوار توڑیے
بالا لال چوڑی والیوں کی توڑ تاڑ پر — رغبت سے ایک غنچۂ گلنار توڑیے
شوخی تو دیکھو آج یہی قصد ہو کہ خیر — جس ڈھب سے ہووے خاطرِ دل دار توڑیے
وہ کچھ کہیں، پر اپنی ہی بس گائے جائیے — اور تان اُدھر کو کوئی طرح دار توڑیے
یا کود پھاند چول بھی اُن کے پلنگ کی — بس ہو کے لڑنے بھڑنے کو تیار توڑیے
پھول اُن کی کیاریوں سے کسی اور روپ کا — کچھ کر کے بات چیت کی تکرار توڑیے
سبزے کو روند ڈالیے یا اُن کے باغ کی — نارنگیاں ہی چپکے سے دو چار توڑیے

اِنشا یہ روٹھ راٹھ ہو اِک تاؤ بھاؤ کی
اِس توڑ جوڑ کا نہ کبھی تار توڑیے

(۴۲۷)

پیسے کی چوٹ سے سرِ کم ظرف توڑیے
یوں آبگورۂ خُنکِ برف توڑیے

آماجگاہ کیجے مجھے اور مجھ پہ آپ
صد تیرِ ناوکِ نگہِ ژرف توڑیے

شنجرفی اُس دوپٹے کے اوصاف لکھیے تو
لے کر دوات وخامۂ شنجرف توڑیے

دم پڑھ کے کیجے صیغۂ الفت تو ایک بار
صد نخلِ علتِ کتبِ صرف توڑیے

بولا وہ باغِ نامۂ انشا کو دیکھ کر
بس ہو تو اِس کے پھول سے یہ حرف توڑیے

(۴۲۸)

پہلے عصا کے واسطے اِک تاڑ توڑیے
پھر جتنے ہیں پہاڑ کے سب جھاڑ توڑیے

کیا کوہِ قاف گنبدِ گردوں کے سقف کو
میں چاہتا ہوں مار کے چنگھاڑ توڑیے

ہوتی حقیقتاً جو یہ شورِ جنوں ابھی
کہہ بیٹھتا کہ چرخ کی اڑ واڑ[1] توڑیے

کچھ منہ سے پھوٹتی تو سہی پھر "نہیں" کہ "ہاں"
آپس میں ہر حجاب کی جو آڑ توڑیے

بادل کی ایک پاڑ سی ہر گردِ بامِ چرخ
انشا یہ دُھن ہو آج کہ وہ پاڑ توڑیے

(۴۲۹)

جتنی اڑیاں تھیں بڑی اُن سے اڑی مینہ کی لگی
یوں جھڑی آنسوؤں کی دوں کو جھڑی مینہ کی لگی

بے طرح چھت سی بندھی یہ تو مجھے شکل کچھ آج
چوڑی چکلی بہت اور لمبی تڑی مینہ کی لگی

جھیلتے تھے جو کڑی آپ کے دیوانے لوگ
اُن کی اُن بیڑیوں میں اور کڑی مینہ کی لگی

مادیانِ سحری[2] بھرنے لگی کر چھالیں
اُس کے پٹھوں پہ جو اک آ کے چھڑی مینہ کی لگی

---

[1] اڑواڑ = وہ کھپا جس پر کسی چھت کا بوجھ روکا جائے۔
[2] سحر کو "مادیاں" یعنی گھوڑی سے استعارہ کیا ہے اور کر چھالیں بھرنا یعنی کلیلیں کرنا۔ طرارے بھرنا۔

موتی اِن بوندوں کے گُتھ گُتھ کے لگے جھولنے تو — اُن کی دُلڑی سے نئی اور لڑی مینہ کی لگی
یاں سے گذرا تھا کوئی گبر بڑا سا شاید — ورنہ کیوں باس بھلا مجھ کو سڑی مینہ کی لگی
تھا شجر کون کہ جس نے نہ طمانچہ کھایا — کون سا پھول تھا جس کو نہ چھڑی مینہ کی لگی
بیٹھے بیٹھے جو لگا لیجیے چھاتی سے ہمیں — اب تو بجلی بھی گلے ہو کے کھڑی مینہ کی لگی
کل تو سناٹے سے برسا ہی کیا ساری رات — آنکھ کم بخت نہیں کوئی گھڑی مینہ کی لگی

اب وہ کس ڈول سے آویں گے یہاں اے انشا
ساری فکروں میں مجھے فکر بڑی مینہ کی لگی

(۴۳۰)

بوسہ جو دیتے نہیں مجھ کو تو چھڑکی ہی سہی — نہیں دروازہ جو کھل سکتا تو کھڑکی ہی سہی
کچھ مری چڑ نہیں پر آپ کی خاطر کے لیے — باتیں جو ریجھ کی ہیں خیر وہ چڑ کی ہی سہی
سڑی سودائی نہیں سڑکی جو مجھ پر پھب جائے — پھبتی سب لوگ کہیں سڑکی تو سڑکی ہی سہی
میں نے تو چھڑکی نہیں شیخ جی صاحب یہ شراب — چلو تم کہتے ہو ہاں چھڑکی تو چھڑکی ہی سہی

زِرّ[1] تو بکتا نہیں، پڑھتا ہوں غزل میں انشا
پنج مل زِرّ کی جو ٹھہراویں تو زِرّ کی ہی سہی

(۴۳۱)

وہ پری ہی نہیں کچھ ہو کے کڑی مجھ سے لڑی — آنکھ نرگس سے بھی دو چار گھڑی مجھ سے لڑی
واسطے تیرے مرا رنگ محل دشمن ہے — تیرے خاطر تو ہر اک چھوٹی بڑی مجھ سے لڑی
جھڑ لگا دی مری آنکھوں نے تو لو اور سنو — ٹکٹکی باندھ کے کیوں مینہ کی جھڑی مجھ سے لڑی
رات لڑ بھڑ کے جو چپ ہو رہے تو اُن کی عوض — بولتی تھی وہ جو سونے کی گھڑی مجھ سے لڑی
بیٹھے بیٹھے کہیں بلبل کو جو چھیڑا میں نے — تو نسیم اُس کے بدل ہو کے کھڑی مجھ سے لڑی

---

[1] زِرّ = مہمل باتیں۔ بیہودہ گفتگو + پنج مل = سب لوگ مل کے۔

کون سی حور یہاں کھیلنے چوتھی آئی بوے گل لے کے جو پھولوں کی پھڑی مجھ سے لڑی
روٹھ کر اُن کے گلے میں جو لگا تو اِنشا
ہر اِک اُس دُلڑی کی موتی کی لڑی مجھ سے لڑی

(۴۳۲)

زنہار ہمت اپنی سے ہرگز نہ ہاریے شیشے میں اُس پری کو نہ جب تک اُتاریے
اوضاع ڈھونڈ ڈھانڈ کے یاروں سے سیکھیے ہوتے نہیں جہان میں ہم سے نیاریے[۵۱]
اے اشکِ گرم، کر مرے دل کا علاج کچھ مشہور ہو کہ چوٹ کو پانی سے دھاریے
جو اہلِ فقر شاہ کھاریؔ[۵۲] کے ہیں مرید پالے ہیں اُن سبھوں نے کبوتر کھاریے
گلنے کی[۵۳] دال یاں نہیں، بس خشکہ کھایئے اے شیخ صاحب، آپ نہ شیخی بگھاریے
کل کھیرے ککڑی[۵۴] جن کو کیا کوس کاٹ کر آج اُس پری نے اُن کو دیے نرم آریے
ہو آب میں کدر[۵۵] تو ٹھہر جایئے ٹک ایک دل میں کدورت آوے تو کیوں کر نکھاریے
ہے کون سی یہ وضع، بھلا سوچیے تو آپ باتیں اِدھر کو کیجے اُدھر آنکھ ماریے
پوچھی حقیقت ایک نے جو امنِ راہ کی ق تو بولے سر جھکا کے بچا وہ مداریے[۵۶]
خطرہ نہ آپ کیجے، بس اب خیر شوق سے سونا اچھالتے ہوئے گھر کو سدھاریے
ہیں جو بلند حوصلہ اُن کی یہ چال ہے: کیا پھر اُنھیں بگاڑیے جن کو سنواریے
پنڈت جی ہم میں اُن میں بھلا کیسی ہوئے گی پوتھی کو اپنی کھو لیے، کچھ تو بچاریے

---

۵۱ نیاریے = وہ لوگ جو مُہری وغیرہ کی مٹی سے سونے چاندی کے تار نکالتے ہیں۔ تیز چالاک آدمی کو بھی کہتے ہیں۔

۵۲ شاہ کھاریؔ ایک مشہور صوفی گذرے ہیں + کھاریے کبوتر = ایک خاص رنگ کے کبوتر۔

۵۳ دال گلنا = کامیاب ہونا۔ ذلیل ہونا۔ با اثر ہونا + خشکہ کھایئے = چلد یجئے۔ شیخی بگھارنا = اپنی بڑائی کی بسی چوڑی باتیں کرنا

۵۴ کھیرے ککڑی کرنا = بے حقیقت سمجھنا + آریا = ایک قسم کا پھل کھیرے ککڑی کے ہمشکل۔

۵۵ کدر = گدلاپن = میلاپن =

۵۶ مداریا = جھوٹا فقرہ باز آدمی۔

انشا، کوئی جواب بھی دیتا نہیں ہمیں
بانگِ جرس کی طرح کہاں تک پکاریے

(۴۳۳)

اپنی کولی میں مگر رات کو بھر لیتا ہے
تان بھیروں کی جو یہ مرغِ سحر لیتا ہے

خیر خواہی سے جن کے عوض اے ابرِ بہار
باغباں آکے پکڑ میری کمر لیتا ہے

مجھے اُس نخلِ پُر از میوہ پہ آتا ہے رحم
پیاس کے مارے جو پی آبِ تبر لیتا ہے

کن نے اب یاد کیا اُس کو نہیں کچھ معلوم
ہچکیاں آج جو وہ رشکِ قمر لیتا ہے

پیاس بادل کی سمندر سے نہیں بجھتی جو
تو نچڑوا کے مرا دامنِ تر لیتا ہے

چھند[1] بند آپ کے اس عالمِ عیاری کا
جوہرِ عقلِ فلاطوں کی خبر لیتا ہے

ایک کوڑی کو نہ لیجے جو فروشندہ کہے
"ہے بکاؤ، کوئی زنبیلِ عمرو لیتا ہے"

سجدہ[2] کرتا ہے یہاں آکے وہ مقراضِ کبف
مونچھ جو شیرِ نیستاں کی کتر لیتا ہے

اُڑ چلے[3] ہر جو کوئی ہم سے وہ کیا اب کوئی
گانٹھ دُم اپنی میں سرخاب کا پر لیتا ہے

اُشتر و ناقہ رہِ عشق سے گذرے کیا دخل؟
ٹھوکریں واں تو پڑا پائے نظر لیتا ہے

وہ ہی اِس موج و گل و لالہ[4] کی پاتا ہے تھاہ
ہاتھ کو سر سے بلند اپنے جو کر لیتا ہے

کیا فقط اُن کی نچھاور کے لیے اے انشا
اپنی مٹھی میں ہر اِک غنچۂ زر لیتا ہے

تاکہ چھڑکاؤ کرے سامنے اِک طور کے ساتھ
کھینچ سب خواجہ خضر آبِ گہر لیتا ہے

---

[1] چھند بند = فریب چالاکی۔ عیاری + کسی کی خبر لینا = کسی کو آزمانا۔ اس سے بڑھکر ہونا۔

[2] سجدہ کرتا ہے = ہمارا نیازمند ہے۔ ہم کو مانتا ہے۔

[3] سرخاب کا پر گانٹھ لینا = کوئی جدت یا نئی بات کرنا۔ اڑ چلنا = بڑھ کے بات کرنا۔

[4] موج و گل و لالہ کی تھاہ پانا = اسرارِ حقیقت سے آگاہ ہونا + ہاتھ کو سر سے بلند کرنا = حفاظت سر کی فکر نہ کرنا۔

(۴۳۴)

اک پھریری جو ترا خاک بسر لیتا ہے[۱] — تھام جبریل امیں اپنا جگر لیتا ہے
ساتھ اپنے کوئی اسباب سفر لیتا ہے — تو فقیر اُس گھڑی سرزانو پہ دھر لیتا ہے
چھیڑ چھاڑ[۲] اتنی اُڑا کون سکے اے قبلہ — برق سے دام کوئی مُشتِ شرر لیتا ہے
دیکھیے کیا ہو چلے جاؤ میاں اپنی راہ — کون یاں ہم سے غریبوں کی خبر لیتا ہے
باغباں کا یہ نہیں جُرم نصیب اپنے کو وہ — چھانٹ کر سب میں پکڑ میری کمر لیتا ہے
کوئی سرکار جنوں کو نہیں لازم نائب — کام ہیں جتنے وہ سب آپ ہی کر لیتا ہے
لہلہے کیوں نہ ہوں سبزے کہ سخن میرا کبھی — دایۂ ابر بہاری کے ہنر لیتا ہے
سینۂ نخل سے آتی ہو اُبل دودھ کی دھار — کھینچ اُس کا جو کوئی طفل تبر لیتا ہے
ہو وہیں پر لوک[۳] اُڑے بھان تو لاگھنشام — اُن کے پھُکنے کے لیے مول اگر لیتا ہے
نونہالانِ چمن کو ہو بھلا کیونکر چین — توڑ گل اُن کے کوئی کوئی ثمر[نہ] لیتا ہے
اُن کی قازیں بھی ترا نہ یہ سُنا جاتی ہیں — کہ تبر لیتا، تبر لیتا، تبر لیتا ہے

اِس زمیں میں وہ ہی اِک باغ لگا اب، اِنشا
جو کہ طوبیٰ کی بھی چوٹی[۴] کو کتر لیتا ہے

یعنی اور ایسی غزل لکھ کہ ہر اک مطلع چھُٹ — جس میں ہر پھر کے یہی آوے تبر لیتا ہے

(۴۳۵)

گھیر شاخوں کو جو کل زخمِ تبر لیتا ہے — چین تب قاطعِ اقسامِ شجر لیتا ہے

---

[۱] خاک بسر: عاشق سے مراد ہے + پھریری لینا: حالت وجد میں آنا، جذبۂ عشق کا اظہار کرنا۔

[۲] چھیڑ چھاڑ اُڑانا: مقابلہ کرنا۔

[۳] پر لوک ہو جانا + مرجانا + پھُکنے کے لیے یعنی لاش جلانے کے لیے + اگر: مشہور خوشبو۔

نسخہ ق ۳: "کوئی" اور "کوئی بر"۔ [۴] چوٹی کتر لینا: فوقیت لے جانا، بڑھ جانا۔

دیکھ جب پھل کی جگہ رشتہ تبر لیتا ہے
تب تو سکھ نیند یہ نجار پسر لیتا ہے

باغباں، خونِ جوانانِ چمن کی دولت
بوسۂ دستِ نگارینِ تبر لیتا ہے

میں تو انصاف پر اُس شخص کے غش کرتا ہوں
جو رگِ گل کے ڈرانے کو تبر لیتا ہے

قہر یہ باغ پر آیا کہ گل و بر کی طرف
جو کوئی ہاتھ اُٹھا دے تو تبر لیتا ہے

پھول یہ دیکھ ستم کے کہ درختوں کے تئیں
برلیا چاہے تو توڑا ایک تبر لیتا ہے

کیا غضب ہو کہ برو برگ کی جا اہلِ نظر
دیکھ ہر شاخ میں مقراض و تبر لیتا ہے

جتنی شاخیں کہ جھکی بار سے ہیں اب کے سال
ایک شخص اتنے ہی مول آج تبر لیتا ہے

اُنکی بے شاخ و برو برگ وہ کافر نجار
مول صد تیشہ و منشار[1] و تبر لیتا ہے

ہے برومند یہ بیداد کہ ہر شاخ سے توڑ
باغباں برگ کے عوض ایک تبر لیتا ہے

یاس یہ باغ میں چھائی کہ درختوں سے کوئی
برنوخاستہ چاہے تو تبر لیتا ہے

عوضِ برگ و بر اس دہر میں سر پر ہر نخل
ہائے کیوں صدمۂ منشار و تبر لیتا ہے

قحطِ ہیزم یہ ہوا ہے کہ وہ نجار پسر
بوسۂ دستۂ چوبینِ تبر لیتا ہے

حق تعالیٰ نے جو چاہا تو بس اِنشاء اللہ
ایک دن چھین ہی تیرا یہ تبر لیتا ہے

کہہ کہانی کے سمے کی غزل اِک اِنشا اور
کہ بلائیں تری یہ پچھلا پہر لیتا ہے

(۴۳۶)

اے پری تیرے مزے ایک بشر لیتا ہے
اور خرّاٹے پڑا دیو سحر لیتا ہے

تکیہ جو فضلِ خدا ساز پہ کر لیتا ہے
وہ سُبک رو کوئی گرد پنکھ کے پر لیتا ہے

اژدہائے شبِ یلدا کو کرے ہے ٹکڑے
اور اُن ٹکڑوں کو دھر زیرِ سپر لیتا ہے

اُس کو خواہش نہیں ہوتی ہے الوپ انجن[2] کی
باندھ کر سوت رہِ تارِ نظر لیتا ہے

---

[1] منشار = آرا۔

[2] الوپ انجن = ایک ایسا سرمہ جس کو لگا کر آپ سب کو دیکھیے اور کوئی آپ کو نہ دیکھ سکے۔

منہ پہ جوگی کے کھڑا ویں وہ پٹک مارے ہے
بس توکّل پہ فقط باندھ کمر لیتا ہے

نہ کوئی دیکھے اُسے اور وہ سب کو دیکھے
ٹوپی اِس روپ کی کب کوئی نڈر لیتا ہے

ضد سے ہر شاخ کی وہ بھتنے کی صورت نجّار
ہاتھ میں اِک کوئی نو من کا تبر لیتا ہے

فکر کی چیز تو رکھتا ہی نہیں کچھ اِنشا
خضرِ ہمّت کو فقط سامنے دھر لیتا ہے

(۴۳۷)

ہیں جو مرقّج مہر و وفا کے سب سرشتے بھول گئے
پھر گئے تم تو قول قسم سے اپنے نوشتے بھول گئے

جب دیکھو تب لاٹھی ٹیکے کھٹ کھٹ کرتے پھرتے ہیں
اُڑتے ہیں کوئی شیخ جی صاحب اُن کو فرشتے بھول گئے

اہلے گہلے پھرتے ہو صاحب سیرِ چمن میں اور تمھیں
اپنے تڑپتے زخمی سب خوں میں آغشتے بھول گئے

قاضی جیو کے دونوں بیٹے ہم سے کہیں گے ہر دہ مثل
"گھر میں فرشتے کے خارشتے" سو خارشتے بھول گئے

نسل بڑی آدم کی اِنشا، کون کسی کو پہچانے
باعثِ کثرتِ ہم دیگر کے ناتے رشتے بھول گئے

(۴۳۸)

یاں تیرے وصل میں بھی دم سرد ہی سو ہے
ٹپکے کے ڈر سے چہرہ وہی زرد ہی سو ہے

خالی نہیں یہ علمِ رمل بھی مزے سے، واہ!
واں بھی تو زوج اور وہی فرد ہی سو ہے

لہ اس شعر میں شیخ کے کبر سن کی طرف اشارہ ہے کہ کتنا ہی کہ ملک الموت شاید ان کو بھول گئے ہیں جب ہی سے یہ لکڑی کھٹ کھٹ کرتے پھرا کرتے ہیں اور اُڑتے ہیں یعنی مرتے ہیں یم بھینگی بجو ق ۳: "بولی"۔

لہ اہلے گہلے پھرنا = خوش خوش پھرنا۔ مزے سے خارشِ البال پھرنا + خوں میں آغشتہ = خون آلودہ مقابلہ کرو ۔

اُنھیں سنور اپنے زخموں کا دیکھ آنا تھا
گئے تھے سیرِ گل کو دیکھنا شوخی جہانے کی (غالب)

لہ مثل ہر فرشتے کے گھر میں خارشتہ یا ولی کے گھر میں شیطان۔

لہ اِس مصرعے میں ایک نحس اشارہ ہے جس کو ترک کیا جاتا ہے۔

لہ زوج و فرد = جفت و طاق۔ علم رمل کی اِصطلاحیں ہیں۔

کچھ اور بھی دوا ہو ترے پاس، اے مسیح
یا آفتاب ہی کی طلا در[1] د ہو سو ہو

شاکر نہیں ہو آدمی، یوں ہی سے مدام
اندوہ[2] حرّ و غدغۂ برد ہو سو ہو

یوں کہنے کو تو میاں مرد ہیں سبھی
پر سچ کہوں تو ایک جواں مرد ہو سو ہو

دیوار کیونکے پھاندیے، ناصح، کہ ایک سی
آوازِ پاسبانیِ شب گرد ہو سو ہو

انشا کمند پھینکنے والوں کی ٹوہ میں
نرسنگے[3] والا کافرِ بیدرد ہو سو ہو

(۴۳۹)

دل میں بدولت آپ کے اک درد ہو سو ہو
وہ آہِ سوزناک و دمِ سرد ہو سو ہو

مخدومِ پیرِ مردِ جہاں گشت کی نمط
اپنا خیال بھی یہ جہاں گرد ہو سو ہو

مجنوں تو سوکھ ساکھ کے اک خار بن گیا
لیلیٰ کا چہرہ مثلِ گلِ ورد ہو سو ہو

کھینچا کشش نے گرچہ انھیں مثلِ کہربا
پر عاشقوں کا رنگ وہی زرد ہو سو ہو

ہیں وہ کھلاڑی آپ کہ جس کی بساط میں
ہر سٹے[4] اک دغل کی گھسی نرد ہو سو ہو

جھوٹا یہ عہد نامہ پڑا کس دلیل سے
صاحب کی مُہر اور وہی فرد ہو سو ہو

ترس پر نشانی آپ کی، سنہ ہجری بھی وہی
اس سے نہ پھریے قولِ جوانمرد ہو سو ہو

درد اپنا ہر گھڑی ترے ہاتھوں سے اے عزیز
"دردے کہ دل بعشقِ تو می کرد" ہو سو ہو

انشا، نشانِ قافلہ کی کچھ خبر نہ پوچھ
بانگِ جرس ہو اور وہی گرد ہو سو ہو

(۴۴۰)

یہ پیاس اپنی بجھے برف سے نہ شورے سے
بجھے تو نرگسِ ساقی کے آبخورے سے

---

[1] اندوہ حر = گرمی کا رنج + دغدغۂ برد = سردی کی فکر۔ ف۔ نرد
[2] نرسنگے والا۔ سنکھ بجانے والا۔
[3] ہر سٹے = ہر موقعے پر، ہر بازی میں + دغل = بے ایمانی۔

نشے میں کیوں نہ کروں غش دکھا دیے تم نے
وہ دونوں دیدے مئے ناب کے کٹورے[1] سے

بلا سے جام نہ ہوئے نہ ہو کہ یاں ہم لوگ
چڑھا گئے ہیں گھڑوں کے گھڑے سکورے سے

لگا کے خوان میں بھیجا نہ کیجے کچھ چیزیں
خدا کے واسطے ہم گزرے لیسے تورے[2] سے

نہیں جو رات کے جاگے تو کیوں اُبھر آئے
یہ لال لال کچھ آنکھوں میں ڈورے ڈورے سے

بھرا جو میں نے دمِ سرد تو لگے کہنے
نرے ہی آپ دکھائی دیے چھچھورے سے

کل اُن کے پانو لگا دابنے تو یوں بولے
ہمارے سر کی قسم اور زور زور سے

یہی تو شغل ہر انشا کہ خط کے پردے میں
قلم چھپائیے کاغذ کے بند کورے سے

گھسیٹ ڈالیے جو ہمسرہ دار تا ملے
کہ ہاتھ پانو ہیں اُن کے بھی گورے گورے سے

(۴۴۱)

ہر آنکھوں پہ ساقی کی مئے ناب کی پھبتی
پھب جائے نہ کیوں مکھڑے پہ مہتاب کی پھبتی

نوکِ مژہ سے اشک لگے ڈھلنے بتدریج
تو نعرۂ دل نے کہی دُر لاب کی پھبتی

ہو چاندنی اِس لطف کے ساتھ آج کہ مے نوش
سب کہنے لگے لجّہ[3] مہتاب کی پھبتی

شفتالوے سیب و ذقن اب کیونکے نہ مانگوں
ہر لب پہ ترے دانۂ عنّاب کی پھبتی

مل خطِ شعاعی سے جو پھولوں کا پڑا عکس
پانی میں تو ہم نے کہی کمخواب کی پھبتی

جس پاس کہ سولاکھ روپے کا بھی نہ ہو ملک
اُس شخص پہ اصلا نہیں نوّاب کی پھبتی

اک گرگرینی اور روپے کے پنکھے پہ تو ہرگز
پھبتی نہیں اسکندر و دارا اب کی پھبتی

ہر چند تکلّف سے مخضّب ہوا زاہد
پر اس پہ نہیں کہنے کے ہم شاب کی پھبتی

غلیانِ دم[4] اُس لب کے تصوّر نے مٹایا
میں کیوں نہ کہوں شربتِ عنّاب کی پھبتی

---

[1] کٹورے سے دیدے آنکھ کی تعریف ہے۔

[2] تورا = اقسام کے کھانے جو تکلف کے ساتھ ایک ایک پیالہ خوانوں میں بھیجے جاتے ہیں۔

[3] لجّہ = سمندر یا دریا کی سب سے بڑی گہرائی۔ لجّۂ مہتاب یعنی چاندنی کا دریا۔ ن۔ کھڑکھڑکی۔

[4] غلیانِ دم = خون کا جوش۔ شربتِ عناب مسکّن غلیانِ دم ہے۔

یاں جس کے سبب منہ پہ ہوائی[1] لگی اُڑنے — اُن نے کہی اب آن کے مہتاب کی پھبتی

کیا لمعِ جبیں پر مرے نواب کے انشاؔ
چھپ جاتی ہو خورشید جہانتاب کی پھبتی

(۴۴۲)

یارب ترا ہی ذکر یہاں جب نہ تب رہے — ہر دم کے ساتھ ایک حرکت زیرِ لب رہے

بے چین میرے چھیڑے چھوئے سے نہیں ہوئے — سوتے ہی آپ رات نہایت کڈھب رہے

لکھا گیا یہ قیس کو ہم مغتنم بہت — جوں شمع لیلےٰ آج اگر شب کی شب رہے

تم تو نہ آئے اور یہاں انتظار میں — بہتیرے جام بادہ نمط جاں بلب رہے

ناشکر لوگ ہیں سو یہ ہم اُن کی گفتگو — ہر دم کے ساتھ سیکڑوں رنج و تعب رہے

پروردگار سے ہی رہے چشم داشت اُسے — جس کو مدام وردِ "امیر عرب" رہے

"تبت یدا ابی لہب" پڑھ کے اک عزیز — یک چند بھاگ کر کسی کونے میں دب رہے

لوگوں نے ڈھونڈ کر انھیں پوچھا تو بولے آپ — "واللہ مورے بھاگنے کا یوہ سبب رہے"

ہے "مالہٗ وما کسب" آیا قرآن میں — ای مال یعنی ہووے سو وہ ما کاسب رہے

اہل و عیال کھاویں ہیں پھر کہاں سے کچھ — مہنکا اِلٰہی فکر یہو روز و شب رہے[2]

انشاؔ بھلا وہ زاہد دیرینہ کیا کرے
خود جس کی جھانک تاک میں بنتِ العنب رہے

---

[1] منہ پر ہوائی یا ہوائیاں اُڑنا = چہرے کا رنگ فق یعنی سفید ہو جانا۔

[2] مورے = میرے۔ یوہ سبب رہے = یہ سبب تھا۔ اِی = یہ۔ مہنکا = مجھ کو۔ یہوٗ = یہ بھی۔ ان مذاقیہ اشعار کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص نے جب سورۂ تبت یدا سنی تو وہ بھاگ گئے۔ بھاگنے کا سبب پوچھا گیا تو انھوں نے کہا کہ جب قرآن میں "مالہ وما کسب" آیا ہے (اکسب کو وہ ماکاسب سمجھے) تو پھر سب مال ماں لے گی میرے بال بچے کہاں سے کھائیں گے یہی فکر مجھ کو دن رات رہتی ہے۔

بیاض ق ۳ : "پر تری ہے نور اب انشا"۔

(۴۴۳)

پگڑی تو نہیں، ہے یہ فرانسیس کی ٹوپی
یاں وقت سلام اُترے ہے ابلیس کی ٹوپی

ہے شیخ کے سر ایسی ہی تلبیس[1] کی ٹوپی
جس سے کہ پڑی کانپے ہے ابلیس کی ٹوپی

دیتے ہیں کُلاہ اپنے مریدوں کو جو صوفی
کہتے ہیں یہی تھی سرِ جرجیس[2] کی ٹوپی

سو کپکپی ہوئی یہ مُتغیّن کہ جہاں میں
ایسی تو نہ ہوگی کسی سائیس کی ٹوپی

ہُدہُد کو خوشی تب ہوئی جس دم نظر آئی
ہاتھوں میں سلیمان کے بلقیس کی ٹوپی

کل سوزنِ عیسیٰ میں پرو خط شعاعی
خورشید نے سی حضرتِ ادریس کی ٹوپی

کیوں واسطے جرّاب کے میری نہ ہو حاضر
غلمان کی اور حورِ فرادیس[3] کی ٹوپی

پریوں کے گھروں میں وہی چوری کے مزے ہیں
جن پاس ہو جنّوں کے جواسیس[4] کی ٹوپی

ممکن ہو تو رکھّو دیجے بنا کر ترے سر پر
زربفت و مہ و زُہرہ و برجیس کی ٹوپی

انگریز کے اقبال[5] کی ہے ایسی ہی رسّی
آویختہ ہے جس میں فرانسیس کی ٹوپی

انشا مرے آغا کی سلامی کو جھکے ہے
سُکّانِ سرا پردۂ تقدیس[6] کی ٹوپی

(۴۴۴)

جی چاہتا ہے شیخ کی پگڑی اُتار لیے
اور تان کے چٹاخ سے اِک دھول مار لیے

---

[1] تلبیس = مکر، فریب، دھوکا۔

[2] جرجیس = ایک پیغمبر کا نام (سینٹ جارج) ہے کہ وہ تکلیفوں کے ساتھ مارے جاتے تھے اور پھر حکم خدا سے زندہ ہو جاتے تھے۔

[3] فرادیس (فردوس کی جمع۔)

[4] جواسیس (جاسوس کی جمع) بہ ق ۳: "دھر"۔

[5] اس شعر سے یہ پتا چلتا ہے کہ انگریزوں اور فرانسیسیوں میں ہند و سنان میں جو لڑائیاں ہو رہی تھیں اُن میں انگریز جیتے تھے۔

[6] سُکّانِ سرا پردۂ تقدیس یعنی فرشتے۔

سوتوں کو پچھلے پہر بھلا کیوں پکاریے
دروازہ کھلنے کا نہیں گھر کو سدھاریے

کیا سر و اکڑ رہا ہے کھڑا جو سوار پر
ٹک آپ بھی تو اس گھڑی سینہ اُبھاریے

یہ کارخانہ دیکھیے ٹک آپ دھیان سے
بس سون کھینچ جائیے، یاں دم نہ ماریے

ناصح نے میرے حق میں کہا اہلِ بزم سے
بگڑے ہوئے کو آہ کہاں تک سنواریے

انشاؔ خدا کے فضل پہ رکھیے نگاہ اور
دن ہنس کے کاٹ ڈالیے ہمت نہ ہاریے

(۴۴۵)

تمارے ہات سے ساقی جو شیشہ توت گئی[1]
بلا ہوا کہ دگر تم بلا سے چھوت گئی

چہ جوت جوت دروغی کہ ناک فی دم ہے*
مغل جو تم سے ملا قسمت اُس کا پوت گئی

بسانِ بلبلِ شوریدہ اندریں باغم
بجاست ہچو عرب گر کہوں اموت گئی

مثالِ ماہیِ بے آب میں تڑپتی ہوں
نکل کے دل سے آں مہ بہ برجِ حوت گئی

چہ چیز جالۂ مکری ست زال محتالہ
جولے کے تارِ سخن را چو عنکبوت گئی

"غظامۂ نخرہ" چوں فدائے نخرۂ او
اور اُس کے زلف کی جو آنکھ چت سے توت گئی

جو اُس پری کو میں دیکھا یہی، کہا انشاؔ
کہ فوجِ غربلہ آئی، مغل کو لوت گئی

(۴۴۶)

کیا چیز بھلا قصرِ فریدوں مرے آگے
کانپے ہے پڑا گنبدِ گردوں مرے آگے

---

[1] یہ مذاقیہ غزل ایک مغل کے لہجے میں کہی گئی ہے جو اُردو نہیں جانتا تھا۔ اسی وجہ سے اس میں اکثر حروف جن کو وہ ادا نہیں کر سکتا ایسے حروف سے بدل گئے ہیں جن سے تمسخر پیدا ہوتا ہے۔ "اموت" (عربی: میں مرتا ہوں)۔ دل اور حوت، دو برجوں کے نام۔ زال محتالہ: مکار بڑھیا۔ فوجِ غربلہ یعنی ناز و ادا کرشمہ وغیرہ۔

* ق ۳: "چہ خوب خوب دروغی کہ ناک پہ دم ہے"

مرغانِ[1] اولی اجنحہ مانندِ کبوتر — کرتے ہیں سدا عجز سے غوں غوں مرے آگے
مطلق متوجہ نہ ہوں ہر چند گذر جائیں — صد قافلۂ لیلیٰ و مجنوں مرے آگے
تف بھی نہ کروں لاد کے گو گاؤ زمیں پر — لادے کوئی گنجینۂ قاروں مرے آگے
منہ دیکھیو جو نقارچیِ پیلِ فلک بھی — نقارے بجا کر کہے دوں دوں مرے آگے
ہوں وہ جبروتی کہ گروہِ حکما سب — چڑیوں کی طرح کرتے ہیں چوں چوں مرے آگے
بولے ہے یہی خامہ کہ کس کس کو میں باندھوں — بادل سے چلے آتے ہیں مضموں مرے آگے
ہے دورۂ گیتی جو بنا یہ کروی شکل — بے شبہہ و شک ڈھیلے کی چوں[2] چوں مرے آگے
مجرے کو مرے خسروِ پرویز ہو حاضر — شیریں بھی کہے آ کے بلاؤں[3] مرے آگے
بیتابیِ دل دیکھ کے سیماب سے بھر جائے — کف لادے اگر موجۂ جیحوں مرے آگے
کیا آ کے ڈراوے مجھے زلفِ شبِ یلدا — ہے دیوِ سفیدِ سحری جوں مرے آگے
وہ مارِ فلک کاہکشاں نام ہے جس کا — کیا تاب[4] جو بل کھا کے کرے فوں مرے آگے
ہے مرحلۂ خمِ غدیر آنکھوں میں چھایا — کیوں چھپ نہ رہے خم میں فلاطوں مرے آگے

میں شاہِ خراساں کے غلاموں میں ہوں الشا
مصروف رہے[5] موسیٰ و ہارون مرے آگے

(۴۴۷)

نشے میں آ کے جو گل مرشدِ مغاں سے لڑے — تو بس یہ سمجھو کہ ہم سارے ہی جہاں سے لڑے
بسانِ چرخ زناں[5] پیرِ چرخ تو کیا مال — جو حکم ہووے تو بندہ فرشتے خاں سے لڑے

---

[1] مرغانِ اولی اجنحہ (یا اولو اجنحہ) = بازوؤں والی چڑیاں یعنی فرشتے جو عرشِ اعظم کے قریب ہیں۔
[2] چوں چوں = بچوں کے بہلانے کا کھلونا۔
[3] بلاؤں = عورتیں جب کسی بڑے مرتبے والے آدمی سے بات کرتی ہیں تو اس لفظ سے ابتدا کرتی ہیں جس سے عجز و انکسار مقصود ہوتا ہے
[4] تاب = تسلیم و آداب۔ ☆ ق ۳: تکیا دخل
[5] مصروف رہے یعنی بحیثیت خادم مصروف رہے۔
[5] چرخ زناں = ناچنے والے۔ کیا مال ہے یعنی کیا حقیقت رکھتا ہے۔ چرخے کی بھی مال ہوتی ہے۔ جو فرق چرخ اور رمال میں فلک ہے۔

دعا یہ مانگتے ہیں اب کہ جس طرح سے رات ۔ ق خفا ہوا اپنے ہم اُس یارِ مہرباں سے لڑے
اُسی طرح سے اِلٰہی بہم ملاپ میں بھی وہاں، وہاں سے لڑے اور زباں، زباں سے لڑے
یہ رات آگئے غصّے میں حضرتِ اِنشاؔ،
کہ آگ بن گئے اور جملہ مے کشاں سے لڑے

(۴۴۸)

کر ڈالوں گا دیوار ابھی پھاند کے ٹکڑے دربان کے تیرے لیے اور چاند[۵] کے ٹکڑے
اُس طفلِ عرق کش نے گلاب آ کے جو کھینچا تو میرے لیے بھیجدیے ناند کے ٹکڑے
اُن میں سے کئی ہیں جو بنارس کے دوپٹّے، چٹکیلے تو رکھ چھوڑ دو، کر دو مانند[۱] کے ٹکڑے
اے بادۂ گلفام تری بھلّہ رے تیزی جس ناند میں تھی کر دیے اُس ناند کے ٹکڑے
ہو جال تو کیا چیز، یہ مست تو، اِنشاؔ،
کر ڈالتے ہیں ہاتھیوں کی پھاند[۲] کے ٹکڑے

(۴۴۹)

ہونی نہ تھی سو اے دلِ پُر درد، ہو گئی پوشیدہ بات چاہ کی بے پرد ہو گئی
دارو جو موتیا کی تھی شیشے میں، ساقیا ٹھنڈک سے ماہتاب کی، سب سرد ہو گئی
فرہاد، آفریں تجھے۔ گو جی دیا، و لے مشہور تیری بات، جواں مرد ہو گئی
ظاہر کی گرمیوں سے رہا کیا حصول پھر جب جانبین کی تہِ دل سرد ہو گئی
چمکی جو برق، وادیِ مجنوں کے ایک سمت لیلیٰ سیاہ خیمے میں تھی، زرد ہو گئی
مانع کمند پھینکنے کی آج رات کو آوازِ پاسبانِ شب گرد ہو گئی
ڈوبے ہوئے عرق میں تم آئے تو بزمِ عیش سب غرقِ بوئے عطرِ گل و ورد ہو گئی

۱؎ ماند = جن کا رنگ اُڑ گیا ہو یا ہلکا پڑ گیا ہو۔

۲؎ ہاتھیوں کی پھاند = ہاتھی پکڑنے کا جال۔ ن۔ کھاند

۵؎ چاند = چند یا کھوپری۔

جاری نہ ہووے دفترِ عالم میں دخل کیا — یاں دستخط حضور سے جو فرد ہوگئی
عاشق نے تیرے ایک دمِ سرد جو بھرا — خوبیِ نسیمِ صبح کی سب گرد ہوگئی

اِنشاؔ غزل اِک اور بھی لکھ یہ غزل تو خوب
ضربُ المثل میانِ زن و مرد ہوگئی

(۴۵۰)

گرمی کی جو شکوہ تھی سب گرد ہوگئی — دو چار بوندیوں میں ہوا سرد ہوگئی
آگے تو اہلِ درد سے ربطِ درست تھا — پر اب طبیعت آپ کی بیدرد ہوگئی
شاہِ جنوں نہیں بسرِ جوش اب کے سال — تھی اُس کی جتنی فوج سو نامرد ہوگئی
اِس داغِ دل کی شکل بھی سوزِ فراق میں — مانندِ آفتاب، جہاں گرد ہوگئی
اے مادرِ جہاں، ترے یمنِ قدوم سے — وضعِ چمن لبانِ ابی وردؔ[1] ہوگئی
کر آب پاشی آن کے اے ابرِ نوبہار — اوراقِ گل پہ جمع بہت گرد ہوگئی
کچھ اے بگولے، تجھ کو خدا کا بھی خوف ہے — اک پردہ دار جاتی تھی، بے پرد ہوگئی
پریوں سے چوپڑ آ کے جو اِنشاؔ نے کھیلی آج — پوشاکِ بیضیوں کی وہیں زرد ہوگئی
اُن میں وہ سبزہ رنگ ملیں، جن کے روپ پر — غش عندلیبِ گل کدہ پر و ر د ہوگئی
جوڑے گلابی ایسے پہن، بعضی آئیاں — شرمندہ جن سے بوے گلِ وَرد ہوگئی
کالی گھٹا کی جنتنیں ایسی ہی چھائیاں — بجلی کی گرمی، دیکھ جنھیں سرد ہوگئی

چتون کے ساتھ ساتھ لگی ہونے کود پھاند
ہر ایک چور آپ ہی واں نرد ہوگئی

(۴۵۱)

بھری وہ آتشِ عشق اِس دلِ فگار میں ہے — کہ لاکھ برق نہاں جس کے ہر شرار میں ہے

---

[1] ابی ورد ایک شہر کا نام جو ولایت ایران میں عرس کے قریب ہے۔ وَرد گلاب کو کہتے ہیں۔ مادرِ جہاں سے مراد غالباً بہار۔

مزا جو آپ کے پینے کے کچھ ابھار میں ہے
نہ سیب میں، نہ بہی میں، نہ وہ انار میں ہے*

خدا کے واسطے، اے صاحبو، کہو تو سہی
کہ ہم سے مہر و وفا بھی کچھ اِس دیار میں ہے

کسی نے اُس کی شکایت جو کی تو میں بولا
وہ کیوں نہ جبر کرے؟ کس کے اختیار میں ہے؟

ملے شراب جوانانِ باغ کو کیوں کر
کہ آپ، پیرِ مغاں، رنجشِ خمار میں ہے

ہمیں جو دستۂ نرگس انھوں نے کل بھیجا
تو اُس کے معنے یہیں جانِ انتظار میں ہے

لگی ہے مینہ کی جھڑی باغ میں چلو جھولیں
کہ جھولنے کا مزا بھی اِسی بہار میں ہے

سوائے آپ کے یاں کون پوچھے عاشق کو
وہ کس شمار میں ہے کون سی قطار میں ہے

جو ہم سے پوچھیں تیری جان ہے کہاں تو کہیں
ہماری جان تیرے موتیا کے ہار میں ہے

یہ کون پھوٹ کے رویا کہ درد کی آواز
رچی ہوئی جو پہاڑوں کے آبشار میں ہے

پیالہ دور کر اے ساقی اب تو رندوں کی
روانہ کشتیِ مے موجِ لالہ زار میں ہے

خرامِ ناز سے تک آپ کے کھو دیجے
اکڑ سما جو رہی سروِ جوئبار میں ہے

بگولے* وادیِ مجنوں میں اُٹھ رہے ہیں آج
مگر غبارِ لیلیٰ اُسی قطار میں ہے

کدھر سے آتی ہے آوازِ دوست، اے مُطرب
نہ نطق اُنگلیوں میں ہے نہ چوبِ تار میں ہے

یہ چاہیے کہ تبختر میں ہووے، سو معلوم
جو آدمی کو مزا عجز و انکسار میں ہے

مجھے یہ آج پری پیکروں نے لکھ بھیجا
کہ آیئے، چمنِ نرگسِ انتظار میں ہے

پھوہارِ مینہ کی خوش آیند ہے بہت اِس وقت
شراب پینے کا موقع اِسی پھوہار† میں ہے

مجھے یہ آٹھ پہر سوچ ہے کہ کیا ہوگا
یہ ایک گل، سو پھنسا سو کروڑ خار میں ہے

بہم نہ ملنے کے شکوے عبث ہیں آپس میں
ہر ایک شخص لگا اپنے کاروبار میں ہے

بدل کے قافیہ انشا لکھ اور تازہ غزل‡
کہ یہ غزل جو سنائی سو کس شمار میں ہے

---

* ق ۳: میں یہ شعر نہیں ہے۔
* ق ۳: "بھبوکے"۔
† ق ۳: "بہار" (بجائے پھوہار، دونوں جگہ)
‡ ق ۳: "اور ایک غزل"۔

(۴۵۲)

عجیب لطف کچھ آپس کی چھیڑ چھاڑ میں ہے
کہاں ملاپ میں وہ بات جو بگاڑ میں ہے

کھڑی جو کوئی کواڑوں کی اپنے آڑ میں ہے
تو کیا نمود جھگڑے کی اس دڑاڑ میں ہے

صبا یہ جا کے تو کہہ دیجو سیدِ مجنوں سے
کہ ناقہ شاہدِ محمل کا کھڑا اُجاڑ میں ہے

یہ کاش دیدۂ درباں کے بیچوں بیچ پھرے
نکیلی چول لگی تیرے جو کواڑ میں ہے

سکونت اپنی کدھر ہو سکے، کہ مجنوں تو
پڑا اُجاڑ میں ہے، کوہکن پہاڑ میں ہے

یہ مجھ سے کہنے لگے ایک شخص تھے جو اکول[1]
مزا جو پوچھیے سیج بُج، تو جولھے بھاڑ میں ہے

ہزار طرح کی فکریں خراب کرتی ہیں
غرض نہ پوچھو کہ انسان کس لتاڑ میں ہے

گھر آئے شور سے دل بادل آج دیکھ انشا
کہ بے طرح سے پھنسی برق بھیڑ بھاڑ میں ہے

(۴۵۳)

مت ہاتھ اٹھا اپنے تو بسمل کے گلو سے
تا آبِ دمِ تیغ لبِ زخم تو چوسے

کیا اُن کو سروکار بھلا جام و سبو سے
وہ مست کہ ہو نشہ جنھیں نعرۂ ہُو سے

تارِ رگِ گل بھی نہ میسّر ہو، تو جرّاح!
باز آئیے چاکِ دلِ بلبل کے رفو سے

اے شوخِ پری چہرہ عجب لطف ہو جس دم
میں ہونٹ ترے چوسوں مرے ہونٹ تو چوسے

تو سایہ فگن ہووے تو جوں سروِ چراغاں
ظاہر ید بیضا ہو مرے ہر سرِ مو سے

آہِ دلِ عاشق بھی، دمِ گریہ، کسی طرح
کچھ کم نہیں، اے فاختہ، سروِ لبِ جو سے

تم تم یہ ترانے کے سے کیا بول ہیں، صاحب
نفرت جو مجھے "تم" سے ہے سو وہ نہیں "تو" سے

ہم نے تبھی جانا کہ کیا کوچ کسی نے
اک ابرِ سیہ اُن کے جو اٹھا سرِ کو سے

میں جھوٹ نہ بولوں گا مجھے تم سے ہے اُلفت
بیٹھا طرفِ کعبہ ہوں اس وقت وضو سے

---

[1] اکول = پیٹو۔ بہت کھانے والا۔

کر قتل شہیدِ اُلفت کو یہ بولے ہر بوے شراب آتی مجھے اِس کے لہو سے

اِنشاؔ یہ جو ہر ریختہ گوئی کی عمارت
تو اِس میں لگا اور فصاحت کے مجوسے[1]

(۴۵۴)

معلوم نہیں روٹھے ہیں کس آئینہ رو سے پانی جو اُترتا نہیں غنچوں کے گلو سے
کیوں کر نہ لپٹ جاؤں صراحی کے گلو سے بیعت مجھے پھر تازہ ہوئی دستِ سبو سے
اے حضرتِ خضرؑ اُن کو بھلا روند سکے کون سبزے جو اُگیں آپ کے اِس آبِ وضو سے
ناصح مجھے مت چھیڑ کہ رکھتا نہیں ہرگز کچھ چاکِ گریبانِ سحر کام رفو سے
اب کوئی ہُما ہو تو اُسے ذبح کریں ہم تعویذ بہت لکھ چکے ہُدہُد کے لہو سے
ہو اِک سرِ موحید رِ صفدر سے جسے بغض الحق کہ وہ کافر ہے احادیث کی رو سے
عُقبیٰ کی بھی کچھ فکر ہے انسان کو لازم مرغی کی طرح بیٹھ کے انڈے ہی نہ تو سے
مشعل سے کوئی غولِ بیاباں کی جو ڈھونڈے تو بھی نہ ملیں شیخ جی صاحب سے مٹھو سے
ہے عشق کی وہ راہ کہ اب جس کی بدولت ہیں بڑھ چلے چیلے کئی اِک اپنے گرو سے
کیا غم ہے، اگر خیر نہیں آنکھ لڑاتی یہ زگسِ شہلا تو فقیروں کے کدو سے[2]
دولت سے ترے حُسن کی اے فتنۂ آفاق تھے دوست مرے جتنے وہ بن بیٹھے عدو سے

اب قافیے باندھ اور ہی انداز کے، اِنشاؔ
ہے تجھ کو گذرنا شعرا کے سرِ کو سے

(۴۵۵)

چین آوے نہ کیوں ایسے پریزاد کی بو سے بن مانگے دیے جن نے مجھے آن کے بو سے

---

[1] مجوسا = وہ کھڑی لکڑی جو دیوار کی مضبوطی کے واسطے لگائی جاتی ہے۔

[2] فقیروں کے کدو سے = فقیروں کی بلا سے (بازاری)

اب بیچ کے لوگوں کی تو کیا چاہیے منّت — دل ہم نے دیا تھا سو انھیں کے تو بھروسے
معقول، پہ خوش، واچھڑے، انصاف کی خوبی! — جو شخص دعائیں تجھے دے تو اُسے کوسے
کیوں، کس لیے کس واسطے، آزردگی اتنی — باللہ کہ تنگ آئے ہیں ہم آپ کی خو سے
کیا کیجیے بن بوے رہا تو نہیں جاتا — اللہ کہاں تک کوئی اِس دل کو مسوسے
شیشے نہ ہوں دس بیس تو مستوں کی تسلّی — ساقی کوئی ہوتی ہر بھلا ایک سے، دو سے
ہر ایک قناعت کو فقط نانِ جویں بس — درکار نہیں اُن کو تکلّف کے سموسے
امرد[1] نہ کبھی کہیے مہ و مہر کو ہرگز — ہیں یہ بھی اُسی زمرے میں جو ہوتے ہیں کھوسے
کچھ فائدہ بھی بحث سے، اے ناصحِ مشفق — آتے ہو نظر تم مجھے کچھ بیدہ گو سے

اِنشا، غزل ایک، اور قوافی میں، تو کہہ ڈال
داد اُس کی بھی مانگ آکے ہر اک ریختہ گو سے

(۴۵۶)

ہو تو بہ شکن آج، دلا، تو سرِ نو سے — کپڑوں پہ چھڑک مے کو، اُڑا شمع کی لو سے
ہر عاشقِ صادق یہ ترا ایک بہادر — دس بیس تو کیا چیز، وہ ڈرتا نہیں سَو سے
اک بوسے پہ، دل، تجھ کو لگا دیتے ہیں ہم یوں — جیسے متمتّع ہو کوئی مالِ گرو سے
کر بیٹھے ہیں فضلِ خدا ساز پہ تکیہ — جب بن نہ پڑی بات کچھ اپنی تگ و دو سے
جانِ اہلِ توکّل انھیں اشخاص کو جو ہیں — محفوظ پیاز و نمک و گردۂ[2] جو سے
کیوں مغز پھراتے ہو مرا، ناصحِ مشفق — گر بخشیے جا کر تو کسی حرف شنو سے
یاد آتے ہیں اِک پیرِ مغاں کے مجھے ابرو — ہر اس سبب اِفراطِ محبّت مہ نو سے
اے دل، وہ خوشا کشتۂ بروِ مندکہ جس کو — خطرہ ہی نہیں تہلکۂ وقتِ درو سے

افواجِ گل و لالہ میں ہر زلزلہ، اِنشا
اس بادِ بہاری کی سواری کے جلو سے

---

[1] امرد = جوان لڑکا جس کے ابھی داڑھی مونچھیں نہ نکلی ہوں۔ کوسا یا کھوسا = وہ مرد جس کے داڑھی نکلی ہو یا بہت ہی کم بال تھوڑی پر ہوں۔
[2] گردہ جو = جو کی روٹی۔

(۴۵۷)

یہ نہیں برق، اِک فرنگی ہے — رعد و باراں قشونِ جنگی ہے
کوئی دنیا سے کیا بھلا مانگے — وہ تو بے چاری آپ ننگی ہے
واہ دلّی کی مسجدِ جامع — جس میں براق فرشِ سنگی ہے
حوصلہ ہے فراخ رندوں کا — خرچ کی پر بہت سی تنگی ہے
لگ گئے عیب سارے اُس کے ساتھ — یوں کہا جس کو "مردِ بنگی[1] ہے"
ڈر و وحشت کی دھوم دھام سے تم — وہ تو اک دیونی د بنگی ہے
جوگی جی صاحب، آپ کی بھی واہ — دھرم مورت عجب کُڈھنگی ہے
آپ ہی آپ ہے پکار اُٹھتا — دل بھی جیسے گھڑی فرنگی ہے
چشمِ بد دور، شیخ جی صاحب — کیا اِزار آپ کی اُٹنگی ہے

شیخِ سعدیِ وقت ہے اِنشاؔ
تو ابوبکرِ سعدِ زنگی[2] ہے

(۴۵۸)

شب خواب میں دیکھا تھا مجنوں کو کہیں اپنے — دل سے جو کراہ اُٹھی لیلیٰ کو لیا تپ نے
دیکھے ترے جلوے کو باہن کی جو بیٹی بھی — منہ سے وہیں کلمے کو یک بار لگے جپنے
ہے جنسِ پری ساکچھ، آدم تو نہیں اصلا — اِک آگ لگا دی ہے اِس امردِ خوش گپ نے
اِس طرح کے ملنے میں کیا لطف رہا باقی — ہم اُس سے لگے رکھنے، وہ ہم سے لگے چھپنے[3]
ہنگامِ سخن سنجی آتش کے زبانے[4] کو — شعر مندہ کیا، اے دل، اُس شوخ کی گپ شپ نے

---

[1] بنگی = بھنگ پینے والا، بھنگڑ۔
[2] شیراز کا بادشاہ ابوبکر سعد زنگی۔ شیخ سعدی سے کے مربی تھے۔ یہاں مخاطب نواب سعادت علی خاں ہیں۔
[3] چھپنا۔ (بالفتح) = کسی سے الگ الگ رہنا۔
[4] زبانۂ آتش = آگ کی لو۔

ہر امر میں دنیا کے موجود جدھر دیکھو — آدم کو کیا حیراں شیطان کی لپ جھپ نے
گرمی سے مرے دل کی اِس موسمِ سرما میں — یہ گنبدِ گردوں بھی یک بار لگا تپنے
رہ وادیِ ایمن کی لیتا ہوں کہ گھبرایا — اِس دل کی بدولت یاں مجھ کو طرح[1] جپ نے
ہر ہم سے بھی ہو سکتا جو کچھ نہ کیا ہوگا — مجنوں سے جفا کش نے، فرہاد سے سرکھپ[1] نے
چل ہٹ بھی پرے بجلی، دل بادلوں کو لے کر — دہلا ہی دیا تیری تلواروں کی شپ شپ نے

کب تک نہ کراہوں میں نالے نہ بھروں کیوں کر
میں کیا کروں، اے اِنشا، اب جی ہی لگا کھپنے

(۴۵۹)

مل گئے پر حجاب باقی ہے — فکرِ ناز و عتاب باقی ہے
بات سب ٹھیک ٹھاک ہے، پر ابھی — کچھ سوال و جواب باقی ہے
گرچہ معجون کھا چکے، لیکن — دورِ جامِ شراب باقی ہے
جھوٹے وعدے سے اُن کے یاں اب تک — شکوۂ بے حساب باقی ہے
گاہ کہتے ہیں شام ہو دے، ابھی ق ذرۂ آفتاب باقی ہے
پھر کبھی یہ کہ ابر میں کچھ کچھ — پرتوِ ماہتاب باقی ہے
ہے کبھی یہ کہ تجھ پہ چھڑکیں گے — جو لگن میں شہاب باقی ہے
اور بھڑکے ہے اِشتیاق کی آگ — اب کسے صبر و تاب باقی ہے
اُڑ گئی نیند آنکھ سے، کس کو — لذتِ خورد و خواب باقی ہے
ہے خوشی سب طرح کی، ناحق کا — خطرۂ اِنقلاب باقی ہے
ہے وہ دل کی دھڑک سو جوں کی توں — جی پر اُس کا عذاب باقی ہے
جو بھرا شیشہ تھا ہوا خالی — پر وہ بوئے گلاب باقی ہے
اپنی اُمید تھی، سو بر آئی — یاس شکلِ سراب باقی ہے

---

[1] سرکھپ = سر کھپانے والا - سر کی بازی لگا دینے والا۔

ہو یہی ڈول جب تک آنکھوں میں دم بیانِ حباب باقی ہے
مثلِ فرمودۂ حضورِ انشا
پھر وہی اضطراب باقی ہے

(۴۶۰)

یاں زخمیِ نگاہ کے جینے پہ حرف[1] ہے ہر دل پر اپنے زخم کہ سینے پہ حرف ہے
زرخرچیاں کہاں تلک اپنی بیاں کریں قارون کے بھی یہاں تو خزینے پہ حرف ہے
ملتے تھے چوتھے پانچویں، وہ وقت تو گیا اب یہ کہ چار پانچ مہینے پہ حرف ہے
کیا دخل، وہ جو ہاتھ سے میرے پیں شراب واں کہتے کہتے بات بھی پینے پہ حرف ہے
طوفانِ اشک، نوحِ علیہ السّلام سے بولا کہ آپ کے بھی سفینے پہ حرف ہے
ناچیز آپ جانتے ہیں اِس قدر مجھے اُلفت تو جاوے بھاڑ میں، کینے پہ حرف ہے
ناصح جگر کے زخم کو جرّاح کیا سیے یاں سوزنِ مسیح کے سینے پہ حرف ہے
یاں ہر بُنِ مسام میں خوننا بہ ہے رواں نکلے تو خوں ہی نکلے، پسینے پہ حرف ہے
اِنشا کی مُہر پڑھیے بھلا آشنا سوا ق کندیدہ کوئی اِس کے نگینے پہ حرف ہے
اب دھیان کر کے دیکھیے کیا ہی گٹھا ہوا
اِس کا ہر ایک، اپنے قرینے پہ حرف ہے

---

[1] حرف ہونا (کسی بات پر) = معیوب ہونا۔

رُباعیّات

انشا نے فارسی اور اُردو دونوں زبانوں میں رباعیاں کہی ہیں۔ یہاں صرف اُردو کی رُباعیاں دی جاتی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انشا رباعی، قطعہ، مخمس، مسدس وغیرہ کے مرد میدان نہ تھے۔ اُن کی رباعیاں بالکل سادی پھیکی اور بے مزہ ہیں۔ ان میں کوئی نکتہ یا وہ تڑپ نہیں ہے جو رباعی کی جان ہے۔ رباعی کی خوبی یہ ہے کہ اس میں اخلاق، تصوّف، یا مذہب کا کوئی نکتہ یا کوئی رندانہ، مستانہ، اور آزاد خیال چند الفاظ میں مختصر اور جامع طور پر اس انداز سے ادا کیا جائے کہ سُننے والا عش عش کرنے لگے وہ اس کے دل میں اُتر جائے جس کو وہ کبھی نہ بھول نہ سکے جو سامع کی معلومات میں ایک غیر متوقع طور پر کوئی دلچسپ اضافہ کرے۔ اور اُس کا چوتھا مصرعہ بہت بلند ہو جیسا کہ منیر لاہوری نے رباعی کی تعریف میں ایک جگہ لکھا ہے ع ہر مصرعہ او بود چہارم مصرعہ۔

آپ کہیں گے کہ یہی بات قطعہ میں بھی ہو سکتی ہے یا ہونا چاہیے۔ بیشک قطعہ بھی مثل رُباعی کے اظہار خیالات کا ایک نام ہے جو محدود الفاظ میں سلسلہ بندادا کیا جاتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ رباعی دو بیتوں سے زیادہ بڑھ نہیں سکتی (اسی لیے اس کو دوبیتی بھی کہتے ہیں) اور ایک خاص مقرّرہ انداز میں جس کو وزن یا بحر کہتے ہیں وہ خیال ادا کیا جاتا ہے۔ مگر قطعہ کے لیے نہ تو مقرّرہ تعداد کے اشعار کی قید ہے نہ کسی خاص وزن یا بحر کی مضمون کے اعتبار سے بھی قطعہ بہ نسبت رُباعی کے زیادہ وسیع ہے کیوں کہ اُس میں ہر طرح کا سلسلہ بند خیال باندھا جا سکتا ہے۔

انشا کی پہلی پانچ رباعیاں "طلب باراں" میں ہیں۔ جو ایک نہایت خشک مولوی مضمون ہے۔ اس کے بعد کچھ بامذاق رُباعیاں "اجنا" اور "اجناس" کی تحقیق میں ہیں۔

جن کی نسبت آبِ حیات میں ہے "اعلیٰ درجے کے اہلِ انشا میں ایک مولوی صاحب تھے انھوں نے فردِ حساب میں "اجناس" کو "اجنا" لکھ دیا۔ سعادت علی خاں تو ہر شے پر نظر رکھتے تھے۔ ان کی بھی نگاہ پڑ گئی۔ مولوی کو جواب دینے پر کمال ہوتا ہوا انھوں نے کچھ قاموس کچھ صراح سے اجنا کے معنی بتائے۔ کچھ قواعد نحو سے ترخیم میں لے گئے۔ نواب صاحب نے انھیں اشارہ کیا۔ انھوں نے مارے رباعیوں اور قطعوں کے اُلٹ کر دیا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" اب وہ رباعیاں سنیے!

(۱)

یارب بطفیلِ اشکِ چشمِ زہراؑ — فرما دے ابھی، اِک ابر آوے گہرا
جل تھل بھر جاویں ہووے خلقت سرسبز — لگ جاوے اِسی گھڑی، جھڑی کا لہرا[1]

(۲)

ہو خشک پہاڑ کی بھی چھاتی یارب! — یہ گرم ہوا نہیں خوش آتی یارب!
کر ابرِ کرم کو حکم برسے، ورنہ — ہو گاؤ زمیں کی جان جاتی یارب!

(۳)

یا بارِ الٰہ مصطفےٰ کا صدقہ — اولادِ بتول و مرتضیٰ کا صدقہ
برسا دے مینہ، ہری بھری ہو خلقت — یارب شہدائے کربلا کا صدقہ

(۴)

جس وقت بُرے بھلوں کو رونا آوے — خلقت کے جگر جلوں کو رونا آوے
برسے، برسے ہی برسے مینہ، نہ برسے کیوں کر + — کس طرح نہ بادلوں کو رونا آوے

(۵)

روپا برسائیں گے روپہلے بادل — سونا برسائیں گے سنہلے بادل
اُمید نہ توڑ حق سے، اِنشاءاللہ — آ پہونچے وہ دیکھ اہلے[2] گہلے بادل

---

[1] لہرا = تسلسل۔ [2] اہلے گہلے = بے تکلف۔ کثرت سے۔

+ ق ۳: "برسے ہی برسے مینہ"

(۶)

کیا ہاتھ ہلا کے پوچھتے ہو: ہم خوش؟ ہم جیسے ہیں خوش، کبھی نہ ہوگا کے[1] خوش
بس چلکے ہی پڑتے ہیں نشے کی دھن میں مے پی کے مزاج ہو رہا ہے خوش

(۷)

اجناس کے موقعن میں اجنا دیکھو[2] سلمائے علوم کا یہ سجنا دیکھو
اجنا چیزے ست کاں بروید زِ زمیں یوہ تخمِ لغت کا تو اُپجنا دیکھو

(۸)

اجناس کی جا، گیا جو اجنا لہرا گھر آیا لغت کا ایک بادل گہرا
تصویرِ ملہار کی دکھائی پھر تو تفصیل نہ ٹھہری، راگ[2] مالا ٹھہرا

(۹)

دستارِ لغت تمھیں نہ سجنا آیا اجناس میں کو دیکھوں کے اجنا آیا
اجنا کوئی ڈھول والا ہوگا، اُس کا کاغذ میں کہاں یہ ڈھول بجنا آیا

(۱۰)

اجناس کے بدلے لکھیے اجنا کیا خوب قاموس کے رعد کا گرجنا کیا خوب
ازروے لغت نئی اُپج کی لی ہے اُس تان کے "پنچم" کا اُپجنا کیا خوب

(۱۱)

بدلے اجناس کے جو اجنا لکھیے بادل کے گرجنے کو بھی گجنا لکھیے
اجنا رجنا کے باپ[ب] کو کیوں کر دے ٹک آپ ہی اُن کا یاں یہ سجنا لکھیے؟

(۱۲)

اجناس کی فرد پر یہ اجنا کیسا یاں ابرِ لغات کا گرجنا کیسا

---

[1] قدیم شاہان ایران جن کے نام کے پہلے لفظ کے تھا۔ مثلاً کیخسرو۔ کیقباد وغیرہ۔
[2] راگ مالا: وہ کتاب جس میں راگ کے اصول مندرج ہیں۔ + م: "پنچم"
[3] یہ رُباعی آبِ حیات آزاد میں ہو جس کی ردیف "آیا" ہے۔
[ب] ق ۳: "کی بات کو"۔

گوہوں اجنا کے معنی: جو چیز اُگے پر ہو یہ نئی اُپج۔ اُپجنا کیسا

(۱۳)

ترخیم کے قاعدے کا سجنا لکھیے اور اپنے خر و جنا کو خجنا لکھیے[۱]
منظور "اجی نہ لکھیے" لکھنا ہووے تو کر کے مُرخّم اُس کو اجنا لکھیے

(۱۴)

بھاتا ہر بھوک پیاس سب کچھ سہنا اور روزے میں اِنتظارِ مغرب رہنا
آپس میں سحر گہی کی چُہلیں اور پھر "بالصومِ غداً نویتُ" اُن کا کہنا[۲]

(۱۵)

میں کوچۂ عشق کی جو کرتا ہوں سَیر آرام سے اور اس سے تو ذاتی ہر بیر
ہر لحظہ مری زباں پہ جاری، اِنشا "ربِّ یسر" ہر اور "تمّم بالخیر"[۳]

(۱۶)

اِحرام میں "لبّیک وسعدیک"[۴] سے دل خوش کرتے ہیں گو کعبہ رواں فعال سب مل
ناقوسِ صنم سے ہم بھی یہاں سنتے ہیں: سُبحانک ما خلقتَ ہٰذا باطلاً[۵]

(۱۷)

ہر اُنس مجھے تو سب سے ہر کس سے بیر کعبے میں بہت رہا، ہر اب قصد دیر
اے زاہدو برہمن نہیں ہر کچھ فرق یہ بھی اک سیر ہیگی وہ بھی اِک سَیر

(۱۸)

تھیں جس کے لیے وہ چہلیں تھیں بس کے لیے ویسا پھر کون ہو کہ ہوں جس کے لیے

---

[۱] "خر و جنا" یعنی گدھا اور اُس پر جو میوہ لدا ہوا ہو (۹)
[۲] "بالصومِ غداً نویتُ" (نیت کی میں نے کہ کل روزہ رکھوں گا)۔
[۳] "ربِّ یسر وتمّم بالخیر" (اے اللہ، آسان کر دے اور خیر کے ساتھ تمام کر۔)
[۴] "لبّیک وسعدیک" (میں حاضر ہوں اور مطیع ہوں)
[۵] یہ قرآن کے اِس فقرے کا اقتباس ہو: "ربّنا ما خلقتَ ہٰذا باطلاً سُبحانک ..... (اے ہمارے پروردگار تو نے اس عالم کو بے فائدہ تو نہیں بنایا۔ تیری ذات پاک ہو.....)

آرام و شکیب و صبر و طاقت سب گئے
روؤں پیٹوں بھلا میں کس کس کے لیے

(۱۹)

دین و دنیا و نام و عزّ و تمکیں
تسکینِ دل و قناعت و صبر و یقین
خلقت کو اپنی تو نے سب کچھ بخشا
اللہ! مگر ہم ترے بندے ہی نہیں

(۲۰)

زاہد جو ہیں ہر اُن کو طاعت پہ گھمنڈ
اہلِ دنیا رکھیں ہیں دولت پہ گھمنڈ
واقف ہوں نہ طاعت سے نہ دولت سے میں
ہر مجھ کو اگر تو تیری† رحمت پہ گھمنڈ

(۲۱)

ہر چند کہ ہیں بحسب ظاہر ہم کم
حق ہم میں ہر اور حق میں ناحق ہیں ہم
باور جو نہ ہووے زاہدوں کو دیکھیں
پُتلی میں آنکھ کی ہر سارا عالم

(۲۲)

غم نے ترے ایک دم نہ دل خوش چھوڑا
تھا صبر جو یار، اُن نے بھی مُنہ موڑا
جلتا ہر عجب طپش سے اِس سینے میں
اللہ! یہ دل ہر یا کہ پکّا پھوڑا

(۲۳)

آنے کا ترے خیال جد سے گذرا
دل صبر و حیا سے اپنی تد[1] سے گذرا
کب تک دیکھا کروں بھلا بیٹھا راہ
بس یار، کہ اِنتظار حد سے گذرا

(۲۴)

اپنی بھی نظر میں سب یہ گھاتیں ہینگی
ہاں تم ہو رقیب اور یہ راتیں ہینگی
کہتے جو ہو: تجھ کو میں بہت چاہوں ہوں
مُنہ پر کی میاں یہ ساری باتیں ہینگی

(۲۵)

ہاں مُنہ پہ کہیں تمھارے ہم سے ہر بیر
رہتے ہی نہیں ہو، ہائے اِک دم بے غیر

† ق: "بس مجھ کو ہر ایک تیری"

[1] جد = جب ۔ تد = تب ۔ (پرانی زبان ہے۔)

کچھ اور تو کیا کریں گے، لیکن ضد سے
دے بیٹھیں گے جی ہی ہم پھر اپنا بس خیر

(۲۶)

میزان میں قیاس کی ہُنر سے عاری
جو شخص ہیں، طالع نے انھیں دی یاری
اعلیٰ درجے کو پہنچے وہ، ہم رہ گئے
کیوں ہو نہ گرانمایوں کا پلّہ بھاری

(۲۷)

کافر یہ کہے ہر حق پرستی سے گذر
ناصح کہتا ہر جوشِ مستی سے گذر
اِنشاؔ جو تو مجھ سے پوچھے دونوں ہیں پوچ
جھگڑا کہیں چھوٹے، اپنی ہستی سے گذر

(۲۸)

میں نے جو کہا اُس سے یہ رو رو بھر آہ
صد حیف کہ دل سے دل نہ ہووے آگاہ
وہ ہاتھ کو پھیر اپنے منہ پر، بولا
سمجھوں گا بھلا تجھ سے میں، اِنشاؔ اللہ

(۲۹)

بھلّہ رے تمھاری شان، بھلّہ رے دماغ
بھلّہ رے تمھاری آن، بھلّہ رے دماغ
مجھ سے کبھی بات بھی نہ کرنی، اللہ!
بھلّہ رے دماغ، جان، بھلّہ رے دماغ*

(۳۰)

شب نعش پہ پروانے کی گریاں تھی شمع
اور آتشِ فرقت سے فروزاں† تھی شمع
اتنے میں پنک کے سر سے تاجِ زرّیں
دیکھو تو‡ سستی ہوگئی بے جاں تھی شمع

(۳۱)

میں نے جو کہا مری طرف تو دیکھو
دیتا ہوں وگرنہ جی ہی دیکھو دیکھو
غصّہ ہو لگے کہنے کہ ایں کیا، معقول!
خوبی خلطے کی واہ مُنہ تو دیکھو

(۳۲)

ٹھہرا ہے یہی جو دن ہے بھر ناجینا
ایسا مجھ کو تو کیا ہے کرنا جینا

---

* ق ۳: "بھلّہ رے تمھارے، جان، بھلّہ رے دماغ"۔

† ن: "معرفت سے سوزاں"۔ ‡ ق ۳: "دیکھوں تو"۔

جو دم کہ کٹے خوشی سے، سو بہتر ہے — آخر تو یہ لگ رہا ہے مرنا جینا

(۳۳)

لازم یہ ادا و ناز سہنا ہی نہ تھا — اور اُس کی طرف دیکھ کے رہنا ہی نہ تھا
اظہار کیا کہ چاہتے ہیں تجھ کو — کہہ بیٹھے ہم اُس سے جو کہ کہنا ہی نہ تھا

(۳۴)

لی چپکے سے میں نے جبکہ اُس کے چٹکی* — بولی کہ پڑے جان پہ تیرے پُٹکی[۱]
پھر دانت تلے گھُٹک کے ناخن یہ کہا — بس چل بے اَب آشنائی تجھ سے کُٹ کی

(۳۵)

عالم کے بھی طور ہم نے کیا کیا دیکھے — خوباں کے† لطف و جور کیا کیا دیکھے
شادی و غمی و ہجر و وصل، اے اِنشاؔ — کیا کیا دیکھیں گے اور کیا کیا دیکھے

(۳۶)

یوں میں نے سُنا کہیں، وہ کل ہی جاوے — اِس غصّے سے جان کیوں نہ جل ہی جاوے
گھبرا گھبرا کے دم لبوں پر آیا — اُف کیجیے اور بس نکل ہی جاوے

(۳۷)

جم جم[۲] تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام — جم جم تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام
اِس دَور میں ساقیا بہ تکرارِ نگاہ‡ — جم جم تو بیٹھے اور دے مجھ کو جام

(۳۸)

کی مے سے جو ایک بار توبہ، تو بہ — اے ساقی و اے بہار توبہ توبہ

---

* ق ۲: "اوس کو چٹکی"

† ق ۳: "کے بھی" + م: لہ، بہ تکرار نگہہ۔ مخزن فوائد: بہ تکرار نگہہ۔

[۱] پٹکی = پٹخکار۔ نفریں عورتوں کی زبان۔ کُٹ رہا گھُٹک کرنا۔ توڑ دینا۔ ترک کرنا۔

[۲] جم جم صاحب فرہنگ آصفیہ یہ لکھتے ہیں سلامتی اور دولت و اقبال کے ساتھ اور اس کے آگے لکھتے ہیں دیکھو دیوان اِنشا اور تعریف نواب دولھا"۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ رباعی نواب دولھا کی تعریف میں کہی گئی تھی۔ جم جم عورتوں کی زبان ہے اور اس لفظ کے معنی اس رباعی میں یہ لیے گئے ہیں (۱) مدت تک ہمیشہ (۲) دعائیہ یعنی سلامتی اور اقبال کے ساتھ اور (۳) خدا ایسا ہی کرے۔

بس کیجے معاف - مجھ سے تقصیر ہوئی — توبہ توبہ ، ہزار توبہ توبہ

(۳۹)

پھر عشق ہوا ہے میرے جی کا جنجال — ہر وقت رہے ہے مجھ کو اس کا ہی خیال
اب دھیان کہیں ہے اور چتون ہے کہیں — دل کا ہے اِن دنوں عجائب احوال

(۴۰)

جنّت کے فواکہ ہیں روپئے پیسے یوں — سمجھوں ہوں نصیبوں میں اگر اپنے ہوں
جو لذّت و لطف چاہو اِن سے لے لو — طوبیٰ کے سے پھل ہیں یہ کہ پھر جوں کے توں

(۴۱)

گذری دنیا میں خیر جیسی گذری — ہر طرح یہ غم میں ایسی تیسی گذری
پر وہاں کی خبر ملی نہ کچھ آج تلک — بیچارے مسافروں پہ کیسی گذری

قصائد

قصائد بھی مثل رباعیات کے زور دار نہیں۔ نہ اُن میں سوداؔ کی سی بلند پروازی و مضمون آفرینی ہو نہ ذوقؔ کی سی روانی و شیرینی۔ حق یہ ہو کہ اُردو کا کوئی شاعر صنف خاص میں سوداؔ اور ذوقؔ کا ہم پلّہ نہیں ٹھہر سکتا۔ مولانا محمد حسین آزادؔ جو شعرا کی تعریفیں خوب دل کھول کر کرتے ہیں۔ انشاؔ کے قصائد کی نسبت لکھتے ہیں:

"قصیدے بڑے دھوم دھام کے ہیں۔ الفاظ کی شکوہ طبیعت کی بلند پروازی کی کوئی حد نہیں۔" وغیرہ وغیرہ۔ مگر آگے چل کر لکھنا پڑتا ہو کہ "وہاں قصیدے کی متانت اور وقار کے اصول ہاتھ سے جاتے رہتے ہیں۔ اس میں کبھی تو کلام میں شوخی اور ایک قسم کا بانکپن پیدا ہو جاتا ہو کبھی مبتذل ہو جاتا ہو۔" اس میں شک نہیں کہ قصیدے بڑی دھوم دھام کے ہیں مگر یہ دھوم دھام الفاظ کی ہو نہ کہ خیالات کی لفظی ہو نہ کہ معنوی۔ انشاؔ کو عربی پر عبور تھا۔ اِس لیے عربی الفاظ بلکہ جملے کے جملے بے تکلف بول جاتے ہیں۔ مگر بعض موقع پر وہ الفاظ غیر مانوس ہوتے ہیں اور لغت گردانی کی ضرورت پڑتی ہو۔ مگر اِس میں بھی شک نہیں کہ زبان پر قدرت اور فارسی و عربی کا تبحّر اِن کے کلام کو بے ربط اور بدمزہ نہیں ہونے دیتا۔ الفاظ کے نگینے گو اچھے ترشے نہیں ہوتے مگر گرانقدر اور خوبصورت ضرور ہوتے ہیں جس سے زیورِ کلام بھدّے پن کے عیب سے محفوظ رہتا ہو۔

انشاؔ کے ممدوح بھی بخلاف سوداؔ اور غالب کے ممدوحوں کے بکثرت نہیں۔ حمد و منقبت اور نواب سعادت علی خاں والیِ اودھ کے علاوہ (جن کے دربار کے انشاؔ ایک مشہور رکن تھے) اُردو کا ایک قصیدہ بادشاہِ دہلی شاہ عالم کی مدح میں۔ ایک قصیدہ بادشاہِ انگلستان کی سالگرہ کی مبارک باد میں۔ ایک شاہزادہ

مرزا سلیمان شکوہ کی مدح میں اور ایک دُلھن جان کی تعریف میں ہے۔ افسوس ہے کہ آخر الذکر کا کچھ حال ہم کو نہ معلوم ہو سکا۔

(۱) حمد میں

اے خداوندِ مہ و مہر و ثریّا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق

بیٹھ کر مکتبِ ابداع[1] میں تو نے کھولے
دفعتہً نسخۂ افلاک کے جوں سات ورق

تذکرہ پھر تو ہوا مسئلۂ وحدت کا
عقلِ اوّل نے پڑھا تجھ سے مؤدّب ہو سبق

ذات کی کُنہ کو تفہیم کریں کیا اوہام
سیکڑوں نوع کے ہیں جس میں دقائق مُغلق

کیجیے گر نظرِ غور بہ انواعِ صفات
خیرہ ہو ذہن کہے ہے: یہ مسائل ہیں ادق

روح کو حکمِ تعلق بہ جسد فرمایا
تاکہ اشکالِ[2] ہیولا و صُوَر ہوں مُشتق

مزج سے چار عناصر کو یہ دی کیفیت
قیدِ ہستی نے کیا پردۂ اِملاق کو شق

خلقِ انساں کو کیا، نامیہ اُس کو بخشی
ہیئتِ جسم کو کر کے مُتشکّل زِ علق[3]

جلدِ دی لحم کی تصویں[4] کو تا غاذیہ سے
ایک پردے میں قُوا اخذ کریں اپنا حق

ہیں سب اعصاب و شرائین و رباط اِس لیے تا
روح کی آمد و شد کو نہ رہے رنج و دِقّ[5]

واسطے فائدے کے سب یہ بنائے اعضا
عاتِق[6] و کتف و ید و ساعد و رُسغ و مِرفق

سمع و ذوق و بصر و لمس و شم و وہم و خیال
بن کہے تو نے دیے ہم کو، کریم مطلق!

صدقے اِس بندہ نوازی کے تری ہم جاویں
باپ ماں ہوتے ہیں کب ایسے شفیق و مشفق

---

[1] ابداع = آفرینش۔

[2] اشکال - ہیولا صورِ فلسفے کی اصطلاحیں ہیں۔ ہیولا = مادہ / صور = صورت کی جمع۔

[3] علق = خون بستہ۔

[4] تصویں = مضبوطی + غاذیہ = کھانے کی قوت۔

[5] دق = دقت و تکلیف

[6] عاتق = کندھا۔ کتف = شانہ + ید = ہاتھ + ساعد = کہنی اور کلائی کے درمیان کا حصہ + رُسغ = کلائی + مرفق = کہنی۔

جوہرِ صنع سے ہیں تیرے، مقولاتِ عشر
سب اُمورات ہیں ہر آن رفیق و رفیق

فعل، ملک، اَین و متیٰ، باکم و کیف و ہم وضع
اِنفعال اور اِضافت ہر بہ ہر شے لحق

تیری سطوت کی جو وادی کو نظر بھر دیکھے
توسنِ وہم کو یک بارگی آجائے عرق

بحرِ مواجِ حقائق سے گذر کون سکے
ہاں اگر فضل ہو تیرا ہی بجائے زورق[1]

داورا، سچ کہ سزاوار پرستش تو ہے
بے شک و شبہہ سمیعنا و اطعنا الحق

روز و شب حضرتِ خلّاق، ترے حکم میں ہیں
عرش و لوح و قلم و شش جہت و ہفت طبق

بھلا رے قلعۂ اقطارِ سمواتِ علا
قاف[2]، پشتہ نہ ہو جس کا، نہ سمندِ خندق

ہر موالیدِ[3] ثلاثہ کو علیٰ قدرِ الحال
تیرے ہی فضل سے محصول سدادِ رمق

لطف فرما جو ترا فضلِ ہمایوں ہو ٹک
چشمِ تحقیر سے عنقا کی طرف دیکھے بق

فی المثل توسنِ ایام ولیالی پر بیٹھ
چرخ کو گر متوہم ہو کہ میرا ابلق

جلد ہی کیجیے مضمارِ حقیقت کی سیر
غیرتِ آدو ذہنی مجسّم ہو کہے اے احمق

سعیِ بے فائدہ سے کیا تجھے حاصل ہوگا
راہ لگ اپنی یہ صحرا ہے بڑا لق و دق

سیکڑوں طرح کی خلقت کو تو اے رازقِ کُل
بھیجتا نعمتِ الوان ہے بے طشت و طبق

تو نم فیض نہ چھڑکے تو میاہ الابحار[4]
اُڑ چلیں ابخرۂ ارض سے مثلِ زیبق[5]

حمد کے بعد یہ شکریہ ادا کرتا ہوں
شکر صد شکر ہے اے حمد و ثنا کے لائق

کہ مجھے دینِ محمدؐ میں کیا تو نے خلق
ورنہ تھے اور بھی انواع کے ادیان و فرق

قائلِ اُم و اب و روحِ قدس ایک گروہ
ہے، جسے عیسیِ مریم بھی کہے ہے افسق

راہبِ فاقہ کشِ اسلام کی گر بو پاوے
لوہو اپنا وہ کلیسا میں پیے مثلِ علق[6]

زندو استا کے ورق کھول کے سب گبر و مجوس
ذکرِ زرتشت سنا کرتے ہیں با فرطِ شبق[7]

---

[1] قاف یعنی کوہ قاف۔ [2] زورق = کشتی نما۔
[3] موالیدِ ثلاثہ = جمادات نباتات۔ حیوانات + سدرمق = قلیل غذا۔
[4] میاہ الابحار = سمندروں کا پانی + زیبق = پارا۔
[5] علق = جونک۔
[6] شبق = شوق۔

شرّ و وسواسِ شیاطیں سے بچالے مجھ کو
تیرے سایے میں چھپا آ کے ہوں اے ربِّ فلق[1]

نہ تو کچھ دین سے بہرہ، نہ مجھے دنیا سے
سُن لے اِس بندۂ انشا کی بھی اے میرے حق

وسعتِ رزق تفضّل ہو مجھے صحت ساتھ
جلد ایسی کہ نہ کرنی پڑے مجھ کو زق زق

رزق کے تو نے تکفّل کی قسم کھائی ہے
ہر قسم تیری تو اوفیٰ و ابرّ و اوفق[2]

عمر تا یکصد و سی سال عنایت ہو مجھے
لیک یہ شرط ہے اُس ساتھ نہ کچھ ہو بق بق

تاکہ مشغولِ عبادت رہے اِنشاءاللہ
ضائع اوقات کو کھو یا نہ کرے حق ناحق

اپنے اطفال و عیال و پدر و مادر ساتھ
روز و شب ورد و وظائف میں رہے مستغرق

مان اِس عرضِ تمنّا کو تجھے لازم ہے
خاطرِ احمدِ مختار و وصیِ برحق

قلمِ عفو مری لوحِ جرائم پر کھینچ
از پئے حیدرِ کرّار امامِ اصدق

کلمہ مُنہ سے، دمِ نزع مرے جاری ہو
جب تک آنکھوں میں رہے جان کی ذرّہ بھی رمق

ہاتھ سے ساقیِ کوثر کے پلا دینا جام
عطش روزِ قیامت سے نہ ہو مجھ کو قلق

اہلبیتِ نبوی کے لیے، اے بارِ الٰہ
کچھ نہ پہنچے مجھے آسیبِ جہنّم مطلق۔

(۲) منقبت میں

گرچہ افلاک کے سب پھونک دے اطباقِ آتش
مُنہ تو دیکھو کہ کرے آ مجھے احراق[3] آتش

نفسِ گرم وہ رکھتا ہوں کہ جس سے ہو جائیں
نسخۂ گل کے یہ مجموعہ اوراق آتش

آنکھ اگر مجھ سے ملا بیٹھے تو تقیید کو چھوڑ
بھاگ جاوے طرفِ عالمِ اطلاق[4] آتش

چشمۂ نور ہو ہر ایک شرر سے جاری
آگ دینے کو مرے جھاڑے جو چقماق آتش

---

[1] فلق = صبح کی سفیدی + شرّ و وسواس اور فلق میں تناسب ہے۔

[2] سب سے زیادہ وفا ہونے والی اور سچی اور موافق۔

[3] احراق = جلانا۔

[4] عالم تقیید = دنیا۔ عالم اطلاق۔ دوسرا عالم جہاں تقیید نہیں ہے۔

میں وہ دل سوختہ ہوں گرم خروش اے بلبل[1]
کہ مرے سامنے مطلق نہ ہو حرّاق آتش

حیدری نعرہ اگر ہند میں کھینچوں ہو مست
ہو گریزندہ سوے وادیِ قبچاق[2] آتش

گرچہ میں نوعِ بشر میں ہوں ولیکن حاشا
کر سکے میرے عناصر میں نہ اِلصاق[3] آتش

سابقہ جب سے مری آہ سے رکھتی ہے گرم
تب سے ہے برق شرر بار سے سبّاق[4] آتش

بے ادب ہو کے اگر مجھ سے کہے اے صاحب
ہے یہ مدّت سے جلا دینے کو مشتاق آتش

خواجہ خورشید کہ ہے باپ کی جاگہ اُس کے
صاف مکھ پھاٹ یہ کہہ بیٹھے "ہوئی عاق آتش"

میرے سینے کی اگر آگ سے واقف ہوتے
پوجتے رہتے سدا حضرتِ اِسحاقی آتش

برق وش میرے گناہوں پہ جو مارے چشمک
ہووے گردن زدنی لائقِ شلّاق[5] آتش

آنسو دو چار وہ رو ڈالوں ابھی گرما گرم
جس کی امواج[6] میں مشرف ہو باغراق آتش

خالقِ ارض و سما کا ہے وہ نوبت خانہ
کہ دُہل سینکنے کی جس کے ہے مشتاق آتش

ساتھ بجلی کے تڑپتے ہی کڑک اُٹھے ہے رعد
زورِ نقارہ ہے، یہ جس کی ہے مِطراق[7] آتش

غوطہ زن لجّۂ حیرت میں ہو فی الحال اگر
ہو مشرّف بہ قدمبوسیِ عُشّاق آتش

اپنے مولیٰ کی محبت میں ہوں میں مثلِ خلیل
کوئی ممکن ہے کہ دیوے مجھے شلتاق[8] آتش

"یا علیؑ" جب کہ زباں سے کہے اِنشاءاللہ
کرۂ نار میں سب بجھ کے ہو بیاق آتش*

---

[1] حرّاق = بہت جلانے والی۔

[2] وادیِ قبچاق یا دشتِ قبچاق ایشیا کے شمال مشرق میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جہاں کے لوگ مشہور ہے کہ بہادر اور بے رحم ہوتے ہیں۔

[3] اِلصاق = لگ جانا۔

[4] سبّاق = بہت آگے۔

[5] شلّاق = قدیم زمانے کے ترکوں کی ایک سزا۔

[6] جس کی امواج میں آگ کی بہت سخت گرمی ہو۔

[7] مِطراق = نقارہ بجانے کی چوب۔

[8] شلتاق = تکلیف، خرخشہ۔

* ق ۲: میں اس کے بعد کے اشعار نہیں ہیں۔

طائرِ سدرہ سے میں گرم سخن ہوں جس جا
کب کرے مثلِ کلاغ[1] آ کے وہاں غاق[1] آتش

آبخ دوزخ کی نہ پھٹکے مرے دامن کے گرد
گرچہ پیرو وہاں کی غضب شہرۂ آفاق آتش

کیوں کہ میں اُس کے غلاموں میں ہوں جس کا سُن نام
سوکھ کر خار مط ضعف سے ہو قاق[2] آتش

یعنی وہ شیرِ خدا صیدرِ صفدر جس کے
جملہ خدام سے پیش آئے بہ اخلاق آتش

روز و شب صفحۂ آفاق پہ جس کے ڈر سے
مادرا نہ کرے خاشاک پہ اِشفاق آتش

اُس کے اعدا کا جلانا جو نہ ہوتا منظور
خلق کرتا نہ کبھی حضرتِ خلّاق آتش

اُس کے ذمّے جو شفاعت نہ ہوئی ہوتی تو
دیتے عالم میں لگا معشرِ فسّاق[3] آتش

کیوں تپِ محرقہ دشمن کو نہ ہووے اُس کے
پھونک دینے میں ہر از زمرۂ اَحراق[4] آتش

اُس کی صمصام کے اوصاف میں مطلع وہ پڑھوں
چھوڑ دے سُن کے جسے نار کا رصداق آتش

ذوالفقار اُس شہِ دیں کی ہر باحقاق آتش
یہ وہ ہر آب کہ ایسی نہ ہو برّاق آتش

فرقِ[5] اعدا کو وہ جب کاٹے تو برش کے ساتھ
دوڑتی آوے وہ لپٹی ہوئی تا ساق آتش

نکلے اُس کے لبِ ہر زخم سے آوازِ حزیں
کسوتِ آب میں ہر وائے یہ حرّاق آتش

اژدہا شکل جہاں زہر وہ اپنا اگلے
رکھے اُس دشت میں خاصیتِ تریاق آتش

اُس کے دُلدُل کے تصدق ہوں کہ جس کا ہر نعل
ضو میں خورشید صفت ہو تو بہ اِشراق[6] آتش

اب دعائیہ پہ کر ختم قصیدہ اِنشا
کہ بٹھائی تھی مضامیں میں بہت شاق آتش

پاسبانی کرو تم میرے متاعِ دیں کی
کہیں ایسا نہ ہو، دے چپکے سے سرّاق[7] آتش

---

[1] کلاغ = کوّا + غاق = کوّے کی آواز

[2] قاق = بہت دُبلا۔

[3] معشرِ فسّاق = بدکار لوگوں کی جماعت

[4] اَحراق (جمع حرق) آگ۔

[5] فرق = سر + ساق = پنڈلی۔

[6] اِشراق = چمکنا، روشن ہونا۔

[7] سرّاق = چور، ڈاکو۔ مطلب: ایسا نہ ہو کہیں چور چپکے سے میرے متاعِ دین کو آگ دے دے۔

اپنے دروازے کا مجھ کو بھی مجاور کیجے
دل میں بھڑکاتی ہے یہاں شدتِ اشواق آتش

دیکھتے دیکھتے راہ آنکھیں پڑی جلتی ہیں[1]
دوستوں کے ہوئے عینین کے اَحداق آتش

لو بلا بھیجو ہمیں سوے نجف، بہرِ خدا
کہ جدائی کی تمھاری ہے بہت شاق آتش

روزِ محشر میں بھروسا ہو تمھارا جس کو
روزی اُس کی نہ کرے حضرتِ خلّاق آتش

جس کو سرکار کی اُلفت نہ ہو پھونکے اُس کو
رہے اِس امر میں یہ صاحبِ اِشراق آتش

بطنِ حُسّاد سدا نارِ جہنّم سے بھرے
دے اُنھیں رزق کی جا قاسمِ اَرزاق آتش

تا ابد طعمۂ[2] ثُعبانِ مبین ہو وہ لعیں
مطلقاً اُس پہ نہ ہرگز کرے اِنشاق آتش

فی المثل آپ کے حاسد کو ہو گر میلِ غذا
نان اُسے شعلۂ شر رشیر ہو قیماق[3] آتش

یا شہنشاہ حسین ابن علی کا صدقہ
نہ کرے عُنصرِ خاکی مرا احراق آتش

نزع کے وقت دکھانا مجھے اپنی صورت
تا نہ دوزخ میں مرے تن کی ہو مشتاق آتش

دیکھ جانا مجھے جنت میں، کئے ہو ناچار
بید ماغانہ مزاج اپنے کو نا چاق آتش

آپ کے ساتھ ہو فردوس میں اِنشاء اللہ
نہ کرے اُس کے عناصر میں کچھ اِحراق آتش

شعر اُس کے یہ بول اُٹھیں کہ ماشاء اللہ
لمعۂ نور سے رکھتی ہے یہ اِشراق آتش

آج تک ایسی بندھی ہے نہ بندھے گی گا ہے
جب سے وارد ہوئی از کشورِ میثاق[4] آتش

آتشِ آتش کی ردیف اُس میں یہ گرما گرمی
بیٹھی یوں جس کے قوافی میں بہ اِغلاق آتش

صاحبِ علمِ لدنّی[5] کا فقط ہے یہ فیض
ورنہ کب رکھتی ہے گنجایشِ اوراق آتش

فارسی میں وہ دھواں دھار قصیدہ سنوار
ساتوں دوزخ کو جلا جو کرے بیباق آتش

---

[1] عینین کے اَحداق = آنکھوں کے ڈھیلے۔

بیاض ن: "روزی کی جا"

[2] ثُعبان = اژدھا۔ قرآن شریف کی آیۃ "فاذا ھی ثعبانٌ مبین" کی طرف اشارہ ہے۔

[3] قیماق = بالائی۔

[4] کشورِ میثاق یعنی بدءِ آفرینش۔

[5] صاحبِ علمِ لدنی = آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔

قافیے اِس سے بھی صد چند ہوں مشکل جس کے　　چھوڑ کر بھاگے جسے صفحۂ آفاق آتش

(۳۴) منقبت میں

ہلاؤ مروحہ[۵۱] آہِ سرد کو ہر گام　　کہ دل کو آگ لگا کر ہوا ہُوا آرام
درِ وصالِ دل آرام دورۂ مسدود　　مراد مرحلہ گرد و ساوس[۵۲] و اوہام
اَلم مولّدِ[۵۳] سودا و درد گرد اگرد　　سوادِ دورۂ صحرا مصورِ دد و دام
وہ گردِ سودۂ الماس[۵۴] کل ہلال وار　　ہوا کا لطمہ محلِّ ہلاک ورطۂ سام
ہوا مسوّدۂ سرد آہ ہر سرِ مو　　محلِّ صدالم دورِ دل اصولِ سام
وہ آمد آمد گل عہد لالۂ حمرا　　مواد حادّۂ دم مسوّدِ احلام

احاطہ[۵۵] آگ کا وہ لال لال گرما گرم　　وہ لُو وہ دود، وہ اُس کا علودہ اُس کا کام
علو حوصلہ صاعد[۵۶] ہو کس طرح اللہ　　حمام روح کو طولِ امل کا ہر سو دام
ملال وسوسۂ مرگ و روح سرد و رگم[۵۷]　　مآل وحال وکلال وحواس اور آلام
ہوا و حرص سواس حد کو اور سورِ عمل　　حصول ہم کو وہ کس طور ہو آہم مرام
مگر محمد و مددگار داور رسل ہووہ　　مہ سماء کرم مہر سا[۵۸] طلعِ الہام

---

۵۱ مروحہ = پنکھا + ہوا ہوا یعنی چل دیا۔

۵۲ وسواس جمع وسوسہ + اوہام جمع وہم۔

۵۳ مولّد = پیدا کرنے والا + دود دام = چوپائے۔ رگ گرما گرم۔

۵۴ سودۂ الماس = پسا ہوا ہیرا + ہلاہل ایک زہریلا درخت + لطمہ = تمانچہ۔ ورطۂ سام = موت کا بھنور۔

۵۵ یہاں سے کچھ اشعار بزبان نزکی چھوڑ دیئے گئے۔

۵۶ صاعد = بلند ہونے والا۔ چڑھنے والا + حمام = کبوتر۔

۵۷ سرد رگم = یعنی گم ہے۔

۵۸ مہر ساطع = درخشندہ آفتاب۔

ہوا ارادۂ مداح اس طرح اس دم — کہ وا ہو سلسلۂ کاکل عروسِ کلام
کلام وہ کہ ہو وہ روح محملِ سلما — کلام وہ کہ وہ حاسد کو ہو رماحِ سہام[1]
کلام وہ کہ وہ ہو ماہ مصرِ اہل ولا — کلام وہ کہ مصور ہو جو رسا سرِ عام
کلام وہ کہ وہ ہو مورِ وسماعِ ملک — کلام وہ کہ وہ ہو مُسکرِ گروہ کرام[2]
کلام وہ کہ وہ ہو موسمِ گلِ احرار — کلام وہ کہ سکارا[3] کو ہو وہ کاسِ مدام
کلام وہ کہ ہو طورالکلام[4] اُس کا اسم — کلام وہ کہ کُل اس کا ہو صارَ دکّا کام
کلام وہ کہ ملوک الکلام کا ہو ورد — کلام وہ کہ وہ کُل ہو کلامِ مدحِ امام
مداد[5] مردمکِ حور و کلکِ سدرہ کو لا — کہ اُس کو مسطرِ الواحِ دادرِ اعلام
دورِ محوطہ[6] لا الٰہ الا اللہ — رسول کا ولد عم و حاکمِ احکام
اساسِ دہر کا ملاک[7] ارحم الرحما — امامِ کل وہ دلا سادہِ کرام و عوام
وہ سلک گوہرِ اسرار دادرِ دادار — وہ علم العلما وہ رہِ ہُدا کا ہمام
ہوا لامام وعم الرسول والدہ — امام عسکر و کرّار و حاملِ اعلام

ادھر کو دادرس مور ہو اگر وہ امام — اُدھر ہو مور دِ سرسام[8] کاسۂ سرِ سام

---

[1] رماح جمع رمح معنی نیزہ + سہام جمع سہم معنی تیر۔

[2] مُسکر = نشہ میں لانے والا + کرام جمع کریم کی بمعنی بزرگ۔

[3] سکارا = نشہ میں مست + کاسِ مدام = خراب کا پیالہ۔

[4] اس قصیدہ کا نام طورالکلام رکھا ہے + صارَ دکّا = اشارہ ہے آیۂ کریمہ کی طرف۔

[5] مداد = روشنائی۔

[6] محوطہ = دائرہ = احاطہ

[7] ملاک = بڑا مالک

[8] دادرس = خدائے تعالیٰ۔

[9] مور دِ سرسام ہو یعنی اس کو سرسام ہو جائے + کاسۂ سرِ سام = سام (پدر رستم) کی کھوپڑی۔

رہا یا مدد گارِ آدم و حوّا — رہا وہ مالک مولود و عالمِ ارحام
وہ مطر کوہ ہم کا علوم کا دما — دم ہلاک ہوا آمنہ و والدِ حام
ہوا مُسہّل آمال اہلِ عُسر و رہا — سرورِ والدۂ والد و دلِ اعمام
مُعلم ملکِ سدرہ سرورِ مسعود — کمال صدرِ مصلّا مکمّلِ اصوام
ہوا معطر و گل مسک ورہ ارم آسا — دراُس کا گل کدۂ روح حور و روح حدام
مسلّم اُس کو وسادہ رسول اکرم کا — عمادِ علم و درِ حلم و احکم الحکّام
گُلِ کلاہِ عُلا داورِ سراسر عدل — وداد اُو ہمہ وام آمد و مراد حمام
وہ مرد معرکہ آرائے دَور کو واحد — ولاورِ ہمہ عالم محرکِ اَعلام
امام حور و ملک ماہرِ علومِ رُسل — سرورِ روحِ محمد مؤسسِ اسلام

ممدّ و مالک معلوم تُو اراد اللہ — ملال اُس کا کر و دور دل کو دو آرام

مُطاعِ دہر ہو حلّال ہر معاملہ ہو — گرہ کو کھولو کر و دل کو دا امام ہمام
عطا کرو اسد اللہ سرور اُس کو صلہ — اور آہوے حرم مدعا کو کر دو رام
مراد اُس کو دو اور رکھو سالم الا دلاد — دُوار و سدر کرو دور صدمۂ آلام

لہ مطر = آب باراں + داماد = سمندر + والد حام = یعنی حضرت نوح۔

لہ مُسہّل آمال = اُمیدوں کو آسان کرنے والا + اہل عسر = پریشان حال لوگ۔ غریب۔

لہ ملکِ سدرہ = یعنی جبریل۔

لہ وسادہ = تکیہ مراد خلافت سے ہے۔

لہ مؤسس = جڑ مضبوط کرنے والا۔ اس کے بعد کچھ عربی اشعار چھوڑ دیے گئے ہیں۔

لہ یہ شعر بطور مقطع کے لکھا ہے اور جس میں اپنا نام انشاءاللہ جو نقطہ دار تھا بدل کے لوارا د اللہ کر دیا جو غیر منقوط ہے۔ معنی دونوں کے ایک ہی ہیں۔

لہ دُوار۔ چکر آنے کا مرض۔ گھومنی سے جو آنکھ میں خیرگی پیدا ہو جائے۔

دوادِ آلِ محمدؐ مدام ہو ہمراہ — دوام ورد سحرگاہ ہو درود و سلام
طلائے احمر و الماس لعل و دُرکا دو — گھر اُس کو اور مدامِ طہور و حورِ طعام[1]
امام ہر دو سرا ہو عطا کرو مولا — سرور ہر دو سرا والسلام و الاکرام

ہوا امامُ و روح الرسول صلِّ علیٰ — محمدٍ و علیٰ آلہٖ مدا الا عوام
رواج اور یہ ہر وہ ہو آشنا اِنشا — کہ ہو رہا ہو وہ آگاہِ رسمِ اہلِ کلام

ہوا ارادہ دِل رو کرو ادھر للہ — کہ ہو مُعطّل و معکوس کا سراسر کام
مرادِ روح و دِ داد رَوح دَر دِارم[2] — مآلِ کلِّ امور سر و مآلِ کلام

زفیضِ شفقتِ[3] ذی زینتِ نبی تقی — ہمہ مراد دلم داد واحدِ علّام
شہِ[4] بلند نسب اب مجھے بھی دیوے — جبینِ لامعِ زینت حصولِ جشنِ مرام

---

(۴) منقبت میں

نوعِ بشر میں تھے نہاں آتش و باد و آب و خاک — عشق نے کر دیے عیاں آتش و باد و آب و خاک

---

[1] مدامِ طہور = پاک شراب۔

[2] یہ شعر صنعت مقلوب مستوی میں ہے یعنی اس کو اُلٹ کر بھی وہی الفاظ نکلیں گے جو شعر میں ہیں یعنی دونوں طرف سے ایک شعر پڑھا جائیگا۔"

[3] پہلا مصرع صنعت منقوط اور دوسرا صنعت مہملہ میں ہے۔

[4] اس شعر کا پہلا مصرع صنعت رقطا میں یعنی ایک حرف نقطہ دار اور دوسرا بے نقطہ ہو اور دوسرا مصرع خیفا میں ہو یعنی ایک لفظ نقطہ دار دوسرا لفظ بے نقطہ اس زمانے میں جبکہ نئے نئے الفاظ کی تلاش ہے اس صنعت کا نام صنعت کھچڑی رکھا جائے تو زیادہ مناسب ہو۔

آہ و نفس اور اشک کا معدن نشو ہر جسد — دیکھ لے یہاں تو تو اماں آتش و باد و آب و خاک
تن میں ہمارے جلوہ گر جب نہ تھے تب اِدھر اُدھر — پھرتے تھے مثلِ بیکساں آتش و باد و آب و خاک
جوش و خروشِ عشق سے کچھ نہیں تھا نہ ہوش گوش — کرتے تھے نالہ و فغاں آتش و باد و آب و خاک
نورِ "نفختُ فیہ" کا اِن میں جو آسما گیا — ہو گئے عرش آشیاں آتش و باد و آب و خاک
بل بے جھگڑے نور کے بکّے اُڑے سرور کے — قدرتِ حق کے تھے نشاں آتش و باد و آب و خاک
چھوڑ وہ باغِ بوستاں لائقِ سیرِ دوستاں — آئے تنوں کے درمیاں آتش و باد و آب و خاک
نحمدُہٗ و نشکرُہٗ نعبدُہٗ و نسجدُہٗ — زور ملا دیے یہاں آتش و باد و آب و خاک
کھیل کھلاڑی کے یہ دیکھ کیا ہی بہم یہ ہو گئے — ایک پہ ایک مہرباں آتش و باد و آب و خاک
چار سے آٹھ ہو گئے۔ کون سے؟ تو گِنو، سنو — نور و ظہور و جسم و جاں آتش و باد و آب و خاک
بخششیں لاتعد[۵۱] ہوئیں حد و حساب سے فزوں — اپنے نسق پہ اب کہاں آتش و باد و آب و خاک
ہوش و ذکا و فکر و وہم شوق وجود سے لے آئے — واسطے اپنے ارمغاں آتش و باد و آب و خاک
بہرِ خدا تک آن مل ہو گئے ورنہ مضمحل — جاتے ہیں سوے لامکاں آتش و باد و آب و خاک
جب نہ رہے گا امتزاج[۵۲] روح کرے گی ابتہاج — دیکھیں گے سوے آسماں آتش و باد و آب و خاک
پھنک گئے اُڑ گئے، بہے، دفن ہوئے جو اہلِ وحدت — اُلفت اُنھیں ہوئی یہاں آتش و باد و آب و خاک

ہیں۔ یہ بسانِ طائراں آتش و باد و آب و خاک — ڈھونڈیں ہیں اپنے آشیاں آتش و باد و آب و خاک
چاہتے ہیں قفس کو توڑ، ساری موانست کو چھوڑ، — پھر ہوں اُسی طرف رواں آتش و باد و آب و خاک
سوجھ کمال ہو انھیں کس کا خیال ہو انھیں — جمع ہیں مثلِ دھتیاں آتش و باد و آب و خاک
جان پڑی غشی میں ہے، ایسی کشاکشی میں ہے — کیا کریں لے بے زباں آتش و باد و آب و خاک
زیست کی کیا اُمید ہے روح جسد میں قید ہے — شیہ سے صید ہیں یہاں آتش و باد و آب و خاک
پھانس جگر میں جو گڑی سانس اڑے ہے ہر گھڑی — کہتے ہیں اُڑ چلو وہاں، آتش و باد و آب و خاک

---

۵۱ لاتعد = بے شمار + نسق = نظم و انتظام۔
۵۲ اِمتزاج = میل۔ روح و جسم کا تعلق + ابتہاج = خوشی۔

اِنشا بس آگے کچھ تو لکھ وصفِ دوازدہ امام — خاصے جنھوں کے چاکراں آتش و باد و آب و خاک
وہ حضراتِ اہلِ بیت ہیں جو علیہم السلام — چاروں ہیں اُن کے مدح خواں آتش و باد و آب و خاک
ہیں جو وہ بارہوں بروح، چرخ کو جن سے ہے عروج — حکم میں جن کے ہر زماں آتش و باد و آب و خاک
دیکھ مراتب اُن کے تو صلِّ علیٰ محمدؐ — تابعِ اُنھوں کے انس و جاں آتش و باد و آب و خاک
الغرض صبح و شام کی ہاتھ زمام اُن کے دے — اُن کے لیے ہیں ہم عناں آتش و باد و آب و خاک
گنتے ہیں اُن کو تاجِ فرق نورِ سحابِ رعد و برق — جانیں ہیں اُن کو خسرواں آتش و باد و آب و خاک
اُن کی ولا کے واسطے دہر میں اِس طرح ہوئے — موجبِ رونقِ جہاں آتش و باد و آب و خاک
جن کے سبب سے پائیں گے جنّ و بشر میں کر ظہور — حور و بہشتِ جاوداں آتش و باد و آب و خاک
کن فیکون سے تھا غرض خالق کل کو اُن کا خلق — ہوتے وگرنہ رائیگاں آتش و باد و آب و خاک
اُن کے تفضّلات سے رہ گئے زیرِ آسماں — شوکت و عزّ و عظم و شاں آتش و باد و آب و خاک
اُن کے عدو کے واسطے حق نے جحیم کی ہر خلق — دشمنوں کے ہیں وہ میاں آتش و باد و آب و خاک
ہیں جو گروہ اشقیا اُن کے سب اہلِ بغض اُنھیں — ق جی کی نہ دیں کہیں اماں آتش و باد و آب و خاک
ایک جلائے ایک اڑائے ایک ڈبائے اِک گڑائے — لیویں لپٹ لپٹ کے جاں آتش و باد و آب و خاک
میرے عناصرِ وجود جیسے کہ ہیں یہ سب نمود — یعنی کہ ہیں جو دوستاں آتش و باد و آب و خاک
یک صد و بست سال تک اِن میں نہ آوے کچھ خلل — چھوڑیں نہ آشنائیاں آتش و باد و آب و خاک
جادۂ اعتدال سے اِن کو نہ ہووے اِنحراف — کچھ نہ کریں خرابیاں آتش و باد و آب و خاک
اِن میں کدورتیں نہ آئیں ایسا نہ ہو کہ روٹھ جائیں — دیں نہ بہم رُکھائیاں آتش و باد و آب و خاک
جملہ قُوا رہیں بحال اِن میں نہ آوے اِختلال — روح کے ہووے یاں سماں آتش و باد و آب و خاک
اور یہ غرض ہے کہ جب چھوڑے ہویّتِ[1] بدن — ق اپنے طرق کو ہوں رواں آتش و باد و آب و خاک
میرے مواد جسم کے اِن میں سے جس قدر ہیں وہ — پہنیں لباسِ عرشیاں آتش و باد و آب و خاک
مثلِ خلیل و عیسیٰ و نوح و ابوالبشر کریں — مجھ کو بھی شہرۂ جہاں آتش و باد و آب و خاک
بت کدۂ وجود میں گرچہ صنم پرستیاں — ق کرتے ہیں جوں برہماں آتش و باد و آب و خاک

---

[1] ہویّتِ بدن = وجودِ بدن۔

واقعی اس میں شک نہیں رکھتے ہیں یہ زمانے میں ذوقِ پرستشِ بتاں، آتش و باد و آب و خاک
یوں ارکان جاویں مل، مبدءِ کل کے ساتھ مل کوئی نہ جانے تھے کہاں آتش و باد و آب و خاک
دامنِ شعلۂ فغاں تر ہو گنہ کی گرد سے کیوں نہ ہو اِن سے اُٹھ دھواں آتش و باد و آب و خاک
پرچمِ لطفِ احمدی سایہ فگن ہو، تا نہ ہوں شاملِ خیلِ کافراں، آتش و باد و آب و خاک
مجھ کو جلا اُڑا، بہا، گاڑ نہ دیں گناہ میں اے شفعائے عاصیاں، آتش و باد و آب و خاک
اِنشا، اب آگے ختم کر تجھ میں ملے میں جس قدر دیں گے وہ عرش پر اداں، آتش و باد و آب و خاک
دیکھ مرے قصیدے کا تو جبروتِ اُسطقُس[1] ہیں ارکان امتحاں آتش و باد و آب و خاک

(۵) بادشاہ عالی گہر کی مدح میں

جشن و نشاط و خوش دلی و عشرت و نعم عیش و خوشی میں چین سے خوش وقت ہو بہم
فرخندگی بخت پہ نازاں تھے اپنی سب ہر ایک نغمہ سنج تھا با طوطیِ اِرم
فیضِ سحابِ فرح سے تھی مزرعِ اُمید گل گل شگفتہ تازہ و شاداب و سبز و نم
بلبل کو یہ طرب نہ ہو ہرگز بہ فصلِ گل غنچوں کو یہ شگفت نہیں ہوتی صبح دم
قُمری کو وصلِ سرو کی اِتنی نہ ہو خوشی آہو کو یہ سرور نہ ہووے بہ وقتِ رم
جو کچھ کہ جو خوشیں تھیں غرض اِن سبھوں کے ساتھ ممکن نہیں کہ کیجے بیاں اُن سے بیش و کم
خدمت میں اُن سبھوں کی کیا میں نے اِلتماس شادی کی وجہ کیا ہے خبر پاویں کچھ تو ہم
بارے یہ کیا نشاط ہے ہم بھی تو کچھ سُنیں خوشبو سے فرح کی ہو ہمارا بھی تازہ دم
شامل مجھے بھی کیجیے اِس عیش میں، کہ میں حُضّارِ بزمِ خاص سے ہوں موردِ کرم
سلکِ گہر پرو، صدفِ لب سے یوں کہا اُن سب نے کیا تجھے نہیں معلوم یہ کہ ہم
دینے چلے ہیں اُس کو مبارک کہ آج وہ شاہنشہِ زمانہ ہے بر مسندِ حشم
وہ واجب الاطاعت و مسجودِ خلق ہے دوراں کے بیچ میں وہ جو ہے شاہِ محترم
معنی آیۂ "و اُولی الامر منکم" آ تفسیر بیچ دیکھ لو، قرآن کی قسم

---

[1] جبروتِ اُسطقس = عناصر کا زور یعنی اس قصیدے کے اجزا کا زور و شور۔

یعنی وہ شاہِ عالم و فخرِ جہانیاں — عالی گہر خجستہ سیر، معدنِ ہم
خورشید آسمانِ تہوّر، فلک جناب — عالم ہے جس کی ذات سے جوں ذرہ منتظم
شاہِ نجف نے قبضے میں دی جس کے ذوالفقار — دو ٹکڑے جس سے ہووے عدو بیش ہو نہ کم
ہے لائے نہی و نفی مخالف کے واسطے — ایجاب کر کے گر نہ وہ بولیں کہیں نعم
جو حسنِ خلق اُس میں ہے، ہے خلق میں کہاں — ذاتِ ستودہ الغرض اُس کی ہے مغتنم
جس کی رکاب میں ہیں سلاطینِ روزگار — گردن کشانِ دہر ہیں جس کے کہ سب خدم

مستجمعُ المکارم و مُستحسنُ الشّیَم[1] — نبوعِ فضل و جود و سخا، معدنِ کرم
میری زباں سے مدح کہاں اُس کی ہو سکے — توصیف میں ہے جس کی زبانِ قلم، قلم
طالع ہیں جس کے ایسے کہ تاجِ سکندری — کھاوے ہے اُس کے طالعِ بیدار کی قسم
ہے فوج فوج راحت و آرام جس کے ساتھ — ہے گنج گنج زوجِ تنعّم سے ملتزم
خنکارِ روم و کنگِ فرنگ اور شاہِ مصر[2] — حاضر ہیں جس کی خدمتِ عالی میں دمبدم
مجرے کو باریاب اگر ہوں، زہے شرف — ضحّاک و کیقباد و کیومرث و کے و جم
خاقانِ چین کو چینِ جبیں اُس کی کھینچ لائے — ضیغم کے جیسے پنجے میں اک پنجۂ غنم[3]
دولت سرا کے جس کی غلامِ غلام سے — ہوشنگ و سام و بیژن و اسفندیار کم[4]
ناگہ اُنھوں نے مجھ کو کہا تو بھی چل وہاں — حاضر ہو صمت[5] چھوڑ، تکلّم کر ایک دم
حسبُ الاشارہ اُن کے یہ مطلع پڑھوں وہاں — اے معدنِ سخاوت و اے تجربۂ کرم

---

[1] یعنی اس میں سب بزرگیاں جمع ہیں اور اس کی عادتیں سب اچھی ہیں + نبوع = سمندر۔

بجائے "گنج زوجِ گنجِ تنعم"

[2] خنکار = بادشاہ۔

[3] غنم گلۂ بکری وغیرہ۔

[4] ہوشنگ، سام، بیژن، اسفندیار = قدیم زمانے کے مشہور پہلوان جن کا ذکر شاہ نامے میں ہے۔

[5] صمت = خاموشی۔

ہر تجھ میں وہ کمال کہ ہم لوح و ہم قلم
تیری رضا کو سب پہ مقدم کریں رقم

منطق میں تیرے حکم کے حیراں ہو رہ گئے
چاروں مقولے اَین و متیٰ، کیف اور لم

کیا عرض عام و خاصّہ و کیا جنس و نوع و فصل
یا ضبط و ربطِ کُل تقاریر منسجم[1]

تفصیل وصف کو تری مجمل نہ کر سکیں
گو صَرف مل کے وہ کریں اس نحو سب حکم

دریا تمام دہر کے ہو دیں اگر مداد
اشجار سب جہان کے ہو جائیں گو قلم

مشرق سے دل کے مہر معانی کریں طلوع
تاہم نہ تیرے وصف میں اک ذرّہ ہو رقم

ہو جائے سینہ دشمنوں کا چاک، دیکھ کر
مُلّم و طراق و کرّ و فرّ فوج کے حشم

ہمت کے تیری صیت[2] سے، اے معدنِ سخا
کھا کر کے شرم حاتم طائی ہوا اصمّ

اِک دم تو دیکھنے کو نکالی تھی اپنی تیغ
اَندام خور پہ لرزہ ہے تا حال ملتزم

اِک طرح اُس کی آب بھی چشمہ ہے فیض کا
دشمن کے دل سے دھوئے کو اندوہِ درد و غم

جلدی کمیتِ خامہ میں اتنی کہاں کہ اب
ق گلگوں کی تیرے مدح سے کچھ ہو سکے رقم

مثلِ شرار نعل کے ہنگامِ ترکتاز
اُس کی تڑپ سے برق رہے پیچھے سو قدم

شبنم عرق ہے بادِ صبا کا کہ ایک گام
ساتھ اُس کے یہ چلی تھی جو کرنے لگی ہے دم

دو نعل مہر و مہ یہ فلک پر جو ہیں نمود
پوئی سے اُس کی اُڑ گئے ہیں، واہ رے قدم

ساحت میں جس کی تند روی کے بیانِ سنگ
کچھ توسنِ شعور بھی اب رہ گیا ہے تھم

گردوں شکوہ[3] کے ترے ہوتے ہی سامنے
ق پیلِ فلک نے ایک ہی ٹکر میں کر دی رم

اُس کو کجک سے مار کے ہر چند کہہ رہے
چی چی پرو پرو لگی کھل دیکھ میل سم[4]

بھاگا، سنبھل سکا نہ مہاوت کے کہنے سے،
چنگھاڑ مثلِ رعد بہ فریادِ زیر و بم

گردوں گلو کبود ہے تا حال، دیکھ لو
مستک پہ اُس کی خونِ شفق رہ گیا ہے جم

---

[1] تقاریر منسجم = مربوط تقریریں + ان دو شعروں میں منطق اور فلسفے کی اصطلاحیں بیان کی ہیں۔

[2] صیت = شہرت + اصم = بہرا۔ حاتم طائی اور اصم میں صنعت ایہام ہے۔ حاتم طائی = مشہور سخی + حاتم اصم = ایک مشہور صوفی۔

[3] گردوں شکوہ = ہاتھی سے مراد ہے۔

[4] چی چی پرو پرو = یہ الفاظ فیل بان ہاتھی کو روکنے کے لیے بولتے ہیں۔

یہ بات کچھ چھپی نہیں ہر سب پہ ہر عیاں — سچ ہر کہ اُس کی پشت سے اب تک گیا نہ خم
ہر عدل تیرے عصر میں اِتنا کہ بر فلک — بارہ بروج نظم و نسق سے ہیں منتظم
میزان و قوس و سنبلہ سرطان و دلو و حوت — عقرب، اسد، حمل سے لے ثور و جدی ہم
جوزا سمیت رہ گئے ہیں تیرے خوف سے — ورنہ زیادتی کریں ایک ایک پر بہم
باوصف ایک ایک کی خوراک ہر، ولے — کیا دخل دیکھے کوئی کسی کو بچشمِ کم
اقرب[1] سمجھ کے اپنے سے رہ جائے وہیں بس — عقرب کے نیش پر بھی جو رکھ دے حمل قدم
ہرگز جدی نہ دیکھ سکے سوے سُنبلہ — کیا دخل پہنچے حوت کو سرطاں سے کچھ الم
حملہ کرے حمل نہ کبھی ثور کی طرف — آوازِ جدی سُن کے اسد بھی کرے نعم
اللہ رے یہ نظم ترا، بھلّہ رے نسق — اَضداد جس سے جمع ہیں آپس میں لاجرم
اِسلام تیرے عہد میں از بسکہ ہر قوی — خوار و ذلیل[1] کفر ہر آوارہ و دژم[2]
غم سے ہر تو نے مغ کو مسلماں کیا بقلب — پائی جو بو ہر کفر کی کچھ اُس میں سُنکتم[3]
تھا نقطہ[4] قشقہ غین کا، سو دور ہو گیا — اب عینِ فیض ہو کے بہے ہر بسانِ یم
ہیم اُس کی سے مراد براری ہر ایک کی — ہر آخرُ المرام پرستندۂ حرم
یزداں پرست فضل نے تیرے کیا اُسے — تھا وہ جو کوئی معتکفِ خلوتِ صنم
قدرت خدا کی دیکھو تو اسلام کا شرف — دم مارنے کی جا نہیں مارے کون دم
در حال کفر جس سے کہ سب کو ملال تھا — اِسلام لا کے اب وہ ہوا معدنِ ہمم
حاصل کلام یہ کہ غرض تیرے عدل نے — آزار دینے والے کو چھوڑا نہ ایک دم
اِنشاؔ تری دعا میں ہر مشغول روز و شب — ہر وقت و ہر گھڑی و ہر اک آن، دم بہ دم
سب خوبیاں جہان کی تیرے نصیب ہوں — یارب طفیلِ شافعِ دیں ہر دو اُم

---

[1] اقرب اور عقرب میں تجنیس صوتی ہر۔

[2] دژم = حقیر۔

[3] سُنکتم = چھپی ہوئی۔

[4] لفظ غم میں غین کے نقطے کو نشقہ کہا ہر۔ جب وہ دور ہوا تو عین فیض ہو گیا۔

شاہِ نجف امیرِ عرب مرتضیٰ علیؓ — قبضے میں تیرے کر دے عرب سے لے تا عجم
حامی ترے جمیع امورات کے رہیں — ق — اثنا عشر ائمہ جو ہیں مظہرِ اتم
بھیرویں بھیاس گنکلی ٹوڑی اساوری — سارنگ و پوربی و ایمن و کانھڑا بہم
تیرے ہی مجرے میں رہیں سازندے روز و شب — نوبت قیام دہر کو جب تک ہو ملتزم

شادی کے شادیانے ترے در پہ بجتے ہیں
کرنا و طبل و بوق و دہل جھانجھ و زیر و بم

---

(۶) شاہزادہ سلیماں شکوہ کی مدح میں

صبح دم میں نے جو لی بسترِ گل پر کروٹ — جنبشِ بادِ بہاری سے گئی نیند اُچٹ[۱]
دیکھتا کیا ہوں سرہانے ہر گھڑی ایک پری — جس کے جوبن سے ٹپکتی ہر پڑی گدراہٹ
عطر میں ڈوبی ہوئی زور ہر بو باس اس کی — بل بے بل بے اکڑ بل بے تری نراہٹ[۲]
آفتاب اُس کی جبیں کے جو مقابل ہووے — صدقے صدقے ہو کہے: اُن بے تری چمکاہٹ
موتیوں سے جو بھری مانگ وہ دیکھے اس کی — سیر سے تاروں بھری رات کی جی جاوے ہٹ[۳]
چاندنی میں نہ ہو معلوم کدھر ہے وہ پری — سر کے سوندھے کی مہک کی مگر آجاوے لپٹ
اُس دُرِ گوش پہ تھی زلف جو گنڈلی مارے — سانپ کے من کی اگر کیجیے تو پھبتی ہو نپٹ
جُھٹّی[۴] وہ دونوں بھویں ہووے بے ظالم ابیدا! — اکھڑیاں سحر، نگہ قہر، غضب گرماہٹ
ڈورے آنکھوں میں چھٹے ایسے ہی کافر خونخوار — کہ رگِ گل کی نزاکت کو لگا دیویں چپٹ[۵]

---

[۱] اس شعر میں نورالنسا کے نام لیے ہیں۔ ۱۲ م: "نزی"
[۲] ن: "آنکھ اُچٹ"۔
[۳] ق ۳: "گراہٹ"
[۴] ق ۳: "جاوے اُچٹ"
[۵] ق ۳: "وہ جُھٹی"
[۶] چپٹ = زخم، رگڑ، داغ۔

پائے خم جیسے سیہ مست پڑا ہووے کوئی — گوشۂ چشم میں یوں خال رہا تھا وہ لپٹ

حرکت اُس کی تھی یوں غمزہ چالاک کے ساتھ — رندجوں اینڈے میخانے میں لیوے کروٹ

چتون اٹکھیل بلا، نرگسِ جادو آنکھیں — نگہ ایسی ہو کہ وے برق کی چمک کو الٹ

تیور اس آن سے بگڑے ہوئے دونوں گویا — مستعد قتل ہی کر ڈالنے پر ہیں جھٹ جھٹ

شوخی اس روپ سے اُس تارِ نظر پر کھیلے — آتا جاتا ہو رسن پر کوئی جس طرح سے نٹ

صفِ مژگانِ رسا میں یہ ستم تیزی کچھ — دستِ اندیشۂ عشاق جہاں جاوے کٹ

منہ میں لیوے ہے جو چوٹی کو وہ اٹکھیلی سے — عقدۂ راس و ذنب چاند کو لگ جاوے جھٹ

کیوں نہ ہو غرقِ تحیر مرجُ البحرین[1]، آ — بہم امواج میں آنکھوں کی یہ ہے اُلجھاوٹ

ناک اُس شوخ کی برزخ کی طرح بیچ میں ہے — تاکہ دو چشمے نہ ایک ایک سے مل جاویں جھٹ

تھا وہاں نامِ خدا عالمِ خود بینی گرم — اُس کے نتھنوں کی پھڑک میں تھی غضب گرماہٹ

لام تے جوں بہم "الحمد" میں روپ ایسا ہے — کشش ایسی ہے سدھوٹ ایسی ہے پاکیزہ پلٹ

گرچہ تمثیل یہ دلچسپ بندھی ہے لیکن — ایک مضمون سنو تم اور بھی پاکیزہ نپٹ

خوشنویشِ ازلی نے خطِ قرآنی سے — ہ[2] کو اللہ کے یاں نور سے دی چمکاہٹ

گال گدرائے ہوئے چوسنے کے لائق ہونٹ — غبغبِ ورسیدِ قمن بوسوں کے قابل چٹ چٹ

وہ دھواں دھار دھڑی دانت سو موتی کی لڑی — یہ میرا اندازِ تبسم کے رچی شہ ماہٹ

گردن اس دھج سے مراحی ہوئے سرخ کی جوں — خونِ عشاق چڑھا جانے کو حاضر غٹ غٹ

تھی برودوش میں بالیدگی ایسی ہی کہ صاف — جیسے کہتی ہو کسی ساتھ گلے سے تو لپٹ

آتشیں کوچۂ مہتاب نظر آتی ہے — اُس کے ساعد کی ڈلک میں تھی یہ کچھ پھیلاوٹ

سینہ جو آئینۂ شفاف، تکلم ایسا صاف — جس میں مخمل کی تکن کی سی پڑی سُتھری بٹ

شہرِ سبز[3] اس کے وہ سب رنگٹے یا وادیِ نمل — سیلی[4] ایسی ہے دھواں جیسے کہ سنبل کی لٹ

---

[1] مرجُ البحرین = دو سمندروں کا ملنا۔

[2] "ہ" کو اس کے نتھنوں سے تشبیہ دی ہے۔

[3] شہرِ سبز "ایک شہر سمرقند کے نواح میں بسمرقند کا علاقہ اپنی سرسبزی اور زرخیزی میں ضرب المثل تھا سرسبز درختوں کی ایسی کثرت تھی کہ دور تک سوائے سبزی کے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ وادیِ نمل = چیونٹیوں کی وادی جس میں مشہور ہے کہ حضرت سلیمان نے چیونٹیوں کو خطاب کیا تھا۔ سیلی = پیٹ اور پیٹھ کے بالوں کی سیدھی لکیر۔

قمقمے نور کے تھیں اُس کی کچیں[1] وہ دونوں — ہوا اُنھیں دیکھتے ہی اور ہی کچھ للچا ہٹ
گزکِ بادہ کشاں رنگترے سے دونوں — دل یہ چاہے کہ اِنھیں دوڑ کے لے بھاگیے چٹ*
نیم شگفتہ کنول چشمۂ خوبی کے دو — گول گول اُبھرے ہوئے بھونرے رہے جن سے لپٹ
بت انگیا میں کی زور پڑاقے[2] کی پھبن — دیکھ کر مارے مزے کے جنھیں جی جائے اُلٹ
گدگداہٹ پہ اگر نان کی پڑ جائے نظر — چٹ کفِ دستِ خیال اُس سے وہیں جائے چپٹ
ہو یقیں دل کو کہ ہر حُسن کے دریا کا بھنور — گھر کے ساری ہی نزاکت یہیں آئی ہر سمٹ
نقشِ پا اُس کے ذقن کا پھسل آیا ہوگا — دھیان میں بوسۂ عاشق کے تڑاقے سے رپٹ
بندِ شلوار سے چسپیدۂ سوراخِ ڈوپ کے ساتھ — موم پر مُہر کوئی گول سی جوں آوے اُچٹ
سیلِ خوں ہو کے تہا کوچۂ نیفہ میں خیال — کھوج میں اُس کی مگر کے یہ ہوئی اکتاہٹ
تھی رگِ جانِ تمنا کہ دکھائی نہ پڑے — لیکن آفت تھی وہ پیلام[3] کی چُنّٹ کی سمٹ
بیچ میں یہ نہ کہوں تھی بگھاں کچھ تو سُتے — جس کے باعث تھی خوش آیندہ یہ سب پھڑکا، سمٹ[4]
کیا کروں اُس کی بیاں خوش کفلی[5] کا عالم — حُسن و خوبی نے وہیں آ کے کیا تھا جمگھٹ
گات زانو کی وہ پاکیزہ طرحدار کہ ہائے — دھیان کے ساتھ جہاں پائے نظر جائے رپٹ
قامت ایسی کہ قیامت بھی کرے جس کو سلام — اُس کے اٹھلاتے ہوئے چلنے کی سُن کر آہٹ
شورِ محشر کو یہ کہہ بیٹھے خرام اُس کا صاف — دال نے عین لبے دور پرے ہو چل ہٹ
چھلے ہر انگلیوں کی پوروں میں مہندی کے شوخ — کہ نہ عباسی کی چُنّٹ میں بھی ویسی ہو سمٹ

---

[1] کچیں = چھاتی کی نوکیں۔

* ن: "جھٹ"۔

[2] پڑاقے کی = دو رنگوں کی جو یکے بعد دیگرے آتے ہیں۔

+ ق ۳: "پھرا"۔

[3] پیلام = ایک قسم کا کپڑا۔

ق ۳: "پھڑکا وٹ"۔

[4] خوش کفلی = سُرین کا خوبصورت ہونا۔

سرخی اُن ایڑیوں کی موتیوں کو جوتی کے — گھنگچیاں کر کے دکھادے تجھے اِک آن میں جھٹ
نشے میں قلقلِ صہبا سے یہ فرما اُٹھے — کیا خوش آتی ہے صدا مجھ کو یہ تیری غٹ غٹ
سرو و شمشاد و صنوبر سے کہے: چلتے ہو؟ — کھیلنے جاتے ہیں ہم آج چمن میں جھُٹ مٹ
ٹھہر اِک ایسی ہی بیباک کہ گرمے نہ پیے[1] — ریشِ قاضی میں وہ صہبا کی لگادے تلچھٹ*
کچھ نہ گہنا، نہ جواہر، نہ تکلف، نہ بناؤ — سادگی اپنی سے مسرور، خوشی سے غٹ پٹ
کشتیاں دیکھ جواہر کی یہی کہہ اُٹھنا: — کس کو ہے ایسی غرض مفت کرے جو کھٹ کھٹ
بھلے لگیے جو بناوٹ سے، بھلا کیا حاصل — فائدہ فرق سے لے پانوں تلک جائے پٹ
بادلہ پوشی اور آراستگی اور سنگار — چاہیے گاہکوں کو اپنے، کہ ہو جچکا ہٹ
سانگ ہولی میں حضور اپنے جو لاویں ہر رات — کہ کنھیا بنیں اور سر پہ وہ دھر لیویں مکٹ[2]
گوپنیں ہو کے پڑی ڈھونڈیں کدم کی چھائیں — بانسری دھن میں کھا دیویں وہ ہی جہنا نٹ[3]
"گانو گوکل کا ہے پینڈا ہے نرالا" یہ کہیں — گوالنیں بن کی کہیں ہنس کے "وہ ہے بنسی بٹ"[4]
گاگریں لیویں اُٹھا اور یہ کہتی جاویں: — دیکھیو وہ ندری جو زم اودی ہے پنگھٹ
سونے روپے میں جو لد جائیں گنواروں کی طرح — "دھام" گھر کو کہیں نزدیک کو بولیں "وَنکٹ"
باندھیں مضمون جو رونے کا تو بول اُٹھیں یوں — پھائے ہے نین میں آنسو رہے جیسے کہ ہٹ
الغرض تھی جو اِس اوصاف سے موصوف اُس نے — اپنے مکھڑے سے دوپٹے کی مسلسل کو اُلٹ
مجھ سے سنکھو ہو کہا: دولتِ بیدار ہوں میں — خوابِ غفلت سے بس اب چونک، گلے میرے لپٹ
مجلس آراستہ ہے سالگرہ کی اُس کی — جس کی ہر لحظہ دعا دینے میں ہے سب کو رٹ
یعنی وہ شاہِ سلیماں کہ شکوہ اُس کی سے — پیرِ حشمت دِ اقبال کو ہے جچکا ہٹ

---

[1] یعنی قاضی جو نہ پیے تو اس کی داڑھی میں وہ شراب کی تلچھٹ لگا دے

بجائے ن: "پر جھٹ"

[2] مکٹ = تاج۔

[3] نٹ = کنارہ۔ مطلب: بانسری ایسی دھن میں بجائیں کہ جہنا کنارے کا سماں بندھ جائے۔]

[4] پینڈا = راہ، طور طریقہ۔ بنسی = بانسری۔ بٹ = برگد کا پیڑ۔ بنسی بٹ = برگد کا پیڑ جس تلے کنھیا جی بانسری بجایا کرتے تھے۔

جشن شاہانہ ہے، ہیں سب اُمرا حاضرِ وقت
اُس کے مجرے کو کھڑے فوجوں کے ہیں غٹ کے غٹ

ہے یہ دھڑکا، نہ ہُل و کوس کی آوازوں سے
سینۂ گاؤ زمیں آج کہیں جائے نہ پھٹ

چیرے[1] صاحب بھی یہ کہتا ہے درِ دولت پر
روح بخشندہ[2] ہے عیسیٰ کی قسم، یہ چوکھٹ

ہیں سلامی کو کھڑے باندھ کے صف سب انگریز
مارٹین[3] اور برن، رومیلی، ایمیل، آرنٹ[4]

بزم ایسی ہی مرتب ہے کہ سبحان اللہ
جس میں اقسامِ تماشا کا ہوا ہے جمگھٹ[+]

قدِ آدم ہیں کروڑوں ہی لگے آئینے
طُرفہ گستردہ جواہر کے چھپکھٹ سرکھٹ

ارغنوں[5] کی کہیں آواز، کہیں ناج کی ہے
خفقان جس سے کہ جاتا رہے اور گھبراہٹ

واسطے نذر کے کر تو بھی قصیدہ کوئی عرض
اُٹھ کمر باندھ ابھی جلد چلا چل جھٹ پٹ

سنتے ہی میں نے یہ دولت سے خوشی کا مژدہ
شرف اندوز ہوا خدمتِ اقدس میں جھٹ

باپا محفلِ شاہانہ میں مطلع وہ پڑھا
جس کی سطوت سے ہوئی جانِ عدو کی تلپٹ

عازمِ جنگ ہو جس لحظہ تو گلگوں کو ڈپٹ
گاؤ سر پھینک کے چٹ سام سا بھاگے جھٹ پٹ

مارچنگھاڑ عرق زال کرے دہشت سے
پانو رستم[6] کا گل ولا پہ پھسل جاوے رپٹ

جامۂ چرم پلنگ اپنے بدن سے پھینکے
ہاتھ سے ریشِ دو شاخ اپنی کو دے اُلجھاوٹ

حیدری نعرہ تو جب روزِ وغا میں کھینچے
لشکرِ شام ترے آگے سے کھاوے گھونگھٹ[5]

برسرِ قاف ہو گر قلعہ عدو کا تیرے
منہدم کر دے اُسے گاؤ زمیں کی کروٹ

---

[1] مسٹر چیری غالباً اس وقت لکھنؤ کے ریزیڈنٹ تھے

[+] ق ۳: "ادج بخشندہ"۔

[2] Martin, Burn, Romilly, Emile, Arnot.

[3] ق ۳: میں یہ شعر نہیں ہے۔

[4] ارغنوں = ارگن باجا۔

[5] پہلے شعر میں سام اور اس شعر میں زال اور رستم مشہور پہلوانوں کے نام ہیں۔ گل ولا = کپڑ گارا۔

[6] گھونگھٹ کھانا = پسپا ہونا۔ [ق ۳: "لے گھونگھٹ"۔]

گر پڑیں ٹوٹ کے سو ٹکڑے ہو اک آن کے بیچ
تیرے للکارتے ہی اُس کے کواڑوں کے پٹ

قہرِ خالق کا نمونہ ہے تری یہ شمشیر
لاکھوں سر ہائے عدو جس سے کہ کاٹیں* چٹ چٹ

کمر کوہ پہ لاگے تو کرے دو ٹکڑے
نہ جھڑے کچھ† نہ مڑے رک نہ رہے ایسی اکٹ

صاعقہ جس کے دمِ آب سے تھر تھر کانپے
صولتِ برق کو کہہ بیٹھے چمک جس کی "ہٹ"

الاماں بول اٹھیں قیصرِ روم و خاقاں
گر کہیں ہاتھ میں تو لے کے اُسے جاوے ڈپٹ

دیکھ کر تختِ ہوادار[1] کی تیرے خوبی
کہکشاں ابر کے دامن کا بنالے گھونگھٹ

گر نظر چرخ کرے چتر کو تیرے شاہا!
پنجۂ مہر سے لے اُس کی بلائیں چٹ چٹ

بادپا کا ترے کیا وصف کروں خوبی کا
بھلا رے اُس کی وہ جلدی وہ اُلٹ اور پلٹ

شرق سے غرب تلک ایسی کہاں ہر وسعت
کہ کبھی کھول کے دل تو اُسے پھینکے سرپٹ

پوئیں جائے تو معلوم کرے‡ یوں خلقت
کہ ابھی بادِ بہاری سے گیا جا کے چمٹ

ہوش کھو دیوے غزالانِ جہاں کے یک بار
چاروں پانوؤں کی جماوٹ وہ اُچک اور سمٹ

صاف آنکھوں میں چھلاوا سا دکھائی دے جائے
بات کہنے میں اگر باگ کہیں جائے پلٹ

یہ سبک دَو کہ جسے وہم نہ پاوے ہرگز
اِس قدر جلد کہ جوں نکہتِ گلشن کی لپٹ

گو بخنے کو ترے ہاتھی کے اگر رعد سُنے
رفعت و منزلت اپنی سے وہیں جاوے گھٹ

جب سواری میں تری بیٹھ کے وہ اُٹھے بزور
روم سے شام تلک ساری زمیں آوے سمٹ

ہفت اقلیم کے باشندے قدمبوس کریں
دیکھ اِجلال دمیں سارے جہاں کے نٹ کھٹ

ایک ہی لقمۂ خرطوم میں وہ قافِ شکوہ
کشتِ آمال کو کفار کی کر جاوے چٹ§

اس کے دانتوں کی بلندی کو اگر پیلِ سحاب
کبھی دیکھے تو یہی گذرے خیال اُس کا چٹ

---

* ق ۳ : "جتنے کہ کاٹے" یہاں اگر "جس نے" پڑھیے تو معنی درست ہوں گے۔

† ق ۳ : "اور"۔

[1] ہوادار = امرا کی ایک قسم کی کھلی ہوئی سواری

‡ ق ۳ : "کریں"۔

§ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

ہاتھ عیسیٰ نے اُٹھائے ہیں دعا کو دونوں — لیلۃ القدرِ[1] فرح بخشش کی پاکر آہٹ
ختم کرتا ہو دعائیہ پر اِنشا اللہ — یارب اِس در پہ ہو عالم کو خوشی کی آہٹ
صحت وجشن ونشاط وطرب ودولت کا — حسبِ دلخواہ رہے ذات سے تیری جگھٹ
خوبی وخُرّمی وراحت وآرام وسُرور — تیرے دروازے کی تاحشر نہ چھوڑیں چوکھٹ
وہ سُہانی[2] رہے بجتی تری نوبت شب وروز — کہ جگر دشمنوں کا دیویں ٹکورے[3] ہی اُلٹ
نوبتی گاویں سب الغوزہ وشہنا میں سدا — دُھرپت[4] اور قول، خیال اور ترانہ تروٹ
دیس جس وقت کہ وہ بولیں یہ لہرا اُٹھے — لے گیو لے گیو متوار وجی مھاری انوٹ
تیرے ہی مجرے میں ہو نغمہ سراصبح کے وقت — بھیرو[4] دی گنکلی توڑی والھیا اور کھٹ
کرنا ودُہل ودبوق کی آوازوں میں — ہم کو سوجھا کرے آرام وخوشی کی کروٹ
کھاکلا رنگ[5] گریں تیرے سبھی اعدایوں — راگ مالا میں کھپنی جیسے کہ ہو صورتِ نٹ
بس سلیمانِ جہاں تو ہی ہو اور دُنیا ہو[+] — جب تلک گنبدِ مینا میں رہے چمکاہٹ

(۷) نواب سعادت علی خاں کی مدح میں

نظر آئی مجھے کل باظفر وطوغ[6] وعلَم — صورتِ فتح، مجسّم ہو بہ شکلِ آدم

---

[1] لیلۃ القدر سے یہاں مراد سیاہ گھٹا۔ اور برسات کی کالی گھٹا فرح بخش ہوتی ہے۔

[2] ق ۳: "عالم لو"۔ "م۔ عالم ہے"

[+] ق ۳: "تو ہو دے اور دنیا ہو"۔

[3] ٹکور۔ نقارے کی آواز۔

[4] الغوزہ = ایک قسم کا منہ سے بجنے والا باجا + دھرپت وخیال وغیرہ اقسام موسیقی ہیں۔

[4] بھیرو اور کنکلے وغیرہ راگنیوں کے نام ہیں۔

[5] "کھاکلا رنگ" کشتی کا ایک داؤ ہے۔ مطلب = تیرے سب دشمن کلا رنگ کا داؤ کھا کر گریں۔

[6] طوغ یا توغ = نشان فوج۔ (ترکی)

سر پہ ایک خود دھری جس پہ بڑی سی کلغی ڈھال کاندھے پہ پڑی ہاتھ میں شمشیر دودم
زرہِ حضرتِ داؤد گلے میں اُس کے جبروت اُس کا فریدوں فر و جمشید حشم
خضر و الیاس جلو اُس کے میں جوں چاؤشاں[1] بھلّہ سے سطوت و فیروزی و اجلال و حشم
لمعۂ نورِ جبیں اُس کے سے، طالع جوں مہر سب رکاب اُس کی میں موجود صنادیدِ عجم[2]
اُس کی افواج کے گھوڑوں پہ کیا خوب جو دھیاں تو وہ فنکاری پڑے بھرتے تھے مثلِ ضیغم
دیکھ القصّہ اُسے چونک گئیں یوں آنکھیں دفعتہً چونک پڑیں جیسے غزالانِ حرم
باادب میں نے یہ معروض کیا: اِسمِ شریف بارے فرمایئے اے مخزنِ الطاف و کرم
تو یہ ارشاد ہوا تجھ کو نہیں کیا معلوم نیّرِ طالعِ فیروز ہیں اُس شخص کے ہم
وہ سعادت علیِ عالیِ اعلیٰ جو ہے معدنِ جود و سخا کنجۂ احسان و کرم
آج صد شکرِ خدا اُس نے کیا جشنِ جلوس جس کی توصیف کی اِنشا میں قلم ہے ابکم[3]
یعنی نوابِ فلک رتبہ یمین الدولہ ناظمُ الملک مہادر وہ وزیرِ اعظم
برزو و رستم و سہراب سے سو جس کے غلام بیزن و سام و زریاں سے کئی جس کے خدم
جس کے اشفاق سے ہے مزرعِ عالم شاداب جس کے الطاف سے آسودہ ہر اصنافِ اُمم
شیرِ مردانِ وغا رستمِ دوراں، جس کی بخششِ فیض سے شرمندہ ہے بذلِ حاتم
الغرض تہنیتِ جشنِ جلوس اُس کا سُن سیدِ انشا نے کیا تازہ قصیدہ وہ رقم
کر بس اُس طرزِ فصاحت کو سمجھ کر اُس کے روحِ خاقانیِ و عرفی نے لیے جوم قدم
ہوئے اِرشاد تو اب مطلعِ ثانی وہ پڑھے تھرتھرا اُٹھے جسے سنتے ہی کاؤس اور جم

کیوں نہ بخشے تجھے پھر شاہِ ولایت پرچم تو مِنَ اللہ مؤیّد ہے خدا ہی کی قسم
اِنس و جن، ابر و ہوا کیوں نہ ہوں فرمانبردار ہے ترے نام کو خاصیّتِ اسمِ اعظم

---

[1] چاؤش (ترکی) چوب دار یا نقیب جو بادشاہ کے آگے آگے چلتے ہیں۔

[2] صنادید (صندید کی جمع) ۱۲ مرتب۔

[3] ابکم = گونگا۔

کیوں نہ ہو زیرِ نگیں تیرے سبھی ہفت اقلیم
سایۂ مُہرِ نبوّت میں ہر تیری خاتم

اے وزیر ابنِ وزیر ابنِ وزیر ابنِ وزیر
کانپتے تیری شجاعت سے ہیں ضرغام[1] اجم

جو غلامانِ غلامانِ غلاماں ہیں ترے
سب مہیّا اُنھیں انواع کے ہیں ناز و نعم

عدل یہ عصر میں تیرے ہے کہ جس کے ڈر سے
شیر و بُز غالہ میں ہر ربطِ محبّت باہم

ہمدگر اُلفت و شفقت ہی کچھ ایسی ہے کہ اب
بچّۂ شیر کو آ دودھ پلا دے ہے غنم

غمِ معشوق سے کہتے ہیں گروہِ عشاق
عوض اُس کے کہ دیا کوئی گھڑی دل کو الم

آپ کے مے کو ہم نوچ جبیں سے لیں گے
ہم چچا[2] کر کے تمھیں چھوڑیں گے، یا حضرتِ[3] عم

تیرے رتبے کا بیاں کس سے ہو، ماشاءاللہ
نہ فقط ہند ہی کے لوگ ہیں کچھ تیرے خدم[4]

تیری شمشیر کی بُرّش کی ہو کس سے تعریف
گھاٹ پر جس کے رہا خون ہے اعدا کا جم

خلقِ دشمن کے لیے زہر بھری آب کے ساتھ
صاف اک پرچۂ الماس ہے اور کاسۂ سم

کیا چمن بندیِ جوہر ہے پری زاد، اے واہ
تیغ میں اُس کی کہوں یا کہ گلستانِ ارم

ہے وہ شعبان میں شعلہ فشاں خوں آشام
شکلِ برق و شفق و صاعقہ و موجِ یم

اُس کے جوہر جو جواہر سے بڑے مول میں ہیں
سو وہ ایسے ہیں کہ جیسے خط یاقوت رقم[5]

اُس کو کچھ جھڑنے سے اور مُڑنے سے خطرہ ہی نہیں
کمرِ کوہ پہ لاگے تو کرے صاف قلم[6]

کیوں نہ قبضے میں وہ کر لیوے جہاں تا فِ فلک
رشکِ ابروے پری اُس کی ہر موقع کا خم

دیکھ کر کہتے ہیں سب اہلِ خراساں اُس کو
ایسی دیکھی نہ سُنی، شاہِ خراساں کی قسم

ہر سپر کی تری، پر زور قوی وہ اوجھڑ
کہ ہو جھٹ جس سے عدو رہ سپرِ ملکِ عدم[7]

---

[1] ضرغام اجم = شیرِ بیشہ۔

[2] چچا کر کے چھوڑنا = ذلیل کرنا + غم کی جبیں سے مسّا نوچ لینے کا یہ مطلب کہ جب غم کا نقطہ جاتا رہا تو وہ عم ہو گیا جس کے معنی چچا کے ہیں۔

[3] اس کے بعد کچھ فارسی اور عربی وغیرہ کے اشعار چھوڑے جاتے ہیں۔

[4] یاقوت رقم = ایک مشہور خطاط کا لقب ہے

[5] ن: "اُس کو تلم"۔

[6] اوجھڑ = ضرب، گھاٹ + رہ سپر = راہی + مطلب یہ کہ حملہ تو تلوار سے ہوتا ہے لیکن تو اگر اپنی ڈھال سے دشمن پر حملہ کر دے تو بھی اس تیری ضرب میں وہ قوت ہے کہ ایک وار میں دشمن کا کام تمام ہو جائے۔

بادپا کا ترے کیا وصف کروں جس سے ہو — الحق مردم چشم پری پیکر میں کم
ایک دن اُس کے جلو میں جو کہیں دوڑی تھی — آج تک خاک میں ہے بادِ بہاری کا دم
قوتِ منفعلہ اُس کی سے ٹپکا ہو عرق — سب جوانانِ چمن کہتے ہیں اُس کو شبنم
اس کی کب گرد کو پہنچے ہو نسیم سحری — نکہتِ گل کی جو سرپٹ ہو سو اُس کا ہو قدم
ہو اُسی رخشِ فلک سیر کا اک نعلِ ہلال — دیکھنے آوے ہو ہر ماہ جسے ایک عالم
جی میں ہے اور بھی اک مطلعِ ثالث پڑھ کر — چھین لوں کالبدِ چرخ سے تاروں کی جھلم[1]

سامنے تیرے جو رستم بھی کبھی ٹھونکے خم — تو وہ ہاتھ اُس کا اُسی طور سے رہ جاوے جم
مدِ غیب سے ایسا ہی ہو اُلٹا پانسا — کہ مسل ڈالے اُسے ٹاپ میں تیرا ادہم
یاں تلک تو ہو ترا عالم تیر اندازی — کہ تجھے کہتے ہیں اُستادِ عرب اور عجم
طائرِ قبلہ نما پر بھی اگر کیجے خیال — تو وہ بھی نہ بچے ہو گھر اپنے ہی میں ور ٹوٹے ہو دم
تیرے بندوق لگانے کا بیاں ہو کس سے — جانور اُڑتے گراتا ہو تو لاکھوں پیہم
حکم انداز[2] تو ایسا ہو کہ جس کے آگے — بھول پرواز گئے طیر سب اور آہو رم
توپ خانے کی ترے سنتے ہی آواز اک بار — رعد اور برقِ شرر بار ہوئے دونوں سم[3]
ہو سکے فوجِ ظفر موج کا اب کس سے شمار — اُس کے اعداد سے ہو ذاتِ خدا ہی محرم
تیرے دشمن سے نہ زائل ہو کبھی رو سیہی — سینکڑوں غوطے وہ گر کھائے بہ آبِ زمزم
وصف تحریر کروں کیا ترے ہاتھی کا میں — بھلے رے اُس کی شکوہ اور وہ اُس کا خم و چم
کہکشاں اُس کی ہمہ مشک کی بلندی سے خجل — آنکھیں یوں اُس کی ہیں جوں نافِ غزالانِ حرم
دونوں کان اُس کے جو پاکیزہ ہیں آلی آلی — سو وہ ہیں طعنہ زنِ طیرِ مسیح مریم[4]

---

[1] کالبد = ڈھانچا ۔ جھلم = زرہ کی طرح کی نقاب جو جنگ کے وقت منہ پر ڈال لیتے تھے ۔

[2] حکم انداز = قادر انداز

[3] سم ہو جانا = متحیر ہو کے خاموش ہو جانا ۔ [ہم :- "صم" ممکن ہے " اصم" یعنی بہرا ہونا]

[4] آلی آلی = سُرخ سُرخ ۔ طیرِ مسیح چنگاڈر جسے مرغ عیسیٰ بھی کہتے ہیں ۔

فی المثل صورِ سرافیل ہو اُس کی خُرطوم
وہ اُسے پٹکے زمین پر تو زماں ہو برہم

اژدہا کی سی سمیٹ اور لپیٹ اُس کی دیکھ
بعضے موسیٰ کا عصا کہتے ہیں، بعضے ارقم[1]

چیر اور پھاڑ ہی ڈالے ہو مُعانِد کو ترے
اِس میں گو آئے وہ باعور کا بیٹا بلعم

شب یلدا میں کھلی حُور کی جوں چوٹی ہو
دُم پری زاد جو ہے اُس کا یہ کچھ ہو عالم

دیکھ کر پانوؤں کو اُس کے یہی کہتا ہو خیال
سقفِ رفعت کے جہاں میں یہی چاروں ہیں ستم[2]

سونڈھ میں برق کی زنجیر طلائی لے کر
اُس کی ٹکر کے اگر سامنے آوے اِک دم

تو کچھ اس روپ سے پھر بھاگ چلے پیلِ سحاب
کہ زمین نیچے سے آواز اِک اُٹھے کھم کھم

نہ رُکے اپنے مہاوت سے، وہ بہتیرا کہے
دھت بروسیل اکد پھر لگے یوں جی کھل سم

اب دعا مانگے ہو تیرے لیے اِنشاءاللہ
یارب آمیں کہیں سُن اِس کو ملائک باہم

ناظم الملک بہادر بھی ہو اور دنیا ہو
ہرتے پھرتے رہیں جب تک کہ یہ چاروں موسم

صحت و طولِ بقا و طرب و دولت و حشمت
ذات سے تیری رہیں تا بہ قیامت توأم

تیرے ہی مجرے میں گایا کریں سب اہلِ نشاط
قول و آہنگ و نوا[3]، ماتھا، ترانہ، سرگم

بھیرویں کنکلی اور مالسری اور سارنگ
پوربی، گوری، یمن، پرج ہیں اور جتنے نغم

سامنے تیرے ہی ہر وقت رہے اِن کی صدا
تانیں لہراتی رہیں ایسے ہی جوں موجۂ یم

راجہ اِندر کے اکھاڑے میں ہو جوں پریوں کا ناچ
در دولت پہ ہمیشہ رہے یوں ہی چھم چھم

(۸) نواب سعادت علی خاں کی تعریف میں

کیا چیز دیو، مردِ سخنداں کے سامنے
پر جلتے ہیں فرشتوں کے انساں کے سامنے

صدمہ ہی پہنچے رعد کی گردن پہ ایک بار
آوے کبھی جو نعرۂ مرداں کے سامنے

جاری مری زباں سے ہوں سوزندہ رودِ شہد[4]
گویا اگر ہوں اہلِ صفاہاں کے سامنے

---

[1] ارقم = مار سیاہ، ناگ۔
[2] ستم = کم، کھبا
[3] ن: "ہوا" یعنی ساز کو بجا کر درست کرنا۔ نوابِ موسیقی کے بارہ مقاموں میں سے ایک مقام۔ ماتھا: گانے کی ابتدا میں جو نے خام کرتے ہیں۔
[4] زندہ رود شہد = شہد کا دریا۔ زندہ رود ایک دریا کا نام۔

دلچسپ تر ہو آمدِ صہبا سے جام میں
میرا درود زمزمہ ستاں کے سامنے

ہر سنگ، رنگ[1]، ڈھنگ یہ اپنے کلام کا
ہو جائے جھٹ جو لعلِ بدخشاں کے سامنے

لیلیٰ کا ہاتھ پکڑے ہوئے قیس ہو نمود
گر آڑ کھڑا ہوں خارِ مغیلاں کے سامنے

میری بلائیں لیتی ہیں جنّاتِ عدن میں
حوریں ہمیشہ مجمعِ غلماں کے سامنے

ہو جاویں مست وحش وطیور و سباع سب
"ہوں" کر اٹھوں جو دشت و بیاباں کے سامنے

قانونِ بوعلی سے نہیں کم کسی طرح
میرا کلام مردِ شفاداں[2] کے سامنے

ہر وحشت آدمی کی جو سر جھاڑ منہ پھاڑ[3]
چاہے تو ہووے شاہِ نبی جاں کے سامنے

کیوں کر نہ یہ گھمنڈ ہو بیٹھا ہوں آج میں
کیسے وزیرِ اعظم ذیشاں کے سامنے

یعنی یمینِ دولہ بہادر کہ جس کا حسن
ہو جاوے آفتابِ درخشاں کے سامنے

کیوں کر نہ کہیے ناظمِ ملکِ جہاں اُسے
ہیں جملہ جس کے دستِ زرافشاں کے سامنے

دی جس کے نام کو یہ سعادت علیؑ نے ہو
لیویں جسے نسیمِ بہاراں کے سامنے

برہانِ ملک وصفدر و منصور دہ شجاع
چاکر ہوں جس کے سام و زریاں کے سامنے

ایسا ہو شیر ببر کہ جس کے جلال کا
مذکور ہووے قیصر و خاقاں کے سامنے

جو معرکے میں رزم کے دیوے کھڑا ہوا
موچھوں پہ تاؤ شیرِ نیستاں کے سامنے

ہمت ہو اُس میں ایسی کہ یہ چرخِ کوزہ پشت
خم ہو اُسی کے رتبۂ احساں کے سامنے

انشاؔ، تو باریاب ہوا بزمِ خاص سے
خم ٹھونک لے نہ رستمِ دستاں کے سامنے

بارے سپیدیِ دمِ صبحِ وطن ہوئی
مدّت کے بعد شامِ غریباں کے سامنے

اِس وقت اِک قصیدہ کوئی دھوم دھام کا
پڑھ اِس وزیرِ حاتم دوراں کے سامنے

جس کے ہر ایک شعر پہ دلچسپ شوخیاں
ہیں قوّتِ فصاحتِ سحباں[4] کے سامنے

---

[1] سنگ، رنگ، ڈھنگ: جواہر کی تین خوبیاں جن میں سے اگر ایک بھی کم ہو جائے تو اس کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ سنگ یعنی وزن۔

[2] شفاداں: عالم فاضل جس نے بوعلی سینا کی کتاب شفا پڑھی ہو۔

[3] سر جھاڑ منہ پھاڑ: دیوانہ وار، وحشیانہ۔ بہت زیادہ۔ سامنے اس شعر میں مقابل کے معنی میں ہے۔ بجائے "یہ"

[4] سحبان: عرب کا مشہور فصیح

حاضر ہوا ہوں یوسفِ کنعاں کے سامنے — یا آگیا ہوں میں مہِ تاباں کے سامنے
یاد آوے تیری چشم کی شوخی تو پھر وہیں — ساقی کرے مُراقبہ فنجاں کے سامنے
کو بوکوا[1] اس شہر کا آفاق ہے، ولے — کیا دخل ہو جو تیرے ثنا خواں کے سامنے
آکر حضورِ اقدسِ عالی میں ہوں کھڑے — جو لوگ بیٹھ جائیں تمرخاں[2] کے سامنے
یوں خلق تیرے حکم میں، جوں خیلِ گوسفند — ہوں گلہ گلہ موسیِ عمراں کے سامنے
کم مرتبگی میں آتے ہیں اس طرح سے نظر ق — حسّاد تیرے نطقِ غلاماں کے سامنے
جس طرح سے مسیلمہ[3] کے مہملات کا — ہو مرتبہ بلاغتِ قرآں کے سامنے
مذکور ہووے تیرے جو ذہنِ سلیم کا — آجائے ذکر حضرتِ لقماں کے سامنے
قمری کی طرح طوقِ غلامی پہن ہی لے — جو آوے تجھ سے سروِ خراماں کے سامنے
حُبِّ علی ہے تجھ کو یہاں تک کہ تیرا ذکر — جنت میں ہے آبا[4] ذرِ سلماں[5] کے سامنے
ہے قوتِ مقررہ کا تیری تذکرہ — مشہور فخرِ خطۂ یوناں کے سامنے
شادابی اُس میں ایسی کہ جوں خضرِ سبز پوش — بیٹھا ہوا ہو چشمۂ حیواں کے سامنے
اُڑ جائیں ہوش تو سنِ بادِ بہار کے — گر دَم میں ہو کبھی ترے یکراں[6] کے سامنے
اُس کی روش کو دیکھیے تو غش کھا کے لوٹ جائے — موجِ نسیم خیلِ غزالاں کے سامنے
سب کھیتیاں ہری ہوں اگر تیرے فیل کا — لیں نام پیلِ ابرِ بہاراں کے سامنے
اُس کا سواد لونِ شبِ قدر کی نمط — ہووے نمود زُمرہ مستاں کے سامنے

---

[1] ابو نواس = ہارون الرشید کے دربار کا مشہور شاعر۔ بعضے نسخوں میں "بوقراس" ہے یعنی ابو فراس حمدانی جو سیف الدولہ کا عزیز قریب تھا، لیکن یہ قرین قیاس نہیں۔

[2] تمرخاں = امیر تیمور۔

[3] مسیلمۂ کذاب = جو مدعی نبوت تھا، مہملات یعنی وہ فقرات جو مسیلمہ نے قرآن مجید کے مقابلے میں لکھے تھے۔

[4] ن: "مسرور"۔

[5] ابوذر غفاری اور سلمان فارسی حضرت علی کے مشہور رفیق اور طرفدار تھے

[6] یکران یعنی گھوڑا

دونوں وہ دانت اُس کے مسیحا کے ہاتھ سے
ہوویں بلند صاحبِ عرفاں کے سامنے

ہر مرتبہ یہ عدل کا تیرے کہ مور ہو
اس عصر میں جنودِ سلیماں کے سامنے

گر برقِ تیغ کی تری دیکھے چمک عدد
تو سمجھے یہ کہ ہر دمِ ثعباں کے سامنے

تجھ کو ضمانِ ضامنِ ثامن مدام ہر
مقبول ہر تو شاہِ خراساں کے سامنے

انشا تری دعا میں ہر مشغولِ رات دن
اپنے کریم و قادرِ سبحاں کے سامنے

جب تک نہ ہو کمالِ درخشندگی نصیب
جرمِ سُہا کو مہر کے لمعاں کے سامنے

آساں رہیں یہ عُقدے کی غنچہ کشائیاں
تا ناخنِ نسیم بہاراں کے سامنے

حاضر رہے بہار و سرور و نشاطِ جشن
یارب ہمیشہ تیرے گلستاں کے سامنے

افواجِ روم و شام و ولایت نہ ہو سکے
ہرگز کبھی تری صفِ مژگاں کے سامنے

شایاں ہر یہی کہ ترے دستِ جود کا
مذکور کیجے موسمِ باراں کے سامنے

ہر چند ہوں میں بے سر و ساماں ولیک آج
آیا ہوں تجھ سے با سر و ساماں کے سامنے

کلغی مجھے بھی ہووے تعجب نہیں کہ تھا
ہُدہُد کے سر پہ تاجِ سلیماں کے سامنے

(۹) دُولھن جان کی تعریف میں

سحر بہار کی خوشبو میں آگئی یہ لپٹ
کہ صاف چاند سے مکھڑوں کے کھل گئے گھونگھٹ

ہوا دماغ میں بادِ بہار کے یہ بھری
کہ گھوڑیاں عربی جائیں جس طرح سرپٹ

صبا کے جھوکوں سے کچھ ڈالیاں جو لہرائیں
تو خوب پھولوں کی چھڑیاں چلیں بہم سٹ سٹ

یکایک ایسا ہی عالم ہوا کہ عقل کے
اکھاڑے پریوں کے گویا اُتر پڑے جھٹ پٹ

چمن میں ایسی ہی اک چاندنی سی پھیل گئی
کہ ویسی تاروں بھری رات بھی نہ لے کروٹ

مزے میں آکے جوانانِ باغ جتنے تھے
صراحیِ مے عشرت چڑھا گئے غٹ غٹ

نصیب سوتے ہوئے تھے جنھوں کے چونک پڑے
گئی انھوں کی بھی اس ولولے سے نیند اُچٹ

صبا یہ آئی یقیناً ہر اُس کے کوچے سے
کہ جس کے نام میں ہر چاند کی سی چمکا ہٹ

وہ کون یعنی پری زاد عرف دولھن جان
بلائیں لیتے ہیں جس کی جہانیاں چٹ چٹ

گذر صبا نے کیا ہر جو اُس کے کوچے سے ق سہاگ لہر کی تاثیر کیجے غور کہ جھٹ
نظر پڑا مجھے بلّور کا اِحاطہ ایک مکان سارے مرصّع عجیب اِک جگھٹ
ستون صورتِ غلمان و مشک بیز شمیم انوکھے ڈول کے ہر جا چھپر کھٹ اور سرکھٹ[1]
ہزاروں رنگ کے فوّارے اور چادرِ آب ہر ایک سمت پری پیکروں کے غٹ کے غٹ
چھتوں میں موتیوں کی جھالریں لٹکتی ہوئی سب ایک ڈال زمرّد ہر اِک کواڑ کے پٹ
کسی میں پارۂ الماس کے لگے کنڈے جڑی ہوئی کہیں یاقوتِ سرخ کی چوکھٹ
لگے ہوئے گہر شب چراغ اکثر جا ڈلک سے جن کی بہت دور تک ہو پھیلاوٹ
کہیں تو شیشے کے فانوسوں کی چمن بندی اور اُن کے بیچ سے چھٹنا پٹاخوں کا چٹ چٹ
کھڑے ہوئے حبشی وہ غلام باشمشیر کہ جن کی ڈھال کی رنگت سے ہو خجل سلہٹ[2]
سو کالے ٹیکے تھے گویا رُخِ نزاکت کے کہیں نظر نہ لگے اِس لیے رہے تھے لپٹ
ہر ایک طعن یہ کرتا تھا شاہزادۂ گل کہ لے نہ تو بھی صنوبر کو نیچے جھاڑ چمٹ
کہیں شہانے کی آواز اور کہیں کا مود کہیں تو رام کلی بھیرویں کہیں تھانٹ
بہاگ تھا، کہیں توڑی کہیں تھی مالسری کہیں کِدارا، کہیں کنکلی، کہیں تھا کھٹ
کہیں تو پرلو کا ناچ تھا، کہیں سنگیت قیامت اُن کی اُلٹنی تھی اور قہر پلٹ[3]
بنے ہوئے کہیں رادھا، کہیں کنھیا جی پتمبر[4] اوڑھے ہوئے سر پہ رکھے مور مکٹ
وہی کریل[5] کی کنجیں تھیں اور بندرابن سہانی دھن وہی مرلی کی، وہ وہی منسی بٹ
نہانے دھونے وہی ٹھیک ٹھاک سب باتیں وہ گوکل اور وہ متھرا نگر، وہ جمنا تٹ[6]

---

[1] سرکھٹ = مثل چھپر کھٹ کے ایک قسم کی مسہری۔

[2] سلہٹ = بنگالہ کے ایک شہر کا نام جہاں کی ڈھال مشہور ہے اور سنگترے بھی۔

[3] پرلو = ایک قسم کا ناچ ہے اُلٹنی اور پلٹ ناچوں میں ہوتی ہے یہ موسیقی کی اصطلاحیں ہیں۔

[4] پتمبر صحیح پیتامبر = وہ زرد رنگ کی دھوتی جو کرشن جی باندھتے تھے۔

[5] کریل = ایک کانٹے دار جھاڑی۔ کنج = منڈوا۔

[6] تٹ = کنارہ۔

وہی وہ گوپنیں سولہ سَو اور اُن کا روپ — سبھوں کے ڈول وہی اور وہی گھبراہٹ
وہی سراسری[1]، چنپا کلی، وہی — وہ ٹیکا، بینے، وہی جھمکے اور وہی انوٹ[1]
اُسی طرح کے کنول توڑنے، کول ویسے — اُسی طرح کے پھسل پڑنے اور وہ ہی رپٹ
دھرا اپنی چھاتیوں پر بین[2] کر دکھاتے ہیں — جو اُن کی بانسری لیتی تھی کوئی چھین جھپٹ
دھرے تھے کشن نے جتنے کہ روپ جوں کے توں — وہ چیر گھاٹ، وہی سیوا کنج اور رنگھٹ
برہ وہی وہی اودھو سے کل کی یہ بنتی — یہ آنسو اچھا رہے ہر نین مانجھ جیسے رہٹ
سکھی رہیں رہیں آنند سوں رہیں اوت میں — یہو بچار ہیں کینوں کہ کیسی آئی بکھٹ
کہیں جو دیکھو تو سب مارڈاڑ کا عالم — وہی کٹار وہی بکر مان وہی کھٹ کھٹ
او بار دیشی وہی اور وہی کائیں چھ — وہی پہاڑ وہی ریت اور وہی اُونٹ
صدا بلند اُسی ڈھب سے دیس گانے میں — کہ مہاری سانور دمتوار دے گیو ساوٹ
کہیں تو بھرتری کا سانگ سج کبیر کہیں — کہیں ہلاتے ہوئے سر کو اپنے باندھے بھرٹ
کہیں تو سادھے ہوئے جوگ وہ پری زادیں — کہ راجہ اِندر کے سہرے کو جو کریں چوپٹ
وہ چھیڑ چھاڑ بہم اِس طرح کی گرما گرم — کہ جن کی شوخیوں سے جی کو ہو سرور نپٹ
غرض کہ ہے وہ پری زاد ایسی ہی دلچسپ — رہا یہ باغ میں نکہت سے روپ جس کا جھٹ
شراب حسن نزاکت جو پاس ہر اُس کے — اُسی شراب کی حوروں نے پائی ہر تلچھٹ
نگہ میں اُس کی یہ کچھ نوک[3] چوک جو دیکھے — تو وہیں برق شرر بار کو کرے تلپٹ
مقابل اُس کے جو آجائے رستم دستاں — تو اُس کے حق میں یہ کہہ بیٹھے چل پرے بھی ہٹ
وہ آہوان ختن، مشک نافہ ہر جن میں — مدام سونگھتے ہیں اُس کے سر کے بالوں کی لٹ
کبھی جو اُنگلیوں کی فندق اُس کی دیکھے تو — بہار بیر بہوٹی کی طرح جائے سمٹ
مسی کے رنگ میں خنکار کو بھی دے غوطے — ادا و ناز سے سب روم و شام ڈالے الٹ

---

[1] سراسری، چنپا کلی، ٹیکا، بینے، جھمکے اور انوٹ یہ سب زیور ہیں۔ بینا: ایک قسم کا جھومر۔ سراسری موتیوں کا زیور سر کے لیے۔
انوٹ = ہندوانی زیور جس کو عورتیں پاؤں کے انگوٹھے میں پہنتی ہیں۔ برمقابل بچھوے کے جو پاؤں کی انگلیوں میں پہنا جاتا ہے۔
[2] کر (ہندی) ہاتھ۔ کر دکھاتے ہیں = ایک خاص انداز سے ہاتھ دکھاتے ہیں۔
[3] نوک چوک = طراری، تیکھا پن۔

یہی تو تین ہٹیں ہیں جہان میں مشہور — وہ کون راج ہٹ اور بال ہٹ کہ تریا ہٹ
ہزار کوس دلدّر[1] وہیں کھسک جاوے — کبھی جو اُس کے دبے پانو کی سُنے آہٹ
بسانِ سیبِ جناں ہر جو اُس کا سیبِ ذقن — زیادہ ہر ذقنِ حور سے بھی گدراہٹ
وہ گات ایسی طرح دار، کُچ یہ پاکیزہ — کہ سیموتی میں نہ ہووے گی ایسی نرماہٹ
نہ کچھ بھی خسرو پرویز کو خیال میں لائے — غرورِ حُسن پہ ہر اپنے ایسی ہی جھوٹ
لطیفہ بن کہے وہ چین لے سو کیا اِمکاں — کبھی دبی نہ وہ شہزادیوں سے یہ منہ پھٹ
جو فی المثل اُسے شیریں بھی لے کوئی چٹکی — تو ساری ذات وصفات اُس کی وہیں اُڑا اُگٹ
اگر خلافِ مزاج اُس کے ہو کوئی حرکت — تو جاویں شاہدِ حَی کے بھی سر کے بال کھسٹ
یہ تیزی آنکھوں میں اور اُس کی تیغِ ابرو میں — کہ جیسے مردمِ جنگی کسی سے جاویں ڈٹ
جو اُس کے توسنِ انداز کا کروں کچھ وصف — کہاں خیال کے گھوڑے میں ایسی دوڑ ڈپٹ
مناسبت اُسے مہتاب سے چمک میں ہر — مگر یہ فرق اُدھر چٹ[2] نہیں اِدھر ہر چٹ
وہ اپنی مانگ سنوارے جو لے کے آئینہ — تو کہکشاں کی وہیں قدر ساری جاوے گھٹ
بس اب دعا پہ کر اِنشا تو اِس قصیدے کو ختم — الٰہی اُس سے زکات سدا رہے غنٹ پٹ
مدام عقدہ کشا رکھ، اُسے زمانے میں — اُسی کے ہاتھ رہے میرے دل کی سُلجھاوٹ
دعائے خیر میں دن رات اُس کی رہتا ہوں — علی الصباح سے بس شام تک یہی ہر رٹ
دعا یہی ہر کہ دنیا ہو اور دولھن جان — نشاط و جشن و طرب کا وہیں رہے جھرمٹ
رہے مدام سروکار عیش سے اُس کو — نہ ہونے پاوے کسی طور کا اُسے اَٹ سَٹ

(۱۰) بادشاہِ اِنگلستان جارج سوم کی تعریف میں

بگھیاں نور کی تیار کر، اے بوے سمن — کہ ہوا کھانے کو نکلیں گے جوانانِ چمن
عالمِ اطفالِ نباتات پہ ہوگا کچھ اور — گورے کالے سبھی بیٹھیں گے، نئے کپڑے پہن

---

[1] دلدّر = افلاس، تنگدستی۔

[2] چٹ = بدنما دھبا۔

کوئی شبنم سے چھڑک بالوں پہ اپنے پوڈر
بیٹھ کر جلوے کی کرسی پہ دکھاوے گا پھبن

شاخِ نازک سے کوئی ہاتھ میں لے کر اک کیت[1]
ہو الگ سب سے نکالے گا نرالا جوبن

نسترن بھی نئی صورت کا دکھاوے گا رنگ
کوئی گنج پرنازکے جب پانو رکھے گا بن ٹھن

اپنے گیلاس شگوفے بھی کریں گے حاضر
غنچہ و گل بھی وہاں کھولیں گے بوتل کے دہن

اہلِ نظارہ کی آنکھوں میں نظر آوے گی
باغ میں نرگسِ شہلا کی ہوائی چتون

اور ہی جلوے نگاہوں کو لگے گی دینے
اودی بانات کی کرتی میں شکوہ سوسن

پتے ہل ہل کے بجاویں گے فرنگی طنبور[2]
لالہ لاوے گا سلامی کو بنا کر پلٹن

کھینچ کر تارِ رگِ ابرِ بہاری سے کئی
خود نسیمِ سحر آوے گی بجانے ارگن

اپنی سنگین چمکتی ہوئی دکھلاوے گی
آپڑے گی جو کہیں نہر پہ سورج کی کرن

نے نوازی کے لیے کھول کر اپنی منقار
آکے دکھلاوے گی بلبل بھی جو ہو اُس کا فن

اردلی کے جو گراں ڈیل ہیں ہوں گے سب جمع
کرنا پھونکے گا جس وقت کہ آ سُکھدرسن

آوے گا نذر کو شیشے کی گھڑی لے کے حباب
یاسمیں پتوں کی پنیں میں چلے گی بن ٹھن

نکہت آوے گی نکل کھول کلی کا کمسہ
ساتھ ہووے گی نزاکت بھی جو ہو اُس کی بہن[3]

حوضِ صندوقِ[4] فرنگی کے مُشابہ ہوگا
اُس میں ہوویں گے پری زاد بھی عکس افگن

جب ہوا کھا کے گھر آویں گے تو دیکھیں گے تاج
وضع پر ہند کی ہر باغ میں جن کا مسکن

کیا تعجب ہر جو فوّاروں کی ہو سارنگی
رعد کے طبلے بجیں ایسے کہ ہوں مست ہرن

ٹانک لے بادلے کا آبِ رواں سے نیفہ
ڈال کر سبزے سے ٹانگوں میں ازارِ ساٹھن

اودی ایک لاہی کی بادل سے پہن کر شواز
گلِ مہتاب سے گوٹے کا لگا کر دامن

---

[1] کیت = نازک پتلا بید۔

[2] ق ۳: "کوچہ"۔

[3] فرنگی طنبور = کانسرٹ۔

[4] صندوقِ فرنگی سے شاید آئینہ دار میوزیکل باکس مراد ہے۔

† ق ۳: "پھبن"۔ †† ق ۳: "طبلے"۔ م "طبل"

چاند تارے کے دوپٹے کو شبِ ماہ سے اوڑھ
مینہ کی بوندوں کے بجاتی ہوئی گھنگرو چھن چھن

ناچنے کو ہو کھڑی آن کے چپلا بائی
چوکڑی بھولیں جسے دیکھ غزالانِ ختن

کوٹ کوٹ اُس میں بھرا ہو یدِ قدرت نے جمال
روشنی مانگ لیں اُس مکھڑے سے پروین و پرن

یعنی وہ رشکِ پری کہتے ہیں بجلی جس کو
تیرہ ہو جس کی جدائی سے جہانِ روشن

ہر وہ نک سک سے درست ایسی کہ سبحان اللہ
بل بے موج بل بے اکڑ بل بے ترا منکا پن

لشکرِ ہند و حبش میں ہوئی حائل اِک نہر
مانگ میں اُس کی عبث کرتے ہو کچھ اور سخن

چین سے راہ جبیں اُس کی بہت ہر پُر پیچ
ہر اسی پیچ سے خورشید بھی گم کردہ وطن

دوسرے جیم کے اوّل قلمِ قدرت نے
کھینچے تا اُن سے ہویدا ہیں یہ دو نقشِ کہن

کون دو نقشِ کہن یعنی جمال و جلوہ
دوسرے جیم کے ہیں دونوں وہی ناگ کے پھن

جن کا اُس شکلِ پری چہرہ پہ ہے ابرو نام
جن کی خاطر ہر مرے جی کا زمانہ دشمن

حق نے اُس شوخ کے چہرے پہ کیے دو[1] صاد
شاہدِ بیں اُس کے ہیں بے شبہہ دو چشمِ پُرفن

دُور سے آنکھوں کے جو ہیں اُن کا بنا کر پھندا
لے گئے سینکڑوں دل کھینچ کے یہ دو رہزن

اُس کی مژگاں سے مرے دل میں کھٹکتی ہر پھانس
باز کی جست سے کچھ کم نہیں اُس کی چتون

ہر خطِ نسخ میں اللہ کے جو اُس کی ناک
کیوں نہ خود بینی انوکھی اُسے سب آوے بن

یا کوئی دائرے میں جیسے مثلث کھینچے
گول چہرے پہ ہر اِس طرح سے کچھ اُس کی پھبن

پارہ ہائے صدفِ نور تھے وہ دونوں کان
ایک ہی روح تھی اُن دونوں کی و ایک ہی تن

باہر اُن میں سے نکل جب کہ ہوا جلوہ فروز
گوہرِ قدرتِ حق یعنی وہ رُوئے روشن

تب جدائی پڑی آپس میں تو ناچاری سے
ایک نے یوں کو کیا ایک نے وں کو مسکن

دونوں رخسارے ہیں وہ ایک فرنگی فانوس
شمعِ کافوریِ حُسن اُس میں ہوئی ہر روشن

یہ کسی چشمِ خماری کا ہر گویا دُور[2]
ہر غلط فہمی اگر کیجے اُسے غنچہ دہن

نظر آئے مسی آلودہ وہ دنداں اُس کے
حُسن کے سین کے دندانے بہ وجہِ احسن

---

[1] دو سے صاد دونوں آنکھوں سے مراد ہے۔ دو سے صاد کرنا یعنی بہت پسند کرنا۔

[2] ق ۳: "چشمِ خماریں کا ہر کو یا گویا"

مُنہ میں حیرت سے کبھی کی تھی جو اُنگلی اُس نے
عکس نے اُس کے کیا اُس میں زباں ہو مسکن

لبِ نازک وہ سٹ جاتے ہیں آہٹ سے مجھے
اُس میں آتے ہیں نظر بیر بہُٹی کے چلن

روشنی چاند سے مکھڑے پہ اِسی چاہ سے ہر
چاہِ نخشب اِسے اب میں کہوں یا چاہِ ذقن

صبحِ محشر کے یہی سر پہ بلا لاوے گی
کچھ قیامت ہر غرض اُس کی بیاضِ گردن

اُس کی گردن کے جو ڈورے کو اُڑا جاوے تو جھٹ
چشمِ خورشید میں عیسیٰ دمیں مارے سوزن

دیکھ لے آئینہ دھواں دھار کھجوری چوٹی
گر نہ دیکھی ہو کسی شخص نے اُڑتی ناگن

اُس کے حلقوم میں ہر نغمۂ داؤد کا گھر † ق
اور گلے میں ہر کیا اُس کے صفائی نے دلمن

کہ کبھی لگ نہ سکے اُس کو پلو میں گیلاس
ہووے بالفرض سہا اُس کی اگر ملکِ ختن

بسکہ ہر اپنے رُخِ خوب پہ عاشق وہ آپ
تا نظر آوے اُسے وہ رُخِ زیبا وہ بدن

ہیں دو آئینۂ تابندہ وہ دونوں شانے
داہنے بائیں اُنھیں رکھے ہر وہ رشکِ چمن

کیا کروں اُس بُتِ کافر کی کُچوں کی تعریف
ہائے رے اُن کا اُبھار اور وہ اُٹھتا جوبن

نیم بشگفتہ کنول چشمۂ خوبی کے دو
گول گول اُبھرے ہوئے بھونروں سی جن کی ہر پھبن

وار پار آن کے یا بیٹھے ہیں چکوا چکوی
ہر وہ موتی کی لڑی بیچ میں دریائے جمن

پیر جاتے تھے وہ دریائے نزاکت گویا
تو بنی چھاتی کے تلے رکھے ہوئے وہ پُرفن

بھٹیاں ہیں جو دھواں دھار بھلا میں اُن کو
گھنڈیاں ریزۂ نیلم کی کہوں سیام برن

یا ہوا کھانے کو مہتاب میں کالے دو ناگ
گنڈلی مارے ہوئے بیٹھے ہیں نکال اپنے من

تب بنایا وہ شکم جب کہ بہم جمع ہوا
سُو وہ اختر و دُر، صافیِ مہتاب میں چھن

حُسن کے بدرۂ سربستہ پہ ہر ناز کی مُہر
ناف کہنا ہر اِسے سخت، اجی ہیلا پن

یا انگوٹھی کی گھڑی ہر وہ نزاکت سے بھری
جس پہ قربان کیے سینکڑوں بجتے ارگن

---

† ق ۳: "نغمۂ داؤد کا گھر" م ؛ "نغمۂ داؤد ہر" ۔ مگر یہ دونوں صورتیں صحت سے دور ہیں۔

‡ ق ۳: "کہنی ہر" ۔ م ؛ "رگھنی ہر" ۔ غرض صحت ان میں سے ایک بھی نہیں ۔

ن "بہت"

ہ بدرۂ سربستہ = منہ بند تھیلی ۔ ہیلا پن = بیہودگی ۔

ہائے ہَوَز کی سی صورت ہو کروں آہ نہ کیوں
آہ کا پوچھو تو بے شبہہ یہی ہے مسکن

یا یہ کہیے وہ شکم آئنہ ساں ہے شفّاف
میرا ناسورِ جگر اُس میں ہوا عکس افگن

تھرتھراتی ہے جو لٹ اُس پہ کافر کے
اُسی کے عکس سے ٹھیرے ہے رواں بل بن بھٹن

فی المثل فرضِ رگِ گل میں گرہ کیجے اگر
ہم سے تب وصف کر اُس کا ہو مہا[1] امکن

یاد دلواتی ہے چوٹی وہ کدم کی چھاتیں
بیٹھ کیوں کر میں کہوں اس کو؟ وہ ہے ہندرابن

چھاتیوں پر جو پڑا عکسِ دو گوش آ کے تو پھر
کھونٹیاں اُس کی ہوئیں واہ رے شفّافیِ تن

تار لینے کو رگِ جانِ تمنّا کے لیے
رہ گئے دونوں سرے شکل طنبوروں کی بن

شاخِ طوبائے بہشت، اُس کے وہ دو بازو ہیں
اُن سے حاصل ہو وہی جی میں جو کچھ جاوے ٹھن

اور سقنقورِ نر و مادہ ہیں دونوں ساعد
مست ہوں دیکھ جنھیں، مرد سے لے کر تا زن

اِک ہَوا وصفِ کفِ دست میں ایسی ہی چلی
کہ لگا اُس کے سبب کرنے مرا جی سَن سَن

موجِ دریائے نزاکت وہ لکیریں اُس کی
اور پوروں کی دمک ایسی کہ جیسے کُندن

اُنگلیاں اُس کی سقنقور کے بچّے سی پست
نوکِ باہ کے ہیجان کو آشوبِ زمن

شاخِ مرجاں پہ نمودار شبنم ہی سمجھ
اُس کی اُنگلی پہ وہ ناخن کی سپیدی کی پھبن

آنکھ پڑتے ہی پھسل جاوے تو کچھ دُور نہیں
کہ پڑی نازکیِ ناز سے ہے یہاں رپٹن

چاہتا تھا کہ میں ٹک بڑھ چلوں آگے لیکن
اِتنے میں شرم نے پکڑا ہی مرا آ، دامن

ہیں وہی رانیں یہ کیلوں کے درختوں کی شبیہ
شوق کے پیل کو دکھلاتی ہیں جو کجلی بن

وضعِ زانو کی طرحدار یہ پاکیزہ کہ ہائے
ساقِ سیمیں کو اگر پوچھو تو بلّورِ یمن

پانو تھے ایسے کہ ہو جیسے* سنہری مچھلی
اُن کے دھونے کے لیے چاہیے روپے کا لگن

آنکھیں اُس فندقِ پاسے یہ ملیں پریوں نے
کہ نظر آنے لگی نرگسِ شہلا کی پھبن

---

† ن: "آہ موزی"۔

‡ ق ۳: "پھر پھراتی ..... اُس کے کافر"۔ روماولی (روماولی سنسکرت) = پیٹ پر بالوں کی لکیر۔

[1] مہا امکن (عربی) = جس قدر ممکن ہو۔

* ق ۳: "ایسے ہی وہ جیسے"۔

سُرخی اُن ایڑیوں کی موتیوں کو جوتی کے — گھنگچیاں کرکے دکھاوے تجھے یاں چنپا بن
اُس کی اِس سادگی وضع پہ صدقے کیجے — ہیں غرض جتنے سنگار اور جہاں تک ابرن
ہیں جو اِن خوبیوں کے ساتھ وہ ناچیں گی آج — اِس میں گر شک ہو تو پھر سُن لے تو اے بوے سمن
آج ہے جون مہینے کی یہ چوتھی تاریخ — کیوں نہ اِس روزِ مبارک کی انوکھی ہو پھبن
اِس میں ہے سالگرہ اُس کی جسے کہتے ہیں — جارجِ ثالث و جسمِ مرتبۂ شاہِ لندن
عیش و عشرت کی یہ بو باس ہے اِس دن میں رچی — جیسے سیج مُچ کی ہو دو دن کی نول بیاہی دُلھن
دیکھے اِس شب کو تو مجنوں نہ ڈھلے لیلیٰ پر — راجہ نل کی نہ پڑے آنکھ کبھی سوے دمن
دھوم دھام ایسی ہوئی ہے کہ یہ دیکھی کس نے — چھٹتی ہے بارہ دری، اور اناروں کے چمن
جلوہ گر توپ ہوائی ہے ہزاروں ڈھب سے — جھاڑ شیشے کے ہوئے لاکھ طرح کے روشن
میز پر چُنی ہوئی ہیں اور بڑا کھانا[1] ہر — سارے اِک ڈال مرصّع کے لگے ہیں باسن
بُرج[2] اُڑتے ہوئے گر دیکھے† تو یوں عقل کہے — جوگی جے پال چلا، مار‡ ہوا پر آسن
پھرتی گھوڑ بہلیں ہیں اب اُڑتی ہوئی چاروں طرف§ — کچھ عجب نہیں ہے سُن کے جو اِن کی گھن گھن
منتظر چرخ پہ خود حضرتِ عیسیٰ آویں — دید یہ بزم کریں چھوڑ کے مینہ کی چلمن
کچھ نہ لندن ہی میں یہ زمزمۂ عیش ہے آج — ہند میں بھی تو ہر اِک گھر میں ہے تبلے کی پرن
یہ خبر سُن کے ہوا شاد وہ مخزنِ آفاق — جس کے قدم کے سبب ہے یہ جہاں رشکِ چمن
یعنی نوّابِ فلک رتبہ یمین الدولہ — حاتمِ عہد، جمِ وقت، فلاطونِ زمن
ناظم الملک بہادر وہ جنابِ عالی — دب گئے جس سے زمانے کے سب آشوب و فتن
وہ سعادت علیِ عالی اعلیٰ حشمت* — جس کی ہے نکہتِ اقبال سے عالم گلشن

---

[1] بڑا کھانا = ڈنر سے مراد۔

[2] بُرج = غبارہ جس میں چراغ جلاکر اُڑاتے ہیں۔

† ق ۳: "یہ بلوم اُڑتے ہوئے دیکھے"۔ غالباً "بلوں" کو کاتب نے "بلوم" لکھا ہے۔

‡ ق ۳: "مارے"۔

§ ق ۳: "گھڑ بہلیں ..... چار طرف"۔

* نیز سب نسخوں میں "جس سے" ہے جو صحیح نہیں۔

کن نے اِس شان کا دیکھا ہو وزیرِ اعظم
جس کے گھر ہووے سلاطین کا مَقرّ و مامن[1]

صفدرِ معرکہ منصور و شجاع و غازی
پُر دل و پیل کُش و شیر فگن قلعہ شکن

اِنتظامِ رُمحِ سا اُس سے ہوا ایسا کچھ
منتظم رشتے میں جس طرح سے ہوں دُرِّ عدن

فصل کے کیڑے بنے اُس کے عدو مرنے کو
کیوں کر اُس کو نہ کہوں کوکبِ[2] تابانِ یمن

ہر یہ بُرہاں سے ہویدا کہ مُبارز ایسا
آنکھ اپنی سے نہ دیکھے گا کبھی چہرۂ کہن

جس گھڑی باندھ کمر عازمِ میداں ہووے
پیٹھ دیتا آوے ہما بر سرِ نعشِ بہمن

دیکھ لے اُس کے نگاور[3] کی ابھی جو للکار
سام و گودرز کا دیکھا نہ ہو جن نے مدفن

جس جگہ دیکھے سناں اُس کی چمکتی رن میں
تو یقیں ہر کہ دبے پانو کھسک جائے پشن[4]

زور یہ اُس کے عطارد نے کیا بازو میں
ق ہو اگر روزِ وغا اُس کا عدو رویں تن[5]

خاکِ تودہ کی طرح دم میں بنا دے غربال
میرِ انوابِ فلک رُتبہ مخالف کا بدن

کیا کرم اُس کا بیاں کیجے کہ دور اُس کے میں
ہر دُرِ ناب گداؤں کا طرازِ دامن

جود کا لفظ جہاں اُس کی زباں پر گذرے
وہ زمیں تا بہ قیامت ہو گہر کا مخزن

اِس خوشی کا یہ سبب ہر کہ سب انگریز کے راز
اُس فلک دبدبہ پر آئنہ ساں ہیں روشن

اور انگریز پہ بھی ہیں جو وہ اسرار حضور
پرتو انداز ہیں جوں آب میں سورج کی کرن

جب بہم رابطے یہ ہوں تو نہ ہووے کیوں کر
اِس ہُما سایہ کا دل گنجِ طرب کا مخزن

کیونکہ مالک ہے سب انگریز کا وہ شاہِ بزرگ
جس کا جارج لقب اور بندہ ہر سلطان فُنن

وصف میں اُس کے سنو مطلعِ رنگیں ایک اور
روپ سے جس کے ہو شرمندہ بہارِ گلشن

---

[1] مقر و مامن = جائے قرار اور جائے امن۔

[2] کوکب تابان یمن یعنی سہیل یمن جس کے متعلق مشہور ہے کہ جب یہ ستارہ چمکتا تھا تو جَو اور خوشبودار ہو جاتا۔ حرامی بچے مر جاتے اور ساتھ ہی کبڑے کوڑے بھی غنا ہو جاتے تھے۔ اس آخری جز کی طرف اس شعر میں اشارہ ہے ؎

ولد الزنا ست حاسد منعم آنکہ طالع من
ولد الزنا کش آمد چو ستارۂ یمانی

(نظامی گنجوی)

[3] نگاور = کھو! + سام و گودرز = مشہور ایرانی پہلوان [4] پشن = شاہنامہ کا ایک مشہور ہیرو۔

[5] روئین تن = اسفندیار کا لقب جس کے جسم پر تیر و تلوار اثر نہیں کرتے تھے۔

اُس کے یوں فرق پہ ہر تاج مرصّع کی پھبن
صبح کو جیسے نمودار ہو سورج کی کرن

باندھتا گر سرِ اعدا سے نہ وہ کلّۂ مار
شکرِ ایزد نہ بجا لاتے کبھی زاغ و زغن

اُس کی بخشش سے نہ بھر جاویں جو تھل کیا دھل
جھڑ لگا دینے کو دنیا میں وہ ہے جوں ساون

قدر ہر علم کی کی اُس نے یہاں تک کہ بہم
سیکڑوں جمع ہوئے فضلِ دہر کے خرمن

اُس کی افواج نے جا کی مدد قیصرِ روم
مصر کے ملک سے سب مار نکالے دشمن

قوم نے اُس کی جو دوڑائے سمندر میں جہاز
وہ کیا کام سکندر سے نہ جو آیا بن

جستجو دیکھ نئی اور نکالی دنیا
رائج اُس میں بھی کیے اپنے تھے جیسے کہ چلن

ایک اِلِک ٹرسٹی* ایسی ہے بنائی جس کو
کبھی دیکھے تو فلاطوں رہے سرکن برکن[1]

ٹیپو سلطان کا قصّہ وہ سُنا ہووے گا
کر کے کیا کام پھرا وہاں جو گیا تھا رجمن†

لارڈ محکام نے ایسے ہی کیے اِک دو وار
دفعۃً کانپ گیا جس کے سبب سب دکھن‡

قومِ انگریز یہ ہیں ایسے کہ جن سے کانپے
آوے گر فوج عفاریت سمیت آہرمنؔ§

دبدبہ اُن کو خدا نے وہ دیا جن کے حضور
چیز کیا ہے وہ بھبکین[2] وہ کہاں کا راون

جیت کر آوے لڑائی جو مہا بھارت کی
تو جدھشٹر بھی کرے نذر سرِ جرجودھن

کیوں نہ اِس قوم سے ظاہر ہو شجاعت ایسی
اِن کے ہے سر پہ وہی مہر لقا سایہ فگن

تھرتھراوے وہ سمک گاؤ زمیں ہے جس پر
وہ فلک رُتبہ اگر ہاتھ میں لے اپنے ڈگن

دل میں ہے کر کے مخاطب اُسے اِک مطلعِ نو
پڑھیے ایسا ہی کہ غش سُن کے کریں اہلِ سخن

---

* ق ۳ میں اس طرح ہے یعنی (Electricity) مطبوعہ نسخوں میں "الگ طرز سی" جو صحیح نہیں۔

† یعنی "رجمنٹ"۔

[1] سرکن برکن = متحیر، پریشان

‡ ق ۳: "لارد احکام سے ایسے ہی ہوا اک دادد+ دفعۃً جس کے سبب کانپ گیا سب دکھن"۔

[2] بھبکین۔ مہابھارت کا مشہور پہلوان۔ جدھشٹر (یا یدھشٹر) اور جرجودھن (یا دریودھن) مہابھارت کی نمایاں شخصیتیں ہیں۔

§ ق ۳ میں یہ شعر نہیں ہے۔

بیٹھے جب تخت پہ تو وقتِ سخاوت بن ٹھن — مور چھل ہاتھ میں لے کر ہو کھڑا راجہ کرن[1]
جود کا بھی ترے کچھ اور نیا ہی انداز — اور ہی ہاتھوں میں ہر تیرے سخاوت کی پھبن
یعنی تو سر پہ رکھے جس کے ٹھکے اک خالی ہاتھ — وہ جسے چاہے اُسے بخش دے مُلکِ ارمن
مانگنے کی ہر ترے دور میں سائل کو قسم — چاہیے گو اُسے تختِ کَے و اقلیم ختن
کیوں کہ عادی ہیں ترے دور میں سب اہلِ دول — ق کہ جسے دیکھیں فلاکت سے گرفتارِ محن
عجز کے ساتھ کہیں اُس سے کہ لیجے صاحب — ہاتھ میں لعلِ بدخشاں ہو کہ دُرِّ عدن
عدل سے تیرے برابر نہ ہو عدلِ کسریٰ — کہے اُس کو جو کوئی سو کھ گیا اُس کا دہن
حکم سے تیرے جہاں تک کہ زمیں ہے معمور — ق بسکہ ہے چور کے اخراج کی ہر جا قدغن
جا چھپا دُزدِ حنا ہاتھ میں محبوبوں کے — اِس سوا اُس کو کہیں اور نہ سوجھا مأمن
اور کہیں زخم میں رہ جاوے اگر چور ذرا — تو وہیں واسطے جرّاح کے ہے دار و رسن
مل گئے خاک میں کب کے وہ سیہ بخت سبھی — جو اُڑا جاتے تھے آنکھوں سے چُرا کر انجن
اِس ستم پر کہ لگا دے دلِ پروانہ میں آگ — شمع کو گاڑتے ہیں تا بہ کمر لے کے لگن
بزمِ شاہانہ کو اب قصد یہی ہے میرا — عربی بول کے دکھلاؤں ٹک اک سیرِ یمن[2]
ہو سکے وصف تری کرج کا کس سے پورا — ہے نمونہ اُسی کاہر دُرخشاں کی کرن
آنکھ بھر دیکھے اُسے گیو تو تیور جل جائیں — چاہ میں کانپ اُٹھے اُس کی چمک سے بیژن
کیا ترے سامنے ہو سکتے ہیں وہ کور نمک — اپنے خاوندِ خداوند کے جو ہیں دشمن
صادق آئی وہ مثل حق میں ترے حاسد کے — ہے جو مشہور نئی ناگنی اُڑتی بے پھن[3]
رزم گہ میں غضب آلودہ تو جس دم آوے — ق ہفت کشور کا اگر والی ہو تیرا دشمن
کھلبلی فوج میں ایسی ہی پڑے اُس کی کہ وہ — ہووے ارمان جسے ہووے وہیں جاں کندن

---

[1] راجہ کرن = ہند و اصنا سیاق زمانے کا ایک بڑا راجا جو سخاوت میں مشہور تھا۔

[2] ق ۳: "کا"۔

[3] اِس کے بعد کے عربی ترکی اور فارسی اشعار چھوڑ دیے گئے۔ م: "پہ پہن"

ق ۳: "ارمان بھری جیسے ہووے وہیں"۔

موپریشاں ہوں کہیں خویش و برادر روتے
کہیں بیٹیں اُسے اگر پسر و دختر و زن

علم گر تیرے زمانے میں نہ ہوتا رائج
اور ترا ملک نہ ہوتا علما کا مامن

بسکہ تمییز کسی فن کی نہ رہتی باقی
بوعلی بیٹھتے بن کر سبھی گنگ و الکن

تھے ریاضی میں جو ماہر حکمائے یونان
سب بجاتے تھے وہ نقارۂ الملک لمن

پر ترے عہد میں موجود جو ہوتے تو انھیں
ایک لڑکا یہی کہتا کہ بڑے ہو کو دن

ہوئیں تصنیف کتابیں جو ترے عصر میں ہیں
اُن کے آگے کتبِ ماضیہ تقویم کہن

سامنے اُن کے ہر تحریر مجسطی[1] ایسی
جس طرح ہووے نئی جنس کا میلا بیٹھن

اب دعا مانگے ہر انشا۔ کہو ان شاء اللہ
مل کے آمین کرو آمین سب اے اہلِ سخن

جب تلک مزرعہ سرسبز فلک ہر شاداب
اُس پہ انجم رہیں جب تک کہ یہ خرمن خرمن

جب تلک پھولیں پھلیں سارے یہ اشجارِ جہاں
جب تلک بادِ بہاری سے ہو زیبِ گلشن

جب تلک ماہ کے گھوڑے کی فلک ہو بگھی
جب تلک شام کے ہو ساتھ شفق کی پلٹن

جب تلک چرخ کہن شکلِ گورنر میں رہے
صاحبِ[2] شرق میں جب تک کہ ہوں جنرل کے چلن

شاہِ انگلش یہی جاری رہے با عزم و شکوہ
سب کو بخشا کرے نت سیم و طلا لاکھوں من

فیض ایسا رہے اُس سے کہ کرے حکم تو جھٹ
آن میں لیوے پکڑ روپ طلا کا آہن

فتح و فیروزی و شادی رہیں سب اُس کو نصیب
طبعِ اقدس کی ملالت نہ بھرے پیرامن

کمپنی[3] نور کی جب تک کہ رہے یہ قائم
بادشاہی رہے اُس کی بھی بہ وجہِ احسن

جب تلک کرسیِ زرّیں پہ یہ خورشید رہے
رونق افزائے فلک خلعتِ شاہانہ پہن

ناظم الملک بہادر سے۔ اور انگریزوں سے
رابطے یوں ہی رہیں اور محبت کے چلن

یہی خواہش ہر مرے جی کی الٰہی سن لے
دولت و حشمت و ثروت پہ کریں وہ قد غن

کہ نہ جاویں کہیں بے حکم انھیں دونوں کے
کبھی آپس میں کسی ڈھب سے نہ ہووے آن بن

دونوں سرکاروں کا اقبال رہے روز افزوں
دوست سب شاد ہوں پامال رہیں سب دشمن

---

[1] مجسطی: علم ہیئت میں بطلیموس کی مشہور کتاب [2] صاحبِ شرق: آفتاب [3] کمپنی: ولیمی ایسٹ انڈیا کمپنی۔ * بن: "پرے ہو کو دن"

کلامِ غیر منقوطہ

صنائع بدائع کے اعتبار سے انشا کو اُردو کے ساتھ وہی نسبت حاصل ہے جو خسرو کو فارسی کے ساتھ ہے جب شاعری حدِ کمال کو پہنچ جاتی ہے تو شاعر کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ جو کچھ کہے گا وہ ضرور مقبول ہوگا۔ اس کو لوگ بطیب خاطر سنیں گے اور پسند بھی کریں گے لہٰذا اب وہ اپنے کلام میں ایسی ایسی جدتیں اور نئی نئی ترکیبیں کرنے لگتا ہے جس سے اُس کی قادر الکلامی کا سکّہ لوگوں کے دلوں پر بیٹھ جائے۔ تمام صنائع بدائع کی ایجاد غالباً اسی طرح ہوئی ہوگی کہ شاعر پہلے سیدھی سیدھی باتیں کہتے کہتے اپنے کلام میں کچھ تراش خراش کرنے لگتا اور اسی کو وہ اُس کی زینت سمجھتا ہے تاکہ لوگ اُس کو قادر الکلام مانیں اور کسی طرز میں بھی عاجز نہ سمجھیں۔

ہلکی پھلکی صنعتوں سے یہ جدت شروع ہوئی پھر معنوی صنائع کی نوبت پہنچی اس کے بعد ایسی راہیں ڈھونڈھی جانے لگیں جو بہت مشکل اور دشوار گذار تھیں۔ انھیں تنگ و تاریک راہوں میں صنائع منقوطہ و غیر منقوطہ (جس کو مہملہ بھی کہتے ہیں) تحت النقاط، فوق النقاط، رقطا، خیفا وغیرہ کو بھی سمجھنا چاہیے۔

قدما ایسے لفظی تکلفات کو زیادہ پسند نہیں کرتے تھے مگر جب کلام میں تخیل کی کارفرمائی شروع ہوئی تو خیال کی پیچیدگیوں پر لفظی پیچیدگیاں بھی اضافہ ہوئیں اور اسی وجہ سے کلام بے مزہ ہونے لگا مگر ظاہر ہے کہ مذاق مختلف ہوتے ہیں۔ یہ رنگ بھی بعض طبائع کو اتنا پسند آیا کہ ایک زمانے میں اس کا رواج ہوگیا۔

دوسرے صنائع سے تو یہاں غرض نہیں البتہ صنعت مہملہ یا غیر منقوطہ پر فارسی

میں امیر خسرو نے اور اردو میں انشا نے طبع آزمائی کی۔ انشا نے تو ایک مختصر دیوان لکھ ڈالا۔ مگر ایسی قیود کے ساتھ مزید ار شعر کیونکر ہو سکتے تھے۔ مزہ ایک طرف، بہت سے اشعار کا تو مطلب ہی ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ محض تبرکاً اور تکمیل کلیات کی غرض سے ان کا دیوان بے نقط بھی شامل کیا جاتا ہے جب انیس اور دبیر ایسے استادوں نے اس صنعت میں طبع آزمائی کی تو انشا کو بھی معاف رکھنا چاہیے۔ انشا نے صنائع منقوطہ در قطا و خیفا میں بھی اشعار کہے ہیں، مگر وہ دو ایک سے زیادہ نہیں۔

چونکہ کلام غیر منقوطہ نہایت مغلق اور اسی وجہ سے بے مزہ بھی ہے لہٰذا بجائے پورے دیوان کے کچھ اشعار بطور نمونے کے دیے جاتے ہیں۔

اور کس کا آسرا ہو سرگروہ اس راہ کا — آسرا اللہ اور آلِ رسولُ اللہ کا
اہلِ عالم کا سہارا آسرا کس کام رکھ — ہر سحر گہ آسرا واللہ اُس درگاہ کا
لو دکھاؤ لمعۂ اسرار کوہِ طورِ حمد — گرد کردو معرکہ سو لاکھ مہر و ماہ کا
ہو الٰہا ہر طرح کا ہم کو آرام و سرور — دور کردو سو بلا آلام اور اکراہ کا
اللہ اللہ، کس طرح ہو درکِ اوہام و حواس — کوہ کا عالم اُدھر کوہِ طور اِدھر سُو کاہ کا
دم کو ہوگا مُدرِکہ ساہمرہِ اہلِ عدم — "آہ" اگر معلوم ہو معدوم سر ہو "واہ" کا
واہ ہر دم کا وہ کلورِ وعدۂ امداد اور — رو دکھا عالم اور وہ سوکھا دلاسا آہ کا

ہو اگر درکار، انشا، روح اور حورِ ارم
ماسوا اللہ ہالکٌ۔ کر وِرد اِلّا اللہ کا؛

رہ و رسمِ حمد ادا کرو۔ الم اور دَرد ہَوا ہُوا — دِرِ سِرِّ گل کدۂ ارم سرِ راہِ ولولہ دا ہوا
کہو آ اُس امرِ سادہ کو دلِ اہلِ مُسکر کو گدگدا — کہ مرا دو آس کا گل کھلا سر کو ہسار ہرا ہوا
رہا کل رسس کا معاملہ وہ ہر اور راد (کار) سر کو رس — وہ اُداس لوگ وہ سارا سُرہ سُر اور رگ دا ہوا
کہو اُو عطارد و اُو سہا مع لوح و سدرہ کہا کرو — کہ الٰہ دا در دا در سس مددِ گروہِ گدا ہوا

اُس اساس سلسلۂ دَرا کو سراہ انشا اِدھر اُدھر
کہ دُرودِ مُحمل مُدّعا مہ مصر اہلِ دعا ہوا

دلِ اہلِ ولا کو سُرور ہوا الم اور ہراس وہ دُور ہوا — کہ علوِ محامد آلِ رسول موار دِلعہ طور ہوا
کہو مہر و عطارد و ماہ و سہا کہو سدرہ و کلک سرور ہوا — سر دوحہ آہ عدو کو رکھا سر ہر درک لمحد عور ہوا
کہو لوگو اُس امرد سادہ کو اُس سرد عدۂ مہر کو آگ لگا — کہ مراسم عہد و داع کو آہ صد آہ مرورِ دہور ہوا
اسد اللہ امام ہمام مدد کرو حاکم دارِ سلام مدد — دم رحم حوالہ ہر اہلِ سوال کو کاسِ مدام طہور ہوا

کرو انشا درود کا ورد سدا سحر اور مسا کہو صلِّ علےٰ
کہ درودِ محمدؐ حاکمِ کُل سرو کارا مارد و حور ہوا

شہ واہ ہو سو واہ وہ اُو لمحد اُو گا وِ طلا — گہ لعل و گوہر کا لگا تُو لمحد اُو گا وِ طلا
لا حال لا اور راگ گا کر ولولہ اور کود آ — سر سادھ کر سر دم ہلا او لمحد ادگا وِ طلا
گو سالہ ہو کر گھاس کھا مرسوم اور معمول کر — اِس حال اور اُس حال کا او لمحد ادگا وِ طلا
موسم ہوا ور عد کا اور کوہ اُو دا کِلکلا — صحرا ہرا اور لہلہا او لمحد ادگا وِ طلا

گرد رہِ طور دوا دو لمعہ انشا کو ملا
سرکار موسیٰ کا عصا او لمحد ادگا وِ طلا

ملا رگا کہ سرِ کوہسار لال ہوا — عروسِ لالہ کو طاؤس وار حال ہوا
ہوا کو عطر لگا اور گل کھلا ہر گاہ — وہ ماہ مالکِ عمر دہ و دو سال ہوا
ملا اساسِ علوم و کمال سو ہم کو — حوالۂ امراء گو کہ ملک و مال ہوا
دلا ارم کو سداد علول والا دہ† — سو کس کو علم کہ طوطا ہوا کہ لال ہوا
صد آہ آہ کہ وردِ درودِ صلِّ علےٰ — محمدؐ و علےٰ آلہ محال ہوا
رہا معاملہ ہمراہِ عکس اس حد کو — کہ لال لال وہ گل گورا گورا گال ہوا
گرا ارادۂ مُلک سرور، کر مُلّا — سماع و ولولہ و حال کا کمال ہوا
رہا معاملہ اِس طور ہمدگر کہ مدام — اِدھر کو وعدہ ہوا اور اُدھر سوال ہوا

ملا وہ ماہ کہ الحمد للہ، او انشا
کہ دور لاکھ طرح عالم ملال ہوا

دلِ کم حوصلہ کو گو کہ سدا درد رہا — ہمدم اُس کا گلہ آلودہ دمِ سرد رہا

† سب نسخوں میں اسی طرح ہے۔

المدد المدد او معرکہ آرا کہ مدام — مرد اس معرکہ کا داور سیں مرد رہا
آہ وہ محمل لیلا وہ ذرا وہ صحرا — کہ سدا حوصلہ اُس مرحلہ کا گرد رہا
بلکہ مورد الہام رہا اور سدا — مُدرکہ در طبع آمد و آورد رہا

سحر اُس گل کو ملا عطر اور انشا سو کوس
وا، سیر راہ، در گل کدہ ذرد رہا

ہم دم سر کہسار ہوا لہلہا سارا اور مورد کوکا — سو کوس اُگا اور کھلا لالہ حمرا اس آگ کو سلگا
آلودہ مکر و حسد و حرص و ہوا ہو صد طول امل رکھ — گہ سر کو ہلا اس طرح او مردک† ملا علم و عمل اصلا
کر مرحلہ رسم و رہ علم کو مسلوک مسرور ہو ہر دم — ہو سو سے عمل او دلہ آدم دعوا رکھ حوصلہ اعلیٰ
حمام ہوا دہر ہوا گرم سراسر کر کاسۂ مل دور — کہہ اُس کو تو اُو حور کہ دھو دھا کر ادھر لا کو اساسکو
رحم و کرم و مہر کرو ہمدموں آکر آؤ ادھر آؤ — آؤ کہ ہلا سلسلۂ کاکل سودا دو ہم کو دلا سا

آرام محل سارا طلا کار مرصع کر دولہ انشا
در طور سہا امرد کم عمر مہ آسا کا راگ کدارا

ہم کو آرام ہو دلا کس طرح — اور وہ کام ہو دلا کس طرح
حامد آل احمد مرسل — اہل اسلام ہو دلا کس طرح
ہو سراسر کلام سرّ و سرور — سو سر عام ہو دلا کس طرح
ہو اگر کام آگ کا معدوم — گرم حمام ہو دلا کس طرح

آہو انشا مدام رم والا
آہ وہ رام ہو دلا کس طرح

موسم گل کا لہلہا سارا آہ گروہ اہل صلاح — دور ہوا کل کا سۂ مل کا آہ گروہ اہل صلاح
لالہ کھلا سو کوس سراسر رعد وہوا کا وہ عالم — ولولہ دل کا معرکہ آرا آہ گروہ اہل صلاح
اہلا گہلا سرد ہوا اور عطر عروس گل کو ملا — لطمہ ہوا کا سو للکارا آہ گروہ اہل صلاح
گھور رہو لو مورو کو کا گاؤں کر راگ ملہار — ہر سر کہسار اُو دا اُو دا آہ گروہ اہل صلاح
آل رسول اللہ سوا ہو آسرا کس کا انشا کو — اور ہو کس کا اُس کو سہارا آہ گروہ اہل صلاح

† م: "او مردکہ"

او گدا کو سدا دو در ع وصلاح — واہوا کو سدا دو در ع وصلاح
راہ در سم عمل سو کل معدوم — سالکا کو سدا دو در ع وصلاح
موسم رعد و کوہسار ہوا — لہلہا کو سدا دو در ع وصلاح
امر و سادہ رو کو گھور اور کود — حال لا کو سدا دو در ع وصلاح

کس کو رحم و کرم سوا انشا
آسرا و سدا دو در ع وصلاح

حور عروس مدعا صلّ علےٰ محمدؐ — عطر سہاگ کا لگا صلّ علےٰ محمدؐ
واہ وہ عالم اور ادا سہرا ملا دے لاہوا — طور سحر سورس ما صلّ علےٰ محمدؐ
سلسلۂ کلام گرم اور ہوا وہ سرد سرد — وصل سہا دمہر کا صلّ علےٰ محمدؐ
وارد معرکہ ہوا مہرۂ ماہ و مہر کو — اور عطارد سما صلّ علےٰ محمدؐ
آس مراد کا ادھر اور ادھر کو گل کھلا — گل کدہ سارا لہلہا صلّ علےٰ محمدؐ
معرکہ دھوم دھام کا وہ محل اور اس کا وہ — کار مرصع و طلا صلّ علےٰ محمدؐ
صدر صدور رسم و راہ حاکم محکمہ ہوا — مہر ملوک کا لکھا صلّ علےٰ محمدؐ
طرۂ لعل و گوہر اور سلسلہ ہار کا کھلا — دورۂ ارم ہوا صلّ علےٰ محمدؐ
صلّ علےٰ محمدؐ آل رسول کا رہا — ہم کو مدام آسرا صلّ علےٰ محمدؐ

سورۂ حمد اور درود و ذکر انشا واہ وا
واہ کرو واہ وا صلّ علےٰ محمدؐ

آمد آمد گل ہوا اور وہ سادہ رو امرد — دور کا سہ مل ہو اور وہ سادہ رو امرد
کرم کرو ادھر آؤ کہ روح ہو مسرور — دکھا دو ہمسر موسیٰ کو کوہ لعل طور
وہ دو دِ آہ سحر گاہ اہل درد ولا — ہوا مسودۂ کاکل امارد و حور
ہر اہل سدرہ ہمارا محمد رہا ہر دم — وہ لوح و کلک و سہا و عطارد و مہ و حور
درود و ذکر و واہ وا صلّ علےٰ — محمدؐ و علیؑ آلہ کہ دو کھہ ہو دور
صلاح کار ہمارا ملک رہا کس کام — کمال و محکمۂ علم و حکم صدر صدور

گدا ادا، ادھر آ محمد حمار آسا — کلاہ دہر کو معکوس رکھ ورع در گور
مدام اُس کو اِلٰہا وساوہ آر رکھ — کہ لاکھ طرح کا عالم مدام ہو معمور
مدارِ کلِ مہمّ و اَعدلُ الاُمرا — لہٗ السعادہ، اولی الحکم، عدلہ مسطور

عطا کرو اسد اللہ امام اِنشا کو
علوِ حوصلہ و کاسۂ مدام طہور

ہو دل آرام کا اگر وسواس — اوّلاً کرو وداع درکِ حواس
سر کوہِ وداد سو سو کوس — دو دو دام اور لاکھ طرح ہراس
راہ کوہِ ولا، دمِ صمصام — اور وہ کوہ سودۂ الماس
وارد وصا در آہوے صحرا — حملہ آور اسد سراسر کاس
کر اِلٰہا طلال دل کا دور — کر رہا سالہا کمال اوداس

کرم، اُو سیر گردہِ اہل سلوک
وارد انشا ہوا لگا کر آس

مدرکۂ طمع کھلا آہ ہوا و آہ حرص — اہل کرم گدا ہوا، آہ ہوا و آہ حرص
سلسلۂ سلوک وا دار دا گر ہو لمحدا — طول امل کو کر عصا آہ ہوا و آہ حرص
وسوسۂ رہِ عدم اور مدارِ عمر کم — درد و الم سوا ہوا آہ ہوا و آہ حرص
کہہ امرار عصر کو کہہ علماد دہر کو — اور کا کھو دو آسرا آہ ہوا و آہ حرص

اِنشا اساس عدل کو گو امرا و عصر را
ہم صلحاد دہر را آہ ہوا و آہ حرص

ہمدمِ دام، آہ راہِ صراط — دمِ صمصام، آہ راہِ صراط
وہ سلک کُل مع العمود اُدھر — اِدھر اوہام، آہ راہِ صراط
وہ احدٗ راہ دور موآسا — اور ہر گام آہ راہِ صراط
کہہ دلا، دارِ دِحرم ہو کر — راہِ احرام، آہ راہِ صراط
سہل ہو گر مرور مردہ، مگر — اہل اسلام، آہ راہِ صراط

مرد صالح کدام و کو طالح مورد عام، آہ راہِ صراط
کھول کر صومعہ کہہ او انشا
وہ دد و دام، آہ راہِ صراط

ولولہ کر موحد احال ادھر اُدھر سماع واہ در آور اور آحال اِدھر اُدھر سماع
موسم رعد، وہ ہوا، گل کدہ سارالٰہا مور ہو اور کر سدا حال اِدھر اُدھر سماع
ہُو کرو اُو موحدا کو دو کرا ہو گرم ہو اور کہو آہا آہا حال اِدھر اُدھر سماع
ورع کدام کو صلاح، علم کرا دو کو عمل معرکہ گرم راگ کا حال اِدھر اُدھر سماع
حور دا مارد سرور گھور کر انشا سر کھلا
کردۂ عدم کو دا حال اِدھر اُدھر سماع

ادھر آ سر گروہِ اہل سلوک سر کہسار مور ہو کر کوک
گلۂ طالع آہ ہو کس طور مالک اللہ اور ہم مملوک
صمدا دا ور اِلٰہا رحم کر عمل کا مسودہ لحکوک
حال سرکار دل کہو سو کم ہمرہِ آہِ سرد سو سو ہوک
در ہم دل کو مس کرو انشا
سکّہ اُس حور کا ہوا مسکوک

او ہوا، سحر، او حور سرک دور سرک دور ہو دور سرک دور سرک دور سرک

موسم گل کا ہوا گہرا سہاگ کاسۂ مُل کا ہوا گہرا سہاگ
حور و مہر و ماہ اہل سدرہ کو سُتّم دُل دُل کا ہوا گہرا سہاگ
سرگرد ہو سرگرد ہو سرّہٗ سرد صلصل کا ہوا گہرا سہاگ
سر ودکھا مر دود ملحد کا سحر اور ہُلہُل کا ہوا گہرا سہاگ
لوگو انشا کو دوا المسک دو
دام کاکل کا ہوا گہرا سہاگ

واہ واسرگروہ اہلِ کمال — وہ سما اور راگ کا وہ حال
وہ کُلاہ وبِردا وہ عمّامہ — وہ عصا وہ سلاح وہ رومال
طول آمال اور سوءِ عمل — واہ ورع وسدادٔ اکل حلال
اور رُسوا ہو آؤ اور کھو لو — سرسودا ہلا ہلا کر گا ل
کہو اس طرح سکّر اور شروا — کلمۂ مہملہ سو ساہ کمال
گاد سرسادھ کو د کو د کہو — ہر ادھر آؤ اور لاؤ گلال

اور اِنشا کو د دکھو وا کھو لو
عرس اور ولولہ کرو ہر سال

آہ موسیٰ وہ طور کا عالم — اور اُس راہِ دور کا عالم
وہ ادا آوِ کھا د واہ کہ ہو — گرد اُس ماہ وحور کا عالم
لاؤ دارو وہ دو کہ ہو اُس کا — سُکر، راح وسرور کا عالم
ملکا اوس معلم آسا ہو — علم صدر الصدور کا عالم
لا کلام اللہ اور مطالعہ کر — کلک ولوح وسطور کا عالم
واہ، وہ مہد وہ کلام وہ عمر — وہ رسولِ حَصور کا عالم
واہ وہ سدرہ وہ ہوا وہ ملک — وہ مدامِ طہور کا عالم

امرد سادہ رو کو گھور اِنشا
اور کہہ واہ حور کا عالم

طور سحر کا دولھا کا سا حور عروس کا گل سا موسم — لاؤ امرد کا سہ مل کا ہم کو دکھلا سارا عالم
محرم کل اُس حال اور سر کا اور ہوا کس طور سر اسر — آہ دلارام آہ دلارام آہ اُو ہمدم آہ او محرم
اُو رمِ آہو گردِ سوادِ دورۂ صحرا ہم کو دکھلا — راہِ ولا اور محملِ سلما اور دُرا کا سلسلہ ہر دم
لالۂ کھلا سو کوس سراسر کوہ اور صحرا لال ہوا کُل — کود کلامِ حال کرا سدم دُم کو ہلا کر گا سرگم

رعد وہوا کا معرکہ گرما گرم رہا اور مور وہ کو کا
اِنشا اللہ حمد ادا کر، دور ہوا کُل درد والم

لاؤ عروس مدعا کہہ دو سہاگ کا مہ کو — عطر سہاگ کا ملو کاکل دو دو آہ کو
معرکہ وداع کا وارد اگر ہو کر سلام — سلسلۂ دراکو اور عالم گرد راہ کو
سدرہ ملک ہوا دورۂ سرد آہ سرد — سدرہ کو کرو عا سلام اور سلام گاہ کو
عکس کلاہ مالکؔ، اور ملک کلاہ ملک — آہ کلاہ آہ آہ دور کر اس کلاہ کو

اوس احد و صمد سوا آلہہ کو کدام الٰہ
انشاؔ اساس دہر کو ہم ہوا اور الٰہ کو

سلسلہ گر کلام کا واہو — سامع در دل کو سودا ہو
دل کو سو طرح کا سرور ہو آہ — وہ دل آرام گر ہمارا ہو
داور ماہ مصر اہل ولا — ملک دل کا وسادہ آرا ہو
راحماً لیع حکم حاکم عصر — مہر و ماہ و عطارد آسا ہو

کر موحد دعا کہ انشاؔ کا
کار ہر دو سرا الٰہا ہو

سرگردہ گدا حماک اللہ — آہ کا کر عصا حماک اللہ
ہو حصول مراد ہر دو سرا — ادھر آکر صدا حماک اللہ
کر دعا اور آل احمدؐ کا — رکھ سدا آسرا حماک اللہ
درد حمد و درود کر ہر دم — کا ملا عا ملا حماک اللہ
موسم گل ہو اور ہو گلدم — گل کدہ لہلہا حماک اللہ
رحم اللہ کا ہوا او حور — آس کا گل کھلا حماک اللہ

اہل عالم کو کہہ مدام انشاؔ
صادراً وارداً حماک اللہ

دلدار آمد الحمد للہ — روح و گل و مل آورد ہمراہ
دود دلم داد مرہم سمارا — کردم ہلا ہل در کاسۂ ماہ
گرد سر او گردد مہ و مہر — ہر کس کہ دارد ورد سحر گاہ

کر داو عدو را آگاہِ حسام — صد آہ صد آہ صد آہ صد آہ
گر عدلِ داور آرد لوا را — داؤد گردد مطربِ درگاہ
درد والم ہا دارد دلِ ما — در دورِ عالم ہر سال و ہر ماہ
ہر کس کہ آرد آرام ردحم — در دا کہ دارد ہر لحظہ اکراہ
اِنشا دمادم در دورِ عالم
سر کرد آہم اللہ اللہ

رُباعیات

کس کام وہ وعدہ دم دلاسا اور دھوم — گہرا گہرا سہاگ کُل رسم و رسوم
لو دل کو ادا دکھا دکھا کر کہ ہوا — ہم کو سرکار کا ارادہ معلوم

ہو عطرِ سہاگ کا لگا کر مسرور — آرام محل رکھ اسم دل کا او حور
وہ طور دکھا کہ ہم کو کُل ہو معلوم — موسیٰ کا عالم اور وہ لمعۂ طور

کم ہوگا دلدّر اور دُکھ کا عالم — کر ورد درود کا مُسلّم ہر دم
رکھ آس سدا کہا کر اِنشا اللہ — اللّٰہم ارحم ارحم ارحم ارحم

مخمس

آگ لگاؤ گرم ہو آہ رہا سہا کرو — وہ کہ ڈراؤ والا ہو اُس کو اکل کھرا کرو
دور کرو دوراؤ کو سارا گلا ہوا کرو — ہم کو ملو دلو کھلو کھلو لوگرہ کو وا کرو
آؤ کھلو ملو کھلو گو دکو گد گدا کرو
گو کہ مسوس کوس لو اور طولہ گو کہ کھاؤ — رد لا کرو کہ دھوم دھام آؤ مگر ملو ملاؤ

گرم رہِ سلوک ہو مروحہ مہر کا ملاؤ　　دُور کرو دُہاگ کو لہرا سہاگ کا لگاؤ
دکھ کو سکھا کر آگ دو راکھ کو سرمہ سا کرو

واہ ہَوا کا عالم اور موسم رعد لہلہا　　دہر کو عطرِ گل ملاؤ وا درہ ارم ہوا
گاہ کہو او ہو او ہو گاہ کہو آہا آہا　　مور ہو کو کو کو کو دکھو کمال کا دکھا
گاؤ ملہار اور گرم معرکہ راگ کا کرو

ماہرِ حال ہم رہو اہل سلوک ہو اگر　　حاکمِ طور دم رہو اہلِ سلوک ہو اگر
گردِ سرِ حرم رہو اہل سلوک ہو اگر　　در صدد ہم رہو اہل سلوک ہو اگر
گو عدم و رود ہو سر کو اُدھر رکھا کرو

حالِ درد وہ ہوا محمل سرگروہ ورع　　دورۂ گردوہ ہوا محمل سرگروہ ورع
ہمسرِ دَردوہ ہوا محمل سرگروہ ورع　　مرحلہ گردوہ ہوا محملِ سرگروہ ورع
ولولۂ سماع کو سلسلۂ دَرا کرو

لاکھ مراحلِ حسد سالکو لو دکھا دو اور　　لاکھ حمارِ وہم کو لاؤ لدا دو لا دو اور
کوہ علوم و حلم کو حملہ کرو ہلا دو اور　　طولِ امل کو سر دھرو سوءِ عمل ملا دو اور
دو کھو دکھا دو ہم کو گل اور کہو کہا کرو

وسوسۂ ملال کو رکھو اُدھر کھلو کھلو　　مسلو اوکاسو گدگداؤ گھر کرو اور رہو سہو
دھوکا دو دُکھ کو کھل کھلا دل کو لگا ہلو ہلو　　اِلتشا ادھر کو آؤ لو اور دلا سا دل کو دو
صلح مصالحہ کرو حمد و درود ادا کرو

نثر

الحمد للہ کہ آس مراد کا گل کھلا عطر سہاگ کا لگا کر اہلا گہلا وہ ماہ رو دولھا سا ہو کر

امرد کم عمر سادہ تلک ماہر و ہمراہ ملکۂ گوہر آرا وارد آرام محل ہوا سلسلہ کا کل کا محاورہ اُردو کا کھلا اور کلمہ و کلام کا در وار ہا ۵

دل کھلا اِنشا ادھر سُر راگ کا لگا لگا لاگ کا لگا لگا اور آگ کا لگا لگا

اللہ کا رحم اور رسم و رسول ادا کر اُس ہم عمر محرم اسرار دلارام کا گلگلا سا گال ملا اور گدگدا کر اُس کو کہا مور کو کا او حور اِس ملہار کا اور لہرا لہرا کر راگ گا ہا ہا ہا ہو ہو ہو۔

مثنویات

(۱) مُرغ نامہ

حمد ہے فرض اُس کی وقتِ سحر — جس نے کاٹے ہیں مرغِ روح کے پَر
تن کے کھانچے میں کر دیا ہے بند — کہ وہ یک چند وہاں رہے خرسند
مرغِ زرّین آفتاب فلک — نسرِ طائر سے لے کے تا بہ مَلک
اور سُکّانِ عالمِ لاہوت — یاد میں اُس کی ہیں سبھی مبہوت
کُنج میں جس کی ذہن کا طاؤس — خلق کرتا ہے طائرِ افسوس
کیا کہوں وہ کہ کیا کھلاڑی ہے — اُس سے غافل ہے سو اناڑی ہے
کرکے تن مرغِ روح کا ڈھانچا — جس نے ڈھانکا سپہر کا کھانچا
حکم سے جس کے اس زمانے میں — یعنے دنیا کے مُرغ خانے میں
رات دِن ماکیانِ اوجِ سپہر — روز دیتی ہے ایک بیضۂ مہر
نیند کو چھوڑ، صبح ہے نزدیک — بانگ ہوتی ہے چونک "صاح الدّیک"[1]
دیکھ تو کیا ہی نور کا ہے وقت — طرفہ نور و ظہور کا ہے وقت
محوِ ذکرِ خدا ہیں جملہ طیور — آدمی ہو کے تو کرے ہے قصور
سُن نصیحت مری بسمعِ قبول — تو بھی ٹک یادِ حق میں ہو مشغول
وقت، سیمرغ کرکے یہ معلوم — قاف پر بولتا ہے یا قیوم

---

[1] صاح الدیک = (عربی) مرغ بولا۔

نوٹ: "ڈھانچا" ●

اُٹھ کہ وقتِ نماز جاتا ہے
وقتِ راز و نیاز جاتا ہے

آگ لگ جائے تیری غیرت کو
لعنت اِس تیری آدمیت کو

مرغ جو جانور ہے دیوے اذاں
اور سویا کرے تو اے انساں

کر ثنائے رسول راہ نما
جس کی نعلین کا ہے سایہ ہما

صلوات اس پہ بھیجیے جاوید
ہے جو ایک آسماں پہ مرغ سفید

گر حمایت کرے نہ اس کی آل
نہ جمیں مرغ عقل کے پر و بال

بسکہ شاہِ جہاں قمر تمثال
وہ سلیماں شکوہ با اقبال

مالکِ مُلک و صاحبِ دیہیم
وارثِ تاج و تختِ ہفت اقلیم

بادشہ زادۂ ہمایوں فر
فخرِ تیمور و بابر و اکبر

اور جنابِ وزیر آصف جاہ
جس کی اختر سے ہے زیادہ سپاہ

لڑنے بھڑنے سے ذوق رکھتے ہیں
مرغ بازی کا شوق رکھتے ہیں

کیوں اولوالعزم کو نہ بھاوے یہ رزم
یعنی ہے اس کی رزم بھی ایک بزم

شغل ہے جن کو ترک تازی کا
کھیل ہے اُن کو مرغ بازی کا

گوشِ دل سے یہ سُن لے میری بات
اِن میں ہیں انبیا کے چند صفات

صبح خیزی ہے اور شجاعت ہے
اور ہمت ہے اور غیرت ہے

کیوں اِنھوں کا نہ جنگ پر ہو مزاج
صرف اِس قوم کو ہے تاج کی لاج

اب مجھے بھی یہ شوق ہے اس کا
کہ سمجھتا ہوں مرغ کو عنقا

قصد پابی کا جب کہ کرتا ہوں
کیا ہی ڈگ لنبے لنبے بھرتا ہوں

داب اپنی بغل میں اک مرغا
چلتا رپ رپ قدم ہوں میں یرغا[1]

چمنستاں میں دیکھ تاج خروس
چاہتا ہوں کہ لیجے اِس کو بھی چوس

---

[1] یرغا = تیز رو۔

مثل فولاد مرغ ہیں اپنے — داد بیداد[1] مرغ ہیں اپنے
پہلوانوں کے ہیں اُنھوں میں صفات — لات و عزّا کو توڑے اُن کی لات
پاس اپنے جو مرغ ہے جاوا — ہے وہ اسفندیار کا باوا
ہے جو پٹھا وہ سامنے ہوتا — بیٹا رستم کا زال کا پوتا
بڑھ منہا سا جو ایک ہے پٹھا — اُس کا پانی میں ہے بندھا لٹھا[2]
وہیں دھوکڑ[3] وہ ایک ہے آفت — کیا کہوں اُس کی جرأت و قوت
چاہے گر چونچ سے تو وہ سنڈا — توڑ ڈالے سپہر کا انڈا

ہیں غرض خوب خوب عالی مرغ
ہے بجا کہیے گر اُنھیں سیمرغ

---

(۲) زنبور

اِن بھڑوں نے کیا یہ اب کے قہر — کہ ہوا زرد پوش سارا شہر
دیکھیے اُن کی ٹک جوانمردی — سب پر ایک اپنی پھیر دی زردی
باغ میں بھر جو خیل خیل گئے — سارے چنپا کے پھول پھیل گئے
موے کی زرد زرد پھلیاں ہیں — یا گلِ اشرفی کی کلیاں ہیں
کیا کہے اُن کو کوئی دانشمند — کر دیے ہیں اُنھوں نے رستے بند
مولسریوں کے نیچے دیکھیے جب — کھرنیاں سی بکھر رہی ہیں سب
جا کے کوٹھوں کی کوئی دیکھے بہار — زرد چنبیلی کے پڑے ہیں ہار
اُڑ گئی وہ سفیدی اور اودی — اب جدھر دیکھو زرد داؤدی

---

[1] داد بیداد = جنگو - لڑائی میں بہادر -

[2] لٹھا بندھا ہے = بڑی شہرت ہے -

[3] دھوکڑ = زور آور - بڑا زبردست -

پھر جو شاخوں سے ہر شجر کے اُڑے
تو التماس ہی کے پھول جھڑے

بھر گئی نیش و پر سے ہر کیاری
بھٹ کٹیا سی لگ گئی ساری

سارے زنبور یہ جو اُڑ لا گے
سب نے کیسر[1] پے کر لیے باگے

ساری دیواروں پر قطار قطار
زرد مرچوں کے سوکھتے ہیں ہار

گائیک[2] اور نائیک اور سپر دائی
لگے گانے بسنت رُت آئی

شکل بن پھولیں درم بن کریاں
بن گئیں شاخ زعفراں پریاں

تھے درختوں کے جو بندھے ٹٹے
اُن میں زنبور کے لگے چھتے

بن گیا تاک خانۂ زنبور
ہو گئے زرد خوشۂ انگور

آئے زنبور کو اِلٰہی مرگ
جن کی دولت ہوا یہ دل صد برگ

مادیانِ نسیم خوش رفتار ق صدقے ہوتی تھی جس پہ بادِ بہار

ٹوٹی اُس پر بھڑوں کی جو ٹڈی
تو لگی چال چلنے وہ پھدی

سیوتی کھا کے مر گئی ہیرا
رہ گیا، سو گلاب کا زیرا

یہاں جو فوارے اب اُچھلتے ہیں
سونے کی ٹڈیاں اُگلتے ہیں

بدلے موتی کے دیکھ یہ عالم
آ کے پکھراج رد گئی شبنم

اب جو خشکا کوئی پکاتا ہے
سو مزعفر پلاؤ کھاتا ہے

ہو کے بیخ اِن بھڑوں کا آئینہ
بن گئی ٹھیک ٹھاک خاگینہ

چاندنی کا جو پھول تازہ ہے
سو وہ اِک نرگسی[3] دوپیازہ ہے

شہد اُگلا جو ان بھڑوں نے سہ چند
پھول جتنے تھے بن گئے گلقند

زردرُو کاسۂ شراب[4] ہوئے
سب مگر نرگسی کباب[5] ہوئے

---

[1] کیسر یا = زعفرانی + باگے = کپڑے جوڑے۔
[2] گائیک = گانے والا + نائیک = جو گانے میں اُستاد ہو + سپردائی = سازندے۔
[3] نرگسی دوپیازہ = ایک قسم کا قورمہ۔
[4] نرگسی کباب = ایک قسم کے کباب۔

در زبان اہل برج

اک جو بھوزا بھڑوں نے گھیر لیا — خوب سا اُس کو ہیر پھیر لیا
تو لگے کہنے نند گانو کے جاٹ — لال جیو ہوں تو ہیں اوپن کے بھاٹ
سُدھ رکھت میں تمھارے مالے کی — جی ہو پیرے پچھوڑے والے کی
آئی کانن کے بیچ بھو آپن — آج بہتے دِناں موں مرلی دھن
کشن جیو ہو کریل کو جنگل — جھاڑ آپن لینے ہیں اب دنگل
کوٹھ کلا بھوت کے بنائے دھام — دوار کا بیچ جالیا بشرام
برج بنتا کے سُرت لیت نہیں — اجو رنجک ہو تمکاں سیت نہیں
یوں کہت کام بن مہا راجا — دھن مہاراجا دھن مہاراجا
ذیو کی نندن تمھارے ہم سا داس — کس نہیں آت ہو ہمارے پاس
تم بنا سون ہے یہ بنسی بٹ — ناہنا چیر گھاٹ نان آسٹ
پھیر چاہت نہ کر یہ بندرا بن — سری گوپال آپ کے درشن
کہنو ترست ہی تمکاں سیوا کنج — جمنا جل موں بھری بھڑوں کی بھنج
وہ جو کھاتے ہیں پان میں زردا — گھس گئی اُن کے کان میں زردا
تھی چمن میں جو نرگس شہلا — دست و پا اُس کے خوب سے سہلا
آخر کار کر دیا بیمار — اُسے یرقان کا ہوا آزار
بسکہ مہرے دکھائے اور پیندے — سینکڑوں کوس لگ گیے گیندے
دیکھیو اب کے روپ مارے کا — سورج ایک پھول ہے ہزارے کا
اِن بھڑوں کا یہ کچھ ہوا احوال — جس طرح ہوں نبولیاں پامال
غور کیجے ٹک اُن کے فرع و اصول — سینکڑوں کوس ہیں تری کے پھول
گاس میں ارہریں سی پھول گئیں — ہرنیاں اپنے ہوش بھول گئیں

اِن بھڑوں نے دیا یہ سب کو بھوگ
لے کے بستر ہوا نے سادھا جوگ

بل بے زنبور تیری شان و شکوہ
بھر گیا جعفری سے دامن کوہ

بوے گل اپنے ہوش بھول گئی
سامنے اُس کے سرسوں پھول گئی

آ کے بادل برس گئے سونا
اِن بھڑوں سے بھرا ہر ایک کونا

کس لیے کوئی مفلس اب ترسے
یہاں بھی دکھن کی طرح مُن برسے

فوج زنبور دیکھ مور و ملخ
ہوئیں ٹھنڈک سے چھاتیاں سب یخ

کیا رہی بات رونے دھونے کی
آگئی ٹڈی ایک سونے کی

تھی جو دریا کے گرد کی ریتی
وہاں ہوئی زعفران کی کھیتی

اُن کے اُلجھیڑوں میں جو آ کے پھنسے
قہقہہ مار کر نہ کیوں کہ ہنسے

کھیل کر اپنے جی پہ آتے ہیں
گال لوگوں کے توڑ کھاتے ہیں

خلطے کی خوبی ہونٹ توڑ لیا
جسے چاہا اُسے بھنبوڑ لیا

گھاس ہو چھپروں میں یا سر کی
سب میں رنگت سما گئی بھڑ کی

ان کی آفت جو دشت نے جھیلی
پھولی اس میں بھی زرد چنبیلی

گانٹھ ہلدی کی ہیں یہ زہریلی
سانپ کی طرح ہو کے لہریلی

بوالعجب قہر ہیں یہ سب زنبور
ہلدیا زہر ہیں یہ سب زنبور

بسکہ چمٹی جو آ کے یہ بد بخت
ہو گئے زرد پوش سارے درخت

زعفرانی پہن کے ایک قبا
اُڑ چلی اب چمن میں باد صبا

دیکھ زنبوروں کے پروں کی جھلک
بیضۂ مرغ بن گیا یہ فلک

ہو سفیدی تو آپ کی سردی
بیچ میں وہ زمین سو زردی

نیش زنبوروں نے زبس توڑے
سب نے مانجھے کے پہنے ہیں جوڑے

جو کوئی نیک بخت جنتی ہو
اس کی پوشاک بھی بسنتی ہو

ہوئے دشمن جو کونے کونے کے
بن گئے سب پلنگ سونے کے

بن گئے چوب زرد کے پائے
اور اسی وضع کے وہ پروائے

اور اوچھوں کے دل میں بیٹھا چور — لگ گئے خود بخود فرنگی قور
خوب روئی یہ توشکوں میں بھری — ساری اُڑ چلیاں جیسے زر دپری
اور تکیوں کے کیا کروں اوصاف — چڑھ گئے سب پہ زر دزر دغلاف
بل بے زنبور تیرا چھومنتر — شبنو کے رنگ کی ہوئی چادر
زرد ریشم کے ہو گئے کشتے — اور کیسر میں سب لگے پشتے
بسکہ زنبور وہاں جوبن کے موئے — زرد شالی لحاف سارے ہوئے
اور دوپٹوں کی کیا کروں تکرار — پس گیا اُن پہ آکے ہار سنگار
شکل ہر شے نے پکڑی سونے کی — واقعی ہی جہان سونے کی
بھڑ کی صورت تو تھی ہی ساری یہاں — نہ رہا اُن کے دل میں کچھ ارماں
ان لعینوں کی دیکھیے جلدی — جا کے دریا میں گھول دی ہلدی
اپنی نیتیں پروں میں جو دھر دیں ق — مچھلیاں سب سنہریاں کر دیں
ایک بھونرے نے جو دیا طنبور — نکلے پلٹن بنا بنا زنبور
کھول اپنے پروں کی بان نشان — اُف بے اے کافر و تمھاری شان
ایک رنڈی کا نام تھا کیسر — ناک کی اُس کے توڑ دی بیسر
چھوڑ دی اُس پہ ٹونے کی چڑیا — اُڑ گئی اُس کی سونے کی چڑیا
نقرئی تھے جہاں تلک کہ ظروف — ہوئے وصفِ طلا سے سب موصوف
اُشعۂ[1] آفتاب عالم سوز ق — میں یہ کہتا ہوں دیکھ کر شب و روز
زرد پھر کی سی جو لگی پھرنے — سو پھرائی ہی کون سی بھرنے
ہو گیا سونا تانبا روپا رانگ — کچھ عجب روپ کا یہ آیا سانگ
آندھیاں زرد زرد جو چلیاں — ہو گئیں زرد شہر کی گلیاں
سارے زنبور ہی اب آئے نظر — ہو کچھ انشا بسنت کی بھی خبر
اور کچھ لکھیے سو یہ کیا مقدور — کاٹے کھاتے ہیں ہاتھ میں زنبور

---

[1] اُشعۂ = کرن، شعاع کی جمع اُشعّہ بھی مستعمل ہے۔ (مرتب)

پہنچے اب تا بہ آسماں زنبور　　بن گئے شاخِ زعفراں زنبور
آگے بس خیر اب بکھیڑا ہے
بھڑ کے چھتے کو تو نے چھیڑا ہے

---

(۳) کھٹمل

کچھ یہ کھٹمل بڑھے ہیں اب کے سال　　کہ ہوئی سب زمین لالوں لال
چھا گئے ہیں جو سارے یہ بدبخت　　شاخِ مرجاں بنے تمام درخت
گھسی ایک اُن کی جا بجا لڑ ہے　　بیخ جو ہے سو مونگے کی جڑ ہے
ہو گئے سرخ بید سارے سرو　　لال مرغی بنے تمام تدرو
بسکہ جا کر جمے قطار قطار　　ہو گئی لالہ نرگسِ بیمار
دشت اور کوہ پر کیا جو دخل　　نخل یاقوت بن گئے سب نخل
اِن لعینوں کا یہ سہاگ ہوا　　تھا جہاں سبزہ لال ساگ ہوا
بس جدھر دیکھو ہے انھیں کا غل　　بن گیا ہے زمانہ لال مغل
کافروں نے یہ قہر کام کیا　　چوں قزلباش قتل عام کیا
کھار وے سے لپٹ گئے سب جھاڑ　　بن گئے لال ڈانگ سارے پہاڑ
موج دریا کو کر دیا خوں ناب　　جانور سارے ہو گئے سرخاب
ان کی رگ رگ کی بسکہ فوج ہوئی　　لال ڈگی تمام فوج ہوئی
رات سکھ نیند کو جو ترسے ہے　　اُس کی آنکھوں سے خون برسے ہے
دیکھ ان کھٹملوں کو یوں چالاک　　صبح نے بھی کیا گریباں چاک
کر نظر اس بہار کا عالم　　آنسو لو ہو کے، رو گئی شبنم

ہے یہ لوہو بھری کچھ ان کی نقل
کہ تگاپو میں نہر کی ہے عقل

ہو کے بے چین جو اُچھلتے ہیں
مُنہ سے فوّارے لعل اُگلتے ہیں

جتنے تھے بید مشک کے شیشے
بن گئے خون خلق کے شیشے

وہ بڑی، جو گلاب کی خُم ہے
سو وہ خاصی شہاب کی خُم ہے

کون کہتا ہے ان میں آب بھرا
حوض میں آکے سب شہاب بھرا

جتنے تھے آسمان پر تارے
ہو گئے سوج پھول انگارے

لال مخمل کی اک پہن کے قبا
ہو گئی سُرخ پوش بادِ صبا

خوب دیکھو تو فرش سے تا عرش
ہے سقرلات سرخ ہی کا فرش

نظر آتے ہیں سُرخ ہفت طبق
پھولی پھرتی ہے اُن کے بیچ شفق

جا اُنھوں نے لیا جو جیت جوا
آبشاروں سے بھی شہاب چوا

یہ جو لپٹے غرض کہ ہو بھٹی
گِل مختوم ہو گئی مٹی

خونِ منصور ہو گئی سب ریت
جتنے صوفی تھے سارے آئے کھیت

یہ جو خونی لپٹ لپٹ کے موے
کوہ شنجرف سب پہاڑ ہوے

چادر ماہ تھی جو کوٹھے پر
لے لیا اُن نے گیروا بستر

سوہا گانے لگا ہر اِک مُطرب
سکھرے بیچ سے ہوئے غائب

جتنے تاکوں میں تھے لگے انگور
اُن کو اِن سب نے کر دیا ناسور

کپڑے تھے جن کے زعفرانی پاس
ارغوانی ہوئے اُنھوں کے لباس

ہوئی گلشن میں سب حنا بندی
بولی نرگس کدھر چھپے بندی

چمٹے چاروں طرف سے جو کھٹمل
چھپے ہو گئے گل مخمل

آگئی موجِ لالہ بر سرِ جوش
اُڑ کے سب پھول گر پڑے مدہوش

ہو گیا سب زمانے کا دنگل
اُن کی دولت کریل کا جنگل

برج بے اختیار یاد آیا
اور سُہانے درختوں کا سایا

چونڑ اُن بندروں کے دھیان پڑے
سینکڑوں جن کو ہار پان چڑھے

کھٹملوں نے زلیں دیے جُتّے
بن گئے لال بیگ سب کُتّے

تاک پر جا کے اُن کی ریل چڑھی
کیا منڈھی کھٹملوں کی بیل چڑھی

معدنوں کو جو کر دیا مبہوت
سارے الماس بن گئے یاقوت

سر سے بس دُم تلک لیا جو ڈھانپ
بن گئے کھنکھجورے کالے سانپ

نظر آتا نہیں کوئی ہرگز
جتنے کپڑے تھے بن گئے قرمز

پرِ کنجشک پر بھی قہر کیا
لال مینا کا اُس کو روپ دیا

نہیں اس قوم سا کوئی لیچڑ
نوشکیں ان سے بن گئیں کیچڑ

جس طرح ہووے آن لگتے ہیں
چارپائی کے کان لگتے ہیں

جس جگہ اِن کی جان چھوٹی ہے
سُرخ کمخواب کی سی بوٹی ہے

نہ فقط یہ چمن کے بیچ میں ہیں
ہوتے دولھا دلھن کے بیچ میں ہیں

بولے ہے کوئی تیز ہوش بنی
میری چادر پلنگ پوش بنی

ہر طرح سے یہ جھانک لیتے ہیں
عیب جس کا ہو ڈھانک لیتے ہیں

بھلّہ رے کھٹملوں کا تیکھا پن
ساری تکیوں میں اُن کا ہے مدفن

اور پلنگوں میں جتنے سیروے ہیں
رکھتے اپنے لباس گیروے ہیں

ساری چولوں میں یہ جو گھس آئے
صاف مونگے کے بن گئے پائے

کہتے تھے لالہ دیو کی نندن
پٹیاں بن گئیں رکت چندن

یاں ارجن کے بن گئے سب بان
اور ادوایئوں نے کھائے پان

کبھی اُن کی جو کچھ شکایت کی
ایک پنڈت نے یوں روایت کی

ایک راون کا پوت تھا جے مل
اس کی اولاد ہیں یہ سب کھٹمل

راون اُٹھا تبھی نوار بنی
لوہو پینے کی اُن کے دل میں ٹھنی

کیوں نہ دیں چارپائی پر ڈنکا
چھٹ گئی اُن کی سونے کی لنکا

سو یہ سونے کو لیتے ہیں جب تاڑ
کرتے ہیں اپنی سی اکھیڑ پچھاڑ

سُتلی ہے سوتلے ہے اُن کے پڑی
چین کیوں کر یہ لیویں کوئی گھڑی

راجھسون کی [illegible] کیوں نہ باندھیں ساکھ
ایک سے ہوتے ہیں یہ نوّے لاکھ

کیوں نہ ہر فرد ہو وے غیرت دار
قوم کے اپنے یہ بھی ہیں سردار

لاکھوں پستے ہیں مارے جاتے ہیں
پھر وہی رولا کر کے آتے ہیں

کھا لیا جو چمٹ کے کھالوں کو
دھرتے ہیں نام سونے والوں کو

چال شبخون کی ہے ان کو یاد
یعنی اس کام کے یہ ہیں اُستاد

لال لال ان کی کُرتیاں دیکھو
سُرخ پلٹن کی پھُرتیاں دیکھو

بات کچھ کھولتے نہیں ہرگز
منہ سے کچھ بولتے نہیں ہرگز

کچھ نہ فرزین ہے نہ فیر یہاں
کوئی دم مارے سو بخیر یہاں

نہ تو سنگین ہے نہ یہاں بندوق
نہ تو بارود کا کوئی صندوق

کاٹ کھانے ہی پر یہ بس غش ہیں
ہیں تو جنگی پر ایک آتش ہیں

توپ خانہ نہیں کچھ آپ کے ساتھ
لوہو پیتے ہیں پر یہ ہاتھوں ہاتھ

بھیتری مار سب کو دیتے ہیں
اور لوہو کو چاٹ لیتے ہیں

موٹے موٹے ہیں ایسے جوں بندق
اُنگلیوں پر لگا لیاں فندق

نہ تو کچھ بولتے نہ چالتے ہیں
غصّہ چپ باندھ کے نکالتے ہیں

کام رکھنا حنا سے کچھ نہ رہا
اُن کی رنگینیوں نے صاف کہا

سارے محلوں میں جاگ ہے ہم سے
اب تو گہرا سہاگ ہے ہم سے

آئے جی چار پائی بھی بولی
نیند کیا ہے یہ ایک ہے ہولی

کھٹلوں نے گلال چھڑکا ہے
رنگ اک لال لال چھڑکا ہے

ناچتے ہیں وہ مل کے چھوٹے بڑے
ہیں گے غش میں پڑے دھڑوں کے دھڑے

بس یہی شور ہے ہر ایک طرف
بجتے پھرتے ہیں چوتڑوں کے دَف

گو کوئی نیفہ اپنا پھاڑے ہے
لیک کھٹمل کی کیا اُکھاڑے ہے

کہیں بالوں میں گھس کے جوں کی جگہ
سر کے بھیجے کو کرتے ہیں آگہ

تکیہ ہے یا رضائی یا کہ لحاف
چڑھ گئے سب پہ سُرخ سُرخ غلاف

دائیوں کے ہوئے دوپٹے سرخ — اور بچوں کے چٹے بٹے سرخ
کون اِن موذیوں کا مُنہ توڑے — پہنے ہیں سب نے سونیں جوڑے
جھوٹ پنڈت کی وہ روایت ہے — وہ تو جنوں کی ایک حکایت ہے
پر یہی جانتے ہیں اہل یقیں — ہیں یہ سارے لعین ابن لعیں
یا تو یہ ہیں یزید کی اولاد — یا کہ بے شُبہ نسل ابن زیاد
جوں جوں مرتے ہیں بڑھتے جاتے ہیں — اور لوگوں کو توڑے کھاتے ہیں
کام ہے اِن کے ہی مریدوں کا — ڈھیر جو گنج ہے شہیدوں کا
ایسی ہے کھٹملوں کی آئی فوج — کہ سمندر سے جیسے اُٹھے موج
ہوئے یک بار ہاتھی گھوڑے سُرخ — اور سواروں کے سارے جوڑے سُرخ
پاؤں سب وحشیوں کے پھول گئے — ڈھاک سے جنگلوں میں پھول گئے
الغرض تھا جہاں جہاں دنگل — بن گیا گھونگچیوں کا وہاں جنگل

بس بس اِنشا نہ چھیڑ اب آگے
لوگ ہیں ساری رات کے جاگے

---

(۴) ہجو پشہ

مچھروں کو ہوا ہے اب کے یہ اوج — دب گئی جن سے مرہٹوں کی فوج
سو کھے سہمے ہیں کالے کالے ہیں — یہ بھی پر کوئی گھوڑے والے ہیں
ہیں دوپٹے میں صاف گھس آتے — اور لحافوں میں ہیں سما جاتے
اُن کے بھنانے کی ہے یہ آواز — تار جس سے کبھو نہ ہو دم ساز
نیش گو اُن کے ریزے ریزے ہیں — جڑتے بھنکار کر یہ نیزے ہیں
تاک میں ہر طرف سے ہو کے دخیل — پھونکتے ہیں یہ صورِ اسرافیل
آسمان و زمین و عجز و نیاز — جس سے اُڑ جائے ہے بیک آواز

ہو سیہ پھول کی کلی اِن سے
سب کو ہو ایک بے کلی اِن سے

کس کو یہ چین لینے دیتے ہیں
نیند آنکھوں کی لوٹ لیتے ہیں

آندھیاں اِن سے کالیاں چلیاں
بھر گئیں سارے شہر کی گلیاں

اِن کو مل ڈالیے جو اُنگلی پر
پھول آتا ہو صاف ایک نظر

کیونکہ کالے ہیں آپ لو ہو لال
ادھ کھلی جس طرح سے ہو کچنال

چاٹ لیتے ہیں امردوں کا دُر
کہتے ہیں آکے کانا باتی کُر

بسکہ لپٹے ہی رہتے ہیں ہر دم
حبشی ہو گیا ہو ایک عالم

چاٹ لی صاف گُل دموں کی دُم
رہ گئیں وہ بچاریاں گُم صُم

بسکہ کافر لپٹ لپٹ جو موے
تختے صندل کے آبنوس ہوے

ہوئے مچھر بہت سے جو ساتھی
جتنے بھینسے تھے بن گئے ہاتھی

لوگ بجلی کی طرح ہیں بے کل
چھا گئے مچھروں کے دل بادل

کیچوے تھے سو کالے ناگ بنے
شعلے مُنہ سے نکال آگ بنے

اب یہ کیا قہر اے اِلٰہ ہوا
خون دنیا کا سب سیاہ ہوا

دیکھیے ہائے مچھروں کا قہر
اپنے دانتوں میں بھر گیا ہو زہر

ہر بُنِ مو کی لے چکے ہیں فصد
اور کیا جانے اُن کا کیا ہو قصد

بس جدھر دیکھو ان کو ہو اک راہ
نکلے ہو سب کے دل سے دودِ سیاہ

خال رخسار نازنیں ہیں یہ
گُمس شیر و انگبیں ہیں یہ

بھاگ جانے کی کس کو ہو منزل
چاہے ہیں سب نے اِن کے کالے تِل

اَرنے اوپلوں کو گو جلا دیجے
سینکڑوں دھونیاں لگا دیجے

ہیزمِ تر سے گو کہ نکلے دود
کب بھلا† بھاگتے ہیں یہ مردود

یہ سمجھتے ہیں دود کو ہندی
تاڑ لیتے ہیں ہندی کی چندی

لاکھ چمکاوے پھول کی تھالی
تیل مل کے کوئی چمک والی

تھوڑے سے کم یہ ہوں سو کیا ممکن
جوں کی توں ہی رہے گی وہ پن پن

† ق ۳ "کہیں"

بدلے بھالی کے بلکہ سورج کو
کوئی ہاتھوں جھلا دے تو بھی تو

برسوں جھولا کرے گا دھاں خورشید
پر یہ مچھر نہ ہوویں گے ناپید

آنکھ کے تل میں یہ تو گھستے ہیں
گوشۂ دل میں یہ تو گھستے ہیں

دیو ہو یا کہ بھوت یا جن ہو
دال فے عین اُن کی سُن فِن ہو

ایسی بنگی سی یہ بجاتے ہیں
جس سے سب لوگ لوٹ جاتے ہیں

ہر کسی سے ہے اِن کو راز و نیاز
سب کو مل دیتے ہیں یہ روغن قاز

بات کیا ہے کہ کان لگتے ہیں
یہ بتنولوں میں سب کو رکھتے ہیں

واہ کچھ زور ہے بچا ہیں یہہ
یعنی نمرود کے چچا ہیں یہ

آگے کیا لکھے کوئی ان کا بھید
پڑ گئے کاغذوں میں لاکھوں چھید

آکے مچھر جو پھر دو چار ہوئے
حرف بے نقطہ، نقطے دار ہوئے

کیوں نہ نوکِ قلم رہے شُشدر
گھس گیا اُس کی ناک میں مچھر

دانت مچھر کے وہاں جو اڑنے لگے
جتنے فقرے تھے سب بگڑنے لگے

تھے سیاہی سے لکھے جتنے حرف
مچھروں نے کیا انھیں شنجرف

فرق بین السطور کچھ نہ رہا
خطِ مسطر پہ نور کچھ نہ رہا

مچھروں کی یہ کچھ ہوئی گچ پچ
لگا کاغذ بھی کرنے اب پچ پچ

پیش آئے کچھ اس طرح مچھر
نہ رہا امتیاز زیر و زبر

اور کچھ جھیکنا عبث مت جھینک
تیری بینی کو دیکھ آئی چھینک؟

قصد اپنا یہی ہوا بالجزم
کہ بس اب اور کیجیے کچھ عزم

جا بجا کھا کے داغ نور افشاں
ہوگیا صفحہ باغ نور افشاں

ارے مچھر یہ ہیں وہی دشمن
ہوئے زہاد جن سے تر دامن

یہ جو ایک شدّ و مدّ کا قصّہ ہے
سو غرض مچھروں کا حصّہ ہے

الغرض قوم یہ بہت بد ہے
نام دیکھو تو کیا مشدّد ہے

بھر کے مُنہ پھر کہو تو تم مچھر
جن کے لوہو سے بھر گیا جھجّر

+ ق ۳: "مچھر"

کھانے پینے میں سب دخیل ہوئے — آگے پشہ تھے اب تو فیل ہوئے
سونڈیں ہیں مثل فیل ان کے پاس — کیوں نہ کھو دیویں سب کے ہوش و حواس
نہیں مچھر یہ فیل خانہ ہے — کجلی بن ان سے سب زمانہ ہے
کس نے رکھا ہے مچھر اِن کا نام — ان کو کیجے تو کیجے لشکرِ شام
یوں ہوئی شام یوں یہ آلا گے — آدمی اِن سے اب کہاں بھاگے

لفظ اِنشا نہ بول لا یعنی
مچھر آکر اُڑا گئے معنی

---

(۵) ہجو مگس

مکھیاں اب کے یہ بڑھیں بے ڈول — کہ لگا ایک جی کو آنے ہول
کس طرح ہو بہار تازہ دماغ — کرتے ہیں آبشار اِستفراغ
اب درختوں پہ جتنے پتے ہیں — شہد کی مکھیوں کے چھتے ہیں
صبح کا بھی مزاج ہے برہم — کر رہی ہے پھر پھر شبنم
جان کر مکھیوں کو جنسِ دغل — سونگھتے ہیں گل اپنی اپنی بغل
مکھیاں مار مار جو ہارے — سبب آسیب ہو گئے سارے
لگی یوں کرنے پھول پر بھن بھن — جس طرح آ چڑھے کسی پر جن
پھیلی سب گلستان میں مکھی — گھس گئی گل کے کان میں مکھی
تاک جتنے تھے یہ ہوئے مبہوت — جس طرح آ چڑھے کسی پر بھوت
مکھیوں کا ہی کارخانہ ہوا — جشستان سب زمانہ ہوا
اب تو بازار ہے انھیں کا تیز — اور سب کچھ سیا ہی فالیز
یہ جو دنیا سواد اعظم ہے — اوڑھے ایک آن کالی جاجم ہے
مکھیوں کا بلند پایا ہوا — سایہ سب اِن کے زیرِ سایہ ہوا

---

† ق ۳ "سے لگے کی کو" ۔ م: "سے چڑھے"

قلقلِ مے کی اُڑ گئی وہ ہوا
چائے سے آ کے مل گیا قہوا

طاق پر ہے دھرا جو شیشۂ مے
لکّھی ہے اُس کے بھی نصیب میں قے

ٹک صبا کی پھریریاں دیکھو
سانسیں یہ گہری گہریاں دیکھو

جان نرگس کی کرتی ہے مالش
کس سے جاکر یہ کیجیے نالش

گھڑیاں لیتی ہے بہارِ چمن
نکہت آئی سو مُنہ پہ دھر دامن

دیکھ آدھی زبان سوسن کی
بولتی ہے نسیمِ گلشن کی

دیکھ اِن کے پروں کی ایک جھلک
گمسی ہوگیا یہ اسپِ فلک

کھِلکھِلا کر انار جو ہیں ہنسا
دام میں مکھیوں کے آن پھنسا

اُس کی وہ لال لال بتیسی
نہ لگی کافروں کو جو جی سی

لے کے دانتوں کو سب سیاہ کیا
اور ہونٹوں کو بھی تباہ کیا

ایک لکھوٹا سا جم گیا بس خیر
باغ میں یہ ہوئی عجائب سیر

ایک ذرا اس کو کیجے آپ نگاہ
کس طرح کی دھڑی جمائی واہ

مُنہ میں مکھی نے ٹھونس دی مستی
کون ایسی بھلا ہو چھتیسی

بن گئے لوگ بھوت کی صورت
کاٹے پتھر کی جیسے ہو مورت

بامھنوں کو کیا اُنھوں نے دنگ
پڑھ کے سکلا مبر دھرم پشتنگ

ہوگئی آندھی ایک کالی بلا
لیک بس مکھیوں سے کچھ نہ چلا

جس کسی چیز کا کھلا صندوق
تڑ سے چھوٹی وہاں سے ایک بندوق

مِن سے مکھی بھی سامنے آئی
جو دھری چیز تھی سیہ پائی

خاصے ململ کے رکھے تھے جو تھان
سو قلم کار ہو گئے وہ ندان

جیسے باروت سی کوئی مل جائے
سرد کا حال یہ ہوا اے وائے

کیوں نہ ہر ایک شخص ہو بے کل
مکھیوں کا گھرا ہے دل بادل

مُہریاں ساری کھل کھلاتی ہیں
سب کو آواز یہ سناتی ہیں

دیکھو پان یا ڈلی کچھ ہو
لونگ الائچی بڑی بھلی کچھ ہو

گر پہ چھچھے تو جی کو رو کتے ہیں
لیک پرنالے سارے او کتے ہیں

جتنے امرد تھے سب ادھیڑ ہوئے
پٹھے ہرنوں کے کالے بھیڑ ہوئے

بن گئے پاڑھے خوک کے بچے
ہو گئے بھونرے تھوک کے بچے

بنی آدم کی ٹولی کی ٹولی
بیٹھی بولے ہو شیر کی بولی

لکھنؤ یا کہ شہر دلّی ہو
ہر کہیں بس یہی چبلّی ہو

لگے معشوق کہنے عاشق کو
چل بے اُڑ پاد یہاں سے مکھی ہو

اُن کے ہاتھوں سے لوگ جلتے ہیں
ہاتھ سے ہاتھ اپنے ملتے ہیں

لیک فضلِ خدا سے یہ مکھی
آنکھوں دیکھی ہو پر نہیں چکھی

جبکہ کھانے کو کچھ کھلاتا ہو
مجھے اللہ ہی بچاتا ہو

سایہ ہو یہاں امام جعفر کا
دل سے میں ہوں غلام جعفر کا

لکھے اِنشا اب آگے کیا احوال
سطریں کی سطریں کر دیاں پامال

فقرے پہلے تو منہ سے چاٹ لیے
نقطے پیچھے سے مکھیوں نے دیے

میں نے ناحق اُنھیں مسل ڈالا
اے لو اب اور ہی کھلا لالا

جھلملے سے جو رہ گئے تھے حرف
خود بخود ان پہ ہو گیا شنجرف

کہیں تو سر چپک گئے اُن کے
کہیں پر بھی اُبھر گئے بھن کے

قتل پر اُن کے کی جو بے صبری
بن گیا صفحہ کاغذِ ابری

جی قلم کا بھی اب تو مستلایا
پیٹ میں تھا، سو سب نکل آیا

---

(۶) شکایت زمانہ

کروں کیا جورِ گردوں کی شکایت
جہاں دیکھو اسی کی ہو حکایت

نہیں یہ دیکھ سکتا خانہ آباد
کہ ہو کوئی کسی ڈھب سے کہیں شاد

ستانے بن نہیں کچھ کام اس کو
کہاں بن دُکھ دیے آرام اس کو

نہیں معلوم منظور اس کو کیا ہے — بُری چتون سے کافر دیکھتا ہے
کہ بس ظلم پر اس نے ہے باندھی — یہ ظالم ہے اُڑا دینے کو آندھی
جہاں دو دل لگاوٹ سے ہوئے گرم — تو ایک آفت اُٹھاتا ہے یہ ہٹ دھرم
یہی تو رات دن ہے اس کو اک فکر — سوا اس کے نہیں بس اور کچھ ذکر
کہ ہو دیں دو جنبیں جو حسب دلخواہ — سو آپس میں جدا ہوں قصہ کوتاہ
عداوت پر تو سب کی مستعد ہے — خصوصاً عاشقوں سے اس کو کد ہے
بندھا یہ قصہ جب تک دم میں دم ہو — شکایت نامہ گردوں رقم ہو

محبت جس سے اک پیدا ہوئی تھی — طبیعت سخت ہی شیدا ہوئی تھی
بہت تھی عنقریب اُس کی حویلی — پڑی دوری تو اب اللہ بیلی[1]
اجی ہمسائگی تھی اک پری ساتھ — بہت سا اُنس تھا جلوہ گری ساتھ
ہزار افسوس چھوٹا وہ محلا — کیا فوجِ الم نے آ کے ہلا
جدائی ہو گئی اے وائے قسمت — ہوئی بیٹھے بٹھائے یہ قیامت
بہت یاد آ رہی ہیں اب وہ باتیں — بہم کس عیش سے کٹتی تھیں راتیں
ہوئی مجھ سے یہ اُس کو دوستی تھی — کہ بہتیروں کو بیٹھے کوستی تھی
لڑانے یکدگر سینے سے سینے — وہ گھبراہٹ کے آجانے پسینے
وہ چبھنا اُن کچوں کا اس طرح سے — کہ گدڑے آم ہوویں جس طرح سے
مسک جانا وہ انگیا کا پھبن سے — وہ اُس کا دیکھ رہنا بانکپن سے
ہوا سیمرغ دل سینہ میں پر کٹ — گئی سونے کی چڑیا[2] ہاتھ سے چھٹ

شراب تند دے ایسی ہی ساقی — کہ جس سے غم رہے مطلق نہ باقی
گلابی لا کے رکھ دے وہ مرے پاس — کہ ہو دولھن پنے کی جس میں بو باس
وہ مے دے جس سے اُٹھے دل کو اک لوچ — یہ سارے دال فے ہوں فکر اور سوچ

---

[1] اللہ بیلی - خدا حافظ -

[2] سونے کی چڑیا - بہت قیمتی چیز - یہاں اسی عورت سے مراد ہے -

فلک کی آنکھ ہو جس پر چپکتی — زمیں مارے مزے کے ہو تھلکتی
نہیں ہر شوق کے ہاتھوں سے بھیجا — پڑا اُچھلے جو دو دو گز کلیجا
چمک جاوے جو میرا جوہرِ عقل — تو مَیں تجھ سے حکایت اک کروں نقل
سناؤں ابتدا سے پھر وہ قصّہ — کہ فی الواقع یہی تیرا ہو حصّہ
کہوں اک آپ بیتی وہ کہانی — کہ ظاہر جس سے ہو آتش زبانی
سُنی تھی حسن کی اک شہرۂ شہر — نہایت چلبلاہٹ ساتھ حد قہر
چبھی تھی یہ جگر میں عشق کی پھانس — کہ شعلہ بن نکلتی تھی ہر اک سانس
ہمیشہ وِرد جاں تھا شعر اُستاد — یہی پڑھ پڑھ کے تھا سرگرم فریاد
نہ تنہا عشق از دیدار خیزد — بسا کیں دولت از گفتار خیزد
غرض مشتاق تھا اُس کا بہت جی — سمائی دل میں تھی ایک بے کلی سی
کہیں القصّہ حسبِ اتفاقات — ہوئی اِک باغ میں باہم ملاقات
چلا واں جو گیا میں بے تحاشا — تو مت پوچھو کہ دیکھا کیا تماشا
نظر اس ڈھب سے آئی وہ پری وش — کہ دل اور جان نے اپنی کیا غش

گئی آنکھوں تلے بجلی سی اک کوند — سمند ناز نے ڈالا اُسے روند
کہا دل نے مرے دیکھی جو وہ مانگ — کہ ہَے[1] یہ رات آدھی کچھ دعا مانگ
حواس و ہوش میرے ہو گئے تار — ہُوا میں مانگ چوٹی میں گرفتار
بہم آنکھوں سے آنکھیں لڑ گئیں خیر — عجائب نرگستاں کی ہوئی سیر
وہ شوخ و شنگ دیدے اُس پری کے — کہ ہوں جس طرح دو بچّے ہرن کے
نظر آیا وہ مکھڑا سیب کا سا — بندھایاں ڈول کچھ آسیب کا سا
یہ رخساروں میں اُس کے فربہی تھی — ہوئی جس سے خجل اکثر بہی تھی
نگاہ مست تھی ایسی ہی بے باک — کہ بس دیکھے جدھر باندھے اُدھر تاک

---

[1] مقابلہ کرو ؎

پھنسا ہر مانگ میں دل اب بتا میں جاؤں کدھر — کہ آدھی رات اِدھر ہے اور آدھی رات اُدھر

ہزاروں آبلے جوں تاک انگور
بہم پہنچائے دل نے ہو کے مجبور

کہوں اُس کی جبیں کو کس طرح چاند
کہ اُس سے لاکھ حصّے چاند تھا ماند

سہانا تھا کچھ ایسا روپ اُس کا
کہ سایہ چاہتی تھی دھوپ اُس کا

یہ نک سک سے نزاکت میں بھری تھی
کہ بس جو بات تھی اس کی پری تھی

نگہہ وہاں کر رہی تھی یوں اشارا
کہ ہو یہاں ماتھے چاند اور تھوڑی تارا

جٹی دونوں بھویں یہ داد بیداد
کہ ہو دلچسپ جیسے شعر اُستاد

یہ تھے کچھ سُرخ سُرخ انگھوں کے ڈورے
رگِ گل پر جو رکھیں سو ہنورے

صفِ مژگاں میں تھا ایسا ہی انداز
پڑے جھڑتے ہیں جس سے سیکڑوں ناز

بہ رنگ گل نظر آئے وہ دو کان
کہ اُن کا وصف کرنا کیا ہو امکان

کروں کچھ بھی جو تعریفِ دُرِ گوش
تو اُڑ جاویں صدف کے سنتے ہی ہوش

نہ کیوں کر آرسی سے مست ہوتی
وہ گردن تھی صراحی دار موتی

گلاوٹ بازوؤں کی چشم بد دور
وہ دونوں مچھلیاں جیسے سفقور

لگا کر ناخن پا سے وہ تا فرق
سراسر حُسن کے دریا میں تھی غرق

پھبن سج دھج کچھ ایسی تھی تڑاقا
کہ پڑ مردوں کو جس سے ہو اِفاقا

نظر آئے جسے وہ سو تو اُن[1] ناک
نہ ہووے پھر وہ ساری عمر غمناک

یہ عالم تھا کچھ اُس کا واہ جی واہ
کہ لکھیے نسخ میں جوں ہائے اللہ

نہ کیونکر اُس کی خود بینی ہو ایسی
کہیں دیکھی بھی ہو بینی ہو ایسی

قیامت کرتے کیا لگتی اُسے ڈھیل
کہ تھی وہ بچۂ صورِ سرافیل

پھڑک نتھنوں کی پھر ایسی ہی اچھی
تڑپھ جوں تیرنے میں جائے مچھی[2]

وہ ظالم کے مسی آلودہ دنداں
جھلک میں موتیوں سے تھے دوچنداں

پڑے ہونٹوں میں تھے ایسے دمکتے
کہ ہوں جوں رات کو جگنوں چمکتے

---

[1] سوتواں ناک = کھڑی ناک۔

[2] مچھی یعنی مچھل۔

یقیں ہو اُس کو جو دیکھے وہ پستاں — کہ بیشک یہ ارم کے ہیں گلستاں
بنے دو بُرج سونے کے یہاں ہیں — کسوٹی کے کلس اُن پر عیاں ہیں
غلط فہمی تھی کہنا یہ بڑی بات — عبث ضائع ہوئے ناحق کو اوقات
یہ کہنا تھا کہ دو سونے کے تھکّے — لگائے آنکھ جن پر تھے اُچکّے
نہ جی الماس اور نیلم کے کنے — بہم چھوٹے بڑے تھے یا اکنے
زلیس تھا صاف سینہ پیٹ بھی صاف — بدن آئینہ ساں بُراق شفاف
شکم پر رونگٹوں کا ذکر کیا تھا — فقط وہ عکس خوبی کا پڑا تھا
ستارہ سی دمکتی تھی پڑی ناف — بھلا کوئی کرے کیا اس کا اوصاف
وہی تو حُسن کے چشمہ کی تھی سوت — نہ تھی وہ ناف، تھی اک جاگتی جوت
یہی کہتی تھی اُس کو دخترِ رز — کہ ہو یہ تو بعینہ ہائے ہوّز
کروں کچھ اور اعضا کا تو کیا ذکر — کہ ناحق کے اب اتنی ہو کہاں فکر
کہے دو شعر لیکن فارسی ہیں — کہ سچ مچ حسن کی وہ آرسی ہیں
زہے مضمون کی عالی دماغی — چڑھا دیں بلبلیں جن کو چراغی
مپرس از بندِ شلوار از دگر ہیچ — حکایتہاست اینجا ہیچ۔ در ہیچ
بنافِ آں گرہ کن چشم خود باز — کہ زیرِ مُہر دارد بدرۂ ناز
اُسی میں آ گئے مضمون سارے — لگے ہر سمت سے ہونے اشارے†

چڑھا اس جوش پر دریائے مہتاب — کہ کوسوں تک پھرا سیلاب سیماب
دمکنے ++ یوں لگے سب بُرج پکّے — کہ سچ مچ جیسے ہوں چاندی کے تھکّے
ہوا واں تن بدن سے مل کے پارا — چمکتے تھے پڑے جیسے کہ تارا
زمیں اُس وقت لگتی یہ بھلی تھی — کہ گویا ایک چاندی کی ڈلی تھی
درختوں کو اُس انداز و ادا نے — دیے تھے بادے کے شامیانے
غرض وہ شوخ میری پا کے آہٹ — لگی دکھلانے اپنی چلبلاہٹ
جمالت سے پسینے میں ہوئی غرق — چمک کر یوں گئی آنکھوں سے جوں برق

---

† اس کے بعد ۹ شعر حذف کر دیے گئے ++ دمکنا = چمکنا دمکنا =

لگی کہنے ہوئی ہے عقل کچھ گم — زمانے میں گھس آئے کون سے تم †
کہا اب خیر سے گھر کو سدھارو — کسی کا مفت میں تم جی نہ مارو
ڈھٹائی پر تمھاری جی ہوا غش — لگائی تم نے میرے جی میں آتش
نہ باندھے کوئی کچھ طوفان شیطاں — چلو اب جاؤ بھی اللہ نگہباں
وہاں مجھ کو زبردستی گئی سوجھ — مزے میں آکے بدمستی گئی سوجھ
لگاوٹ سے ہوئی جب دل کو تسکین — تو میں نے پشت خار[1] اُن سے لیا چھین
اُنھوں نے بھی لپٹ کر ایک باری — رضائی شال کی میری اُتاری
لیے میں پشت خار آیا اِدھر کو — رضائی لے گئیں وہ اپنے گھر کو
رکاوٹ آگئی پھر کچھ جو ناحق — ہوئے دونوں کے سینے رنگِ گل شق

ہوا مدت میں جو پھر وصل دلدار — تو شدّت سے کیا اُن نے مجھے پیار
یہ اپنا زور فتنہ پن جتایا — کہ مجھ کو عطر فتنے کا لگایا
نہ ہونے پائی تھی تسکین دل کو — کہ کوئی لے گیا بس چھین دل کو
کچھ ایسی بات جھٹ درپیش آئی — کچھ آپس میں ہوئی دو ہیں جدائی

حقیقت کی نہ پوچھو بعد چندے — ملا اُن نے دیا تھے جس کے بندے
ہوا پھر جو میسر وصل دلخواہ — ملاقاتیں ہوا کیں تا بہ یک ماہ
تصدّق تیری قدرت کے خدایا — کہ دو بچھڑے ہوؤں کو پھر ملایا

یہ آیا سوچ اک دن بیٹھے بیٹھے — کسی کے دل میں جیسے چور پیٹھے
کہ ہمیاں جو میسّر عیش و آرام — سو ہرگز پیر گردوں کا نہیں کام
تعجب ہے نہیں در پے جو ہوتا — یہ دشمن ہے پڑا کس نیند سوتا
زمانے نے کیا اس بات کا رشک — بھر آیا چشم میں خورشید کے اشک
بیاں قسمت کی خوبی کیا کروں آہ — بہت بغلیں[2] بجاتا تھا کہ ناگاہ

---

[1] پشت خار = ایک پنجہ جس سے بیٹھ کھجاتے ہیں۔ † اس کے بعد دو شعر حذف کر دیے گئے۔

[2] بغلیں بجانا = خوش ہونا۔

طرب نے مجھ سے اپنے مُنہ کو موڑا — فلک نے تفرقے کا سنگ چھوڑا
خوشی کب دیکھ سکتا ہو یہ کم بخت — کہوں کیا حال دل سنگ آمد و سخت

وہ شکل آنکھوں میں اپنی چھا رہی ہو — طبیعت سخت ہی گھبرا رہی ہو
لبوں پر آہ ہو اور جی میں ہو درد — بھرا کرتا ہوں جب تب میں دم سرد
مجھے کچھ کھانے پانی کا نہیں ہوش — تصوّر سے اُنھیں کے ہوں ہم آغوش
لگی ہو آگ سی اک دل میں میرے — سمائی وحشت آب و گل میں میرے
یہ گھر سن سان اب اُن بن لگے ہو — کسی کو جس طرح سے جن لگے ہو
الٰہی صحبتیں پھر ہوں وہ باہم — نہ چھوٹیں عاشق و معشوق ایک دم
بہت سایہ ترا بندہ کرا ہا — کرم کر پھر ملا دے، بار الٰہا
وہ جو دشمن ہیں سونا پید ہو ویں — پڑے سر پیٹیں اپنا اور رو دیں

اُسی ڈھب کی ملاقاتیں رہیں پھر
وہی راتیں وہی باتیں رہیں پھر

---

(۷) فیل

صدقے آنکھوں کے تیری ساقی — ہو مجھ کو ہوس ابھی تو باقی
ایسی ہی شراب دے دھواں دھار — بڑھ جاے یہ جس سے سُکر کا تار
اطراف جبش میں جو بنی ہو — انگور سیاہ کی جنی ہو
تیزی میں سیاہ مرچ سی ہو — جھونک اُس کی نکیلی کرچ سی ہو
وہ جس کے بڑے بڑے ہوں جوہر — صدقے جن پر ہوں لعل و گوہر
لا بادہ بوضع حورِ طنّاز — جس سے کہ چمن چمن اُگیں ناز
دارو ایسی کہ ہو اولی العزم — جس سے چمک اُٹھے صورتِ بزم
تو میرے حوالے دخترِ رز کر — پھر قول کی مجھ سے پخت و پز کر

دے مجھ کو وہ جام صورتِ بدر
ہو رات یہ جس سے لیلۃ القدر

سمجھے جسے نشۂ سر افراز
لیلائے سیاہ خیمۂ ناز

ہو جس میں لپیٹ اژدہا کی
صورت دیوار تمتھا کی

جس سے کٹ جائے زاہد خشک
جس میں کہ گھلا ہو نافۂ مشک

جس سے سب وال فے ہو وحشت
عنبر کی بھری ہو جس میں نکہت

ہو جس سے کہ دُور یا وہ و پوچ
کر جائے سوادِ دل سے غم کوچ

ہو جس سے کہ دل کو اور ہی لوچ
اُڑ جاویں دفعتہً یہ سب سوچ

خاطر مستوں کی جس سے ہو جمع
روشن وہ کرے مراد کی شمع

ظاہر جس سے ہو حُسن کی سوت
جس سوت سے نکلے جاگتی جوت

جس سے چھٹ چاندنی کرے کھیت
چمکے تاروں کی وضع سے ریت

جس میں ہوں معجزات عیسیٰ
غش جس سے ہو راہبِ کلیسا

یہ چار طرف گھٹا جو چھائی
ہو زلف صنم کی یاد آئی

بادل آئے ہیں عیش کے جھوم
اس وقت نہ رکھ تو مجھ کو محروم

ایسا کر دے مجھے سیہ مست
تا برق کی طرح دل کرے جست

کر ایسی ہی مے میں یاس کو غرق
جس نے بھڑک اُٹھے شعلۂ برق

جس سے کہ سرور یاد آوے
انشا اللہ مراد پاوے

ہووے نہ تو اور دے مجھے کچھ
جس میں یہ پیاس تو بجھے کچھ

مُرک مت مجھ سے ارے تو رہ وا
گر ہووے نہ مے تو چھیڑ قہوا

تا میں کہوں ایک تازہ قصّہ
ہو یہ تو فقط ترا ہی حصّہ

قصّہ نہیں ایک باغ ہو یہ
مسرور کن دماغ ہو یہ

مطلق نہیں اس میں کذب کا دخل
ہو صدق سے پُر ہر اک نخل

اے صاحبِ فہم و عقل صائب
سُن مجھ سے لطیفۂ عجائب

میں تیرے حضور وہ کروں نقل
جس پر کرے وجد دانش و عقل

تھے سترہ سو بیانوے سال — وہاں عیسوی اے بجاہ و اقبال
انگریزی مہینا تھا دسمبر — جن میں ہوئی بات یہ مقرر
بیری کے ضلع میں گرفتار — ایک فیل ہوا بڑا نمودار
گویا خرطوم اژدھا تھی — صورت دیوار تھتھا تھی
تھا کوہِ شکوہ و خوب صورت — بے شبہ و شک گنیش مورت
ہاتھی کا نام تھا بہادر — صدقے اس پر سے بے بہادر
چنچل پیاری تھی مادہ فیل ایک — جس پر ہو جائیں غش بد و نیک
باہم رغبت کو جو ٹٹولا — تو آکے مہاوت ایک بولا
چاہت نے مچائی ہے یہاں دھوم — ہوتا ہے مزاج سے یہ معلوم
بے گفتۂ شیخ شہر و مفتی — کھیلیں گے یہ آج کل میں جفتی
دو دل باہم جو ہو دیں راضی — پھر کیا کریں اُن میں آکے قاضی†
باہم ہوتی ہے بوسہ بازی — کیوں دل کی کلی نہ ہووے تازی
صحبت آپس میں ہے بہت گرم — باقی نہ حجاب ہے نہ کچھ شرم
ہتھنی کا ایک پانو اگلا — تھا باندھ مہاوتوں نے رکھا
چھوٹا پھرتا تھا یوں ہی ہاتھی — مستی رہتی تھی اُس کی ساتھی
گو تھا یلہ کچھ بندھا نہیں تھا — جاتا وہ کہاں کہ دل وہیں تھا؟
ٹپکا پڑتا تھا اس طرح سے — ساون کی گھٹا ہو جس طرح سے
باس اس کی مدام سونگھتا تھا — مارے مستی کے اونگھتا تھا
خرطوم سے لے کے تا محل کی شبنم — ملتا تھا منہ سے اپنے ہر دم
ازبسکہ وہ فیل صدمہ کش تھا — چنچل پیاری کی بو پہ غش تھا
جو لوگ تھے گرد پیش کے کل — دانستہ وہ کر رہے تغافل
پھر سترہ سو ترانوے تھے — بست و ہشتم وہ جون کی تھے
تاریخ کہ بڑھ گیا بہادر — بے خوف و تردد و تفکر

---

† اس کے بعد کا شعر حذف کیا گیا ہے ‡‡ یلہ = آزاد =

خواہش کا دغدغہ جو پیٹھا
چنچل پیاری پہ آن بیٹھا

ملے ہوئے چند بار ایسے
ٹکراتے ہوں دو پہاڑ جیسے

ہر چند نہ پھوٹی گل کی کیاری
دریا کی طرح عرق تھا جاری†

پھر وقت صباح اُس کے بن لعبد
گرجا وہ فیل جس طرح رعد

بھر آیا گلوں کے منہ میں پانی
پھر بات ہوئی وہ بار ثانی

لکھتے ہیں جان کا رشس ایسا
اِنشا نے کیا یہ نظم جیسا

لی اُن کی خوشی نے جب کہ کروٹ
آیا میں فیل خانے میں جھٹ

کیا دخل زیادہ جو کہوں میں
شاید لیپٹنٹ کرگروں میں

دو گھنٹے بجے تھے دو پہر پر
پھر بات ہوئی یہ جب سکر

چھوڑا ہاتھی کو اپنے آگے
ہتنی کے نصیب سوتے جاگے

دونوں میں رہا مساس تا دیر
کہتے ہیں لوگ جس کو ہت پھیر

ہاتھی بھی سونڈ ڈالتا تھا
ہتنی کی وہ شے سنبھالتا تھا

ملتا تھا وہ فیل واہ وا جی
خرطوم سے جائے شرم اُس کی

ہتنی بھی بسانِ کسبی اُس دم
تھی مارے مزے کے شاد و خرّم

خرطوم سے عضو تولتی تھی
کیا جانیے کیا ٹٹولتی تھی

بھاری تھا خوب بیٹھے گدا
کہتی تھی لگے پر و اکدا

کیا میں کہوں اور اُس کی حالت
ہر طرح اُٹھاتی تھی ملالت

ہتنی پہ سوار یوں ہوا فیل
جس طرح کسی کو کوئی دے کیل

گردن میں ڈال اپنی خرطوم
ہاتھی نے مچائی اس گھڑی دھوم

اگلے پاؤں کو پیٹ پر دھر
پھیل اپنا کھلا دیا سراسر

ہتنی نے دونو پاؤں اگلے
چھدرا رکھے تھے واں مزے سے

ہاتھی ہتنی سے ہو گیا جفت
دیکھی یہ سیر خلق نے مفت

اس وضع کو دیکھ سب رہے تھے
شانے ہتنی کے دب رہے تھے

† اس کے بعد کا شعر حذف کیا گیا

نقشہ اس کا جو فارسی ہو
گویا شفاف آرسی ہو

اس کام کا پڑ گیا جو سایا — سب جانوروں نے غل مچایا
تھے جتنے کہ ارنے اور گینڈے — اکھڑ پہ اپنے اپنے اینڈے
اُٹھی دل سے پہاڑ کے ہوک — صحرا صحرا میں پڑ گئی کوک
جنگل میں مچ گیا جو منگل — واں گونج گیا تمام جنگل
کہتی کوئل بُرا بھلا تھی — تھرّاتی مزے میں کوکلا[1] تھی
تھا طعنہ زن اس صدا سے تیتر — ہو یہ بھی نگوڑی کتنی ایتر
دیکھی یہ غرض کہ جس گھڑی سیر — بولا بولی میں اپنی ہر طیر
اُچھلا سیمرغ بھی ہوا پر — بالیدگی آگئی ہما پر
ناچے یہاں ریچھ اور اُدھر مور — کیا خوب یہ سیر کچھ ہوئی زور
نل جیسے کہ ہووے نل کے اندر — نکلے یوں فوج فوج بندر
باہم سمٹ آئے لاکھوں لنگور — جیسے قتّی میں کالے انگور
لپٹے جو بہم تو پھر نہ چھوٹے — بارہ سنگوں کے سینگ ٹوٹے
کرنے لگے کبک سارے قہقہ — چہ چہ ہوئی اور خوب پہ پہ
شیروں نے بھی خوب ڈنڈ پیلے — ہونے لگے یک دگر میں ریلے
پی آب حیات عیش کے گھونٹ — یک بارگی ناچنے لگے اونٹ
بے ساختہ مچ گیا جو ہلڑ — چلّا اُٹھے تمام گیدڑ
ماندے ہو اُچھل اُچھل کے ارنے — سانسیں لگے اُولٹی اُولٹی بھرنے
ناچے سب ریچھ خوب سنگیت — گانے لگی لومڑی ہر اک گیت
قمری کر سرو کی خوشامد — بولی کہ چہ خوش چرا نباشد
بس خُرد و بزرگ ہو گئے مست — اس بات سے گرگ ہو گئے مست

---

[1] کوکلا = ایک قسم کا پرند مثل فاختہ یا کوئل کے

آئی یہ قہقہے کی آندھی — چھت جانوروں نے آکے باندھی
کیڑے جتنے تھے کلبلائے — چوہے بھی بلوں سے باہر آئے
آپس میں گتھ گئے ببولے — بادل نے ہاتھی اپنے بھولے†
راجہ اندر کا وہ اکھاڑا — پریوں نے کود پھاند اُجاڑا
غولوں کے چڑھی نہ ہاتھ جوگوں — جنگل میں لگا دی آگ کر دوں
خوش ہوگئی روح رستم و گیو — بولے جنّات بم مہادیو
پریوں نے پہن پہن کے زیور — آپس میں بہت لڑائے تیور
تھے یار جو اپنی اپنی گوں کے — پیتے پاڑھے ہرن سوچونکے
رگڑیں بہتوں نے ایڑیاں واں — ٹوٹیں لاکھوں کی بیڑیاں واں
ایسا ہی ہوا مزے کا رولا — جس سے گئی عقل سب کی بولا
دریا کے منہ پہ آگیا کف — باندھی مرغابیوں نے اک صف
اس وضع سے سب نہنگ نکلے — جیسے کوئی پی کے بنگ نکلے
تاڑوں نے یہ بات جو ہیں تاڑی — اُن میں سے لگی ٹپکنے تاڑی
اس کام کے دھیان میں اڑیں سب — تھیں جتنی کھجوریں چڑھ پڑیں سب
تھے سوکھے درخت کے جہاں ٹھنڈ — بیٹھے چڑیوں کے جھنڈ کے جھنڈ
لپٹنٹ ہوئی جو سخت گاڑھی — بڑنے بھی کھسوٹی اپنی ڈاڑھی
یوں دیکھ کے اُن کو چست وچالاک — سب رہ گئے اینڈ اینڈ کر تاک
دریا کے جو گرد کی تھی ریتی — سب بن گئی زعفراں کی کھیتی
ڈالیں پیپل کی جھک رہیں کل — پھوٹیں اُن میں سے شاخ سنبل‡
جنگل کو یہ کام جو خوش آیا — جھاڑوں پر عشق پیچہ چھایا
لی باد بہار نے پھریری — سانس ایک بھری صبا نے گہری
مارا بلبل نے آ کے جو پر — ایک اوس سی پڑ گئی گلوں پر
جب تھم نہ سکی ہنسی وہ مطلق — سینے ہوئے ہر انار کے شق

† م: "ہولے" ‡ اس کے بعد تین شعر حذف کئے گئے

نیلا سوسن کا ہو گیا رنگ
تبدیل چمن کا ہو گیا رنگ

آنکھیں نرگس نے موند لیں جھٹ
چہرے پہ کیا صبا نے گھونگٹ

انواع طیور میں ہوا غل
لپٹی ہر شاخ گل سے بلبل

دُم اپنی نچا نچا کے گلدم
یکبارگی آپ میں ہوا گم

گل شبو نے بھرا دم سرد
صد برگ کا چہرہ ہو گیا زرد

جو سرو پہ بیٹھی فاختہ تھی
سو وہ بھی حواس باختہ تھی

کر آب نشاط سے گلو تر
غٹ غوں کرنے لگے کبوتر

ماری بلبل نے جو ہیں ایک چونچ
دامن میں گل کے لگ گئی کھونچ

باقی نہ رہا کسی کو کچھ ضبط
یکبارگی سب کو ہو گیا خبط

رقصاں طاؤس خوش نما تھا
ایسا ہی قصۂ ہما تھا

سب کے ہوئی دل کو ایک واشد
چونڈی کو پھلا کے بیٹھا ہدہد

سیمرغ و عقاب اور قفنس
غش ہوتے تھے لیک باتشخص

اس ڈول کی چال خوش جو آئی
چڑھ آئی گجائی پر گجائی

نکلی مینڈک کی فوج کی فوج
اوپر نیچے یہ دیکھیے اوج

لذت اُس بات کی جو چکھی
بیٹھی مکھی پہ چڑھ کے مکھی

کہنے لگے یوں وطن کے بھائی
دیکھا یہی شے کو بے حیائی

موند آنکھ کلی کھلی جو دل کی
آپس میں لگے یہ کہنے نکی

چالیس اسگھن کے پھر پچھاڑ سے
کودن سطحے یہ کاج پارس

بنیوں نے بھی باٹ اپنے تولے
اے کہ کہ رام جانے بولے

سب مرہٹے بھی ہلا کے بھالا
بولے دارے اکڑے آلا

دیکھو تو حلیم ملا اہ کاں
اپنا درک اب ہوا ہے حیراں

ہر جا اوشو مذاق اس یولدی
ہر ترک اوری قوشولغہ کولدی

دُم جب ہتنی کی خوب سوجی
سب سکھ بول اٹھے واگردجی

جاری ہوئی ایک نشاط کی نہر
لہرا اٹھی سُرور کی لہر

چالاکی جفت گشتن اسپ
گو اُن میں نہ تھی ولیک دلچسپ

مدّت اتنی ہی اور درخواست
تھی ویسی ہی صاف بے کم و کاست

کانپا ہر شخص کا کلیجا
اُن سے حرکت ہوئی یہ بیجا

عالم نے اُنھوں کو آگے گھیرا
مستک پر مَیں نے ہاتھ پھیرا

ایک اُن پہ خوشی برس رہی تھی
باقی پھر بھی ہوس رہی تھی

سونڈیں آپس میں لڑ تیاں تھیں
برچھی سی نگاہیں پڑتیاں تھیں

پھر شام کے وقت دھرم ساگر
لائے اُنھیں فیل بان جا کر

رغبت دونوں کو پھر ہوئی واں
سب ہوگئے اہل دید حیراں

پر میں نے نہ دی انھیں اجازت
تا پھر بھڑ جائیں کر کے رغبت

یہ میں نے سُنا کہ ایک بار اور
پہلے بھی ہو چکا تھا وہ طور

یہ بات مہاوتوں نے اُس دن
مجھ سے نہ کہی قبولی اُس دن

جس دن یہ ہوا تمام مطلب
ہاں ہاں لگے کرنے آن کر سب

اس بات کو دل میں تو کرو غور
مانع ہوتا نہ میں سو کس طور

مدّت گھنٹوں کی کل تھی چوبیس
جس میں کہ چڑھا تھا اُن پہ ابلیس

تھے کر چکے چار بار وہ کام
تو بھی لیتے نہ تھے کچھ آرام

تھا اُن کا قصد بار پنجم
آنکھیں چمکیں بسانِ انجم

ڈرتا تھا مبادا کچھ خلل ہو
تب تو میں نے کہا کہ رو کو

جس اے مئے عاشقی کے ساغر
ہو جائیں گے یہ نحیف و لاغر

دو روز کے بعد وہ بہادر
مستی کے مارے پھر ہوا پُر

آیا اُس پر کہ ڈالے پھر ڈول
چنچل کے دل میں ایک ہوا ہول

لاتا تھا جب کہ سونڈ ہاتھی
وہ مار تی اس کو پشت پا تھی

چنچل سے تو دوستی ہوئی کٹ
ایک اور تھی مادہ قبل اُس جھپٹ

ہر وقت بہادر اُس کے تھا گرد — شیطان کا تھا وہ ایک شاگرد
چہلیں کیا کہیے جو وہاں تھیں — آپس میں بوسہ بازیاں تھیں
آمیزش گو وہ چاہتا تھا — دل ہی دل میں کراہتا تھا
ایک روز بحسب اتفاقات — تیار ہوا پے ملاقات
اُٹھی دل میں جو اُس کے جوشش — ہتنی پہ سوار ہو کے کوشش
کرنے تو لگا ولیک اندر — کچھ راہ نہ پائی اس سے باہر
کھولا اس نے دہانۂ مشک — آنکھوں سے ٹپک پڑے ہیں اشک
شرم اس کو نہ کچھ نہ کچھ حیا تھی — تھا وضع غریب کا وہ ہاتھی
رہتا ہر وقت مستعد تھا — اُس بات پہ وہ بہت بجد تھا
چنچل پیاری بغیر وہ دن — اُس کو نہ ہوا نصیب لیکن
دیکھی نہ کسو نے ہوگی اب تک — جفتی ان ہاتھیوں کی بیشک
انگریز جان کارش راقم — قصہ کے ہوئے وے مترجم
ہیں فارسی میں کلارک صاحب — وہ خاص حضور کے مصاحب
انشا سے یہ ترجمہ بعینہ — موزون ہوا ہرائے کہ دمہ
حسب الحکم جناب عالی — منظوم ہوئے ہیں یہ لآلی
وہ ناظم ملکِ ہفت کشور — منصور و شجاع و عدل گستر
کاؤس حشم وزیرِ اعظم — جمشید شیم مہ مکرم
کسرا شوکت حضور پر نور — باعزم و شکوہ و شانِ فغفور
دی جس کو علی نے ہی سعادت — یارب رہے اُس کو یہ امارت
جب تک کہ رہے یہ فیل گردوں — نقارہ بجے اُسی کا دوں دوں

سُن لے تو اس کو بارِ الٰہا
اِنشاءاللہ نے جو چاہا

متفرقات

مخمّسات

(۱)

آپ خدا نے جب کہا صلِ علےٰ محمدؐ　　کیوں نہ کہیں پھر انبیا صلِ علےٰ محمدؐ
عرش سے آتی ہے صدا صلِ علےٰ محمدؐ　　نورِ جمالِ مصطفےٰ صلِ علےٰ محمدؐ
صلِ علےٰ نبینا، صلِ علےٰ محمدؐ

عرش کی کچھ نہیں فقط قائمۂ جلیل پر　　لوحِ جبینِ مہر پر چشمۂ سلسبیل پر
ثبت یہی نقوش ہیں عدن کی ہر فصیل پر　　ہر خطِ نسخ سے لکھا شہپرِ جبرئیل پر
صلِ علےٰ نبینا، صلِ علےٰ محمدؐ

لمعۂ ذاتِ کبریا باعثِ خلق جزو و کل　　فخرِ جمیعِ مرسلیں رہبر و ہادیِ سُبُل
نور سے جس کے ہوگئی آتشِ کفر بجھ کے گُل　　بعد نماز تھا یہی وِرد و وظیفۂ رسل
صلِ علےٰ نبینا، صلِ علےٰ محمدؐ

میری زباں کہاں کہ ہو وصفِ دوازدہ امام　　آلِ نبی و ہاشمی ہیں وہ ائمۂ انام
یاد کرا اُن کو صبح و شام کہیے علیہم السلام　　نورِ جمالِ ذاتِ حق اُن میں سما رہا تمام
صلِ علےٰ نبینا، صلِ علےٰ محمدؐ

بھیجتے ہیں سدا درود وحش و طیور انس و جن　　حور و بہشتِ جاوداں کس کو ملے ہیں اُس کے بن
واہ عجیب چیز ہے، قلب ہو جس سے مطمئن　　اِنشا اگر نجات تو چاہے تو پڑھ یہ رات دن
صلِ علےٰ نبینا، صلِ علےٰ محمدؐ

(۲)

چھائی یہ گھٹا زور ہر اے ساقیِ بدمست — تک دستِ سبو سے تو لگانے دے مجھے دست
بجلی کی تڑپ دیکھ نہ کر فکر کو اب پست — اِس شب بچمن نکہتِ گل مستِ شراب است
من مستم و بردختر رزعینِ شباب است

جائز نہ رکھ اِتنا بھی ستم، آہ! تو ہم پر — سبزے کی تراوٹ کی طرف کچھ تو نظر کر
افسردہ نہ کر دل کو ذرا دیکھ تو ایدھر — از نسترن و نرگس و نسرین و صنوبر
در صحنِ گلستاں عوضِ آبِ گلاب است

اے جانِ بہار، آہ! تو پھر روٹھیو اب من — آ، سیر کریں، بھر لیں گل و غنچہ سے دامن
دستار پہ دھر لیویں زرِ طرّۂ سوسن — ہر نخل ترو تازگی آورد بہ گلشن
بر سبزہ نگر کش بچمن تا کمر آب است

خواہش یہی اپنی ہو اگر پوچھے تو در اصل — میرے ترے اِس وقت میں اک دم بھی نہ فصل
ایّام گیے ہجر کے، صد شکر، ہوا وصل — زنجیر اگر تو بہ شود بگسلد ایں فصل
ایما ہمہ از چشمکِ برق است و سحاب است

ہم سے تجھے باہم جو ہر سر رشتۂ یاری — خاطر شکنی کر تو نہ اِس وقت ہماری
فوارے پڑے چھٹتے ہیں اور نہر ہے جاری — بے مے نتواں زیست دریں باد بہاری
الحال صبوحی زدن از بہرِ ثواب است

بے نغمے سے کچھ کام، نہ ہے زمزمہ درکار — حاجت نہیں مطرب کی یہاں سُن لے مرے یار
جو لطف کہ اِس میں ہے، سو آہنگ سے دشوار — از جنبشِ برگ گل و اشجارِ پُر اثمار
صوتِ عجبے بے دف و بے چنگ و رباب است

کرتی تھی نسیم سحر آرائشِ بستاں — لے آئی شگوفے کی جھکور ایک کہ حیراں
دل اُس سے ہوا آئنہ دارِ چمنستاں — از بوے گل و یاسمن و سنبل و ریحاں
ہرگز نہ بدل طاقت و نے صبر نہ تاب است

مہ کچھ بات نہیں آتی ہے اب مجھ سے بن انشا — جو شخص کہ ہو محو کرے کیا سخن انشا
خمخانۂ وحدت میں ہے میرا وطن انشا — مدہوش شدم بر روش ایں چمن انشا
از آب نبود است فقط از مے ناب است

(۳)

مخمس ترجیع بند در مدح شاہزادہ مرزا سلیمان شکوہ

بلطفِ صفدرِ ضرغام دیں جنابِ امیر — چمک کھڑی ہو سلیماں شکوہ کی شمشیر
یہی کہے ہو "دعا مانگ" ہر صغیر و کبیر — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

عجب طرح کا زمانے کو ہووے عزّ و شرف — کہ شاہ جس میں سلیماں، وزیر ہو آصف
صدا بلند ہے اب تو یہی ہر ایک طرف — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

شتاب زیبِ دہِ تخت و تاج و ملک و حشم — شہا جہان میں کردیں تجھے اِمامِ اُمم
غرض امیرِ عرب بخش دیں تمامِ عجم — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

نہ رہنے پائے زمیں پر جو غیرِ تو ملک ہو — عدو جو ہووے ترا سو عدم کو سالک ہو
یہ خانہ زاد ترا بخشی الممالک ہو — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عیدِ غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

رہے ترے ہی اقالیم سبعہ زیرِ نگیں — ہر ایک ہفت ہزاری ہوں، ہوں جو تیرے قریں
یہ سُن مخمسِ انشا سبھی کہو "آمیں" — خدا کرے یہ مبارک ہو ایسی عید غدیر
کہ نذرِ جشنِ جلوس اب کے سال دیوے وزیر

(۴)

میں اپنا دلِ مضمحل بیچتا ہوں — حیا کس لیے ہو خجل، بیچتا ہوں
نہیں بیچنے میں خجل، بیچتا ہوں — یہ سودا تو دیکھو کہ دل بیچتا ہوں
لے شیشے کو زیرِ بغل بیچتا ہوں

نہیں اس میں کچھ ریب، تکرار تا کے — رویّہ یہی ہے، صفا ہاں ہو یا رہے
کہ اُن میں سے یعنی بکاؤ ہو جو شے — جو ہو مال کھوٹا وہ گھر میں رہے ہے
میں بازار میں اس کو چل بیچتا ہوں

گرے مول پر کیا کوئی جی جلا اب — کہ ہاتھوں سے اس کے بہت میں جلا اب
رہوں جی ہی جی میں نہ کیوں تلملا اب — لگا کہنے قیمت تو کہیے بھلا اب
کہ اتنے پر اس کو اصل بیچتا ہوں

نہ کر مول اس کا، تو چپکا ہی بس رہ — کہ اس کی نہیں قدر سے کچھ تو آگہہ
جو کچھ بیچے تجھ سے وہ ہے مردِ ابلہ — خریدا ہے اس ڈھب سے دل بھی کہیں، کہہ
یہ سمجھے ہو آنب اور کٹھل بیچتا ہوں

نگہ ہی کا سودا ہے۔ بگڑو متی، جی — یہاں جی کا سودا ہے بگڑو متی، جی
سپاہی کا سودا ہے۔ بگڑو متی، جی — یہ راضی کا سودا ہے بگڑو متی، جی
میں کیا یہ بجنگ و جدل بیچتا ہوں؟

کہاں کی لگائی "کہو جی کہو جی" — چہ خوش، خوبی خلطے کی کیا خوب، لو جی!
بہت آپ ہیں جی چلے، تو کہو جی — بڑی ہے گی جلدی خریدار کو، جی
ذرا رہ تو جاؤ نچل بیچتا ہوں

عبث ہوش بک بک سے کیوں کیجیے گم — پسندیدہ وہ بات ہے نزدِ مردم
کہ جس کے سنے سے نہ کچھ ہو تلاطم — اگر مول پوچھو ہو یہاں واجبی تم
تو دل کو میں دل کے بدل بیچتا ہوں

اسے ہاتھ سے اپنے کھویا کہو تم — یہی ہو خریدار ہو، یا نہ ہو تم
محبّت کے بیج آ گے بو، یا نہ بو تم — یہی مول دل کا ہے۔ لو، یا نہ لو تم
مَیں اس کو میاں آج کل بیچتا ہوں

جو باغِ بلاغت کی دیکھی بہار اب — لٹا کر گُلِ آفریں صد ہزار اب
لگا دی بس انشا نے بھی یہ پکار اب — سخن کا خریدار ہو جو نثار اب
میں اُس پاس اپنی غزل بیچتا ہوں

(۵)

مخمس غزل میر سجاد ایہام گو

وہ جو معمار[1] کا اکڑ کے تنا — مَیں نے پتھر بھی ڈھوئے پر نہ منا
تب تو پڑھنا یہ میرے دل میں ٹھنا — راج اٹھاوے ہے جس بِنا کو بنا
منہدم آخرش کرے ہے فنا

جیسا مَیں ویسا کوئی عاشق نئیں — ہے کہیں عشق بھی تو صادق نئیں
پاڑھا چیتا، ہرن بھی فائق نئیں — دل کی وحشت کے کوئی لائق نئیں
جنگل اور بن کیا ہے سیر گھنا

مرتعش یہ نحیف خاک جیے — ہل ہلاتا نہ کیونکہ زہر پیے
کب تلک زخمِ دل کو اپنے سیے — دیکھے اُس کے تئیں بنا دیے
کبھی ایسا نہیں بنا دبنا

جیب و دامن جو ہے دریدۂ صبح — رات کی ہے یہ نور دیدۂ صبح
صاف شفّاف ہے دمیدۂ صبح — ہے بہت لطف سے رسیدۂ صبح
کس تجلّی کا ہے یہ نور چھنا

---

[1] معمار کا یعنی معمار کا لڑکا۔

انگلیاں چوسنے کو ایک دم کے　　پرورش یافتہ ہو عالم کے
طفل ساں ہٹ کرے ہو تھم تھم کے　　پالنے میں پلا نہ ہو غم کے
زادۂ دہر نے نہ ایک جنا

مت سمجھیو سحاب ہو یہ دود　　نہیں تارے، یہ بالو ہو موجود
جیسے بھڑبھونجا فکر بیٹھے کود　　بھاڑ سا یہ پھٹکے ہو چرخِ کبود
خود بخود ہو بھنا بخود یہ چنا

عشق کی جن نے کی ہو منزل طے　　جوں کنھیا بجاے برج میں نَے
نور سے اُس کے جلوہ گر ہر شے　　اَنا نحنُ کے کون لائق ہو
میں ہوں میں، وہ وہ، اور کون اَنا

کس پہ غصہ ہو کیجیے فریاد　　کس کو جاؤ دیجیے مبارک باد
سیّد انشا یہ کہہ گئے اُستاد　　مدح و ذم کس کی کیجیے سجّاد
کرے اپنے نبیؐ، علیؑ کی ثنا

۶

مخمس قصیدہ مولوی حیدر علی

جناب مولوی حیدر علی بلند مقام　　کہ زمرۂ علما لیتے ہیں اُنھیں کا نام
کلام اُن کا یہ ہو مدّظلّہٗ العلّام　　رسول حق کا محمدؐ نبیِ خیرِ اَنام
ہو فخرِ کون و مکاں تجھ پُر درود و سلام

سخن وہ ذاتِ مقدّس پہ اپنی سہتے ہیں　　سخن سے آپ کے دریاے فیض بہتے ہیں
سنیلے میں یہی پڑھتے مدام رہتے ہیں　　خدا ملائکہ صلّوات تجھ پہ کہتے ہیں
صباح و شام و مدام اور لیالی و ایّام

چمن میں کہتی پھرے ہو گلوں سے موجِ نسیم　　درود وِرد جو کیجیے تو ہو ثوابِ عظیم

بہار کہتی ہو یہ شعر واجب التعظیم ہو امر تم کو بھی صلّو او سلّموا تسلیم
ہو امتثال امر واجب اے ذوی الافہام

اگرچہ اشک میں جوں سیل موج بہتا ہوں مقدر اپنی جو قسمت میں ہو سو سہتا ہوں
زباں کو ہو حرکت اب خموش رہتا ہوں بموجب امر خدا میں صلوٰۃ کہتا ہوں
کہاں صلوٰۃ ہو میری کہاں وہ عالی مقام

کسی سے کوئی جو جبّار کے صفات کہے وہ چاہیے کہ پھر اُس دن کو کالی رات کہے
گناہ گار کے کیا باعث نجات کہے مگر حدیث میں آیا جو کوئی صلات کہے
صلوٰۃ اُس کی ہو مقبولِ مفضل منعام

ظہور حجلۂ عالم میں ہو یہ سب اُس کا فرشتے کرتے ہیں مذکور جب نہ تب اُس کا
طیورِ سدرہ بھی رکھتے ہیں ذکر اب اُس کا جو میں نے عقل سے پوچھا کہ کیا سبب اُس کا
کہا کہ ملہم حق نے یہ مجھ کیا الہام

پڑھو درود ابھی پھر تو خیر ہل چل ہو میسر آج جو ہو بات، سو کہاں کل ہو
درود آئینۂ دل کو مثلِ صیقل ہو کہ وہ ہی مبدءِ اوّل سے نور اوّل ہو
اُسی کے نور سے عالم کو ہو وجود انجام

پیے گی اُمّتِ مرحومہ جرعۂ کوثر نہ فسخ و رسخ سے خطرہ نہ مسخ ہونے کا ڈر
محمدِ عربیؐ ہو جو اپنا پیغمبر وہ ہی نبی تھا جب آدم تھا آب و گل اندر
وہی ہوا ہو سبھی انبیا کا فصلِ ختام

مدارِ آیۂ لولاک و خلقتِ آدم حبیبِ حضرتِ خلّاق و خواجۂ عالم
ملیک و مالک و ملّاکِ کعبہ و زمزم وہی ہو روزِ جزا شافعِ جمیعِ اُمم
رضاء اُس کی ہو منظورِ خالقِ علّام

یہ نوش، ساغرِ وحدت سے اُس نے کی ہو مے کہ شرط شے و بلا شرطِ شے، بشرطِ لاشے
کیے ہیں اُس نے ہی بس مرتبے یہ سارے طے اُسی کے حسن کا جلوہ یہاں، وہاں بھی ہو
یہاں بھی نام اُسی کا، وہاں بھی اُس کا نام

کیا ظہور جب اُس نے ہوئی عجائب سیر — جبیرا سوکھ گیا، گر پڑے ہزاروں دیر
رجوع نوعِ بشر کو ہوئی بجانبِ خیر — یہاں سے جانیے محبوب وہی ہے نے غیر
چنانچہ آیتِ یُحْبِبْکُمُ[1] دلیل اُس پہ تمام

یہ شعر، عظمۃُ للہ! مجھ کو بھاتا ہے — کہ جس گھڑی اِسے پڑھتا ہوں چین آتا ہے
عجب طرح سے یہ جملہ مزے دکھاتا ہے — جو کوئی تحفہ، کہ محبوب آگے لاتا ہے
مُحِبّ اُس سے تبھی خوش ہو، یہی سبب ہے مدام

یہ بات سخت ہی مشکل تھی، کیجیے ٹک غور — جواب ویسا مُدلّل، سوال کا سو یہ طور
مکالمہ یہ بہم ہو چکا، تو بس فی الفور — سبب یہ کہہ کے کہا عقل نے کہوں کچھ اور
تو سُن کے کیجیے پھر مومنوں کے تئیں اِعلام

ہوا مقولۂ منقول، عقل سے، یہ حصول — کہ سب درود کا پڑھنا سدا کریں معمول
جو خوف صدمۂ سردی ہو یوں بھی ہے مقبول — اگرچہ شرطِ ادب ہے کہ اسمِ پاکِ رسول
زباں سے نکلے، وضو ساتھ، یا لکھیں اَقلام

وضو درود میں گو ہو نہ، میرے بھائی شرط — صلوٰۃِ خمسہ میں شارع کو ہے یہ بھائی شرط
یہی تو مجتہدِ وقت نے سُنائی شرط — ولے نمازِ خدا میں طہارت آئی شرط
درود بیچ نہیں شرط اے خجستہ شیام[2]

یہ راز سمجھے ہے وہ جو کہ ہو فنا فی اللہ — بصارت اور بصیرت ہو، تب تو سوجھے راہ
عجب طرح کا یہ مضمون بندھا کہ واہ ہی واہ — سبب جو اُس کا بیاں میں کروں، خدا ہے گواہ
کہ شرح اِس کی میں وقت ہے نزدِ ذی اَفہام

بلند عرشِ بریں سے بھی اُس کا پایا ہے — خدا نے نور سے اپنے اُسے بنایا ہے
پھر اُس کے سایہ ہو کیوں کر؟ وہ آپ سایا ہے — شروع صلوٰۃ کہ اللہ اکبر آیا ہے
درود اُس کے سے پایا صلوٰۃ نے انجام

نہیں بہم عشرات واحاد میں تکرار — اگر مئات اُلوف آدمی ہو احد ہی بکار

---

[1] [سورہ آل عمران (۲۹)] [2] خجستہ شیام = مبارک اصل۔ شیام = مٹی۔ سب نسخوں میں "خجستہ صیام" ہے۔

اسے سمجھ لے ٹک ایک غور سے کہ ہیں اسرار — صلوٰۃ واحمد و رحمت بیک عدد ہیں شمار

حساب جفر میں ہیں متحد بلا اوہام

دلوں کو عشق کی گرمی جو دی تو نرمایا — وہ شعلہ برق ہو کڑکا ہو پھر نہ شرمایا

برس پڑا وہ جو بادل تھا خوب گرمایا — صلوٰۃ صورت احمد یہ حق نے فرمایا

یہ شان اسم کی آوے وہ کیسا جس کا نام

کرے ہو وقت سحر آفتاب جیسے طلوع — اسی طرح سے سمجھتے ہیں اُس کو اہل رجوع

زہے کمالِ رجوع و خضے و فورِ خشوع — قعود دال ہو اور سجدہ میم حا ہو رکوع

چہارم حرف الف چاہیے سو آیا قیام

اگر عبادتِ ربِّ ودود ہو منظور — تو کر خیال کہ گویا ہوں میں اُسی کے حضور

"فانہ" کے تخیل کو ہو یہ بات ضرور — سمجھ کے دیکھ یہاں کون ناظر و منظور؟

ہر ایک رمز خبر میں اُٹھاؤ دل سے لثام

رکھے ہو منزل "لایسعنی" طریقت اور — شریعتوں سے ہو کچھ عشق کی شریعت اور

حقیقتہ جو سنو تو یہ ہو حقیقت اور — صلوٰۃ عظمتِ حق ہو وہاں عظیمت اور

جو کوئی منکرِ حق ہو وہ ہو اَلدِّ خصام[1]

اگرچہ کھینچے مصوّر طلسم کی تصویر — ولے نہ کھینچ سکے اُس کے جسم کی تصویر

تجلیات کی ہو اور قسم کی تصویر — جو کوئی پاک ہو لاوے گا اِسم کی تصویر

وہ پاوے نفع عبادت ہو اور اُس کا نام

درود کے جو مواظب ہیں اُن کو راحت ہو — انھیں کے واسطے آمادہ قصرِ جنّت ہو

یہ راز سمجھے ہو وہ شخص جس کو دِقّت ہو — صلوٰۃ حق سے نبی پر بمعنی رحمت ہو

لکھا ہو اِس کو کتب بیچ مردمان اَعلام

مدیح اُس کے ہیں ہر خاص و عام عالم پر — یہ سایہ اُس کا رہے گا تمام عالم پر

وہ ذاتِ پاک ہو رحمت تمام عالم پر — اُسی کے حکم سے ہو صبح و شام عالم پر

---

[1] اَلدِّ خصام = جھگڑالو دشمن جو حق کی طرف مائل نہ ہو۔

جو ہووے رحمت رحمت اُس پر تو عین تمام

مجاز والے نہیں جانتے حقیقت شے — نشانیہ اُن کو ہی ملی ہے جنھوں نے عشق کی مے
ملی یہ بات ہوا جبکہ دشتِ اُلفت طے — صلوٰۃ عبد سے معنے میں طلب رحمت ہے

سوا سوال کے بندوں سے کچھ نہ ہووے کام

جو حق پرست ہیں اُن کو نہیں ہے مطلق بیم — سرائے پیرو احمدؐ ہے خلد دارِ نعیم
درود بھیجنے پر وہ کرم کرے گا کریم — خدا رحیم ہے۔ محبوب اُس کا وہ بھی رحیم

سوال رحمتِ رحمت پہ کیوں نہ ہوگا الزام

اگرچہ مردِ مسلماں کو ہے عبادت شرط — ولے نجات کو ہے اُس کی ہی عنایت شرط
رسول اپنے کی جتنی ہوئی اطاعت شرط — سوال کرنے کو کیا چاہیے طہارت شرط

سوال ایسا کہ جس کا ہمیشہ ہو ابرام

وہ رستگار ہیں جو اُمّتِ پیمبر ہیں — بشر وہ جملہ ملائک کی طرح بے شر ہیں
اُنھیں کے واسطے جنت میں سب بنے گھر ہیں — یہاں تو طاہر و عاصی سبھی برابر ہیں

نہیں ہے فرق یہاں درمیانِ خاص و عوام

نہ ڈر تو خوفِ قیامت سے گو گذر ہے وہاں — رسولِ خالق داور سارا ہے وہاں
حساب کا جو وہ جھگڑا ہے، مختصر ہے وہاں — زلبکہ پُر ہوں معاصی سے کیا خطر ہے وہاں

جہاں صلوٰۃ وسیلہ ہو روزِ حشر قیام

قصیدہ مولوی صاحب کا تھا برائے ثواب — مخمس اُس پہ ہے اِنشا سے ایتہا الاحباب
سمجھ کے کہتے ہیں وہ دام ظلہ الوہاب — نبی و آلِ نبی اور اس کے سب اصحاب

درود پڑھ کے سبھوں پر کرا اختتامِ کلام

(۷)

مخمس بر قطعہ مرزا جان طپش

کیوں کر مرزا جان طپش سے قازیں نہ ساری بیر کریں
اُس سے یہ قتلِ عام ہوا ہو چاہیے حالت غیر کریں
کیا لازم تھا کہہ کے یہ قطعہ دفعِ قشونِ طیر کریں
فصلِ بہار آئی گلشن میں چلو طپش تک سیر کریں
شاخ پہ گل کی ہو مستر نم ہر ایک مرغ گلستانی
سرگم پدی لیتی ہو کوئل کوئی[1] مُنہ کو چڑھاتے ہیں
ٹپاٹوئی کرتے ہیں بگلے اگلے دھوم مچاتے ہیں
یہ جو ترانہ خوب بنا ہو اِس کو بیٹھے گاتے ہیں
لے چمکے ہی اوجِ ہوا پر بول یہ اُڑتے جاتے ہیں
تم درنا تم تم درنا تم دیم تنا در تادانی
طوطی، مینا، کلچڑی، چھاپو ہوگئی سب کو حیرانی
جانوروں کے سر پر ٹوٹا جب کہ غضب یہ سلطانی
سُرخابیں سب ڈوبیں لہو میں بِن دانے اور بِن پانی
چونڈا ہلا کر بولی بلبل میرے لٹورے اے جانی
تم دری نا تم تم دری نا تم تا در آیا تادانی

---

[1] ق ۳: "کوئے"۔

قطعات

(۱)

اُس کھلاڑی کے بھلا کرتب کو کیا لکھے کوئی
بوند بھر پانی کو جس نے چاند سا مکھڑا کیا

"ہُو" کے کہتے ساتھ یہاں سے وہاں تک کچھ کہ کر
ہو گیا سب واچھڑے تو سوچ تو کیا کیا کیا

(۲)

قطعہ تاریخ مسجد سالار بخش

مرد ہے نتھو کی دولت خرچ کی مسجد کے بیچ
تجھ کو اب چوروں[†] سے بھی اک راہ ہے سالار بخش

امر نامشروع پر موقوف کچھ ہرگز نہیں
بخشنے والا ترا اللہ ہے سالار بخش

کیوں نہ ہو ہیرا کی بیٹی یہ تری پہلی ڈلک
بول اُٹھے سب کہ فرضِ[#] ماہ ہے سالار بخش

آ کے بھڑ ایچ سے یوں معبودِ غازی کہہ گئے
ہے یہی تاریخِ مسجد "واہ ہے سالار بخش"
۱۲۲۱ھ

---

(۳)

بزرنے کل پوست کندہ کہا
یہ ہمخوابہ اپنی سے اے بربری

نہ رہی تو نہ رہ تھانروں کا یہ کام
نہ ٹھی کٹانے نری نری

یہی قول سجاد کا یاد رکھ
نہ کر ہم سے کھرہاں[1] عبث اے کھری

نجیبوں کے گھر میں نہیں کوئی نر
چماروں کے حصّے پڑی ہے نری

---

[1] کھرہاں کرنا = اکل کھری باتیں کرنا۔ † ق ۳: "حوروں"۔ # ق ۳: "اُٹھے یہ سب کہ"

(۴)

قطعۂ تہنیت سالگرہ جناب عالی

ہر طرف سرو قبا پوش پڑے پھرتے ہیں
کھولے کیوں دل کی نہ ہر غنچۂ خوشحال گرہ

بدرہائے زر و اجناس کے* از بہر نثار
بیٹھے سب کھولتے ہیں صاحب اموال گرہ

یہ لیے گوہر شب تاب کہ بس خیر اپنا#
کہکشاں دینے لگی کھول کے رومال گرہ

آج نواب فلک رتبہ یمین الدولہ
ناظم الملک بہادر کی ہوئی سال گرہ

جب تلک عقد ثریا رہے انشاء اللہ
یوں ہی پڑتی رہے یہ تا صد و سی سال گرہ

مٹھی* ناڑے کی برس گانٹھ سے بھر لیں تو مدام
پھر نئے سر سے وہی ٹھہرے جدی سال گرہ

رشتۂ عمر میں دیتے رہیں تاروں کی نمط
خود رسولؐ و علیؑ و فاطمہؑ و آلؑ گرہ

---

(۵)

قطعۂ دعائیہ شاہزادہ سلیمان شکوہ در تہنیت نوروز

خداوندا بحق جانشین احمد مرسل
اسی نوروز میں محکوم روم و روس ہم دیکھیں

قشون قاہرہ حاضر جلو میں شاہ کے ہووے
کریں گردن کشان دہر سب پابوس ہم دیکھیں

پڑھیں خطبے میں اس کا اسم اعظم سکہ ہو جاری
عدو جو کوئی ہو یارب اسے محبوس ہم دیکھیں

عمل اس کا ہو جوں شاہ جہاں تا بیں صوبوں میں
گلے میں اپنے بھی اک خلعت ملبوس ہم دیکھیں

وہی تخت مرصع اور وہی پھر چتر حاضر ہو
زمرد کے بنے ویسے ہی پھر طاؤس ہم دیکھیں

دعا مانگے ہو انشاء اللہ اے یار دکھواویں
سلیماں کا جلوس میمنت مانوس ہم دیکھیں

نسخہ ق ۳: "کر" # ق ۳: "اتنا" * یہ شعر ق ۳ میں نہیں ہے۔

۶

قطعۂ تہنیت جشنِ نواب ناظم الملک سعادت علی خاں بہادر

آج ہی زور ہے کچھ دھوم کی شادی انشا
جس سے آغوشِ وزارت میں رچی بوئے عروس
اہلِ نظارہ کی آنکھوں میں سمائی آکر
فرِ کسریٰ و فریدون و جم و کیکاؤس
یوں زری پوش ہوئے کرسیٔ زرّیں کے گرد
جیسے گلشن میں پھریں جلوہ کناں ہو طاؤس
شرق سے غرب تلک غرب سے لے کر تا شرق
روس سے روم تلک دم سے لے کر تا روس
کوئی سو بار پھر آوے تو نہ دیکھے ایسی
شوکتِ نوبتِ شاہانہ و آوازۂ کوس
کیا تعجب ہے اگر دیکھ کے یہ نور و ظہور
گبر دیرینہ مُلقّب ہو بہ عبدالقدوس
سطوتِ صاحبِ محفل کے نظر کرنے سے
بانگِ لبیک کرے سازِ صدائے ناقوس
ذہن ایسا کہ ارسطو بھی کرے شاگردی
مدرکہ یہ کہ بہ از مدرکۂ جالینوس
آسماں تاروں بھری رات کی کھاتا ہے قسم
کہ زہے طالعِ اگر ہم بھی ہوں یہاں کے فانوس
شکر ہے یہ کہ مراد آج بر آئی صد شکر
چھُٹ گئے جتنے کہ تھے قیدِ الم کے محبوس
کشتِ اُمید تر و تازہ ہوئی خلق کی آج
کوئی اِس وقت کسی طرح نہیں ہے مایوس
قدسیاں مستعد آمیں کے لیے ہیں۔ کچھ بول
تا کرے تیری مدد بادشہِ کشورِ طوس
ناظم الملک بہادر کو یہ، اِنشا اللہ
ہو مبارک صد و سی سال تلک جشنِ جلوس

۷

قطعۂ تہنیت صحتِ فرزندِ نواب سعادت علی خاں بہادر

تیرے نوّابِ جہاں تاب کو، انشا اللہ
ثمرِ نخلِ برومند مبارک ہووے
روشنی اُس کی ہو دنیا میں رہے اور اُس کو
شادیِ صحتِ فرزند مبارک ہووے

(۸)

ہو لکھنؤ تو عالی و اعلیٰ سے ہم عدد — کیونکر نہ اِس کو نادِ علیّا کی ہو مدد
اچھی طرف نہ جائیے، ایسا ضرور کیا — جوں ابنِ سعد لائیے کوفے ہی کی سند
جائز ہو اِس دلیل پہ آکر اگر کہے — فخرِ معاویہ میں کوئی خارجی اشد
بارہ مہینے برج بھی بارہ فلک میں دیکھ — بارہ ہی بارہ اُن میں بھی ہیں، تو نہ رکھ حسد
بارہ دہا کے بارہ ہی پاوے اکائیاں — نام معاویہ کو ٹٹولے اگر خرد
بارہ بغیر کارروائی کہیں نہیں — ہو حال مومنین بڑائی پہ حد سے حد
نام خدا یہ شہرِ بہشتِ زمانہ ہو — ہیں لاکھوں اِس میں پھول کی صورت کے سرو قد
ہوتی ہو اِس میں تعزیہ داری امام کی — اس کی مدد کو ہیں حسنین اور اُن کے جد
دشمن کو لکھنؤ کے سراب چاندنی کو سونپ — پر اُس کی دُم میں باندھ کے ایک پرچۂ نمد
سب اس کی عزت اور سعادت علی سے ہو — قائم رہے ہمیشہ الٰہی وہ تا ابد
حاکم ہو اِس کا ناظمِ ملکِ جہانیاں — بخشی خدا نے ہو جسے لمعِ جبین و خد
نوابِ نامدار سلامت رہے مدام — باندھے وہ لے کے شرق سے تا غرب اپنی# حمد

(۹)

ہو فوتِ شاہِ عالم فخرِ جہانیاں — وہ غم کہ جس سے ہر بنی آدم کو غم ہوا
دو بار سر جھکا کے کہا آفتاب نے — تاریخ بادشاہ کی "عالم کو غم ہوا"
۱۲۲۱ = ۲۱۹

(۱۰)

نہ عربی نہ فارسی نہ ترکی — نہ تال کی نہ سم کی نہ سُر کی
تاریخ کہی ہے کسی لُر کی — حویلی علی نقی خاں بہادر کی

(۱۱)

کہنے مصرعے پڑے مجھے لاجم — لیک ہو عقل میری اس میں گم
ایک مصرع کی بڑھ گئی ہو دُم — حویلی علی نقی خاں بہادر دام حشمتہم

ق ۳ : "ایک سدا"

افراد

بس اُسی کے لطف سے زندہ ہیں وہ جو حافظ اور کریم ہے
نہ دوا ہی ہے نہ غذا یہاں، نہ طبیب ہے نہ حکیم ہے

اختیاری تو نہیں آپ سے جو دوری ہے — سخت لاچار† ہوں میں، عالم مجبوری ہے

حضرتِ عشق آپ ہیں کچھ زور شے، نامِ خدا — واہ رے خُلطے! اے لو کیا خوب، اے نامِ خدا

صورتِ آدم میں عالم ہے خدا کے نور کا — وہ پری غلمان سا ٹکڑا جھمکڑا حور کا

آہ، کل دل کو ہوا درد کہ رکھا ہم کو — جنبشِ مہ جبینِ بتِ چین نے بے چین[1]

ناک کے نیچے ہم اُس گل کی ناک لگائے بیٹھے ہیں
کون سے منہ پر غنچۂ زنبق ناک لگائے بیٹھے ہیں

چنگلِ شاہبازِ ناز مجھ سے دوچار کیجیے — وادیِ دل میں آیئے سیرِ شکار کیجیے

کب تلک ابر کے پرتو سے رہے گیلی دھوپ
بارِ الٰہا نکل آوے کہیں چٹکیلی دھوپ

---

[1] اس شعر کا پہلا مصرع غیر منقوط اور دوسرا منقوط ہے۔ † ق ۳: "ناچار"

پہیلیاں

(۱)

نام سبحان ربی الاعلےٰ — کون ساہر، بتا تو مجھ کو بھلا
جس کے صدقے سے خود بخود انشا — ہو یہ ظاہر مرے خدا یہ لا

(آلہی)

(۲)

منہ میں ناہر بیٹھے مرگ — ایسو اُچھلے جیسے درگ
بگلا طوطا واکے سنگ — اور بہت سے اُہ میں رنگ

(اسپ)

(۳)

کٹ جاوے تو ہو گدہا اُلٹا مکھ ہو سوئے — پورن کھالی پھارسی[1] سچ مچ سورج ہوئے
مورت جا کے جیون پرے ہر دیں ہوت پران — یہاہ پہیلی میں کہی بوجھو چتر سجان؟

(خور)

(۴)

اُلٹی مرکی کا سا روپ — تریا واکی سگری دھوپ
چرن کٹے [لتا] چھوٹا ہوئے — روس کے بیجا ہر دے بوئے

---

[1] لیبی فارسی۔ ف۔ ے۔ ی ۳، "پر"

واکے ہردے موری کیل　　کاہو سمجھے کوئی بیل
اوہ کا بیکہہ ہوں عربی ناؤں　　جو بوجھو تو پاؤ گاؤں

(سورج)

۵

پانی ما اور پانی باپ　　اُس کا اشارہ بوجھیں آپ[1]

(آب)

۶

بوہل جن نے بولی ترکی　　باندر بن کے دیوے گھُر کی[2]
لیت نہیں تو اُس کے ساتھ　　ایک میان ہوں آدیں ہاتھ
ایک جواہر میں ہیرا نکسا　　جاسے پھول اوسن سے یکسا
ترکی سمجھے، سو یہ بوجھے　　اِنشا، وا کو سب کچھ سوجھے

(سیب واللاس)

۷

ہر نصف تو اِسم ذات کی سی صورت　　دن کی صورت، نہ رات کی سی صورت
کام آوے وہ درد میں جو لیکھے اِنشا　　تو ہو قلم و دوات کی سی صورت

(آہ)

۸

باس سو باس اور سگری مار　　سیدھا اوہکا[†] تار بہ تار

---

[1] پانی کی عربی "ماء" اور فارسی "آب" اور "اب" عربی باپ کی ہمدم۔ [2] [سیب کو ترکی میں "آلما" کہتے ہیں ع۔ص]
* مطبوعہ نسخے "کوئی بیل" ق ۳: کوئی نہ بیل" + ق ۳: اوس کا۔ اوہکا تار پتار۔

پھارسی اُلٹو ڈالوں مار　　گو† ہوں عربی یا نر دہار
گیہوں اُپجے وا کے بیچ　　سوچو تو یا اونچ اور نیچ

(مشک)

(۹)

پھارسی اُلٹو کو کر ہووے　　کوئی نہیں جو وا کو کھووے
یہ کہ اُلٹے، سیدھے بہت　　ہر یہ پہیلی ایک اُچھت
دیکھیو آہ کی جھاڑ سمیٹ　　سب کون کا بیٹھ کے پیٹ
وا کی ترکی حیس لیلاٹ　　گیلے انچھر لیوے چاٹ

(کمی)

† مطبوعہ نسخوں میں "نر کو دہوں"

دیوان ریختی

(انتخاب)

ریختی عورتوں کی زبان میں مخصوص رنگ کے اشعار کو کہتے ہیں ۔ مگر واضح رہے کہ شریف عورتوں کی گھریلو زبان سے ریختی کی زبان بالکل مختلف ہوتی ہے۔ ہم نے کسی شریف گھر کی عورتوں کے مُنہ سے وہ بولی ہرگز نہیں سُنی جو ریختی میں مصنوعی طور پر بولی جاتی ہے۔ یہ ہم اس لیے لکھتے ہیں کہ غیر اقوام کے لوگ غلطی سے یہ نہ خیال کرلیں کہ ریختی کی زبان مسلمان عورتوں کی عام زبان ہے۔ ہم کو تو تعجب ہے کہ اشعار ریختی سوائے مرد شاعروں کے ہم نے کسی عورت شاعرہ کے دیکھے نہ سُنے بلکہ شریف عورتوں کے سامنے جب اس قسم کا کلام پڑھا جاتا ہے تو اُن کو ناگوارِ خاطر ہوتا ہے اور کراہت کے ساتھ اُس کا تمسخر اُڑایا جاتا ہے۔

اِس کو زبان اُردو کی خصوصیت سمجھنا چاہیے کہ برخلاف دوسری زبانوں کے مردوں کی بولی سے عورتوں کی گھریلو زبان کسی قدر مختلف ہوتی ہے بعض الفاظ عورتوں کے لیے مخصوص ہیں جن کو وہ اپنے آپس میں بولا کرتی ہیں اور جن کو مرد اپنی تقریر و تحریر میں ہرگز استعمال نہیں کرتے بلکہ پڑھی لکھی عورتیں بھی جب کچھ نظم و نثر لکھتی ہیں تو ایسے الفاظ اور عبارت سے پرہیز کرتی ہیں۔

ریختی کن سن منچلے صاحب کی ایجاد ہے ہم کو نہیں معلوم ۔ البتہ یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اس کا رواج لکھنؤ میں آصف الدولہ اور سعادت علی خاں کے

عہد میں بہت تھا اور چونکہ یہ رنگ بعض طبائع کو پسند آگیا اُس عہد کے بعد بھی قائم رہا۔ ممکن ہے اب بھی ہو۔ اسی وجہ سے بعض جدّت پسند شعرا نے اس صنفِ خاص میں طبع آزمائی کی اور کلام کے لحاظ سے بعض مضحک اور زنان منتری تخلص اختیار کیے مثلاً "جان صاحب" "بیگم" وغیرہ۔ اور قدر دان امیروں نے اُن لوگوں کی بڑی قدر و منزلت کی۔

ہمارا خیال اگر غلط نہ ہو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سو، سوا سو برس اُدھر کی ریختی شاعری نے اب زمانۂ حال کی آزاد شاعری سے چولا بدلا ہے۔ دونوں میں وہی بیباکی اور آزادی۔ دونوں میں وہی فحش رمز و اشارے، دونوں میں صنفِ نازک کے مخصوص جذبات اُبھارنے کی کوشش۔ دونوں کا ایک خاص جماعتِ نسواں میں مقبول و محبوب ہونا غرضکہ یہی اور اسی قسم کی اور بھی مشابہتیں ہیں جن سے یہ دونوں اصنافِ شاعری آپس میں بہنیں بہنیں معلوم ہوتی ہیں۔

نواب سعادت علی خاں کے زمانے میں چونکہ عہدِ برہان الملک اور شجاع الدولہ کی لڑائی بھڑائیوں سے لوگوں کو نجات مل گئی تھی۔ لہٰذا اب وہ امن و اطمینان کے ساتھ رنگ رلیوں اور عشرت پرستیوں میں مصروف ہوگئے تھے۔ کوئی چیز اس میں اُن کی مزاحم و مانع نہ تھی۔ شاعری بھی ایسی حالت میں اپنا رنگ بدل دیتی ہے، چنانچہ درد و میر و سودا کی سنجیدہ و متین شاعری نے اب ایک دوسرا رُخ اختیار کیا۔ انشا رنگین اور جرأت پیدا ہوئے جنھوں نے قدیم رنگ کو چھوڑا تو نہیں مگر ایک مخصوص رنگ کا اُس پر اضافہ کیا جو ابتسامی اور دل خوش کن ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مقبول ہوگیا اور تھوڑے سے تغیر کے ساتھ ریختی بن گیا۔ جرأت کو صنفِ نازک کے ساتھ جو ایک خاص دلچسپی تھی وہ اس حد تک بڑھی کہ بیچارے اپنی آنکھیں کھو بیٹھے اور پھر بھی چشم نمائی نہ ہوئی۔ انشا اسی اتحادِ ثلثہ کے ایک مشہور رکن تھے مگر چونکہ وہ عربی، فارسی، ترکی وغیرہ کے بھی عالم تھے لہٰذا اُن کی اُردو شاعری مختلف زبانوں

کے امتزاج سے ایک معجون مرکب بن کر رہ گئی۔ اُن کے کلام میں عمدہ اشعار اور نازک خیالات کے ساتھ ساتھ ایسے اشعار بھی نکل آتے ہیں جن کو پڑھ کر یقین نہیں آتا کہ یہ ایک ہی دماغ سے نکلے ہیں۔ ان کا مصرع "میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہو مقطع میرا تیرا میل نہیں" خود اُن پر صادق آتا ہے کہ بیک وقت ایک ہی شخص ہنسوڑ بھی ہو سکتا ہے اور مقطع بھی۔

انشا کے ریختہ کلام کے ساتھ اُن کی ریختی کو بھی شامل کرنا، خاص کر اس نئی روشنی اور تہذیب کے زمانے میں جبکہ اخلاق کا معیار بہت بلند ہو گیا ہے ہم کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے مگر دو وجہوں سے شامل کیا گیا۔ ایک یہ کہ ایسا نہ کرنے سے اُن کا اُردو مجموعۂ کلام ناقص رہ جاتا اور ان کے دماغی ترقی اور تنزل کا اندازہ ہم کو نہ ہو سکتا۔ اب جس طرح اُن کے متین و سنجیدہ اشعار پڑھ کر اُن کی اعلیٰ قابلیت اور ذہنی رسائی کا حال معلوم ہوتا ہے، اُسی طرح اُن کے مذاقیہ اور ریختی کے کلام سے ان کی شگفتہ طبعی اور انبساطی رنگ کا پورا پتا چلتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب آئمۂ آزاد شاعری کے کمالات کی زمانہ پوری طرح قدر اور خیر مقدم کر رہا ہے تو پھر بیچارے انشا نے کیا قصور کیا کہ اُس کا کلام و کمال قدر دانوں کی نگاہ سے پوشیدہ رکھا جائے۔[1]

(۱)

جب سے کہ سامنا ہے اِس چاہ کی گلی کا
ہے وِرد مجھ کو حضرت مشکل کشا علیؑ کا

مرجھا گیا دل اپنا، تو نقشہ یاد آیا
بے اختیار مجھ کو اِک پھول کی کلی کا

نزاہٹ انگلیوں کی اُن کی نہ پوچھ مجھ سے
ہے صاف واں تو عالم اک مونگ کی پھلی کا

. . . . . .

[1] (ان تین قلمی نسخوں میں سے صرف ایک (ق) میں ریختی کا دیوان شامل ہے جس سے صرف پہلی ۳۲ غزلوں کا مقابلہ ہو سکا۔ باقی کے لیے ۴ پر لکھا گیا حاشیہ دیکھیے)

ہاتھوں سے تیرے میں تو کمبخت عاجز آئی
جو کام ہو نگوڑا تیرا سو ہلبلی کا

میں کیا کہوں، دوگانا[1] اس کل کے روٹھنے سے
جو حال ہو گیا ہے اس پانو کی نلی کا

کیوں کر قدم رسولوں[2] جا کر بھروں نہ چوکی
رکھیے جو آسرا، تو ایسے مہابلی کا

دل گد گدا[3] رہا ہے جس شخص پر کل اس کے
زانو کے نیچے گھوڑا تھا بھیرا تھلی کا

جوڑے بغیر[4] گذرے کس طرح مرد و زن کی
یہ چال ہے ولی کی یا کام ہے للی کا

انشا سوائے اپنے اللہ کے، جہاں میں
ہے کون کھونے والا اس دل کی بیکلی کا

(۲)

وصف بیاں کیا کروں رات کے مہمان کا
آدمی زادہ بنا جان بنی جان کا

رات جو میں نے سنا قصہ پرستان کا
خواب میں آیا نظر تخت سلیمان کا

تجھ سی پری بھی کوئی ہووے تو شاید کہ ہو۔
ہم نے تو دیکھا نہیں آدمی اس شان کا

بس[5] وہ گیا مردوا، ٹھوڑ رہا غش ہوا
بھاپ لگا گد گدا جس کو تری ران کا

یہ بھی تو اک ہے پھبن، دھوپ کی ہو جوں کرن
لیجیے لنگا پہن بادلے کے تھان کا

بات جو کہنی نہ تھی، سو وہ دوا سے کہی
منہ نہ دکھاوے خدا آپ سی نادان کا

مل تو مرے پانوؤں کی آن کے ٹک انگلیاں
پھیک دے رابیل[6] تو ہار مدن بان کا

---

[1] زنا خی بگیا، دوگانا وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو صرف دہی حوزمین آپس میں بولتی ہیں جنکا ذکر اشعار ریختی میں آتا ہو۔

[2] قدم رسول لکھنؤ میں ایک محلہ ہو جہاں کوئی متبرک نشان بتایا جاتا ہو۔ یہ محلہ "قدم رسولوں" کے نام سے مشہور ہو [جیسے محلہ پیر جلیل کو "پیر جلیلوں" کہتے ہیں] چوکی بھرنا = کسی مزار پر نذر نیاز کرنا + مہابلی = بڑا طاقتور یعنی صاحب بالمن بزرگ +

[3] دل گد گدا رہا = دل بے چین ہو + بھیرا تھلی غالباً دکن میں کسی مقام کا نام جہاں کے گھوڑے مشہور تھے۔

[4] [ق: "چھیڑے بغیر..... حال ہی دل کا....] - للی = نامرد۔

[5] بس وہ گیا = یعنی بے کار ہو گیا۔ گیا گذرا۔ ٹھوڑ رہا = اسی جگہ رہ گیا۔ [ق میں شعر ۲، ۳، ۴ نہیں ہیں یا

[6] رابیل اور مدن بان = بیلے کی قسمیں ہیں۔ یہاں رابیل کسی عورت کا نام ہو۔

تیری تو، اِنشا، کبھی بات نہ باور کرے
جامہ پہن کر اگر آوے تو قُرآن کا

(۳)

اللہ کرے سلامت، جم جم رہے یہ بیڑا — ہو جس کے دم قدم سے دنیا کا سب بکھیڑا
. . . . . .
بندی کی دشمنی میں ناحق جو ہوں اِلٰہی — لگ جاوے اُن کے منہ پر از غیب کا تھپیڑا
ٹھنڈک کو انکھڑیوں کی، وہ تر پھلا لگا دو — جس میں کہ آنولے کی پُٹ ہو، نہ ہو بہیڑا

باجی سے اپنی ہنس کر کل وہ پری یہ بولی
کیوں تم نے میرے اِنشاءاللہ خاں کو چھیڑا

(۴)

کروں بستار[۱] کیا اپنی دوگانا کی رکھائی کا — دماغ اگر انھیں میں ٹھس رہا ساری خدائی کا
. . . . . .
وہی جانے کہ کیوں کر بات چیت اُن تک پہنچتی ہے — دوا کا آسرا ہر یاں، بھروسا کچھ نہ دائی کا
بھلا حاصل، جو دیدے[۲] دھوئے دھوئے سات پانی سے — کریاں گھر گھاٹ سب معلوم ہو اُن کی صفائی کا

. . . . . .

. . . . . .

(۵)

چوٹی یہ تری سانپ کی ہو لہر، دوگانا — کھاتی ہوں ترے واسطے میں زہر، دوگانا

---

[۱] بستار = بیان۔

[۲] دیدے یعنی آنکھیں + گھر گھاٹ = کل حقیقت۔

چتون تری بس دیکھتے ہی یا پڑے ہی ۔ دِلّی کی وہی چہل، وہی نہر، دوگانا
نوج ایسے کہیں اور ہوں گھر کھوج مٹے لوگ ۔ سب تاڑ گئی ہی یہ بڑا شہر، دوگانا
بَن بیٹھے ہیں دولھا دُلھن اس وقت جو ہم تم ۔ تو لاکھ روپے کا تو بندھے مہر، دوگانا
میں تجھ سے سمجھ لوں گی بھلا کون ہی انشا
اللہ اری تو ہی[1] بڑی قہر، دوگانا

(۶)

تم نے پر بیتی کہانی تو نبیڑی، انّا ۔ آپ بیتی تو کوئی بات نہ چھیڑی، انّا
پلپلی ٹھیکری اک ڈھونڈ کے لادے جس سے ۔ اپنی رگڑا کروں میں پانو کی ایڑی، انّا
. . . . . .
کُٹ زناخی سے ہوئی دوستی، اچھا تو ہوا ۔ کٹ گئی یعنی مرے پانو کی بیڑی، انّا
نہیں سنگار[2] لیا تو نے، تو پھر انشا نے
میرے دروازے کی کیوں چوکھٹ اکھیڑی، انّا

(۷)

. . . . . .
تھام تھام آپ کو رکھتی ہوں بہت سا لیکن ۔ کیا کہوں، تھم نہیں سکتا مرا اندر[3] والا
اپنے کوٹھے پہ کچھ اس ڈھب سے رنگیلا[4] کہ مری ۔ لے گیا جان اڑا ایک کبوتر والا

---

[1] [ق: "اللہ رے! تو ہی"۔]

[2] پر بیتی: جو دوسروں سے تعلق رکھتی ہو۔ "جگ بیتی" بمقابلہ آپ بیتی کے۔

[3] سنگارنا: اُبھارنا، آراستہ کرنا۔

[4] اندر والا: (غم) دل

[5] رنگیلا: سیٹی بجائی۔ [ق: کچھ اک ڈھب"۔ عربی لفظ "رنگیل" سے اُردو مصدر "رنگیلنا" بنایا ہے۔ ع۔ص]

شیدی عنبر کے جو آنے کا یہ ڈر ہو کہیں — وہی قصہ نہ ہو درپیش صنوبر والا
آدمی زادہ وہ، انشا لے اِن پروں سے
اُڑ گیا ہووے نگوڑا جو کوئی پر والا

۸

آگ لینے کو جو آئیں، تو کہیں لاگ لگا — بی بی ہمسائی نے دی جی میں مرے آگ لگا
نہ بُرا مانے، تو لوں نوچ کوئی مٹھی بھر — بیگماہی تیری کیاری میں ہر اساگ لگا
بیٹھے بیراگن اگر اپنے درختوں میں، تو پھر — پھول اور پھل کی جگہ دے وہیں بیراگ[1] لگا
اُڑ گئی[2] فاختہ کیوں سرو پہ دم دیتی ہو — اجی، اِس کا نہ کچھ اچھا تجھے کھسر ڈاگ لگا
شوق سے سونگھ لے انشا مرے بالوں کا بھبکا
دے خچل خور کے ہونٹوں میں تو اک ناگ لگا

۹

ہائے پھلیل آنسو کے بدلے نکلے نہ کبوتر اس تیرا — چوٹی تلے کا یہ تِل میری آنکھ کے تل میں بیٹھ گیا
جھونک گیا خاک آنکھ میں سب کی ایک بگولا جو آیا — بند توڑا کر، پردے اُڑا کر اِس محمل میں بیٹھ گیا
ہے یہ غیبتی[3] کون سی منزل، اے انشا اِس کا نام بتا
ڈر سا میرے دل کے اندر اِس منزل میں بیٹھ گیا

۱۰

اپنا جو جتاتا ہو ہمیں زور نگوڑا — صدقے اُسے کر ڈالیے۔ در گور، نگوڑا

---

[1] ق میں یہ شعر نہیں ہے۔

[2] اُڑ گئی = کم بخت

[3] غیبتی = بے نصیب، کم بخت

سوتی تھی مزے میں کہ گئی نیند اُچٹ ہائے — کیا جانیے کیسا یہ ہوا شور نگوڑا
جنیاں، یہ سنو اور کہ بو باس پہ میری — پر اپنے ہلاتا ہی ہوا مور نگوڑا[1]
میں چیخ پڑوں کیوں نہ، جو لے چٹکی میں اپنی — ڈالے مسل اُنگلی کی مری پور نگوڑا

ہمسائے میں کونبھل[2] ہوئی کل رات کو انشا
گھس اُن کے زنانے میں گیا چور نگوڑا

فرد

. . . . . .

۱۱

. . . . .

۱۲

بیگما میں جو بُری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟ — پہنے پوشاکِ زری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
تو تو اکٹی نہیں جائے گی مرے عیبوں میں — اری میں عیب بھری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
اپنی بجلی کی سی تو چھب کی خبر لے باجی — گرم میں گو کہ ذری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟[1]
کسی کا باغ تو لوٹا نہیں ہر، میں اپنی — گود پھولوں سے بھری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟
نئے دھانوں کی سی کھینی کی طرح سے اِنشا
ڈہڈہی[2] اور رہری ہوں، تو بھلا تجھ کو کیا؟

۱۳

رنگ ہر آنکھ کی پُتلی میں اُسی کا جھلکا — چھوڑ دُنیا میں دیا جن نے یہ پُتلا کل کا
مشک کی طرح سے گال اپنے پھلاتا کیوں ہر — ارے او سقّے کے لونڈے تو نہ پانی چھلکا
پک رہی ہر یہ جو کھچڑی[3] سی سبھوں میں جن سے — اُس کی اب تک نہ گلی دال، نہ چاونل لٹسکا
ہاتھ آیا، سو ہتیلی سے ہتیلی ملنا
چولھے اور بھاڑ میں جاوے یہ نگوڑا چسکا

۱۴

چبھتی ہر یہ تو نگوڑی مجھے بھاری انگیا — کوئی سادی سی میرے واسطے لاری انگیا
گوکھرو، لہر، نبت، ڈاک، ستارے کیا چیز — اس سے ہو جاتی ہر کم بخت گنواری انگیا
گیند اِک میں نے جو پھینکی تو جھجک کر اُن نے — کچھ عجب ڈول سے کل اپنی سنواری انگیا

---

[1] [ق میں یہ شعر نہیں ہر۔]

[2] ڈہڈہی = شوخ رنگ والی۔

[3] کھچڑی پکنا = چپکے چپکے باتیں ہونا

بی بی مغلانی جو سی لائی تھیں آئی نہ پسند — بیگما جی نے وہ سر اُن کے سے ماری انگیا[1]

. . . . . .

. . . . . .

اور ڈھنی مجھ سے جو بدلی، تو اجی باجی جان — وہ بھی اِک دیکھے جو ہو بھاری سے بھاری انگیا
تھی عجب کوئی سگھڑ جس نے یہ کاڑھے بوٹے — واچھڑے، بن گئی اِک پھولوں کی کیاری انگیا
نوج پہنے کوئی شبنم کی کٹوری، صاحب — تارے یوں ڈوب گئے، ووں کو سدھاری انگیا

. . . . . .

ہاتھ اِنشا کا کہیں چھو جو گیا، تو بولیں
تیرا مقدور، کہ تو چھیڑے ہماری انگیا!

۱۵

تو قیامت بے سری ہر حد بُرا تیرا گلا — خوش نہیں آتا ہمیں، بی فاختہ! یہ چوچلا
روپ آتو کا پکڑ بیٹھے[2] کوئی کالی بلا — تب تو بے سُتے[3] پڑھیں کالو بلا کالو بلا
کیوں پڑا تھلکے نہ جی میرے کلیجے میں بھلا — ہے تمھارا روپ ایسا جیسے سونے کا ڈلا[4]
سیل[5] کے کونڈے اُسی کے آج ہیں کیا اے دوا — ہے چھوٹا سا جو لڑکا تیری گودی کا پلا۔
جان صدقے اُس پری پر یوں کہا جن نے مجھے: — "آپ بیتی کہہ، کہانی کچھ کسی کی مت چلا"

دل میں ایک اِنشا کے چٹکی لے، پرے کو ہٹ گئیں
واچھڑے، معقول یہ کیا تھا بھلا صاحب، بھلا!

۱۶

تم نے جو میرا اوڑھا دوپٹا، ہے یہ دوگانا بات کڈھب
لگتا ہے اِسی میں دونوں کو بٹا، ہے یہ دوگانا بات کڈھب

---

[1] [ق میں شعر ۱۰ نہیں ہیں]

[2] یعنی آتو (اُستانی) کی صورت بنائے ہے۔ [3] بے سُتے = بے تکلف۔ "کالو بلا" یعنی فاواہلی [4] [ق میں اس غزل کا بس ایک یہی شعر ہے]

[5] سیل کے کونڈے = موچھوں کے کونڈے + چھوٹا = بیوقوف۔

ایسی نہ چالیں چل تو، ہی ہی، چاؤ بھری، جو لوگ کہیں:
آپس میں ہر اِن کے سَٹّا[1] ہی یہ دوگانا بات کُڈھب

روکھی پھیکی کڑوی کسیلی، ہوتی ہو جو ہم سے تم
چاہے ہی جی میٹھا کھٹّا[2]، ہی یہ دوگانا بات کُڈھب

ہاتھا پائی خوب نہیں کچھ جانے دو ایسی باتوں کو
لگ گیا میرے مُنہ کو مُنہٹّا[3]، ہی یہ دوگانا بات کڈھب

خط پڑھنے کو ڈیوڑھی کے اوپر چاہیے کوئی بوڑھا سا
اِنشا تو ہی ہٹّا کٹّا، ہی یہ دوگانا بات کڈھب

فرد

پڑ گئے چاہ میں بادل کی طرح لگّے اب — وہ جو لہراتے ہوئے کھیت تھے چھرکے اب[4]

۱۷

لہر[5] میں چوٹی کی تیری، ڈر کے مارے کانپ کانپ
چونک چونک اٹھتی ہوں میں اتوں کو کہ کر سانپ سانپ"

نوج تم کوٹھے پر آتیں، اے بڑی دائی، ایلو
لوگ سب سوتے ہوئے تم نے جگائے ہانپ ہانپ

---

[1] سٹّا = سانبازہ۔ میل ملاپ۔

[2] [ق : چاہتا ہر]

[3] مُنہٹّا = ناخون کا نشان [یا کھرونچا]

[4] یہ شعر صرف م میں ہے۔

[5] "لہر" یعنی خیال۔

کوئی اُنگل، خیر سے، اونچی ہوئی، تو کیا ہوا
قد بڑھایا بیگمانے میرے قد سے ناپ ناپ[1]
تو جو کہتی ہے کہ تجھ کو بھانپتا[2] ہے اِک جنا
کیا ڈرانے مجھ کو لگتی ہے یہ تیری بھانپ بھانپ
ہے بڑا جگرا ترا، اِنشا۔ ارے تو تھہر ہے
کب تلک میں تیرے کرتوتوں کو رکھوں ڈھانپ ڈھانپ

(۱۸)

مردوں سے پرہیز تو مت حُسن ہے پری، کم بخت
اب بھی آ، تو۔ جانے دے۔ درگذر، اری کم بخت
مت اُجڑ گئی سی پڑ، اور غش نہ کھا کھا۔ گر
بے کلی نہ کر، آخر چین لے ذری، کم بخت
چاہ کیا، بڑی دائی، صورت اُس کی کیسی ہے؟
میں نہیں سمجھتی یہ تیری زرگری[3]، کم بخت
ہاتھ میں سدا اپنے رکھیو دل کو اِنشا کے
بات مان، اِسی میں ہے تیری بہتری، کم بخت

(فرد)

تجھے کچھ شرم بھی ہے، بیٹھ پرے، او کم بخت — تاڑ جاویں گے بڑے لوگ، ارے، او کم بخت[4]

---

[1] یعنی ناپ ناپ۔

[2] بھانپتا ہے = تاکتا ہے، بُری نگاہ سے دیکھتا ہے۔

[3] زرگری = ایسی بات چیت جو سمجھ میں نہ آئے۔

[4] [ق میں غزل ۱۸ اور یہ فرد نہیں ہے۔]

(۱۹)

. . . .
. . . .
. . . .

لوگوں کے چرچے کا ہوتا جو تجھے ڈر، اِنشؔا
تیری کیوں آنکھیں بھلا پھوٹ بہیں منہ سے پھوٹ[1]

(۲۰)

بس بلائیں نہ لے مری چٹ چٹ اے دوگانا، تو ایک ہرنٹ کھٹ
سچ کہوں تو ہی جو نہ ہو، تو یہاں چین مجھ کو نہیں کسی کروٹ
مجھے ٹوکے جو رات کو، اُس کا سینہ پوّ کی طرح سے جاوے پھٹ
دم دِلاسا عبث نہ دے، اتنا چل[2] چخی، دور ہو، پرے بھی ہٹ

چوٹ اِک دل کو لگ گئی، اِنشؔا
جب سُنی اُس کے پانو کی آہٹ

(۲۱)

سانسیں یہ ٹھنڈی ٹھنڈی کیا راتوں کو بھرتی ہو عبث
اٹکی کسی سے ہو۔ اجی ہم سے مکرتی ہو عبث[3]

---

[1] [ق: "منہ سے تو پھوٹ" (ردیف)] [2] چل مچے (مچی) حقیر کا کلمہ [بمعنی چل باتیں نہ بنا۔]

[3] [ق میں یہ غزل نہیں ہے۔ ۴ میں بتادیا ہے کہ یہ رجز کے دو دزنوں (۱) مثمن سالم (مستفعلن مستفعلن چار بار) اور (۲) مثمن مطوی مخبون (مفتعلن مفاعلن چار بار) میں پڑھی جاسکتی ہے۔ پھر بھی پہلے مصرعے میں "سانسیں" دوسرے میں "اٹکی کس لکھا ہے۔ ۳ میں ان کے علاوہ چوتھے شعر میں "پھر اس" ہے۔ یہ غلطیاں وزن اور معنی دونوں میں خلل ڈالتی ہیں۔ ع۔ ص۔)]

میری دوگانا اور میں یونہیں ہیں جیسے ریختہ
دونوں کی جانیں ایک ہیں۔ طعنے جو کرتی ہو عبث
کوٹھے پہ پیاری مت پھرو کانٹے بھری ہیں سیڑھیاں
خطرہ لگے ہے کیوں بھلا چڑھتی اُترتی ہو عبث؟
چاہے نہ وہ جو آپ کو کیوں پھر اُسی کو چاہیے
ایسے پہ مرتی ہو عبث، جی سے گذرتی ہو عبث
اِنشا سے ملتی کیوں نہیں غش ہو بھلا، تو دیر کیا؟
جی ہی پہ کھیلی ہو، تو پھر لوگوں سے ڈرتی ہو عبث

۲۲

سارے بھوتوں سے پرے ہے یہ مواخوجا خبیث
مجھ کو گھوراہی کرے ہے یہ مواخوجا خبیث
رات بھر کھانسا کرے ہے نیند آتی ہی نہیں
موت کے اب دن بھرے ہے یہ مواخوجا خبیث
بونٹ کی جو ڈالیاں آئی تھیں باغیں باغ سے
سوگدھا بن کر چرے ہے یہ مواخوجا خبیث
تو تیے کیا جوڑتا ہے، اس کو مجھ تک کھینچ لا
دیکھیو کو کا! ارے، ہے یہ مواخوجا خبیث
بیگما، اِنشا سے تجھ پی نہ کھیلو بس کرو
رشک کے مارے مرے ہے یہ مواخوجا خبیث

۲۳

کوئی چاہت میں کسی شخص کی بدنام ہو نوج
اے دوا جان، وہ کمبخت بُرا کام ہو نوج
روٹھنے دو، جو کوئی روٹھے، دوگانا جنیاں
اُس سے ملنے کا، اجی پھر مجھے پیغام ہو نوج
مردوا مجھ سے کہے ہے چلو آرام کریں
جس کو آرام وہ سمجھے ہے، وہ آرام ہو نوج
آگیا تیری رضائی میں پسینہ مجھ کو
گرم ایسا بھی نگوڑا کوئی حمام ہو نوج

لہ [یہاں "ہیں" چاہیے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ شاعر نے "نہیں" کے آگے ایک "نہ ہو" کو مقدر فرض کر لیا ہو۔ ع۔ ص]

دن دہاڑا ہی رہے جی تو بچے، اے انشا
کلموہی کالی بلا، ہائے وہ پھر شام ہو نوج

۲۴

صدقے اپنے نہ ہو اُس کے کوئی قربان ہو، نوج
ایسے لوگوں کا کسی شخص کو ارمان ہو نوج

یوں اشارے سے کہا مجھ سے خفا سی کیوں ہو
جان اور بوجھ کے ایسی کوئی انجان ہو نوج

پڑھوں لاحول نہ کیوں، ہو ہو تجھے شیطان لگا
لاگو ایسے کے کوئی، اے موئی شیطان ہو نوج

باجی کہتی ہیں کہ اک مردوے پر غش ہو تو
مفت ایسا بھی کسی شخص پہ بہتان ہو نوج

مل کے انشا سے پشیمان ہوئی میں تو بہت
دل لگا کر کوئی ایسے سے پشیمان ہو نوج

۲۵

بیگما چاہ کے دریا کے بڑے پاٹ کو سوچ
بندھڑک پانو نہ دھر پہلے تو گھر گھاٹ کو سوچ

بہے جاتے ہیں پہاڑ، اس میں کہاں تھل بیڑا
دھار تلوار سے بھی تیز ہے، اس کاٹ کو سوچ

اے دوا، یاں سے چلی جا تو دبے پانو ابھی
دیکھ کمبخت کھٹولے کو نہ تو کھاٹ کو سوچ

ٹاٹ کے ٹکڑے پہ کھینچا جو انھیں، تو بولیں
میرے کپڑوں کی طرف دیکھ اور اس ٹاٹ کو سوچ

موتیوں میں انھیں آنکھوں کی ترازو پر تول
ارے انشا نہ تو بنیوں کی طرح باٹ کو سوچ

۲۶

کیا کسی باغ میں ہر آج پڑی سوتی صبح
کیوں مرے سامنے کمبخت نہیں ہوتی صبح

کالے بادل نہ گھر آتے تو ارے، اے لوگو
آبرو آج مری مفت میں کیوں کھوتی صبح

[۴، ۳۴: "نہ کچھ"]

ہیں جو بکھرے ہوئے سبزے پہ تو کیا بھر گودی — لائی تھی تیرے نچھاور کے لیے موتی، صبح؟
پیالیاں گل کی جو دھوئیں تو بلا سے، باجی! — کاش دھبّے کو مرے دل کے بھی کچھ دھوتی صبح
ہر کسی شخص کی اُمید کی کھیتی ہو ہری — بیج ایسا کوئی، مالن! نہیں کیوں بوتی صبح
میری آتو جی یہ بوڑھی ہیں کہ اُن کی گویا — رات، پالی ہوئی جشن ہو یہ اور پوتی صبح

اوس پھولوں پہ پڑے تو نہ سمجھیو، اِنشا
یہ کسی کے لیے ہر آنسوؤں سے روتی صبح

فرد

کیا بلا ہوتی ہے کچھ ایسی ہی دلّی کی طرح[1]
کہ پڑے پھریے جلے پانوں کی بلّی کی طرح

۲۷

کھلکھلاتا ہے مرے آگے جو ہو کر گستاخ — کیا بھلا[2] گل نے نکالی ہے کوئی تازہ شاخ
کان کی لو میں گھسے موٹی سی بالی کیونکر — جس کا ہو سوئی کے ناکے سے بھی نتھا سوراخ
اری ہنس مکھ تو اسے "پھول کلی" کہہ کے پکار — کھلی پڑتی ہے یہ کرتی ہوئی لوگوں سے مزاخ[3]

کرتی ہے تنگ مجھے گھورے ہے کیوں اِنشا کو؟
کیوں ری لونڈی، اری نرگس، اری اودیدہ فراخ[4]

۲۸

بلائیں میں نے جو لیں اُن کی کل چٹاخ پٹاخ — تو کس مزے سے کہا بیگما نے "چل گستاخ!"

---

[1] جلے پاؤں کی بلی (مضطرب۔ بیقرار) عورتوں کے محاورے میں آوارہ گرد عورت۔

[2] [سب نسخوں میں: "بلا"]۔ [3] مزاخ یعنی مذاق (بازاری تلفظ)

[4] دیدہ فراخ = بے شرم۔ بے حیا۔

شب برات جو آئی، تو دیکھیو، انشا
کہ بج رہی ہو پٹاخوں کی کیا چٹاخ پٹاخ

۲۹

میں ترے صدقے گئی، اے مری پیاری، سچ چیخ — مت جگا نیند بھرے لوگوں کو واری، مت چیخ

. . . . . .

اپنا چونڈا[1] نہ ہلا، دُم نہ پھلا، اے بلبل — کہہ دیا میں نے نہیں تجھ کو کہ: ہاں ری، مت چیخ
کیوں مرا مغز پھراتی ہے، اری مینا، چپ — اُڑ گئی، دور بھی ہو، جیسے گنواری مت چیخ

چیخ چنگھاڑ مچاتی ہوئی اِنشا سے نہ مل
بنواب منتیں کر کے تری ہاری، مت چیخ

فرد

میں نے جو حوض میں اک موم کی چھوڑی بطخ
تو لگی دھوم مچانے یہ نگوڑی بطخ

۳۰

. . . . . .

کل کی طرح سے آج نہیں اشرفی بندھی — میرا جو آپ نے یہ ٹٹولا اِزار بند

. . . . . .

تقصیر کیا ہوئی تھی کہ اِنشا پہ رات کو
وہ گچھے دار آپ نے تولا[2] اِزار بند

---

[1] چونڈا نہ ہلا = سر نہ ہلا۔

[2] تولا = یعنی مارنے کے لیے دکھلایا۔

(۳۱)

. . . .

تیرے ازار بند کی کیا بات ہر پری ہو سب ازار بندوں میں چھیلا اِزار بند
بجلی سی ایک کوند گئی اپنی[1] آنکھ میں کالی گھٹا میں تیرا یہ پھیلا اِزار بند

. . . .

. . . .

. . . . . .

. . . . . .

(۳۲)

. . . .

. . . .

ہو ظالم، اے دوگانا، ترے ڈھیلے پائنچے نیفہ گلابی اور وہ نیلا ازار بند
ہو زہر اس میں تو، دو موہے سانپ سے بھی قہر نیفے میں تیرے ہو جو سجیلا اِزار بند

انشا کو اور اپنی نشانی نہ دے، اری
سٹ سے نکال دے نہ یہی لا اِزار بند

(۳۳)

اے دوگانا مجھ سے کشتی کھیلنے کا ہو گھمنڈ تو کیا کر آج ہی سے تو بھی اِک اکیس ڈنڈ
جو پری مہندی[2] لگاوے اس کے باندھے ہاتھ پانو ٹوٹتی کیا کیا مزے ہو یہ موئی شغل ارنڈ

---

[1] [ق: "میری"]

[2] مہندی لگا کے ارنڈ کا پتا باندھتے ہیں۔

تب کہا جاوے اگر دولھا دُلھن ہم عمر ہوں
مل گیا ناکنڈ گھوڑی سے بچھیڑا بھی اکھنڈ

اے بڑی دانی گئی گذری ہوئی باتیں یہ چھیڑ
نوچتی کیوں ہو بھلا اِس دل کے زخموں کے کھرنڈ

. . . . . .

آپ کی گاین کی کیا تعریف کیجے، واہ واہ!
کوئی دھوبی گھاٹ پر جس روپ گاتا ہووے کھنڈ

پھر رہے ہیں اپنی اِن آنکھوں میں اِنشا رات دن
دُہرے دہرے نورتن اور گورے گورے اُن کے ڈنڈ

۳۴

چیلے اِک جوگی کے دیکھے ہم نے ایسے لُنڈ مُنڈ
لوٹ جاویں دیکھ جن کو سینکڑوں پریوں کے جُھنڈ

تم تو کیا ہو، بیگما، ڈنڈوت کرتے ہیں یہاں
سب مہاراجوں کے راجا جی بڑے ہی ہیں جو مُنڈ

ایک محلّی[1] پر خفا ہو کر دوگانا نے کہا
کیا کرے تجھ کو بھلا کوئی ارے اے سوکھے ڈنڈ

سینکڑوں آنکھیں کنھیا بن کے غوطے کھا گئیں
کیوں کر اِنشا ناف کو تیری نہ سمجھے برمّا[2] کُنڈ

۳۵

اجی کس ڈول سے بن جائے ہر گھوڑا، کاغذ
ہم بھی دوڑانے لگیں، لاؤ نہ تھوڑا کاغذ

ادھ مُوا تو نے تو کر ڈالا، بہت سا نوچا،
پر کبوتر نے نہ وہ چونچ سے چھوڑا کاغذ

اپنی انگیا ہی میں رکھتی ہوں دوگانا کا خط
ہو گیا ہے مری چھاتی کا یہ پھوڑا کاغذ

اُس سے کہہ دو کہ نہ بھیجا کرے لکھ لکھ کے ہمیں
مجھے بدنام کرے گا یہ رنگوڑا کاغذ

چھیڑ تو دیکھ، پٹاخے کی طرح، اِنشا نے
یوں دکھا کر مجھے پٹ دینی سے چھوڑا کاغذ

---

[1] محلّی = خواجہ سرا جو محل یعنی زنانے میں آتے جاتے ہیں۔

[2] [یعنی برہما کُنڈ۔]

(۳۶)

جا کے کیلوں میں چھپو سب سے اکیلے ہو کر　　تاڑے کوئی تو تن جائیو کیلے ہو کر

. . . . . .

. . . . . .

(۳۷)

کیا پڑی پھرتی ہے اُس کی ہر طرف رف رف نظر　　ہے پری، براق سا چہرہ کسی کی صف نظر
مارے مستی کے دوگانا جان بھی پس پس گئیں　　آگیا جو گومتی کے منہ پر اُن کو کف نظر
اُن کے ہاتھوں سے دھولینڈی[1] اپنے دل میں ہو گئی　　جن کے ہاتھوں میں وہ آتا ہے سنہری دف نظر
ہیں پری سے ایک جوگی جی، بڑے صاحب کمال　　دور سے آتا ہے جن کا دیکھیو وہ منڈف[2] نظر

وہ جھمکڑا اور ادائیں دیکھ اُس اٹکھیل کی
مجھ کو، انشاؔ، آگئی پریوں کی صف کی صف نظر

(۳۸)

خانمی چاہ ہے وہ جھاڑ پہاڑ　　سینکڑوں گھر کیے ہیں جن نے اُجاڑ
جو مجھے ٹوکے سو، الٰہی کرے،　　ہوتے سوتے[3] کو اپنے کھا وے پھاڑ
تیرے کوٹھے پہ رات، مار کنڈ،　　چھپ رہے تھے ہم ایک منڈیر کی آڑ
ٹوٹ جاوے کہیں یہ تیری چول　　ارے او بے سُرے نگوڑے کواڑ
کس لیے اپنے ساتھ لاتی ہیں　　آپ اِن لونڈیوں کی دھاڑ کی دھاڑ[4]

---

[1] ہولی کا دوسرا دن جب دھول اُڑاتے ہیں۔
[2] منڈف [یعنی منڈپ] جوگی کی جھونپڑی۔ [م: "آتا نظر ہے جن کا وہ منڈف نظر" میں میرا پہلا "نظر" زاید ہے۔ ع۔ص]
[3] ہوتے سوتے (حو) عزیزہ داتارب۔
[4] دھاڑ = انبوہ، فوج۔

کیا کروں، جانتی ہوں، چاہت میں ق لاکھ طرحوں کی ہو اُکھاڑ پچھاڑ
جب تلک ہو سکے، دوگانا جان! کیجے اپنی طرف سے دوڑ دُپاڑ[1]
آگے پھر یا نصیب، یا قسمت جو بدا ہو سنوار، یا کہ بگاڑ

لے چل اِنشا مجھے کھجور تلے
یہ تو ہر مرد، نام اِس کا تاڑ

۳۹

دن میں سو بار بچھا بیٹھیے گر جائے نماز اپنے کرتوتوں سے پر ہم کوئی آتے ہیں باز
. . . . . .
بیگمانے جو کیا جھک کے سلام آتو کو آغا مینا نے سُنائی اُسے یوں ہی آواز
پُوتوں پھلنا تجھے اور دودھوں نہانا[2] ہو نصیب بیاہ ہو سونے کے سہرے سے تری عمر دراز!

بیگما جان، بڑی شرم کی ہے یہ تو بات
گھٹ گئیں بطخے سے انشا کے تمھاری بی قاز

۴۰

کوئی کم بخت ہمارا نہیں ایسا دل سوز کہ ملا دیوے کسی ساتھ ہمیں آج کے روز
گورے دولھا کے لگی ہاتھ دُلھن جو گوری نقرے گھوڑے کے نصیبوں سے ملی گھوڑی بوز[3]
میری طوطی کو پڑھایا کرو، آتو جی، تم خوب بولے گی، اجی، ہے یہ ابھی نو آموز
ٹھہرے گی خوب سی "سُسرا اور پچک" کی لڑکو! آویں گے انڈے لڑانے کو کل آغا نوروز[4]

---

[1] دوڑ دُپاڑ = دوڑ دھوپ = سعی و کوشش۔

[2] "پُوتوں پھلنا دودھوں نہانا" دعا ہے، یعنی بہت سی اولاد ہو۔

[3] بوز تیز گھوڑا = بوزاک تیز اور سفید رنگ کا گھوڑا۔

[4] انڈے لڑانا یہ ایک قسم کی قمار بازی جو نوروز کو ہوا کرتی تھی۔

بھیج دی اُن نے انگوٹھی مجھے فیروزے کی
اس کے یہ معنی کہ ہیں ٹوہ میں خواجہ فیروز
گُل چُپن، یہ جو چمک ساتھ پڑی پھرتی ہے،
شاید اب اِس کا کوئی یار ہوا ہے زردوز

جوں ہی کھینچا تھیں اِنشا نے، تو بس گر ہی پڑیں
اجی، لاحول ولا، تم سی کڑی یہ نابوز[1]

(۴۱)

باجی کی باس میں جو رچی اک جنے کی باس
تو ٹھیک ٹھیک ہو گئی دولھن بنے کی باس
ہیں یہاں دھرے جو پھول پھپولوں کے، اِن کو سونگھ
صدقے گئی تھی، ہے یہ تری سونگھنے کی باس
بٹنا نگوڑا، کہنا بھی، کچھ لفظ ہے بھلا؟
ہم تو یہی کہیں گے، اجی، اُبٹنے کی باس
چاہت کی آگ سے یہ بُجھا دل کہ، اے دوا
گودی میں اپنی بھر گئی بھونے چنے کی باس
اُس پدمنی کی آنکھوں پہ بھونروں کی بھیڑ ہے[2]
ہو گی کسی پری میں نہ اِس ملنے کی باس

پھولوں کی بو بھی پھولی اب اِنشا، جو تو منا
اُن میں سما رہی تھی ترے روٹھنے کی باس

(۴۲)

گود پھولوں سے بھری میری، دوگانا، شاباش
تیری کھیتی ہو ہری، میری دوگانا، شاباش
اوٹ میں اپنی دکھا دے مجھے اُس شخص کو آج
میں ترے صدقے، اری میری دوگانا، شاباش

. . . . . .

پہنی اِنشا کے دکھانے کو جو دھانی پشواز
بن گئی سبز پری میری دوگانا، شاباش

---

[1] نابوز = سُست، کمزور۔

[2] پدمنی = نہایت حسین وجمیل و نازک اندام عورت ۔ پدم (یعنی کنول کے پھول) کے مانند نازک [بھوزا کنول کے پھول پر عاشق سمجھا جاتا ہے۔ ع۔ ص]

(۴۳)

نہیں زیور کی کچھ پھبن پر غش — مَیں تو ہوں تیرے سادہ پن پر غش
آ، اے راہیل، ہو گئی میں آج — گورے گورے ترے بدن پر غش
یوں ہی میں غش ہوئی دوگانا پر — راجہ نل جیسے تھا دمن پر غش
کیا ہی سناٹے کی ہَوا آئی — ہو گئی جان اِس کی "سَن" پر غش

باغ کی سَیر میں ہُوا اِنشاؔ
تیرے پیجامے کے چمن پر غش

(۴۴)

باجی، تم چاہتی ہو بندی سے جیسا اِخلاص
اجی، دو کواریوں میں نوج ہو ایسا اخلاص

نہ بتولے[1] مجھے دو، یہاں سے اُڑ پھُو ہو جاؤ
کس کو کہتے ہیں محبّت، اجی، کیسا اِخلاص؟

اوپری دل سے نہ مل اُن سے جو کھیلیں حرفت[2]
جیسے مُنہ، ویسی تھپیڑ، ایسے کو ویسا اِخلاص

پاس کچھ ہووے، تو چاہت بھی پڑے کچھ معلوم
سچ کہ آندھی ہر، بڑھا دینے کو، پیسا اِخلاص

ہیں یہ دولھا دُلھن اخلاص و محبّت، اِنشاؔ
جیسے جل بخت[3] یہ کم بخت، وہ تیسا اِخلاص

---

[1] بتولے = جھوٹی باتیں۔

[2] حرفت کھیلنا = دھوکے بازی کرنا + جیسا منہ ویسا تھپیڑ۔ محاورہ ہے۔

[3] جل بخت = نصیبہ جلا ہوا۔ یعنی کم بخت، بدنصیب۔ بخنوں جلی = بدنصیب عورت۔

(۴۵)

کام کسی پھول سے یہاں ہو نہ کلی سے غرض
ہو مجھے، اے بیگما، تیری گلی سے غرض

چڑیا[1] کے پھندے چھڑا دے وہی داتا سخی
صدقے گئی، ہو یہی "بندہ علی" سے غرض

اوروں کے سر جا چڑھو مجھ سے نہ بولو دوا
رکھو نہ اُجڑی ہوئی بختوں جلی، سے غرض

خوش نہیں آتا یہاں پان الائچی سُنو
رکھتے ہیں ہم تو ترے مُنہ کی ڈلی سے غرض

آئی ہوں اِنشا فقط میں تو یہاں سیر کو
پھل سے نہ مطلب مجھے کچھ، نہ پھلی سے غرض

(۴۶)

مت دیا کر نت نئے ہر روز، یونہیں دم غلط
چال وہ چل، بیگما، ہو جس میں اپنا غم غلط

چار دن کی چاندنی ہو پھر اندھیرا پاکھ ہو
سچ تو یہ ہے، ہو یہ سارا حُسن کا عالم غلط

آئے وہ، جم جم سے پہنچے مجھ سے مت کہیو ذرا
جانتا دل کی خدا ہے، ہو یہ سب جم جم غلط

دیکھیو یوں کو ذرا قربان ایسے وہم کے
یہ بھی ہو کیا بات جو تم سے کہیں کچھ ہم غلط

اے نہ، صاحب، دخل یہ کیا ہو کہ اِنشا کے سوا
بھید سے اپنے جو کوئی اور ہو محرم، غلط

(۴۷)

کب زنا خی مرے پاس آئی تھی کل رات، غلط
مجھ سے اُس سے ہوئی کس طرح ملاقات، غلط

---

[1] "چڑیا کے پھندے چھڑائے"۔ اشارہ ہے ایک کھیل کی طرف جسے چھوٹی لڑکیاں کھیلتی ہیں۔ اور "تانی تانی پوریاں" کہلاتا ہے۔ اس میں بچے ایک دوسرے کا کان پکڑ کر بیٹھتے ہیں اور تانی تانی پوریاں کہتے جاتے ہیں۔ آخر میں ایک لڑکی کہتی ہے "کوئی اللہ کا بندا" (یا بندۂ علی) چڑیا کا پھندا چھڑا دے۔

چارپائی وہ لگا، پھاند کے، آئی کس راہ
ایسی دیوار بڑی سی! اجی، یہ بات غلط
وہ نگوڑی کوئی چڑیا تھی کہ اُڑ پہنچی یہاں
ہاتھ کیوں کر لگی کھلّی کی اُسے گھات؟ غلط
چٹکیوں میں ہی اُڑا دیویں گی یہ شاگردیں
آتو جی کی کوئی یہاں کٹتی ہر اوقات؟ غلط
فکر کر اپنی تو کس فکر میں ہر، اے اِنشا
ہر لگاوٹ کے سوا سارا طلسمات غلط

(۴۸)

شرط ہر رکھنا لحاظ، اِتنی بھی مت ہو بے لحاظ — سانس مت بھر، اود و گانا، چپلاری، اوبے لحاظ
سمدھنیں آویں گی تیرے دیکھنے کو، بیگیا — اُن کو تو یہاں سے اُٹھا دے ہوویں جو جو بے لحاظ
ہوتے سوتوں سے کہو اپنے ہر خوش، اے واچھڑے! — دال فے ہو یہاں بھلا کہتے ہو کس کو بے لحاظ؟
نین مٹّی[1] اِس قدر بن جایئے، کیا فائدہ؟ — تار سب جاویں گی، بی، اِتنی بھی مت رہیئے لحاظ
صبر کا اِنشا سے مت رکھیو کہیں ہرگز خیال
کچھ لحاظ اُس کو نہیں ہر، ہر وہ اب تب بے لحاظ

(۴۹)

نہیں یہاں کسی آشنا کی توقّع — ہمیں ہر بس اپنے خدا کی توقّع
اُڑنچھو[2] ہوئیں دائی جی تو کبھی کی — رہی اب تو بڑھیا دوا کی توقّع
اجی بی بی سیدانی صدقے گئی تھی — مجھے ہر تمھاری دعا کی توقّع

---

[1] نین مٹّی = جو ذرا ذرا سی بات میں رو دیتی ہو۔

[2] اُڑنچھو ہونا = چل دینا۔ شعبدہ گر لوگ چیزوں کو "چھو منتر" کہہ کے اُڑا دیتے ہیں۔ اسی سے یہ لفظ بنا ہے۔

جنھیں برف و شورہ میسّر نہ ہووے — اُنھیں ہو تو چھوا ہوا کی توقّع
نہ کوٹھے پر آئے کبوتر اُڑانے — گئی ٹوٹ کل بیگما کی توقّع
نہ صاحب، یہ جھوٹوں کے سردار نکلے — نہ رکھے کوئی اِن بچا کی توقّع
پڑی ہو جو مشکل تو کیا ڈر ہے اِنشا
کہ رکھتی ہوں مشکل کشا کی توقّع

(فرد)

ہم نے یہ دیکھا ہر اک میلی کچیلی کا دماغ — ایڑیاں رگڑے جہاں مجنوں کی لیلیٰ کا دماغ

(فرد)

ہر درختوں سے زیادہ اُس کی شاخوں کا دماغ — بڑھ گیا یعنی اناروں سے پٹاخوں کا دماغ

(۵۰)

بیگما جی، ہو یہ چوٹی دار آہوں کا دماغ — ہاتھ جوڑے جن کے آگے بادشاہوں کا دماغ
سینکڑوں ہاتھی کوئی لاوے نہ تو بھی لد سکیں — کم نہیں بادل سے کچھ میرے گناہوں کا دماغ
سُن صنوبر کی کہانی، اے دواجی، بڑھ گیا — اِن نگوڑے حبشیوں، بھتنوں، سیاہوں کا دماغ
اُس پری کی آنکھ میں کوئی سماتا ہی نہیں
قہر ہے اِنشا وہاں تیکھی نگاہوں کا دماغ

(۵۱)

لے، تو جھوٹی ہی کہائی نہ اری بے انصاف — کل بھی وعدے سے نہ آئی نہ اری بے انصاف
شمع کی کو تو مرے دیدوں سے نکلے ہے دیکھ — تو نے یہ جان جلائی نہ اری بے انصاف
دم دلاسے ہی رہے، تو نے بُرائی کے سوا — کچھ نہ کی ہم سے بھلائی نہ اری بے انصاف
اپنی کھٹ چالیوں[1] سے باز نہ آئی، آخر — دم مرا ناک میں لائی نہ اری بے انصاف

---

[1] کھٹ چال = دھوکے بازی۔ مکر و فریب۔

سب سے کہہ دی وہ جو انشا سے سنی تھی تم نے
نہ ہوئی اتنی سمائی نہ، اری بے انصاف

(۵۲)

نہیں جاتی کہیں مہمان، مرے دل کا شوق
تم کو کیا اس سے دوا جان، مرے دل کا شوق

ہار گوٹوں کے یہ مل ڈالوں گی میں پانوؤں تلے
چیر پھیکوں گی یہ دُلیّان، مرے دل کا شوق

بات چیت ایسی طرح کی مجھے آتی ہی نہیں
نہیں اس کا مجھے ارمان، مرے دل کا شوق

طعنے مت دو مجھے ہاں ہاں، اجی ہو جاتی ہوں
جان اور بوجھ کے انجان، مرے دل کا شوق

منتیں مت کرو انشا کی طرف سے اُس پر
میں نہیں کرنے کی احسان، مرے دل کا شوق

(۵۳)

بگیا، چاہ بھی پہاڑ ہے ایک
اس میں اک ٹھنڈی سانس جھاڑ ہے ایک

اپنی آنکھوں میں اُس پری کے بغیر،
شہر آباد اور اُجاڑ ہے ایک

ہم سے کیا اُڑ سکے کوئی، پیاری
لاکھ تاڑوں میں اپنی تاڑ[1] ہے ایک

ہے جو دروازہ وہ دوگانا کا
اُس میں بن چول کا کواڑ ہے ایک

اُس کی زنجیر بھی نہیں لگتی
آگے پھر شرم ہی کی آڑ ہے ایک

لاکھ طرحوں کے ہیں سنوار، انشا
اور یہ نام کو بگاڑ ہے ایک

(۵۴)

میں نے دیکھی ہے اُس کے کان میں لونگ[2]
کیوں خوش آوے نہ مجھ کو پان میں لونگ

---

[1] تاڑنا = ٹھیک اندازہ لگانا۔ [2] کان میں لونگ = خلی کان نہ رکھنے کے لیے عورتیں اکثر تنکا یا لونگ کان کے چھید میں پہن لیتی ہیں۔ اس میں۔

ہر جگائی ہوئی دوالی[1] کی قہر ایک، اُس کے پاندان میں لونگ
کیا ہی جوڑا ملا، جو از غیبی گھُس گئی بن کے اس کے کان میں لونگ

. . . .

میں جھجک اُٹھی، لے کے اِنشا نے
کل چبھا دی جو میری ران میں لونگ

(۵۵)

پڑھ کے کوٹھے، دھوپ میں تم تو اُڑاتی ہو پتنگ اے دوگانا، چاندنی میں یہاں اُڑا جاتا ہو رنگ
گھلی چاندی کی طرح سے ہر تھکتی چاندنی آج کوٹھے پر لگا دو میرے سونے کا پلنگ
بات آتو جی کی کچھ، ہرگز نہیں تو مانتی سچ تو یہ ہر، بیگما، تو نے بُرے سیکھے ہیں ڈھنگ
کیا بھلی لگتی ہر اٹکھیلی کسی کی، واہ وا اور وہ نام خدا اُٹھتی جوانی کی اُمنگ
جان صدقے اُس پری کے، جن نے اِنشا سے کہا
اب ترے ہاتھوں سے یہ بندی بہت آئی بتنگ

(فرد)

بیگما، جس طرح ہوتی ہر جوانی کی اُمنگ
تو اسی ڈھب سے سمجھ دِلّی کے پانی کی اُمنگ

(۵۶)

. . . .

کیا چیز ہر جو دھیان میں اپنے نہیں، اری ہوں پات پات میں بھی اگر تو ہر ڈال ڈال

. . . .

---

[1] دوالی کی جگائی ہوئی = یعنی پڑھی ہوئی لونگ ۔ جادو کی لونگ ۔

تکیوں کو دھر کے اپنی بدل اُٹھ پلنگ سے — اپنا لحاف اُن پہ اُڑھا اُن پہ شال ڈال

. . . . . .

یارب لگائی آگ ہو جس نے یہ بیر کی — پانی کی دیگ میں اُسے لے کر اُبال ڈال
ہولی میں جوگن ایسی بنی وہ کہ جس کو دیکھ — آزاد لوگ بھول گئے اپنی چال ڈال

. . . . . .

میں صدقے تیرے، تو مرے نالوں کی راہ سے — جتنا بھرا ہو دل میں دھواں سب نکال ڈال
ہرگز غبار دل میں کچھ انشا سے تو نہ رکھ
سینے کی آرسی[1] کو نہ خی، اُجال ڈال

۵۷

ارے بی، ایک ہی عیّار ہو تم — ناک چوٹی میں گرفتار ہو تم
چھیڑ کی بات سوا اور نہیں — لینے لڑنے ہی پہ تیّار ہو تم
کس سے اِقرار ہوا، جو ہم سے — کرتی ہر بات پہ انکار ہو تم
بیٹھتے پاس نہیں جو آ کر، — کیا مری شکل سے بیزار ہو تم
سچ نہ بولے کبھو انشا سے، چلو
اجی سب جھوٹوں کے سردار ہو تم

۵۸

ہر اِن دنوں میں اُن کی جو آواز ڈوک میں[2] — تو کھُر دُھراہٹ اور ہی ہر نوک چوک میں
باجی، نکالے ہاتھ دوشالے سے کون اب — پانی پلا دے تو ہی مجھے اپنی اوک میں
تیزی، کٹیلی آنکھ میں ہر بیگما کی جو، — سو دھار میں چھری کی، نہ چاکو کی نوک میں

---

[1] سینے کی آرسی یعنی دل + اُجالنا = زیور کا چمکانا۔

[2] آواز ڈوک میں ہونا = سن بلوغ کو پہنچنے پر آدمی کی آواز کا کچھ بھاری پڑ جانا۔ نوک چوک = طعن آمیز باتیں۔

ہر مست باس کی جو دوگانا میں اِک بھنک — سو دخل کیا کہ ہو جو کسی مست بوک[1] میں
دربان ہر وہ ایک نگوڑا، سو عمر بھر — میری اصیل[2] ہی کی رہا روک ٹوک میں
باھن کے لڑکے کھول کے پوتھی بچار تو — مجھ سی پری بھی ہوگی کوئی اِندر[3] لوک میں؟

انشا کی بات چیت میں جو چھیڑ چھاڑ ہے
سو لذت النسا میں کہیں ہے، نہ کوک[4] میں

۵۹

میں تو کچھ کھیلی نہیں ہوں ایسی کچی گولیاں[5] — جو نہ سمجھوں بی زناخی جی تمھاری بولیاں
سنہ بنائے بیگما ہے تو پڑی پھرتی ہیں آج — ٹھنڈی سانسیں بھرتیاں، اُس کی کی ہچولیاں
انتظاری میں تری کل باغ سے جو رنڈیاں — لائیاں تو پھول نرگس ہی کے بھر بھر جھولیاں
بس کہیں چپکی بھی ہو ایسی کوئی نوے کروڑ — جیب میں میری بھری ہیں بولیاں اور ٹھولیاں
کیا کسی کے درد سمجھیں رنڈیاں یہاں کی، اجی — ٹھوس ہیں اوپر سے، اور اندر کے دل سے پولیاں
پائنچے ڈھیلے[6] قبائیں سب نے کیں اب ٹھیک ٹھاک — اڑ گئے وہ لمبے دامن اور اونچی چولیاں
کچھ نہیں معلوم، پوچھو کون سا میلا ہے آج — جاتیاں ہیں جو کھچا کھچ ڈولیوں پر ڈولیاں

مطلب انشا کا سمجھتیں ہی نہیں، اے واہ رے
بیگمیں اور خانمیں ہیں ایسی ہی تو بھولیاں

---

[1] بھنک = بھنکی بو۔ بوک = جوان بکرا۔

[2] اصیل = لونڈی۔

[3] اِندر = دیوتاؤں کا راجا، اندر لوک = اندر کا مقام حکومت۔ یہاں پرستان مراد ہے۔

[4] کوک = کوک شاستر = "کوک شاستر" اور "لذت النسا" کتابوں کے نام ہیں

[5] کچی گولیاں کھیلنا = ناواقف ناتجربہ کار ہونا۔ [م: نہ "سمجھوں گی زناخی جان"]

[6] اس شعر سے انشا کے زمانے اور نیز اُس کے قبل کا طرز لباس معلوم ہوتا ہے۔

فرد

پھولوں کے اِن دنوں میں لچھن سے جھڑ پڑے ہیں
شاید کہ اُس پری کے دامن سے جھڑ پڑے ہیں

۶۰

تھیں تو پردے والیاں مجھ کو "پرے ہٹ" بولتیں
اُنگلیاں تھیں پر سبھوں کی دل سے چٹ چٹ بولتیں

تھی کھلی کنڈی تو کیا تھا، تھا سہارا ہاتھ کا
کچھ نہ کچھ چولیں کواڑوں کی تو چٹ پٹ بولتیں؛

یا نہیں، تم سچ کہو اے یہ بھی ہوتا پھر بھلا
بطخیں، سوتیں تمھاری، کیوں نہ منہ پھٹ بولتیں (ق)

بیگمانے لے لیا شیشہ، تو ساری کاسیں ؛
کیا صراحی بن کے ہیں اُس سے غٹاغٹ بولتیں

تاک کے سائے میں آکر بیٹھ پائیں باغ میں
بلبلیں ہیں سُن کے اِنشا تیری آہٹ بولتیں

فرد

کل دو گانا بن جو پریاں باغ میں گھبرا گئیں تاک پر سب اُن کی چوٹی دار آہیں چھا گئیں

فرد

کیا ترے سر آ چڑھے چاروں کے چاروں لاماں! شاہ دریا، شیخ سدّو، زین خاں، ننھے میاں[1]

---

[1] یہ چاروں نام اُن فرضی اشخاص کے ہیں جو عورتوں کے سر پر آتے ہیں۔

فرد

سوتنیں کم بخت وہ، جو بیر دوڑاتی رہیں
اُن سے آخر کیا ہوا؟ اپنا کیا پاتی رہیں

۶۱

ارے دل کچھ انھیں تیری خبر نہیں — تری چاہت میں نگوڑے اثر نہیں[1]
نہ کروں شکوہ شکایت سو کیوں بھلا — میری حالت پہ تجھے کچھ نظر نہیں
جو کبھی ایک گھڑی "ہاں" بھی ہوگئی — تو رہی پھر وہی دو دو پہر "نہیں"
جو کہا میں نے کہ غش ہوں، تو وہ ہنسی — یہ لگی کہنے کہ کچھ اس کا ڈر نہیں
ابھی اُڑ لا گیے قازوں اسی کی طرح
یہی افسوس ہے، انشا، کہ پر نہیں

۶۲

کیا یہ چھڑ کھانی کی باتیں آکے ہم سے چھیڑیاں — سینکڑوں تم سے یہاں رگڑا کیے ہیں ایڑیاں
قید سے چاہت کی لگا کھا[2] سکے تو کچھ وہی — پانوؤں میں ہوں جس کے کوئی لاکھ من کی بیڑیاں

۶۳

مدھ میں جوبن کے بھری ہیں یہ جو لونڈوں گھیریاں — لیتیاں ہیں صحن اور کوٹھوں پہ سو چک پھیریاں
سب کی سب کھڑ گنجیاں، ساری کی ساری ڈھیریاں — دیکھ لیں بس ہم نے رانی جی، تمھاری چیریاں[3]

---

[1] غزل ۶۱ بحر غریب مسدس مخبون (فعلاتن فعلاتن مفاعلن) میں ہے اور مقطع غزل کے پہلے مصرعے کی تقطیع یوں ہوگی:
"ابھ اُڑ لا | گیے قازوں | و کی طرح"۔
+ [ہی] اضافہ کرنا وزن کے لیے ضروری ہے۔ ع۔ ص۔]
[2] لگا کھانا = مقابل ہونا۔ [3] ڈھیری بھینگی، احول، چشم۔ چیری: لونڈی۔

(۶۴)

نظر آویں ہیں اُس میں پڑھنے کے گُن — جسے کھیل میں بھی لگی ہو یہی دُھن:
الف دو زبر اَ، دو زیر اِ، دو پیش اُ — سو نامِ خدا بیگا ہے، اری سُن
سنی تھی کسی سے جو بحرِ تقارُب — اُسے کر لیا گھنگروؤں کا تفنّن
کہ تولے ہے اپنے سبق پر، یہ کہہ کر: — "فعولن، فعولن، فعولن، فعولن"

کرم عام ایسے یہ تینوں کہ اِنشا
تصدّق ہوا اِن پر تنبورے کی ننّ سُن

(۶۵)

بلا سے اگر آئی ہولی، کہارو — نہ مجھ سے کرو بولی ٹھولی، کہارو
کہا میں نے ہنس کر: بھلا کیا کروں میں — تو ہنس کر کے اُن نے ٹھٹولی، کہارو
مٹک چال چلنے پہ مت مان کیجو — کہ حاضر ہے اپنی مجھولی[ع]، کہارو
کناری گلی کیسی کیا لال ہوتی — یہ کس گانو کی ہے گی بولی، کہارو
ٹکے، پیسے، صدقے کیے کیا بلا ہیں — روپے دوں گی میں بھر کے جھولی، کہارو

مجھے چپکے پہنچا دو اِنشا کے گھر تک
نہ پوچھو کہ "کے پیسے ڈولی" کہارو

(۶۶)

نگوڑی چاہت کو کیوں سمیٹا، عبث کی جھک جھوری[ل] جھیلنے کو
دوگانا، پڑ جائے ٹھپکی، ایسی تمھاری اٹکھیل کھیلنے کو

ع مجھولی = [نہ بہت بڑی نہ بہت چھوٹی۔ یہاں] ایک قسم کی ہیلی [مراد ہے]۔

ل جھک جھوری = (یہ لفظ گیتوں میں آتا ہے) اٹھا پٹائی۔ نوچ کھسوٹ۔ دھینگا مشتی۔

ہزار فوجوں کو جو کہ ریلیں، کہیں گے ہم تو نہ مرد اُن کو
اری، تو جگرا سراہ اُن کا کہ جا دیں پریوں کے ریلنے کو
ڈھکیل دینے سے تیرے کوکا، لچک سی اُن کی کمر میں آئی
بلا سمیٹے اور آگ لگ جائے ایسے تیرے ڈھکیلنے کو
پھسل پڑی جو گلاب اُن پر، جو چونکی آتو، تو یوں ہی بولی
گئی تھی میں ہو کے خوب پیاسی گھڑوں سے پانی اُنڈیلنے کو
نصیب جاگیں گے، بیگما جی، تو میں بھی ایک رتجگا کروں گی
ابھی تو، اِنشا کے ہاتھ سے، یاں پڑے ہیں پاپڑ سے بیلنے کو

(۶۷)

بات وہ لایئے، کم بخت، جو چت چاہی[1] ہو — اجی، بس جاؤ بھی، کچھ تم تو بڑی واہی ہو
پھر جو بول اُٹھوں گی کچھ میں، تو یہ طعنے دو گی — قہر ایسا نہ کرو تم ابھی بن بیاہی ہو
آپا، تحفہ وہ جو بڑھیا ہے اُس کی انگیا — تب سیون ساری کی ساری ہی جو اک لاہی ہو
بوڑھا چونڈا نہ ہلا، موم کی مریم، اے شمع — چل ری چل، صبح ہوئی، اب تو کہیں راہی ہو
دیکھ لینا تو مجھے آج سے اِنشا اللہ
ضد سے آتو کی، وہاں بیٹھوں، جہاں ہاہی[2] ہو

(۶۸)

. . . . . — . . . . . .
تم بڑی قہر ہو، اے باجی جان — فوج تم سی کوئی چھتیسی ہو
. . . . . — . . . . . .

---

[1] چت چاہی = دل پسند۔ * م: "لگیں گے"

[2] ہاہی = ہنسی دل لگی مذاق کی باتیں۔ ہی ہی ہا ہا۔

یعنی چت پٹ کی اُسی سے ٹھہرے — کھیلنے والی جو پچیسی[1] ہو
اوڑھنی سبز ہو اس کے ہی لیے — جو کہ پھٹ جانے میں کائی سی ہو

. . . . . .

وہی انشاؔ سے ملا دے مجھ کو
میری چاہت میں جو باجی سی ہو

۶۹

جی ہی کچھ رکھتی نہیں دھڑ میں نری پولی ہو تو — اے دوا فرہاد کُش بڑھیا کی ہم جولی ہو تو
ہو ترے مُنہ کا اگال اس پیٹ کا میرے ادھار — میری خاطر کیوں منگاتی پان کی ڈھولی ہو تو
بات دنیا کی سمجھتی ہی نہیں، نامِ خدا — دیکھیو میری طرف۔ کیا خوب بی بھولی ہو تو
سننا جاتا ہو جی اپنا، دوگانا، اُس گھڑی — گھر کے جانے کو منگاتی جس گھڑی ڈولی ہو تو

دھر مکٹ انشاؔ کے سر کہ "بجے کنھیا لال کی"
بن کھڑی ہو رادھکا جو کھیلتی ہولی ہو تو

۷۰

اری موتی[2] ادھر آ تو — کہ سکھائے ہُنر آ تو
رہ گئی دیکھ اُنھیں کل — پکڑ اپنا جگر آ تو
ماریے کیا ہی کُدکے[3] — جاوے اپنے، جو گھر آ تو
کیجیے کیا ہی انندیں — دیوے چھٹی[4] اگر آ تو
مرے دل کی بھی خبر ہو — تجھے اے بے خبر آ تو
کوئی کم بخت نہ ہوگی — کہیں تجھ سی کنٹر[5] آ تو

کیا ہو گر انشاؔ تجھے ہاں[6]
دیکھ لے پھر نظر آ تو

---

[1] کُدکے = اچھل کود۔ [2] = بچی سی۔ [3] = تیاں۔

(۷۱)

اِدھر آؤ، نہ ستاؤ　　پاس اپنے، نہ بلاؤ
ہو جہاں خوش، وہیں جاؤ　　چٹکیوں میں نہ اُڑاؤ
آگ دل میں، نہ لگاؤ
بس نہ اِنشا کو کڑھاؤ

(۷۲)

کوئی نہیں آس پاس، خوف نہیں کچھ　　ہوتی ہو کیوں بے حواس؟ خوف نہیں کچھ
یہ نہیں فتنے کا عطر، جس سے کہ ڈر ہو　　آتی ہر پھولوں کی باس، خوف نہیں کچھ
کچھ یہ نہیں چوکیدار جس سے جھجک ہو　　ٹیلا ہے اور اُس پہ گھاس، خوف نہیں کچھ
آؤ چلی میرے ساتھ سادھے ہوئے دم　　کچھ نہ کرو تم ہراس، خوف نہیں کچھ
باندھیو، اِنشا، نہ دھیان آگ دھوئیں کا
پھولے ہوئے ہیں پلاس[1]، خوف نہیں کچھ

(۷۳)

نہ کہیو پھر، نہ کی "اللہ اللہ"[2]　　اجی، اُستاد جی، اللہ اللہ
اے لو، تم نے مری کیا چڑ نکالی؟　　یہ کیا ہر گھڑی "اللہ اللہ"
تمھاری دولت[3] اب تو ہو گئی ہے　　نہ تھی جن سے کبھی اللہ اللہ
اجی، اِنشا کو صد تم نے ستایا
یہی تھی منصفی؟ اللہ اللہ!

---

[1] ایک پیڑ جس پر لاکھ کے کیڑے رہتے ہیں۔ [2] اللہ اللہ = سلام۔ بندگی۔
[3] تمھاری دولت = تمھاری بدولت۔

(۷۴)

یہ گھٹا رات کو چھائی کہ الٰہی توبہ
مینہ نے وہ آنکھ[1] دکھائی کہ الٰہی توبہ

بیگما، راہ میں آج ایک پری نے مجھ سے
آنکھ ایسی ہی لڑائی کہ الٰہی توبہ

پھول کی ایک کلی، چونچ میں اپنی لے کر
دُم یہ بلبل نے پھلائی کہ الٰہی توبہ

کیوں نہ جی وجد کرے، آکے دوگانا جی نے
کنکلی ایسی ہر گائی کہ الٰہی توبہ

تیری فریاد کروں کس سے، زنا خی، تو نے
یہ مری جان جلائی کہ الٰہی توبہ

خوب اب جاگ چکیں، رات کو جو آتے ہی
تم نے لی ایسی جمھائی کہ الٰہی توبہ

میرے مُنہ سے جو کہیں نام سُنا انشا کا
تو نے یہ دھوم مچائی کہ الٰہی توبہ

(۷۵)

مَیں ترے[2] صدقے نہ رکھ، اے مری پیاری روزہ
بندی رکھ لے گی، ترے بدلے ہزاری روزہ

نمش اور برف کے کوزوں کی ہوئی تیاری
آج کس شخص کی رکھے گی دُلاری روزہ

بولی، نرگس کی جو کیاری میں نہ دیکھا پانی:
ہر ہماری سی طرح تجھ کو بھی کیاری، روزہ

دن دہاڑا ہے ابھی۔ رات کو انشا اللہ
تیرے قربان گئی ہو مجھے، واری، روزہ

(۷۶)

کلی دِل کی بھلا کیوں چٹکیوں میں تو مسل ڈالے
یہ دونوں پھول جیسے ہونٹ تیرے کوئی مَل ڈالے

گلوری پان کی جو کھا رہی ہے اُس سے کہتا ہوں
نہ رکھے بات کچھ جی میں، بھری ہو سو اُگل ڈالے

---

[1] آنکھ دکھلانا = دوڑنا۔

[2] اس غزل کی شان نزول آب حیات میں بیان کی گئی ہے۔

فضیحت کا نگوڑا ہر گھڑی کیوں پینا پیسے[1]
بڑا دانا جو ہو، چکی میں کیا چھوٹوں کو دل ڈالے

بڑائی میرے ٹھینگے پر۔ خدائی رات میں میں نے
بڑے ایسے بہت سارے کر مٹھائی بیچ تل ڈالے

مجھے ڈر ہے بچھیڑا ایک جو ہے ناکند سا پھرتا
مبادا، اے دواجی، وہ کہیں تم کو کھند ل ڈالے[2]

غلیلا[3] پھر اُسے کریال کا کیوں کر نہ ٹھہرا دیں
نگوڑی باؤلی چڑیاں، مزے میں جو خلل ڈالے

دوگانا مدھ میں جوبن کی بھری، وہ وقت آپہونچا
کہ کوئی پھول اُس کی گود میں، کوئی لا کے پھل ڈالے

اری تو اُبلی ہی پڑتی ہے مارے جھل[4] کے اے رنڈی
خدا ایسی بھی دیدوں میں کسی کے نوچ جھل ڈالے

بھلا ہوتا نہیں دنیا میں رسموں کے بدلنے سے
جو اپنی خیر چاہے سو تری نیت بدل ڈالے

گھڑی جیسے فرنگی بولتی ہے، دل بھی ہو یوں ہی
یہ خطرہ ہے کہ تو کوئی بگاڑ اس کی نہ کل ڈالے

کسی کوٹھے کے لگے پردہ ہے جو اک درخت اِلشّا
اِکھٹے تین چار اُس میں سے آئے ہیں نکل ڈالے[5]

۷۷

کل ایک گھر میں خوب سے چھوٹے بڑے لڑے
ہاتھوں سے ہاتھ اور کڑوں سے کڑے لڑے

چھلنی سے چھاجھ، چھاجھ سے چھلنی اُلجھ گئی
مٹکوں سے مٹکے ٹوٹے، گھڑوں سے گھڑے لڑے

لڑکوں سے لڑکے چمٹے، جوانوں سے سب جوان
بڈھوں سے بڈھے کڑ بڑوں سے کڑبڑے لڑے[6]

جھونٹوں سے جھونٹے گتھ پڑے، چوٹوں سے چوٹیاں
بیٹھوں سے بیٹھے لپٹے کھڑوں سے کھڑے لڑے

حقّوں سے حقّے، چلموں سے چلمیں بھی ٹوٹیاں
نیچوں سے نیچے گڑ گڑوں[7] سے گڑ گڑے لڑے

---

[1] فضیحت کا پینا پیسے یعنی برابر فضیحت کئے جائے۔

[2] کھند لنا = پیروں سے روندنا۔

[3] کریال میں غلّا یا غلیلا مارنا = عین خوشی یا مزے کے موقعے پر مزاحم ہونا۔

[4] جھل = غصّہ۔ خواہش جماع (بازاری)

[5] ڈالے جمع ہو ڈالا کی۔ ڈالا = موٹی شاخ۔

[6] کڑ بڑا = اوسط عمر کا آدمی ادھیڑ۔

[7] گڑ گڑا = ایک قسم کا حقہ۔

جب تُل گئی لڑائی ترازو کی تول میں　　باٹوں سے باٹ پھوٹے دھڑوں سے دھڑے لڑے
اِنشاؔ یہ دیدے اپنے بھی اِس دھوم دھام میں
دیدوں سے ایک شخص کے ہو کر کڑے لڑے

۷۸

جو ہم کو چاہے، اُس کا خدا نت بھلا کرے　　دودھوں نہائے اور وہ پوتوں پھلا کرے
روٹھے ہوئے کو کس طرح جا کر منائیے　　مِنّت کسی نگوڑے کی، اپنی بَلا کرے
جُھلسا[1] ہو اُس کے مُنہ کو جو چاہت کا نام لے　　اِس دل کی آنچ میں کوئی گب تک جلا کرے
کچھ دوڑ تجھ سے بھی نہ ہوئی، چل چنی دوا　　وہ اُڑ گئی جو کوئی ترا ار تلا کرے
افسوس، اُس خیال میں جو جی میں رچ گیا　　دونوں یہ ہاتھ کوئی کہاں تک مَلا کرے
دائی کے دشمنوں کو نکالے موئی اصیل　　کچھ جا کے بد دُعا نہ کہیں کلکلا کرے[2]
آواز بجھ رہی[3] ہو جو دو گانا کی آج ہی
اِنشاؔ سے کوئی کہہ دے اُس کا گلا کرے

۷۹

جو دل کی آرسی کو ہماری جلا کرے　　اُس کا کنول خدا کی طرف سے کھلا کرے
کیا نیند آوے اُس کو یہ پھولوں کی پنکھیا　　جب تک نہ زور سے مُنہ پر ہلا کرے
ہوں اُلٹی ٹانگیں[4] اُس کی اُسی کے گلے میں جھٹ　　جو کوئی اُن سے جا کے ہمارا گِلا کرے
بندی کی وہ جو ٹوہ میں ہوں، اے مرے خدا　　اِک مست ہاتھی غیب سے اُن پر پلا کرے

---

[1] مُنہ کو جھلسا = عورتوں کا کوسنا۔

[2] کلکلا کے بد دعا کرنا = دانت بھینچ کر بد دعا کرنا۔

[3] آواز بجھنا = آواز کم ہونا + آواز بیٹھنا + گلا کرنا = گلے کا علاج کرنا جس طرح دائیاں چھوٹے بچوں کا گلا ٹھیک کرتی ہیں۔

[4] الٹی ٹانگیں گلے میں پڑنا = جو شخص کسی کی خرابی کا خواہشمند ہو اُس کی خود خرابی ہونا۔

کچھ بندھ باندھ[1] ایسی طرح کا، کہ اے دوا
اِنشا اب اوکے چوکے تو ہم سے ملا کرے

۸۰

چلو سیر باغ کو بیگما ہوئے ہیں درخت ہرے بھرے
وہ جو تاک ہیں سو نشے میں ہیں نہیں کوئی اور دے پرے
اری لونڈوں گھیر لو جا چھپو کہیں حبشیوں کو نہ جانیو
کہ یہ چھوٹے چھوٹے سے بچے ہیں یہ تو چھوکرے ہیں دے پرے[2]
یہ جو گائنیں ہیں اِنھیں، دو اُتو خدا کے واسطے دے سُنا
کہ نگوڑی دُون کے سُر میں جا کوئی سانس یہاں بھرے ارے
جو گناہ کر کے پھر آوے، تو اُسے ایسی آنکھ دکھایئے
کہ رہے جہان میں جب تلک وہ قصور پھر نہ کرے ڈرے

نہ یہ حال لال پری سے کہہ، نہ تو زین خانِ دِلی سے کہہ
ارے اِنشا اپنے ہی جی سے کہہ کہ کسی پہ دِل نہ دھرے ڈرے

۸۱

ہزاروں دیوبوں کو یہاں کی پریوں نے تتاڑا[3] ہے
نہیں یہ لکھنؤ اِک راجا اندر کا اکھاڑا ہے
چھوا ہے کچھ نہ چھیڑا ہے کسی نے اب تلک اِن کو
ابھی سے بیگما جی نے بھلا کیوں مُنہ بگاڑا ہے
خدا اُن کو اُجاڑے ہاتھ سے اِن باغبانوں کے
جنھوں نے اِس موئی بُلبل کے کھونڈے[4] کو اجاڑا ہے
رضائی شال کی اوڑھیں چلیں ہم تم چھپر کھٹ میں
ہوائیں ٹھنڈی ٹھنڈی آ رہی ہیں، خوب جاڑا ہے
گرایا کل دوگانا کو جو میں نے کھیل کر کُشتی
تو کو کا یوں پکار اُٹھی "پچھاڑا ہے، پچھاڑا ہے"[5]
بھلا باتیں کرے کوئی کہاں تم سے جہاں دیکھو
تمھارے ساتھ اک پٹھا ہوا دھاڑے کا[6] دھاڑا ہے

---

[1] بندھ باندھ = ایسی ترکیب کر، اوکے چوکے = بھولے چوکے۔

[2] [اس شعر کا متن درست نہیں معلوم ہوتا۔ ع۔ ص]

[3] [م: "پچھاڑا"۔]

[4] کھونڈا یا کھوندھا = گھونسلا۔

[5] دھاڑے کا دھاڑا = غول کا غول۔ ساتھیوں کی کثرت۔

نہیں بھاتا نگوڑے بادلے کا یہاں یہ سنگیرہ — اجی اس چاندنی کی سیر ہو اور بس نواڑا ہو[1]
اُسی نے پی لیا ہو عاشقوں کی جان کا لوہو — وہ جو گردن کے ڈورے ساتھ لپٹا سُرخ ناڑا ہو
جو سوچا خوب سایں نے تو اُن کی دوستی کا ڈھب — نہ سیدھا ہو، نہ ترچھا ہو، نہ ٹیڑھا ہو، نہ آڑا ہو

بھپارا[2] اگر خُلطے کا نہ دیجے آپ انشا کو
تکلف برطرف صاحب کو اُس نے خوب تاڑا ہو

فرد

اِس گھڑی اِک دھیان میں ہوں آپ کے من[3] بولتی
ڈر لگے ہو پر بہت ہی راز سن بولتی

فرد

گوشت اک گاڑی بھرا لے کر جو چک پھپیاسی[4] ہو
ناک ہو کوڑا سی اُس کی جان، سوٹیا سی ہو

فرد

کیا چڑھے دھیان کسی شخص کی کنگھی چوٹی
ہو مرے پانو تلے لال پری کی چوٹی

۸۲

یہ کیا تجھے ہو خواہی نہ خواہی — مجھ سے یہ بکنا واہی تباہی

---

[1] نواڑا = پرتکلف کشتی، ہوا کھانے کا بجرا۔
[2] بھپارا = جھوٹا وعدہ، جھانسا۔
[3] من بولتی دل کی بات۔
[4] چک پھپیا = چکی کا سا پاٹ۔ کوڑا = بڑی کوڑی۔ ٹیٹا ایک قسم کی چھوٹی کوڑی۔

انگیا دوا کی تب تو بنے اِک ساری کی ساری ہووے جو لاہی
طوفان تم نے مجھ پر جو باندھا کوئی بھی دے گا اِس کی گواہی؟
میری بدی میں جو کوئی ہووے اُس سے سمجھ لے تو ہی، الٰہی!
دشمن جو میری تھی اِک جنی وہ ازغیبی آئی اُس پر تباہی
ہم نے نباہی تم سے تو، پیارے! لیکن نہ تم نے مطلق نباہی
اِنشا نے بھی اب تلوار باندھی
کیا خوب، اے واہ! ایسا سپاہی

(۸۳)

بس مرا سر نہ کھا، ارے! دور ہو، چل چچی! پرے
سیر کا ہے مزا، ابھی کھیت ہیں سب ہرے بھرے
کوئی نادان[1] ہووے، تو تیری باتوں پہ دل دھرے
تو ہی بتا یہ، اے صنم کوئی اب تجھ سے کیا کرے
دیکھ اِنشا مجھے، بھلا
سانس ٹھنڈی نہ کیوں بھرے

(۸۴)

وہ تو کسی میں نہیں، آپ میں جو بات ہے جھوٹ جو بولوں، تو یہ تاروں بھری رات ہے[2]
پڑتی ہے مینہ کی پھوار، نیند میں سب لوگ ہیں ایسے میں آجایئے زور ہی کچھ گھات ہے
تم بھی کوئی ہو، اجی، کن نے کہا، آدمی واجھڑے کیا پوچھنا، آپ کی جو ذات ہے
سینک سے پارا بھرا پیٹ میں کوڑی کے اور میں نے یہ اُن سے کہا یہ بھی تو اِک بات ہے

---

[1] [تلفظ: "نادان"۔ ع۔ ص]

[2] "تاروں بھری رات" عورتوں کی قسم۔

دل کی خوشی کے لیے سنیے کچھ انشا سے آپ
بات میں اُس کی بھری ایک کرامات ہے

۸۵

لیلیٰ کے آگے کیا وہ مجنوں کی آہ شغل ۔۔۔ سر مونڈی ایک لونڈی سو ناک کان کاٹی

۸۶

اوکے چوکے تو کبھی چونک[1] کی بھی سیر رہے ۔۔۔ اور کیا؟ دولھا بہادر! دموں کی خیر رہے
اپنوں کی جتنی، اجی ہم نے تو اپنایت کی ۔۔۔ پھر یہ قسمت کہ وہی غیر کے ہم غیر رہے
تیرنا چاہ کی ندی میں ترا کام نہیں ۔۔۔ جس کی قسمت میں کہ لکھا تھا وہی تیر رہے

۸۷

کیوں گھچل پڑیے نہ ہی روپ پہ کچھ اُن کا تو ۔۔۔ سونے روپے کو گلا دیوے سُہاگا جیسے
یوں ہی ہر بات میں بولا کرو "شکر سروا" ۔۔۔ ابھی "آغا" کو بہک کر کہا "آگا" جیسے
کوئی اللہ کرے چھینک پڑے جلدی سے ۔۔۔ وہ چھپر کھٹ میں تو ہی چھوڑ کے بھاگا جیسے
میں تو دو کھا نہیں گانے کو ترے پر یہ کہا ۔۔۔ تال سُر سم سے جو گاوے تو بھلا گا جیسے
گائیں گاویں امیروں کے گھروں میں نہ کہو ۔۔۔ قائیں قائیں آ کے کریں صبح کو کاگا جیسے

ڈھال تلوار لیے لانگ چڑھائے انشا
مجھ سے یوں رات بلا ہو کوئی ناگا جیسے

---

[1] چونک یعنی چوک، لکھنؤ کا مشہور بازار ۔ یہ پورا شعر ایک مد کیے افیونی قسم کی زبان سے ہے جو "چوک" کو ناک میں "چونک" بولتا ہے ۔ "دولھا بہادر" اور دموں کی خیر بھی انھیں لوگوں کی زبانی ہے ۔

۸۸

یہ اتفاق ہر نہ بنے، یا بنی رہے
پر آدمی کو چاہیے دل تو غنی رہے

روٹھی ہوئی ہی وہ تو گئی، پر یہ سوچ ہر
یہ کیونکے ہو کہ یوں ہی منے تو منی رہے

مانگوں گی آدھی رات کو سر کھول کر دعا
آمیں کے کہنے کے لیے اور اک جنی رہے

نواب دولھا شیر بہادر وزیر کی
جم جم سے ملکوں ملکوں میں نت رونقی رہے

دولت بنی ہو اور سعادت علی بنا
یارب بنی بنے میں ہمیشہ بنی رہے

قائم رہے وہ چاند سا مکھڑا جہان میں
اُس کا بُرا جو چیتے اُسے جانکنی رہے

جم جم وہ آنکھ اُس کی جو برچھی سے تیز ہے
دشمن کے دل میں چبھتی اُسی کی انی رہے

ہمت کبھی نہ ہاریے انشا، یہ چاہیے
جو بات دل میں ٹھن گئی، بس وہ ٹھنی رہے

۸۹

دُنیا ایدھر کی گو اُدھر ہو جائے
بڈھے خوجے کی کس طرح خو جائے

وہ ہی اب تُخم سے کھیلے پچیسی
جان ٹیاں سی اپنی جو کھو جائے

مُنہ سے ٹک پھوٹ تو، انار کلی
اری کس طرح تیری تُو تو جائے

ہر جو کوٹھے تلے کھڑا اُس کو
ٹھنڈے ٹھنڈے کہو کہ گھر کو جائے

کہہ کہانی تو ایسی ہی، انشا
جس میں آتو نگوڑی یہ سو جائے

۹۰

آج وہ بات سہی جس میں تری کل کل جائے
کیا کروں لیکن اگر کوئی مہینا ٹل جائے

یوں لگی لو سے، چوپڑ میں جو ہاری وہ پری
ستی ہو جائے دُمن مرترا راجا نل جائے

ڈھلتی پھرتی ہوئی اِس چھاؤں پہ جو اِترا دیں — حق کرے تیری طرح اُن کا بھی جوبن ڈھل جائے
آہ کی لَو، جو مرے جیوڑے[1] سے نکلے، باجی — شمع یہ بختوں جلی کیوں نہ بھلا جل جائے

. . . . . .

. . . . . .

۹۱

سیدھے لوگوں سے بھی رکھتی ہو کجی، بی سِتّی[2] — کیا بُری خو ہی تمھاری بھی، اجی بی سِتّی
آئے اب تک نہ مرے دوست یہ کیا قہر ہوا — اے لو، اب صبح کی نوبت بھی بجی، بی سِتّی
کوئی بیچا ہو، تو اِس وقت تصدّق ہو جائے — اوڑھنی زرد عجب تم پہ سجی، بی سِتّی
چشم بد دور، قصابہ یہ تمھارا، اے واہ! — گرم کتنی ہوا جی، اوچھی جی! بی سِتّی

اجی، اِنشا کو نہیں دھیان ہمارا مطلق
آبرو ہم نے عبث اپنی تجی، بی سِتّی

۹۲

کہہ گئی مجھ سے دوگانا کی بہن جو چھٹکی — تو بس اِن چاہ بھرے لوگوں نے مجھ سے کٹ کی
پڑ گیا نیل مرے گال میں کیا قہر ہوا — ارے کم بخت نگوڑے پڑے تجھ پر پٹکی
دُبلی پتلی ہوں مرے تو نہ پہنیو کپڑے — اری او جان، اری خیلا، اری او مٹکی!
میں نے لی اِتنی سی سبزی کہیں پیچھے جا کر — پہلے باجی ہی نے معجون کی کھائی غٹکی

. . . . . .

. . . . . .

---

[1] جیوڑا (عو) جی۔ نہ۔ میری۔

[2] [سِتّی "عربی لہجے میں مخفف ہو "سیّدتی" یا "سیدتی" کا یعنی "میری سیّدہ" شاہان مغلیہ کی بیگمات میں سے بعض بیگموں کا نام "بی سِتّی بیگم" تھا۔ ع۔ س]

۹۳

کوئی کچی ہو گئے ہر بات کا پکا تجھے
گر پڑے تو اوندھے منہ شیطان کا دھکا[1] تجھے

کوئی چمگادڑ سا حاجی ہو نگوڑا اڑ گیا
آئے دوا، جو اب دکھاوے کاٹھ کا مکا[2] تجھے

"کون جیتا، کون ہارا" یہ تو پچیسی مچی
اے زناخی، پو پڑی میری تئیں، چھکا[3] تجھے

اٹھتی کوپل، اور چاہت، بیگا، کیا قہر ہے؟
چاند جیسا لگ گیا بے ڈول یہ لکا[4] تجھے

چپکے دینی کھول کنڈی، لینا انشا کو بلا
ڈر بھلا کیا چاہیے دربان بوبک[5] کا تجھے

۹۴

سچ کہوں، بات جو بری نہ لگے
کیا وہ کتی[6] کہ جوں چھری نہ لگے

کیا وہ پنجیری سیلی بیلی، اجی
جو کہ ہونٹوں میں بھربھری نہ لگے

آغا میناں، اجڑ گئی تجھ کو
چاہیے کوئی بے سری نہ لگے

چودھری جی، چلے وہ کیا گاڑی
کبھی پہیوں میں جو دھری نہ لگے

ڈر یہی ہے کہ میرے پیچھے، دوا
یہ نگوڑی اکل کھری نہ لگے

میر انشا وہ ہے کہ رستم کی
جس سے ہرگز بہادری نہ لگے

---

[1] شیطان کا دھکا = از قسم سزا۔

[2] خانہ کعبہ کی نقل، لکڑی کی بنی ہوئی جو مکھنیں دکھاتی پھرتی ہیں۔

[3] لکا = دھبا۔

[4] بوبک = بوڑھا بے وقوف۔

[5] کتی = دو دھاری تلوار، "کتی" اس کی تصغیر۔

۹۵

رات بھر اپنا ترستا ہی رہا جی، باجی
اب تو نوبت بجی اُٹھو، اجی باجی، باجی

صدقے آواز کے تیری جو پکارا میں نے
تو عجب آن سے کچھ تو نے کہا "جی" "باجی"

ہے سلیقہ تجھے اِتنا کہ نظر آتی ہے
پادشاز ادی ترے سامنے پاجی، باجی

اے لو اِس کوٹھری میں میرے ڈرانے کے لیے
ایک عبا اوڑھ کے بن بیٹھی ہیں حاجی، باجی

کر دیا تو نے خفا مجھ سے مرے اِنشا کو
تیری یہ راج کرے، شوخ مزاجی باجی

۹۶

چُبھتی ہے یہ نگوڑی مُسلسل کی اوڑھنی
لادے وہی دوا، مجھے ململ کی اوڑھنی

بِن سر ڈھپے ہوئے تجھے کیا چاہیے بھلا؟
بوٹے سے قد پہ اِس بڑے آنچل کی اوڑھنی

کوکا جی، دیکھو میری دوگانا پہ کیا پھبی
پشواز اُودی اور چھلا جھسل کی اوڑھنی

اِس اُودی اوڑھنی کی تو گاتی نہ باندھیو
بن جائے گی یہ، کوٹھری کاجل کی اوڑھنی

.....

.....

فرد

جو مخالف تھی چمن کی، وہ ہوا ساری گئی
لے نہ اے نرگس خوشی کر، تیری بیماری گئی

۹۷

چونچ کیا ہو، جو کسی سے کوئی ہر روز ملے
چاہیے ہفتے میں دل سوز سے دل سوز ملے

لے کاجل کی کوٹھری = لفظی معنی جہاں کاجل پارا جائے یعنی ایسا مقام جہاں جانے سے سیاہ دھبا (یعنی بدنامی) لگ جانے کا اندیشہ ہو۔

کیوں نہ ہتنی سی پھرے اوڑھ کے زردوزی جھول
وہ بندوڑ[1] آج کہ تم سا جسے زردوز ملے

جیسی ہیں بوزقراگوز کی صورت آپا
انھیں گھوڑا بھی کوئی بوزقراگوز ملے

تم کو تو دھیان یہی آٹھ پہر ہے کہ مجھے
نت نیا روز ہر اِک[2] ماہ شب افروز ملے

ہر مثل وہ کہ پرانا جو ملے، تو سو روز
اور وہ جو کہ نیا ہووے، سو نوروز ملے

نہیں اندر سے اگر شور ملا، تو اِنشا
منہ بنائے ہوئے پھر کیوں میاں فیروز ملے

فرد

کیا غضب ہے تری چتون میں، پری! آگ بھری
تو بھی کچھ قہر ہے اللہ اری، بھاگ بھری

رُباعیاں

۱

اے بی بی، ہیں شاندار بھائی تیرے
صدقے قربان جائے دائی تیرے

وہ چال نہ چل کہ نام رکھے کوئی
بے ڈول یہ ہیں دیدے ہوائی تیرے

۲

ناحق ناحق مجھے جلاتی کیوں ہے
گھر میں مرے آگ لینے آتی کیوں ہے

آئی، تو نہیں ٹھہرتی۔ یہ رنجش ہے
بے فائدہ یہاں تو آتی جاتی کیوں ہے

---

[1] بندوڑ = باندی کی تحقیر۔

[2] [یعنی "ہر روز، اِک"]

۳

جھانکا تو نہ کر عبث فضیحت ہوگی
آتو یہ سُنے گی، تو قباحت ہوگی
چالیں یہ چھوڑ دے نہیں تو ناحق
اک روز بڑی تری فضیحت ہوگی

قطعے

۱

دودھ میں خوب گھول نوسادر
اُس سے لکھیے جو ایک کاغذ پر
حرف جب سوکھیں، پونچھیے ایسا
کہ نہ معلوم ہووے لکھے وہ کدھر
سادہ کاغذ دکھائی دیوے گا
اے دوگانا، یہ مجھ سے سیکھ ہنر
آگ پر سیکنے کے ساتھ اُس میں
آئیں گے کالے کالے حرف اُبھر
یہ کرامات دیکھ کر، جاتی
تو کہہ اُٹھے گی حف کسی کی نظر

ہم نے بھیجے ہیں اپنے انشا پاس
لکھ کے ایسی طرح کے خط اکثر

۲

لگا دے شمع کے پیندے پہ شیشے کا چپٹا
سہارا کھاتا ہوا اور اس کو حوض میں چھوڑ
جلے گی وہ موئی جوں جوں اُبھرتی آوے گی
نہ ڈوبے گی نہ بجھے گی، نہیں گے سارے ہنوڑ

۳

کھینچ گودا دیا سلائی کا
سینک مضبوط سی کوئی لے کر

کر کے خالی چنوں کے مہروں کو
اُس کے گودے کو اِس سلیقے سے بھر

کہ نہ معلوم ہو بناوٹ کچھ
بدلے اوروں سے شربت کچھ اِس پر

کہ ابھی اُگتے ہیں چنے، دیکھو
رکھ دے ایک تہ میں خاک کے اندر

اور پانی چھڑک دے تھوڑ سا
پڑھ کے کچھ جھوٹ موٹ چھو منتر

اُن چنوں سے وہیں سرک دینی
پھوٹ نکلیں گی کونپلیں باہر

(۴)

لکھیے جو خط عرق سے لیموں کے
سادہ معلوم ہووے گا بس خیر

آگ پر دھرتے زعفرانی حرف
نکل آویں گے۔ ہے عجائب سیر

(۵)

مشفقا، مدظلہُ العالی
بعد اظہارِ اشتیاق و نیاز

ملتمس یہ کہ خط جو لکھ بھیجیں
تو اُسے چاہیے کوئی ہمراز

سو تو کم بخت ٹھنڈی سانس سوا
اور اپنا نہیں کوئی دم ساز

دل پہ جو ہے، سو جانتا ہے اُسے
پاک پروردگارِ بندہ نواز

(۶)

جی نگوڑا ترس گیا، ہے ہے!
اب تو سننے کو آپ کی آواز

اُڑ گئی شمع لے کہاں پایا
وہ جو ہے ہم میں ایک سوز و گداز

کڑھیو پچھیو نہ تم سفر میں، کہیں
اور پڑھا کیجو پانچ وقت نماز

عمر کو تہ سفر کی ہے مشہور
چلنے والے کی عمر ہے، سو دراز

واقعی سچ کہا ہے اِنشا نے
بیچ دنیا کے ہے نشیب و فراز

۷

دم بدم جھوٹ کے یہ مفت بھپارے دے کر
کیوں کلیجے میں مرے آگ پکاتے ہو تم
غیب سے آن کے جھلسا لگے اِس چاہت کو
کس لیے آ کے بھلا اور جلاتے ہو تم
بھیرویں ہو، نہ یہ بھیروں، نہ الہیا، نہ للت
چیز جب دیکھو تو کچھ اپنی ہی گاتے ہو تم
یعنی معقول، چہ خوش، واہ رے کیا خوب، اے لو
چٹکیوں میں مجھے بھی اب تو اڑاتے ہو تم
کہہ کے سمجھوں گی بھلا تجھ سے میں اِنشاءاللہ
کیا کیا میں نے جو ہر روز ڈراتے ہو تم

۸

خانِ سموّ المکان، سلّمہٗ ربّہٗ
آپ کو معلوم ہو بعد نیاز و سلام
فضلِ الٰہی سے یہاں اور تو سب خیر ہے
کٹتی ہے اچھی طرح، شکر ہے اُس کا مدام
لیکن، اجی کیا کہئے، کہنے کے قابل نہیں
اب تو جدائی کے ہاتھ زیست ہوئی ہے حرام
دل میں ٹھوکے سے کچھ لگتے ہیں آٹھوں پہر
کوئی اُسے کس طرح رکھے بھلا تھام تھام
روز جو وعدے کے تھے گنتے ہی گنتے انھیں
اُنگلیوں کے پوروے سوج گئے ہیں تمام
پردۂ دوری کہیں بیچ سے اُٹھ جائے جلد
پردہ نشینوں کی ہے اب یہ دعا صبح و شام
کرتی ہیں ہجولیاں باغ تماشے کی سیر
اُن میں مچی رہتی ہے اپنے وہی دھوم دھام
اِس میں جو روتے ہوئے دیکھ کسی نے لیا
تو یہ بہانا کہ ہے رات سے ہم کو زکام
بیتیں ہیں اِنشا کی، اور اپنی صبحی وہی
اِس کے سوا اِن دنوں کچھ نہیں بندی کو کام

۹

میرزا صاحبِ الطاف نشاں سلّمہٗ
بعد اظہارِ تمنّا یہ، اجی، ہو معلوم

اِتنی مدت سے سدھارے یہ بھی خط لکھا ہم کو ایک پیسے کے کاغذ سے بھی رکھا حرف

(۱۰)

گڑ سے لکھے جو ایک وصلی پر اور سکھاوے وہ لفظ اے پیارے!
کوئلے سے ملے یہ وصلی کو کہ وہ کالے ہوں حرف بھی سارے
دھر کے وہ وصلی ایک تختی پر چھینٹے پانی کے خوب سے مارے
حرف اِنشا وہیں سفید سفید
چمک اٹھیں گے جس طرح تارے

(۱۱)

لکھیے جو چونے سے کچھ ایک کسی فرد پر اور سکھا کر اُسے خوب مٹا دیجے
فرد تو سادی ہی پھر سب کو نظر آوے گی ڈال کے پانی میں پھر سیر دکھا دیجے
صاف اُبھر آویں گے حرف چمکتے سفید اپنی کرامات کی دھوم مچا دیجے

(۱۲)

عرقِ لیموں آدھے شیشے میں کہہ دے اِک آدمی سے بھر لاوے
اُس میں اِک چٹکی بھر کفِ دریا پیس کر جھپوڑ دے تو اے پیارے!
اُبل آوے گا وہ عرق مُنہ تک سانپ کی طرح مار فنکارے
یہ عجائب طلسم ہے اِنشا
دیکھ جس کو بھچک رہیں سارے

مستزاد[1]

(۱)

نسبت وہ جو آرام سے ہے ہاتھ کو، سو کیا؟ — کچھ سوچ کے تبلائیے۔ ہے اُس میں کلائی

(۲)

نوبت کو ترے نام سے ہے میل یہ کیسا؟ — مت کر تو اچنبھا، کہہ دے، اری، باجی

(۳)

وہ کون سی ہے چیز کہ ان جانوروں سے — اک ہے اُسے نسبت اور جی نہیں اُس میں
کپڑوں کے پروں سے جو بنی سونے کی چڑیا — یعنے تری انگیا، اے جانِ زناخی!

(۴)

کوکا جی، بھلا یہ کہو تھی کون سی نسبت — کس واسطے کل کیوں، آنکھوں پہ تمھاری
جو لوٹ گیا دیکھ کے کل پُتلیوں والا — کرنے میں تماشا، اُس میں یہی پُتلی

(۵)

کل کر کے ٹھٹولی، وہ پری مجھ سے یہ بولی — دن رات سے نسبت، کیونکر نہ تجھے ہو؟
تولا تجھے اِن آنکھوں کے کانٹے میں تو ٹھہرا — تولا کہ ہے ماشا، دیکھا یہ تماشا؟

---

[1] اب آگے کچھ پہیلیاں [illegible] مستزاد دی جاتی ہیں۔ اِن کے جواب جلی حروف میں دیے گئے ہیں۔

۶

جھنڈے سے بھلا دھان کو ہو کون سی نسبت — فرمایئے صاحب، اِس کو بھی نہ سمجھے؟
لو بوجھ چکے، اور بس اب کھایئے خشکا — ہو جب کہ پھریرا۔ لو اب بھی نہ سمجھے؟

۷

ہو مَردُوں کے ناموں میں خط سے کسے نسبت — پر اُس سے کہ جس بِن، کچھ کام نہ ہووے
پہلے وہ لکھا جائے، بنے جبکہ لفافہ — ہو یہ ترے اِنشاءاللہ کی خوبی

۸

تالاب میں تیرا کرے دن رات جو چڑیا — کیا ہو وہ بھلا جی؟ بوجھو تو پہیلی
ہر شخص اُسے دیکھ کے نہوڑا دے سر اپنا — یہ چال انوکھی، ہو قبلہ نما کی

۹

جا بیگموں کے مُنہ لگی ایک کالی سی حبشن — دو نا کرے جو بن وہ کیا اری سوسن؟
لوہے کی جنی ہووے، اُسے سب کہیں تانبا — صورت میں پری سی، وہ یعنی کہ رستی

۱۰

تاروں کی بنائی ہوئی اک ناگنی ایسی — سر جس کا سُنہرا، ایک رات میں ظالم
پی جاوے جو تالاب بھی اک سارے کا سارا — یعنے کہ جلائے ہو تو جو، وہ بتی

۱۱

اندھیارے میں جو پیٹ سے ہو کون بھلا وہ؟ — جھٹ جَن پڑے وہ ہیں، جب پاوے اُجالا

لڑکا جو نگوڑا جنے سو بھوت سے کالا　　اے وائی جنائی پر چھائیں ارے بی

مستزاد خماسی

(۱۲)

میرے بھاگ کے کل رات جو دیوا نہ جاتی گُنڈی ہلاتی جاگ نہ جگاتی نیند اُس کو نہ آتی جوبن کی وہ ماتی تیوری نہ ہلاتی
اور چٹکیوں میں میرے تئیں صبح اُڑاتی ہاتھوں پہ نچاتی گاتی نہ بجاتی کھلے کو نکھاتی پھر تو نہ ہلاتی سو سوہلے گاتی

(۱۳)

وہ کون جسے یوں سے اُدھر دیکھو تو چکو　　دہیڑ، نہ وہ اُلّو۔ آگے ہی سے آکر
گھر والے کے آنے کی خبر ہو وہ سناتا　　مت بھول دوانی۔ کوّا، اری جانی

(۱۴)

ہو کون درخت ایک کہ باون تو پھل اُس کے　　اور پھول سو اُنسٹھ، پر چار ہیں پتّے
ماتھے پہ لگا چاند ہو، اور ٹھڈی پہ تارا　　دنیا میں الٰہی، قائم رہے اُس کے

(۱۵)

وہ کیا ہو، سفنقور کو لگّا نہ ہو اُس سے　　دکھلائی نہ دیوے، پر دھوم مچا دے
کہتے ہوں بھلے لوگ جسے جان چٹاخا　　سو کیا کہ وہ مچھّی[1]، واللہ کہ اچھّی

---

[1] مچھّی = (بازاری) بوسہ۔

باہتمام عبدالمجید اسرار کریمی پریس الہ آباد　　(کتبہ نذیر احمد الہ آبادی)